کلیاتِ رام

یعنی

خمخانۂ رام

مشمولہ سوانح عمریٔ رام

خُم دوم یعنی جلد دوم

شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ

بار سوئم ایک ہزار

قیمت { قسم ادنیٰ – ۲/ روپیہ ۸ آنہ
قسم اعلیٰ – ۳ روپیہ ۸ آنہ }

Revised Price Rs 4/9

اوم

خمخانۂ رام

یعنی

کُلّیاتِ رام

خُم دُوم یعنی جلد دُوم

مشمولہ مفصّل سوانح عمریٔ رام

مرتبہ

شری آر۔ ایس۔ نارائن سوامی شاگرد رشید شری سوامی رام تیرتھ جی مہاراج

جسے

شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ نے

ابراہیم پریس لکھنؤ میں طبع کرایا

بار سوم ۱۰۰۰ جون سنہ ۱۹۲۳ء

291.4391
KHA
Accession No. 18585
Date 4.10.2007
12 MAR 1995

اردو شاعری ۔ دواوین و کلیات

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۵	دھرم سار	دھرم شالہ
۹	۸	سلم	تعلیم
۲۴	۱۴	عرض	غرض
۲۷	۲	فعل	فیل
۳۰	۱۲	برکھو	پربھو
۴۸	۱۳	دا ایال	والاخیال
۴۹	۱۸	قم	تقم
۶۶	۱۲	چندات	پنڈت
۹۲	۸	پڑنے کا	پڑنے کو
۹۴	۱۸	نداخیل	مداخل
۹۵	۲	سے	کے
۹۵	۴	پنے	اپنے
۱۰۰	۱۶	دنیامیں	دنیانہیں
۱۰۳	۱۲	بخش	بچش
۱۰۴	۷	بجواہی	ہی خواہی
۱۱۱	۱۳	ڈگ	لوگ
۱۱۳	۶	دھرم	دھرم
۱۱۴	۱	مشلقہ	متعلقہ
۱۸۱	۱۴	زبیاں	ازمیاں
۱۸۸	۱۹	نیک	سینگ
۱۹۱	۲۰	ہاک	ہاک کا
۲۶۶	۱۹	بھشاد	برشا
۲۱۹	۶	جنگلوں	جنگلوں میں
۲۲۵	۹	laogh	laugh
۲۴۹	۸	قطر	قطرے
۲۸۵	۵	پڑا	پڑا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۹۰	۱۲	چندان	چندون
۳۰۸	۱۱	جنگل ہی یا جنگل	جنگل ہی میں جنگل
۳۲۱	۸	گھاڑھا	گاڑھا
۴۴۵	۱۶	کو	تو کو
۴۴۶	۱۵	کس	کسی
۴۴۸	۱۰	بھر	بھرا
۴۵۰	۳	ہر دہ	ہر دیکھو دہ
۴۵۲	۳	صورت گر	صورت گرے
۴۵۳	۱۸	نے لوٹ	بے لوٹ
۴۵۴	۲	تن میں	تن من
۴۵۵	۱۷	ہر کام	ہر اک کام
۴۸۶	آخری سطر	اگر	مگر
۵۰۶	۹	آنجھو	انجھو
۵۱۷	۵	پھنلوں	پھنکوں
۵۱۷	آخری سطر سے ایک سطر اوپر	جاگ	بھاگ
۵۱۷	آخری سطر سے ایک سطر اوپر	بھاگ کا	بھاگ جا
۵۲۰	۳	ہی میں	ہی
۵۳۰	۶	[illegible]	[illegible]
۵۳۱	۲	ڈولیاں	ڈوکیاں
۵۳۵	۱۶	سہرو تال	سہس تروتال
۵۳۵	۱۸	Sir John Eliot	
۵۳۶	۲۰		
۵۳۷	۶	جتھو	[illegible]
۵۴۷	۹	تیز	تیزی
۵۵۶	۳	چین	چیں
۵۵۹	۱۹	چیں	چیں ہ

شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ کے مختصر قواعد

اس انجمن کے اغراض و مقاصد یہ ہیں

(۱) کہ بہم پہنچانا شری سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کی تصانیف لیکچر اور سوانح عمری کو خصوصاً۔

(ب) اور دیگر تصانیف کو جو ان کی تلقین کے موافق ہوں عموماً عمدہ وضع قطع میں مضامین کی اصلیت و تصحیح کو قائم رکھتے ہوئے شائع اور کم از کم قیمت پر فروخت کیا جائے۔

انجمن ہذا میں وہ اصحاب کہ جو سوامی رام تیرتھ جی کی تعلیم کے متعلد ہوں۔ بطور

(۱) مربی (۲) ممبر (۳) ہمدرد کے شریک ہو سکتے ہیں۔

(۱) جو اصحاب مبلغ ایک ہزار روپیہ یکمشت یا زیادہ سے زیادہ دس قسطوں میں تاریخ درخواست سے ۱۲ ماہ کے اندر اندر عطا فرمائیں گے وہ کل زر عطیہ کی وصولیابی پر انجمن میں بطور مربی کے داخل کیے جائینگے۔

(۲) جو اصحاب مبلغ دو سو روپیہ یکمشت یا زیادہ سے زیادہ دس قسطوں میں تاریخ درخواست سے ۱۲ ماہ کے اندر اندر ادا کرینگے وہ انجمن میں کل زر عطیہ کی وصولیابی پر بطور ممبر کے داخل کیے جاویں گے۔

(۳) جو اصحاب پچیس روپیہ یکمشت یا زیادہ سے زیادہ پانچ قسطوں میں تاریخ درخواست سے ۱۲ ماہ کے اندر اندر ادا کریں گے وہ انجمن میں بطور [illegible] ہمدرد کے داخل کیے جائیں گے۔

داخل شدہ عطیہ دہندگان کو اپنے زر عطیہ پر پانچ فی صدی سالانہ کے حساب سے لیگ کی طبع شدہ کتب کو بلا قیمت تا زندگی ہر سال لینے کا حق حاصل ہوگا۔

مفصل فہرست قوانین لیگ سے براہ مہربانی منگوا کر دیکھیں۔

منیجر

شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ

شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ گو وقتاً فوقتاً اپنی کتابیں مستحق لوگوں و لائبریریوں (خیراتی پستکالاؤں) کو مفت تقسیم کیا کرتی ہے۔ لیکن اب دھرم مورتی و نیک دل اصحاب کو اس دھرم کاریہ میں ہاتھ بٹانے کا موقعہ دینے کے لیے "لیگ" نے یہ طے کر دیا ہے کہ جو حضرات اس مدعا سے ایک مستقل رقم "لیگ" کے پاس جمع کر دیں گے۔ لیگ اُس کے سود سے (جو چھ فی صدی تک ہوگا) ہر سال اُن کے نام سے کتابیں برابر تقسیم کرتی رہے گی۔ امید کی جاتی ہے کہ فیاض دل اصحاب خوشی سے اس نیک کام میں ہاتھ بٹائیں گے اور اس طرح ناموری و ثواب ہر دو سے بہرہ مند ہوں گے۔

المشتہر

رامیشور سہائے سنہا

آنریری سکریٹری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ

چند الفاظ

نہایت خوشی کا مقام ہے کہ شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ کو ہندی و انگریزی تصانیفِ رام کی اشاعت کا بھاری کام ہوتے ہوئے بھی کتاب ہذا کی اشاعت دوم کو نئی شکل و نام اور نرالی وضع قطع میں شائع کرنے کا اور پبلک تک پہونچانے کا مبارک موقع حاصل ہوا۔ کتاب ہذا کی خوبی تو اپنے نام سے ہی اظہر من الشمس ہے کیونکہ قدرت کے برگزیدہ رُکن اور پاک ہستی شہنشاہ رام کی زندگی کے حالات جتنے ہی پہلوؤں سے پیش نظر کیے جاویں اتنی ہی زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور یہ صاف ظاہر ہے کہ سوامی رام جیسے عارفِ کامل۔ عالم باعمل سچے صوفی اور خدا رسیدہ کی شخصیت کے بارہ میں جس قدر معلومات مہیا ہوں۔ وہ طالبانِ حقیقت کے لیے جامِ سُرور کا کام دیتی ہیں اور گمراہوں کے لیے سچا رہنما ثابت ہوتی ہیں۔ خاصکر اُن کی اپنی قلم سے قلمبند کیے ہوئے ذاتی تجربے تو نہ صرف دلچسپی ہی رکھتے ہیں بلکہ طالبانِ حق کی مایوسی کے لیے تیغ قاطع مریضانِ حق کے لیے داروئے شفا اور راہ نوردانِ محبت کو منزلِ مقصود تک پہونچانے کے لیے مرشدِ کامل کا کام بھی دیتے ہیں۔

سب سے پہلے لیگ مذکور نے اس پاک ہستی (رام) کے تمام کلام و تحریرات کو معہ مختصر حالاتِ زندگی کے ہندی زبان میں مسلسل ۲۰ حصوں میں شائع کیا۔ اس کے بعد اُن کی انگریزی تقاریر و تحریرات کو چار جلدوں[1] میں شائع کیا۔ اور اُردو میں ابھی تک کئی وجوں سے صرف چار کتب (۱۔ خمخانۂ رام یعنی کلیاتِ رام جلد اول ۔ ۲۔ رام برشا۔ ۳۔ رام پتر اور ۔ ۴۔ مختصر سوانح عمری رام) ہی شائع ہو سکیں۔ وجہ خاصکر یہ کہ لیگ مذکور کا فنڈ زیادہ تر ہندی و انگریزی تقاریر و تصانیفِ رام کی لگاتار اشاعت میں صرف ہو گیا تھا۔ کیونکہ لیگ کا وچار تھا

---

[1] اب وہ آٹھ جلدوں میں طابع ہو رہی ہیں۔ شانتی پرکاش

کہ ان ہر دو زبانوں میں سوامی رام کا ایک ایک لفظ شائع کر دینے کے بعد اُردو اشاعت کا کام ہاتھ میں لیا جاوے گا۔ لیکن ابھی ہندی اشاعت ختم ہوئی ہی تھی اور انگریزی اشاعت ابھی مکمل ہونے نہ پائی تھی کہ اُردو دان رام پیاروں نے چاروں طرف سے اپنی آواز بلند کی۔ اور بدیں مضمون اُن سے پے در پے درخواستیں و محبت بھری التجائیں بھی آنے لگیں کہ "جس طرح سوامی رام کے ایک ایک لفظ کو (جو لیکچر۔ اپدیش۔ آرٹیکل۔ نظم و خط کی شکل میں اُن سے بہا تھا) ہندی زبان میں شائع کر دیا گیا ہے اور جس طرح وہ سب اب انگریزی زبان میں باسلسلہ نکل رہا ہے۔ اسی طرح اُردو زبان میں بھی اُن کا ایک ایک لفظ جلد شائع کر دیا جاوے اور اس میں دیر اب ذرا سی بھی نہ کی جاوے کیونکہ بیتابیٔ دل حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے" تو ایسی آواز اور التجاؤں کے موصول ہونے پر لیگ کو لاچار ہو کر انگریزی اشاعت کے ساتھ ساتھ اُردو اشاعت بھی ہاتھ میں لینی پڑی اور روپیہ کی کمی ہونے سے مجبوراً اُدھار رقم لے کر اس اہم کام کو شروع کرنا پڑا تاکہ بے تابیٔ دل اُردو دان رام پیاروں کو زیادہ ستانے نہ پائے ❊

بدیں وجہ اسی سال لیگ نے سب سے پہلے ریاست کپور تھلہ کے مشہور بابا نگینا سنگھ بیدی آنجہانی درشی کی چار اُردو کتب رویدالوجن — معیار المکاشفہ۔ رسالہ عجائب العلم اور تجلیات پرگیہ جو ہمارے رام کو از حد پیاری تھیں اور جن کی اشاعت کے لیے رام اپنے دیہ تیاگ سے پہلے خود ہدایت بھی کر گئے تھے اُن کو بہت عمدہ وضع قطع میں شائع کر دیا۔ اس کے بعد خمخانۂ رام خم دوم یعنی کلیات رام جلد دوم کی اشاعت کو ہاتھ میں لیا۔ جسے چند ماہ میں ہی مکمل کر کے ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ❊

جلد اول میں تو رسالہ "الف" کے صرف شروع کے بارہ نمبر دیئے گئے تھے جلد دوم میں رسالہ "الف" کے باقیماندہ نمبر جن میں رام کی قلبی زندگی کے حالات

اُن کی اپنی ہی قلم سے درج ہیں دیے گئے ہیں۔ لیکن قلبی زندگی کے حالات بغیر جسمانی زندگی کے حالات کے کمل شکل نہیں رکھتے اس لیے۔ ساتھ قلبی زندگی کے جسمانی زندگیٔ رام بھی مفصل واضح کر کے دی گئی ہے ؛

اس طرح یہ کتاب چار ابواب میں منقسم کی گئی ہے۔ باب اول میں حالات اوائل زندگی قبل از تیاگ دیے گئے ہیں جو سوامی رامؔ کے اپنے ہی شاگرد رشید سوامی نارائن جی کی قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ باب دوم میں رسالہ الف کے آخری چھ نمبر دیے گئے ہیں جو جلوۂ کہسار کے نام سے نامزد ہیں اور جن میں سوامی جی ممدوح نے اپنی ہی قلم سے اپنی قلبی حالت کو نہایت صاف واضح کر دکھایا ہے۔ یعنی انکشاف ذات سے پہلے اُن کے دل کی کیا حالت تھی اور یہ آتم ساکشاتکار اُنھیں کیسے نصیب ہوا۔ اس سب کا مفصل ذکر اُنھوں نے اس میں کیا ہے۔ اس لیے اس باب کا نام "عروجِ وصال وعالمِ مستی" رکھا گیا ہے۔ اس انکشاف ذات کے بعد حقیقی مستی نے رام میں اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا تھا اور اسی سے وہ خانہ داری چھوڑ جنگلوں میں چلد یے تھے۔ اس لیے تیسرے باب میں اُن کے سرورِ ذات وعالمِ تیاگ کے حالات دیے گئے ہیں۔ جو سوامی نارائن جی مذکور کی ہی قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ اور باب چہارم میں وہ سب مختلف تذکرے، قصیدے، نظم اور حالات درج ہیں جو رام پیاروں نے سوامی رامؔ پر اُن کے دیہ تیاگ کے بعد مختلف آرٹیکلوں و اخباروں میں دیے تھے۔ اس لیے اس کا نام "تذکرۂ رامؔ از قلمِ عاشقانِ رامؔ" رکھا گیا ہے اور اس باب کے آخر میں سوامی رامؔ کی اپنی قلم سے لکھی ہوئی وہ نظمیں جو نظم معرا کے نام سے مشہور ہیں (جو رسالہ الف کے آخری نمبر میں درج ہیں۔ اور جن کے بعد رسالہ الف بند ہو گیا تھا) دی گئی ہیں۔ یہ نظمیں سوامی جی کے دل کا عین فوٹو ہیں ؛

علاوہ اس کے سوامی جی ممدوح کا وہ آخری مضمون (خود مستی تا کسب عروج) جسے لکھتے لکھتے اُنھوں نے ملک الموت کو اپنی قلم سے مدعو کیا تھا

وہ سارا کا سارا تیسرے باب میں دیا گیا ہے اور ملک الموت کے
نام حکم کی فوٹو بھی ساتھ دیدی گئی ہے تاکہ رام کی دستی تحریر کے
دیدار سے لوگ محروم نہ رہیں۔ اور جگہ بجگہ سوامی رام و اُن کے گورو وغیرہ
کی فوٹو بھی دی گئی ہیں جو ایک درجن کے قریب ہیں۔ کتابت۔ چھپائی۔ کاغذ
جلد بندی وغیرہ سب کو حتی الوسع اعلیٰ پیمانہ پر رکھا گیا ہے۔ غرضیکہ اشاعت
ہذا ہر طرح سے اعلیٰ شکل و وضع قطع میں نکالی گئی ہے جو پانچ سو سے
زیادہ صفحوں میں ختم ہوئی ہے۔ تس پر قیمت گھٹیا و بڑھیا قسم کے لحاظ سے
محض (عہ) اور (عہ) روپیہ ہے۔ اگر رام پیاروں نے اس کی پوری پوری
داد دی اور بہت جلد اشاعت ہذا کی کاپیاں خرید کر عوام تک پہونچائیں
تو امید قوی ہے کہ جلد سوم کلیات[1] رام کی بہت جلد نکالنے میں لیگ
کامیاب ہو جاوے گی۔ ان دو جلدوں میں سوامی جی ممدوح کی کل
تحریرات جو رسالہ الف کے اندر درج ہیں ختم ہو گئی ہیں۔ اب تیسری
جلد میں اُن کی دیگر تحریرات و تقاریر شامل کی جاویں گی۔

ناظرین سے درخواست ہے کہ اگر کسی صاحب کے پاس کوئی یادگار رام یعنی
خط و کتابت یا کلام رام موجود ہو تو لیگ ہذا کو بھیج کر ممنون فرماویں تاکہ
اشاعت آیندہ میں اُسے درج کر دیا جاوے۔

آخر میں میں اُن اصحاب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جن کی مدد سے یہ نہایت
مفید جلد تھوڑے عرصہ کے اندر اندر شائع ہو گئی اور امید کامل ہے کہ وہ
پاک ہستی جس کا کلام کونہ کونہ میں پہونچانے کے لیے لیگ ہمہ تن مصروف ہے
وہ اپنا سایۂ برکت لیگ ہذا اور ناظرین پر برقرار رکھے گی تاکہ لیگ اپنے مقصد
برآری میں کامیاب ہو اور ناظرین کلام کے مطالعہ سے اپنی ذات کے وصل یعنی
انکشاف ذات سے محظوظ و مسرور ہوں۔ آمین ثم آمین۔

بینی پرشاد بھٹناگر ایم۔ اے ایل ایل بی
(سکریٹری انجمن اشاعت کلام رام لکھنؤ)

---

[1] جلد سوم بھی اب شائع ہو گئی ہے۔ شانتی پرکاش

از

شانتی پرکاش صاحب پریذیڈنٹ رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ

تعلق سے بری رہنا مروف رام کے مانند
ہر اک پہلو سے نقطہ داغ جانا مبارک ہو
رآم

مخزنِ رام کی دوسری خم تیسری بار عاشقانِ رام کے سامنے رکھی جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی امید کی جاتی ہے کہ اس خم کی مئے معرفت سے مست اور مسرور ہو کر وہ رام کے نور سے بھرپور ہوں گے۔ اور شعر مذکور الصدر کے بموجب اپنی رہن سہن بنائیں گے۔ اور اپنے دیش کو جو ایک مدت مدید اور عرصہ بعید سے گھور نِدرا میں پڑا سو رہا ہے جگانے میں ہاتھ بٹائیں گے۔ اور یہ دیش سنسار کو جگائے گا اور دنیا سے جنگ و جدل کو مٹائے گا اور رام راجیہ یا شانتی راجیہ کو سارے سنسار میں پھیلائے گا۔ وہ دیکھو وِشو دھا ماتا (برہم ودیا) اُسے جگا رہی ہے ؎

جاگ موہن جاگ رے بل گئی
اٹھو جاگو کھاؤ ماکھن پھیر ڈاروں رئی
رات ساری گئی بھاری بھور اب تو بھئی
پڑی نیچی ہیں بلاوت کھیل ان سے سہی

اس کا مطلب رام ہی کے شبدوں میں برنن کیا جاتا ہے:۔

اے پیارے بھارت ورش (موہن کرشن۔ ہند) اب جاگو (ڈکالا) اودیا (جہل) کی نیند بہت سوئے۔ میں صدقہ۔ بلہار اب ..... ہوشیار ہو۔ سنسار روپی گاؤ کا مکھن (ست۔سار۔حقیقت) کھالو۔ اپنے اندر داخل کرلو....... یہ مٹکی بھرا۔تقویت بخش (دست) سفید۔ سفید۔ میٹھا۔ میٹھا مکھن چکھ لو۔ بڑا زور آجائے گا۔ گووردھن (پربت وگیان) دسنسار کی مشکلات عقدے) (حقیقت) (انندروپ) اٹھانا بائیں ہاتھ کا کرتو یہ نہیں نہیں چھٹی انگلی کا کھیل ہو جائے گا۔ دامودر کے کمر کی ڈوریوں۔ رسیوں (قیود زمانی، مکانی، نفسانی) کو توڑنا کچھ بات ہی نہ رہے گی۔ کالی ناگ کے تمام پھنوں (نفس امارہ یا من کی برتیوں) کو پیر کے تلے کچلنا آسان ہو جائے گا۔ یہ مکھن (ویدانت) سب پٹھوں کو مضبوط ہڈیوں کو لوہے کی طرح سخت اور چہرے کو روشن کر دینے والا ہے پھیپھڑوں میں بل بھر دیگا جادو بھری بانسری بجاتے بجاتے کبھی تھکنے نہ پاؤ گے ۔۔ وہ دیکھو ننھا کرشن (ہند) جاگ پڑا۔ اوں۔ اوں ۔ اوں۔ اوم۔ اوم ۔ اوم۔

۲۔ یہ مکھن رام کا۔ جس کا جیون اس مٹکی میں بھرا ہے جان ویران تھا۔ نہیں نہیں اب بھی ہر اک جاتی اور دیش کا آتم دا۔ اور بل دا ہے یعنی مردہ انسانوں۔ قوموں اور ملکوں کو۔ زندگی بخشنے والا اور کمزوروں کو طاقت دینے والا ہے۔ جانچ لو۔ پڑتال لو۔ اگر ٹھیک نہ ہو تو کہنے والے کی زبان

نکال لو۔ یہ عملی ویدانت کتابوں، اور مردہ حوالوں کے اندر بند نہیں ہے۔
بلکہ جیتے جاگتے انسانوں میں جلوہ گر ہے۔ اسی سے انسان کیلئے بہترین مطالعہ
انسان ہی ہے The best study for mankind is man.
دیوتا فیشیہ جونی میں آنے کے لیے
پرارتھنا اور فرشتے انسان اول کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ اور
جو سجدہ کرنے سے انکار کرتا ہے وہ قعر جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے
اور مردود و ملعون کہا جاتا ہے۔ تب ہی تو انسان اشرف المخلوقات
کہلاتا ہے۔ پس پیارے ناظرین انسان بنو۔ انسان وہی ہے جس میں
اُنس یا محبت ہو اور محبت تب ہی ہو سکتی ہے جب ایثار نفسی ہو۔
اور ایثار تب ہی ہو سکتا ہے جب نفس پر قابو ہو۔ نفس پر قابو
پانے والے کو ہی سنسکرت میں منشیہ کہتے ہیں۔ جس کے لغوی معنی
دل پر اپنا یا حکومت کرنے والے کے ہیں۔ غالباً انگریزی کا
مین (Man) اسی منشیہ سے نکلا ہے۔

۳۔ جیسے دریا کوزہ میں بند ویسے ہی رام کا سمندر روپی
جیون اس نظم میں بند ہے۔ گو اس میں ہزاروں بیش بہا رتن اور
دُرِّ آبدار بھرے پڑے ہیں مگر اس وقت اس میں سے صرف
حسب ذیل چودہ رتن نکال کے ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں
گر قبول اُفتد زہے عز و شرف۔ اگر ناظرین نے ان کو اپنایا
تو اس میں شک نہیں کہ انہوں نے عملی ویدانت کا مزا پایا اور
بموجب شعر حسب ذیل تینوں لوک میں اپنا سِکّہ
جمایا۔ ؎

وہ کون سا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا
ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

یہی وڑمہ سنکلپ یا مضبوط قوت ارادی عمل و یدانت کی جان و پران ہے۔

پہلا رتن سے

دوا کوئی ورزش سے بہتر نہیں
یہ نسخہ ہے کم خرچ بالا نشیں

بچپن میں آغوش مادر سے جدا ہونے کی وجہ سے آپ ایک مدت تک نحیف اور کمزور رہے۔ اور بحالت طالب علمی اکثر بیمار رہا کرتے تھے۔ مگر جب آپ نے باقاعدہ ورزش کرنا شروع کردی تو پہاڑوں پر چالیس چالیس میل روزانہ چلنا اور امریکن سولجرز کے مقابلے میں تیس میل کی بازی لے جانا بائیں ہاتھ کا کھیل ہو جاتا ہے راقم نے اُس چار پائی کے درشن کیے ہیں جس کو اُٹھا کر وہ ورزش کیا کرتے تھے۔

دوسرا رتن ۔ ع

جو ہیں سد رہ روڑے ۔ زینہ نہیں

سمیرو پربت سیدھا کھڑا ہے اب اوپر کس طرح چڑھیں ... لو برف باری ہونے لگی ۔ اب کیا کریں ۔ کوئی ہرج نہیں لو یہ برف جو ظاہراً رکاوٹ ڈال رہی ہے درحقیقت کامیابی کا زینہ ہے۔ کیونکہ اس ملائم برف پر پیر گڑو گڑو کر اوپر چڑھ جاتے ہیں اور اُس پہاڑ پر آسن جما اودیت کی گنگا

بہاتے ہیں جو کوک کیلاش کے روپ میں سوتوں کو جگاتی اور
مُردہ دلوں میں نئی زندگی یا نوجیون لاتی ہے۔

تیسرا رتن ع

ہر بُرائی بھی اک زینہ بھلائی کے لیے

باپ کی ناراضگی اور مالی مشکلات کی بدمزگی کے ہوتے ہوئے
بھی آپ تعلیم کے اعلیٰ درجہ پر پہونچ جاتے ہیں۔ صرف اتنا ہی
نہیں سمیرو کی یاترا میں باوجود سخت سردی اور برف باری کے
اپنے ساتھیوں کے ایک ایک کر کے برطرف ہوجانے پر بھی
آپ اس دشوار گذار پہاڑ کی چوٹی پر پہونچ جاتے ہیں۔
آپ کے بی۔ اے کے امتحان میں فیل ہو جانے پر چاروں
طرف سے اتنی زبردست تحریک ہوتی ہے کہ پنجاب یونیورسٹی
کو فیل شدہ طلبا کو آیندہ کے لیے کچھ سہولت دینا پڑتی ہے۔
صرف اتنا ہی نہیں۔ بی۔ اے کے امتحان میں فیل ہونے
سے آپ روحانی امتحان میں پاس ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جب
دُکھ پڑتا ہے تب رام یاد آتا ہے۔ آپ کے دل پر جو چوٹ
بی۔ اے میں فیل ہونے سے لگی تو ایشور کی یاد ہر دم رہنے
لگی تب ہی تو دل کے سنگین کھمبے کو پھوڑ کر بھگوان باہر
نکل آیا اور ساری رکاوٹوں اور آفتوں کی چیر پھاڑ پھاڑ
رو پڑی رام کو اس نے اپنی گود میں اُٹھا لیا ہاں تب
ہی تو رام برابر روحانی ترقی کرتا چلا گیا۔

چوتھا رتن سہ

ع ایشور انبھو میں براہ ہی نہیں کوئی بادھا

باوجود بچپن کی شادی خانہ آبادی کے آپ نے گرہست آشرم یعنی زمانہ خانہ داری کو ایک نمونہ بنا کر دکھلا دیا۔ آپ اپنی دھرم پتنی میں بھگوان کے درشن کرتے تھے اور وہ آپ میں رام کی جھانکی کرتی تھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ استری پرش کی اور پرش استری کا مکت داتا۔ یا نجات دہندہ ہو تب تو براہ دھا۔مک سنسکار ہی ورنہ یہ رسم ذلیل و خوار ہی۔

پانچواں رتن ہے

زندگی سادہ ہو پر اعلیٰ ہووے خیال
اور سنکلپ ورِدھ ہو یعنی ہو استقلال

یہ تو آپ کے حالات زندگی سے اظہر من الشمس ہی۔ آپ نے اپنے مکان میں طاق سے میز کا کام لیا۔

اور جب آپ بی۔ اے کلاس میں پڑھتے تھے تب آپ کی ایک جوتی نالی میں بہہ گئی تو دوسرے دن آپ اس کی جگہ ایک ننانی پرانی جوتی پہن کے کالج گئے۔ اس سے بڑھ کر اور سادگی کیا ہو سکتی ہی۔ خیالات کے اعلیٰ ہونے میں کس کو شک و شبہہ ہو سکتا ہی۔ خیالات اعلیٰ وہ ہی ہیں جو پاک خیالات ہوں یعنی خود غرضی سے مبرّا ہوں۔ آپ بنچ (bench) اور بار (bar) کے مقابلہ میں ٹیچر (teacher) اور پریچر (preacher) کے پیشہ کو ترجیح دیتے تھے تب ہی تو آپ نے سول سروس کے لیے ولایت جانا پسند نہ کیا اور بحیثیت واعظ یا اپدیشک ولایتوں میں

اپنے دیش سے باہر تشریف لے گئے۔
امریکہ کی ۸ یونیورسٹیاں مل کر آپ کو (LL.D) (ڈاکٹر) کی ڈگری دیتی ہیں مگر آپ ان کو نامنظور کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کے اعلیٰ خیالات کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ دڑھ سنکلپ یا استقلال تو آپ کی رگ و ریشہ میں کوٹ کوٹ کے بھرا تھا۔ آپ نے جس کام کو ہاتھ لگایا خواہ وہ بحالت طالب علمی ہو یا ملازمت خواہ بحالت بن باس ہو یا سنیاس۔ اُسے اس خوبی سے پورا کر دکھایا کہ آج تک آپ کے سب مداح ہیں۔ آپ کے بچپن کی ضد بعد کو استقلال میں تبدیل ہو گئی۔ ایک دفعہ حساب کا ایک سوال حل نہیں ہوتا تھا۔ رات بھر اس کے حل کرنے میں بتادی مگر جب حل نہ ہوا تو اپنی گردن کاٹنے کو تیار ہو گئے۔ اتنے میں سویرے کی ٹھنڈی ہوا لگنے سے اس کا حل سمجھ میں آگیا۔ اور خودکشی سے باز آئے۔ اسی طرح جب آپ کو ساکشاتکار نہیں ہوا تب آپ نے اپنے آپ کو گنگا جی میں ڈال دیا مگر گنگا نے اُچھال کر آپ کو ایک چٹان پر بٹھال دیا تب برہم گیان یا ساکشاتکار ہو گیا۔ ہاں جب تک دڑھ سنکلپ نہیں ہوتا یعنی انسان جان پر کھیلنے کو تیار نہیں ہوتا۔ دلی ہنوز دور است کا معاملہ ہے۔
رام کا استقلال ذیل کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے:۔

"بس تخت یا تختہ۔ والدین تمہارا لڑکا اب واپس نہیں جائیگا
ودیارتھی لوگو۔ تمہارا ودیا گرو اب واپس نہیں جائے گا۔ اہل خانہ
تمہارا رشتہ کب تک نبھے گا۔ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی
یا تو سب تعلقات سے برتر ہوگا یا تمہاری سب امیدوں کے سر
یک قلم پانی پھر جائے گا۔ یا تو رام کے آنند گھن ترنگوں میں
کون و مکاں غرقاب ہوگا (تریا اتیت) اور یا رام کا جسم گنگا
کی لہروں کے حوالہ ہوگا۔ تن بدن کا خاتمہ ہوگا۔ مرکر تو ہر ایک
کی ہڈیاں گنگا میں پڑتی ہیں۔ اگر جلوہ عرفانی دلپذیر وکش، نہ ہوا۔
اور اگر جسمانیت کی بو باقی رہ گئی تو رام کی ہڈیاں اور ماس
جیتے جی مچھلیوں کے بھینٹ ہوں گے"۔ ہاں جب وڑھ سنکلپ
ہوتا ہے تو ست سنکلپ سویم ہو جاتا ہے یعنی جب افعال میں
استقلال ہوتا ہے تب جو بھی خیال کیا جاتا ہے فوراً پورا ہوجاتا
ہے۔ وہ قدرت کی طاقتیں جو دیوی اور دیوتا کہلاتی ہیں اور
جن کے تم ہاتھ جوڑتے ہو تب وہ تمہاری خدمت کو دست بستہ
حاضر ہوجاتی ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید فلک درکارا‌ند

تب ہی تو رام کہتا ہے کہ اس پہاڑی پہ ابھی جھاڑو نہیں لگی
فوراً دایو دیوتا جھاڑو دیدیتے ہیں۔ آج رام جھرنے نہیں
جائیگا۔ فوراً برشا باندی رام کو نہلا دیتی ہے۔ رام کہتا ہے
Let the atmosphere also be cheerful مطلع بھی بشاش ہو
ابر دور ہوکر فوراً سورج نکل آتا ہے اور مطلع صاف شفاف

ہو جاتا ہے اور یہ کہتا ہوا کہ ؂

موت کو موت آ نہ جائے گی
قصد کر کے جو میرا آئے گی

دشوار گزار پہاڑیوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔

چھٹا رتن ع

وعدہ ایفا کر اور سچائی سے کر وقت پہ کام

آپ نے جو کہا سو کر دکھایا۔ دنیاوی جاہ و حشم پر لات مار کر روحانی منازل کے لیے قدم اٹھایا۔ جس کام میں ہاتھ لگایا اس کو نہایت خوبی کے ساتھ سر انجام دیا۔ اور وقت پر ایسے حاوی تھے گو گھڑی پاس نہیں رکھتے تھے مگر پھر بھی کبھی وقت سے پچھڑے نہیں۔

ساتواں رتن ع

دل میں جب ہووے لگن تب سب کچھ آجاتا ہے

جب کالے کوئلہ میں ذرا سی آگ لگ جاتی ہے تب آکسیجن اینادی جو اس کے جلانے کے لیے ضروری ہیں آکاش منڈل سے خود بخود کھنچی چلی آتی ہیں اور دیکھتے دیکھتے وہ کالا کوئلہ لال انگارہ بن جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہمارے من میں چاہے کتنا ہی کالا (پاپی) کیوں نہ ہو، جب ایشور بھگتی کی چنگاری لگ جاتی ہے تو پنگ۔ گورو۔ ست سنگ اپتادی کیا ہر ایک وستو جو اس اگن کو پرچلت (مشتعل) کرنے کے لیے آوشیک (ضروری) ہو سویم کھنچی چلی آتی ہے۔ لو آنا فانا بین ایک سیہ دل روشن ضمیر

ہو جاتا ہے۔

جب رام کے دل میں تحصیل علم کی آگ سُلگی تو نہ صرف ان کے پتا اور گرو بلکہ ان کے موسا ڈاکٹر رگھوناتھ مل اور کالج کا حلوائی جھنڈو مل اور کالج کے پرنسپل اور پروفیسر اور بھی کتنے ہی سہائتا کو چلے آتے ہیں۔ جب آتم ساکشاتکار کی سچی لگن ہردے میں لگتی ہے تو ذرّہ ذرّہ سے آپ کو اُپدیش ملنے لگتا ہے۔ اور چیونٹیاں تک آپ کو اس مارگ میں لے جانے کے لیے سہائتا دیتی ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ سویم ہری ہر بھگوان ایک پھٹی لنگوٹی والے کے روپ میں آکر آپ کو نیتر دوار اگیان روپی امرت پلاتے ہیں اور آپ کے ہردے کے کپاٹ کھول کے آپ کو رام راجیہ کے راج سنگھاسن پر بٹھاتے ہیں تب ہی تو آپ رام بادشاہ نہیں نہیں شاہنشاہ رام کہلاتے ہیں ہاں شرط یہ ہے کہ لگن سچی ہو۔ پہلے آزمایش کر لی جاتی ہے۔ پھر مدد دی جاتی ہے ۔

یہ سُن رکھ پہلے ہم عاشق کو اپنے آزماتے ہیں
جلاتے ہیں، ستاتے ہیں، رُلاتے ہیں، ہلاتے ہیں
ہر اک احوال میں جب خوب ثابت اس کو پاتے ہیں
اُسی سے آکے ملتے ہیں اُسی کو منہ دکھاتے ہیں
اُسے پورا سمجھتے ہیں ہم اپنے دھیان کا دھیانی

آٹھواں رتن ہے

ہر برگ سبز در نظر ہوشیار
ورقیست دفتر معرفت کردگار

یعنی گیانی کی درشٹی میں ہر اک پتّا
گیان کی پستک کا دیتا ہے پتا

آپ نے نہ صرف کاغذی کتابوں کا مطالعہ کیا بلکہ قدرت کی جیتی جاگتی کتاب کا اس طرح مطالعہ کیا کہ قدرت کے پتہ پتہ سے قادر یعنی جگت پتا کا پتہ لگایا۔

ہاں جو بھی مشاہدہ قدرت یا پرکرتی نریکشن ٹھیک طرح سے کرے گا " ملہم ہو رشی بن جائے گا۔ ہاں تب ہی رشی سنتان کہے جانے کا ادھکاری یا مستحق ہوگا۔ آپ نے نہ محض بیرونی قدرت کا بحر اور شجر میں مشاہدہ کیا بلکہ اندرونی فطرت کا بھی حیوان اور انسان میں تجربہ کیا۔ تب ہی تو اس پر بڑا زور دیتے ہیں کہ مذہبی کتابوں کو سائنس یا کیمسٹری کی کتابوں کی طرح پڑھو اور اُن کی لکھی ہوئی ہدایتوں کو عمل میں لاکر جانچو پڑتالو۔ یہ ہی عملی ویدانت ہے۔ تب ہی تو آپ ہمالیہ۔کشمیر۔گنگا یا کسی اور منظر کا نظارہ دکھاتے ہوئے ویدک رشیوں کی طرح مست ہو کر ایشوری گیان کو گاتے ہیں۔ نہیں نہیں کالج میں بورڈ پر ریاضی کا سوال حل کرتے کرتے بھگتی یا گیان کے کسی سدھانت کو اس طرح سمجھانے لگتے ہیں کہ پورا کلاس کا کلاس وجد کی حالت میں

آکر رونے لگتا ہی۔ سومیر پربت کی یاترا میں آپ رنگ برنگی خوشبودار پھولوں کے پودوں کو دیکھ کے کہتے ہیں کہ جب یہ پودے میدانوں میں لگائے جاتے ہیں تو اُن کی رنگت تو رہ جاتی ہی مگر اُن کی خوشبو اُڑ جاتی ہی۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ" وہ نوجوان جو یورپین تعلیم سے پھولے نہیں سماتے جب ویدانت کی آواز بازگشت یورپین فلاسفروں کی تحریر میں پاتے ہیں تو مغربی خیالات کے دلدادہ ہو جاتے ہیں۔ مگر انہیں یہ علم نہیں کہ خیالات کے وہ پھول جن کو وہ بڑے اچنبھے یا تعجب کے ساتھ دیکھتے ہیں انہی کی ماتر بھومی سے لاکر لگائے گئے ہیں۔ ہاں فرق صرف اتنا ہی کہ یورپین اُستادوں کے ہاتھ میں جاکر یہ عجیب وغریب پھول تیاگ یا ویراگ کی میٹھی میٹھی خوشبو کھو دیتے ہیں۔ ویدانت جب یورپین لوگوں کے ذریعہ پیش کیا جاتا ہی تو وہ صورت اور رنگت تو فلسفہ کی رکھتا ہی مگر انبھو یا انکشاف کی میٹھی میٹھی خوشبو کھو بیٹھتا ہی ع

"عکس گل میں رنگ ہی گل کا ولیکن بو نہیں"

نواں رتن ع

دیا دھرم کی مول ہی

دیا۔ یا اوروں کی تکلیف کو محسوس کرنا ہی روحانیت کی ابجد ہی۔ یہ دیا آپ میں اس قدر کوٹ کوٹ کے بھری تھی کہ شیر اور چیتے۔ ریچھ اور اژدہے ایسے موذی جانور بھی اپنے ہنسا بھاؤ کو تیاگ کے آپ کے سامنے سر جھکاتے تھے۔

آپ کالیستھ بورڈنگ ہاؤس لاہور میں جانے کے پہلے جس کرایہ کے مکان میں رہتے تھے اُس میں دو سانپ بھی تھے جو آپ کے پیروں پر لوٹا کرتے تھے اور جو دودھ آپ پی کر رکھ دیتے تھے اُسے وہ چاٹا کرتے تھے۔ اور راوی کے کنارے آپ ایک سانپ کو روز دودھ پلایا کرتے تھے۔ اور بحالت طالب علمی سانپ سے باتیں کرتے ہوئے آپ کے ایک مترنے دیکھا اور بحالت سنیاس ایک سرپ کو آپ اُٹھا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "تو تو میرے پیارے کا پیارا ہے کہاں جاتا ہے۔" راقم نے بچشم خود دیکھا ہے کہ حضرت انسان بھی جو آپ سے لڑنے آتے ہیں آپ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ اور یہ سنا ہے کہ ولایت سے واپسی پر آپ کی گرفتاری کا حکم نازل ہو جاتا ہے مگر عمل میں نہیں آتا۔

دسواں رتن ع

دست در کار و دل در یار

جس کام کو آپ کرتے تھے بڑی سادھانی یعنی اطمینان قلب کے ساتھ کرتے تھے۔ کسی طرح کی تساہلی نہیں ہونے پاتی۔ مگر ساتھ ہی جلد بازی نہیں کرتے تھے۔ یعنی کام جلدی کرتے تھے مگر جلد باتے نہیں تھے۔

بی۔ اے کے امتحان میں ریاضی کے پرچہ میں تیرہ سوال تھے۔ اور ممتحن نے یہ لکھ دیا تھا کہ تیرہ میں سے کوئی نو حل کرو

آپ نے اُسی وقت مقررہ کے اندر تیرھوں سوال کو حل کر کے جوابات کے پرچہ پر یہ لکھ دیا کہ ان تیرھوں میں سے کوئی تو جانچ لیجیے۔ اجودھیا میں جب رام گھوم رہے تھے تو اتنی جلدی جلدی چلتے تھے کہ ہم لوگ پیچھے رہ جاتے تھے۔ مگر دل آپ کا ہمیشہ شانت رہتا تھا۔ انتشار کا نام و نشان نہ تھا۔ جس طرح صاف اور شفاف پانی میں جو ساقط ہو سورج یا چاند کا سایہ صاف نظر آتا ہو اسی طرح آپ کے صاف اور شفاف دل میں جو ساقط یا شانت ہو یار کا عکس نظر آتا ہو مگر جیوں جیوں آپ کا دل وسیع ہوتا جاتا ہو تیوں تیوں پرت بمب (عکس)، غائب ہو کر بمب (اصل)، نظر آنے لگتا ہو۔ یہاں تک کہ مہان آتما ہونے پر اصل ہی رہ جاتا ہو عکس غائب ہو جاتا ہو۔ بس رام کو تو سدا رام ہی نظر آتا ہو۔ اور غیر از رام سب کچھ اُڑ جاتا ہو۔ اور کام کے نتیجہ کی پرواہ نہ کر کے نہایت محنت اور جانفشانی سے شاہنشاہ رام کام کرتا ہو۔ اور یہ ہی بھگوان کرشن کا نشکام کرم کہلاتا ہو۔ اور اس طرح کام کرنے والا کام میں آرام پاتا ہو۔ آرام ہی تو رام ہو۔

گیارھواں رتن ع

ہمت مرداں مدد خدا

انسان جب پرشارتھ کرتا ہو اسے تب امداد غیبی ملتی ہو۔ اسے ہی امداد خدائی کہتے ہیں۔ یہ ہی "ایش کرپا" کہلاتی ہو۔ آپ فرماتے ہیں ایش کرپا تب ہی ہوتی ہو جب گورو کرپا

ہوتی ہو اور گورو کرپا تب ہی ہوتی ہو جب آتم کرپا ہوتی ہو
یہ آتم کرپا ہی - ہمّت - سلف ہلپ (Self help.)
یا پرشارتھ ہو مگر یاد رہے کہ کیول پرشارتھ بنا ایشور وشواش
کے بے سود یا بیرتھ ہو۔ اور کیول وشواس بنا پرشارتھو کے
ایسے ہو۔ اسی کو اندھ وشواس کہتے ہیں ۔ اس لیے بھگوان کا
آشرا لے کر سارے کام محنت سے ہی کرنا کامیابی کا زینہ
ہو۔ دنیا کا ایک بڑا اوتار اپنے نغمۂ یزدانی میں یوں گاتا ہو
میرا آشرا لے کر جو یتن (मामा विसव यजातवे)
یعنی کوشش کرتا ہو وہ منزل مقصود کو پہونچتا ہو رام کے بھجر
دل میں پرشارتھ اور وشواش کی لہریں بڑے زوروں سے
موجزن تھیں۔ جیسا ان کے جیون سے بخوبی واضح ہوتا ہو۔
تب ہی تو وہ یوں راگ الاپتا ہو سہ

اگر چہ قطب بھی جگہ سے ٹلے تو ٹل جائے
اگر چہ بحر بھی جگنو کی دم سے جل جائے
ہمالہ باد کی ٹھوکر سے گو پھسل جائے
اور آفتاب بھی قبل عروج ڈھل جائے
کبھی نہ صاحب ہمّت کا حوصلہ ٹوٹے
کبھی نہ بھولے سے اپنی جبیں پہ بل آئے

اسی کا نام وشواس یقین اور پرمیشور میں بھروسہ رکھنا ہو۔
جس دل میں یہ یقین ہو وہ باہر کی چیزوں کی پرواہ نہیں کرتا
وہ دل ہی کیا جس میں یقیں نہ ہو

سب قوموں اور ملکوں کی ترقی کا باعث اُن کی روح میں ہو یعنی ان کے اندر کی تبدیلی میں ہو۔ وہ کیا ہو؟ یقین یا وشواس۔ ۳۳ کروڑ دیوی دیوتاؤں کو کیا۔ ۳۳ لاکھ کروڑ دیوتاؤں کو بڑے مانا کرو۔ مگر جب تک آپ میں اندرونی طاقت جوش نہ مارے گی آپ کا کچھ بھلا نہ ہوگا جس وقت آپ کے اندر آتم بل جاگے گا تو سارے دیوتا اپنی خدمت کے لیے دست بستہ کھڑے پائے گا۔ اب تم اُن کو مانتے ہو تب وہ تم کو مانیں گے۔"

بارھواں رتن ؎

"مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ"

یعنی ؎

جس نے پہچانا ذات کو اپنی
اُس نے ہی جانا ذات رب کو بھی

یہ ہی ویدانت کا گُر یا نکتہ ہو جس نے اس نکتہ کو سمجھا اُس کا نقطہ جدائی زیر سے زبر ہو گیا۔ کیونکہ وحدت میں کثرت کا باعث یہ جدائی ہو۔ اور کثرت میں وحدت کا باعث خدائی ہو۔ جب خدائی ویدے کھل جاتے ہیں تب خدا ہی خدا نظر آتا ہو۔ ع

جو خدا کو دیکھتا ہو تو میں دیکھتا ہوں تم کو

یہ خدائی ویدے تب ہی کھلتے ہیں جب خودی کا جالا آنکھ سے دور ہوتا ہو۔ اس خودی کو دُور کرنے کا گُر پرم ہنس جی جو سوامی دیونکا نند جی کیا جگت کے گرو ہیں یوں بتلاتے ہیں ؎

ہائے ہو دور خودی دل کا ہمارے کیونکر
خود کو پہچان لو خود دور خودی ہو یکسر
خانۂ دل میں ترے جب ہو خدا جلوہ گر
پھول کی طرح خودی گر پڑے جب آئے ثمر
اس میں شک نہیں
جیوں جیوں خودی دور ہو رہی ہے
تیوں تیوں میں خدا کو دیکھتا ہوں (Divine M'e t.er)
ہو شانتی پرکاش ڈیوائن میٹر
گر دور خودی ہو تو خدا ہوں

تیرھواں رتن ۔ ع
اندر جب شانتی باہر نہ ہو کیسے پرکٹ
شانتی کیا ہے؟ ۔ اطمینان قلب ۔ جب دل منتشر یا پریشان ہوتا ہے تب ہم کو بھی پریشانی ہوتی ہے ۔ رام رات بھر جاگتے ہیں پر دن میں ذرا آرام نہیں ۔ بات کیا ہے کہ اندر پریشانی نہیں ۔ راقم نے رام کو فیض آباد میں رات کو بارہ بارہ بجا ایک بجے تک ست سنگ کرتے دیکھا اور پھر علی الصباح چار بجے جاگنے سے تر و تازہ ہیں اور دن بھر اُپدیش کا سلسلہ جاری ہے نیند کا نام نہیں ۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ بیماری پہلے اندر دل میں آتی ہے پھر باہر جسم میں ۔ پس اگر تندرستی چاہتے ہو تو من درستی کرو ۔ یعنی اپنے دل میں

کوئی خیال فاسد مت آنے دو۔ اور مطمئن ڈشانت یا آرام سے رہو۔ بیماری کیا ہی بے آرامی بیماری کو انگریزی زبان میں ڈزیز (disease.) کہتے ہیں جو درحقیقت ڈس ایز (dis-ease.) یا بے آرامی ہی۔

لاہور کے گلی کوچوں میں تپتے چٹانوں پر جب رام گرمیوں کے دنوں میں دوپہر کے وقت گھومتے تھے تب ان کے پیر بجاے گرم ہونے کے ٹھنڈے محسوس ہوتے تھے۔ کسی نے پوچھا یہ کیوں؟ جواب دیا کہ رام گرم لاہور میں نہیں گھومتا بلکہ گنگی کے شتیل امرت جل میں چل رہا ہی۔ امریکہ کے سرد ملک میں سردی کے دنوں برف پر آسن جمائے بیٹھے ہیں مگر جو لوگ اُن سے مصافحہ کرتے ہیں یعنی ہاتھ ملاتے تھے انہیں محسوس ہوتا ہی کہ اُن کے ہاتھوں سے گرمی نکل رہی ہی۔ اس گرمی کو وہ فوق الفطرت حرارت یا (Supernatural heat.) کہتے تھے۔ تب ہی تو وہ آپ کو فوق الانسان یا زندہ مسیح کے نام سے پکارتے تھے۔

چودھواں رتن ہے

صاف جب دل ہو کرامات نہ ہو کیا معنی

جس کا دل صاف ہی وہ روشن ضمیر ہی۔ ردھی سدھی کرامات اور معجزے اس کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ وہ انکی طرف نگاہ بھی نہیں کرتا۔ راقم سے رام خود فرماتے

تھے کہ ایک دن امریکہ میں لکچر دیتے وقت اُنھوں نے اپنے پیچھے مڑ کر دیکھا تو بہت سی کوچوں پر لوگوں کو لیٹے پایا اُن سے جب یہ پوچھا کہ آپ یہاں پیچھے کیوں لیٹے ہیں۔ آگے کیوں نہیں بیٹھتے۔ جواب دیا۔ کیا آپ زندہ مسیح نہیں ہیں؟۔ یہ جواب کیوں؟ حضرت مسیح نے کچھ مریضوں کو چنگا کردیا تھا اور رام کا لکچر سن کر بڑے بڑے مرضوں کے مدت کے مریض شفا پا جاتے تھے۔ اسی سے وہ نہ جانے کتنی دور سے ریلوں پر سفر کرکے آتے تھے اور رام کا لکچر چاہے وہ کسی مضمون پر ہو سن کر شفا پاتے تھے۔ مگر وات رام نے تو کہتا ہے۔

(There was no credit of Rama: it was)
(simply their faith that cured them.)

یعنی اس میں رام کی کوئی تعریف نہیں۔ صرف ان ہی کا اعتقاد یا وشواس تھا جس سے وہ شفا پا جاتے تھے۔ امریکہ میں ایک فرقہ Faith curer فیتھ کیورکا ہے جو مریض کو اس بات کا یقین دلا کر کہ وہ شفا پا رہا ہے چنگا کر دیتا ہے۔ رام نے اس میں ایک اصلاح کی کہ مریض خود محسوس کرے کہ میں آتما ہوں جس میں نہ کوئی روگ ہے نہ شوک پھر بھلا میں بیمار کیسے ہو سکتا ہوں۔ بیماری محض خواب وخیال ہے۔

جب رام امریکہ سے واپس آکر شانتی آشرم متھرا میں مقیم تھے تو راقم ان کے درشن کے لیے فیض آباد سے

متھرا جا رہا تھا راستہ میں لکھنؤ میں ٹھہرنا پڑا وہاں سے اسٹیشن پر ریل چھوٹنے کے بعد آیا مگر ریل گاڑی جسے اسٹیشن چھوڑے ہوئے آدھ گھنٹے کے قریب ہوگیا تھا واپس آتی ہے اور راقم کو بٹھاتی ہے۔ یہ رام کی کرپا ہے۔ راقم نے بحالت طالب علمی پڑھا تھا سلہ

اگر خدا بنماید مارا آں مقام

کاندراں بے حرف می رو بر کلام

مگر اس کا تجربہ رام کی خدمت میں جاکر ہوا جب رام امریکہ سے ہندوستان میں لکھنؤ واپس آئے اور راقم ان کے درشن کو فیض آباد سے گیا تو اس کے دل میں کتنے ہی سوالات پیدا ہوئے تھے جن کو وہ رام سے حل کرنا چاہتا تھا۔ مگر بغیر بات چیت کے وہ سب کے سب آپ ہی حل ہو گئے۔ رام کے جسم سے روحانیت کی لہریں نکلا کرتی تھیں اور پاس بیٹھنے والوں پر ہی نہیں بلکہ کچھ فاصلہ پر بھی لوگوں کے دلوں میں اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہتی تھیں۔

۴۔ اس تمہید کو بلا اس امر کا اظہار کیے ہوئے ختم کرنا مناسب نہ ہوگا۔ کہ رام کے جو حالات بالتحقیق بعد کو معلوم ہوئے ہیں وہ فٹ نوٹ میں درج کر دیے گئے ہیں اور جو رام پیاروں نے شوگر شانتی آشرم کے آرگن ست اُپدیش میں رام بادشاہ کے بارہ میں لکھا ہے اور اب تک اس کتاب میں

سلہ اے بھگوان مجھے وہ مقام دکھلاؤ جہاں بغیر بولے بات چیت ہوتی ہے۔

نہیں آیا تھا۔ اُس کو بھی اس ایڈیشن میں جگہ دیدی ہے۔ اس طرح سٹر صفحوں کے لگ بھگ اس کتاب میں اضافہ ہوگیا ہے۔ حالانکہ بجز ایک کے دیگر نظمیں جو رام پرشا سے اس کتاب میں درج کردی گئی تھیں اُنہیں الگ کر دینا پڑا۔ باوجود کاغذ کی گرانی کیا نایابی کے قیمت میں زیادہ اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔

۵۔ پیارے ناظرین رام کی جسمانی زندگی کے اندر اُن کی روحانی زندگی دیکھو اور اپنے اندر اس کو لاؤ اور رام بنکر اندر باہر رام ہی رام یعنی آنند اور آرام دکھلاؤ اور رام کی زندگی سے سبق لے کر زندہ جاوید ہوجاؤ

زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

راقم
شانتی پرکاش
رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ۔ رام تیرتھ نگر۔ لکھنؤ
۱۳۔ مئی ۱۹۴۲ء

فہرست کتب رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ۔ یو۔ پی

نام کتاب	انگریزی میں	ہندی میں	اردو میں
سوامی رام کا کلام	عہ ۸/	عـہ۵ ۸/	ہیعہ ۸/
سوامی رام کی سوانح عمری و ریاضی	۹/	.	.
ایضاً مصنفہ پنڈت برجناتھ شرغہ	للعہ ۸/	.	.
" سردار پورن سنگھ	سے ۱۲/	.	.
نارائن چرتر۔	-	.	۱۲/
تمثیلات رام	ے/	.	.
ہارٹ آف رام	۱۲/	.	.
پوئمز آف رام	۱۲/	.	.
رام ورشا	.	عہ ۸/	عہ ۸/
رام پتر	.	عہ ۸/	.
مختلف مناظر سوامی رام	عہ ۸/	.	.
ویدانو بچن	.	سے ۱۲/	ھا ۱۴/
معیار المکاشفہ	.	۱۲/	۱۲/
عجائب العلم	.	۱۲/	.
جگ جیت پرگیا	.	.	۹/
نارائن سوامی کی بھگود گیتا (۳ حصوں میں)	.	عـہ۵ ۸/	.
گیتا مالا و ہارٹ آف گیتا اور پریکٹکل گیتا	عہ ۸/	.	.
سادھارن دھرم	.	.	عہ ۱۲/
گی بھومکا	.	.	۱۴/
رام کا عملی ویدانت۔	۱/	۱/	۱/
ست جگی پرارتھنا	۱/	۱/	۱/

سوامی رام اور نارائن کے طرح طرح کے فوٹو ۔ ۸/ ۔ ۲/ ۔ ۸/ ۔ ۱/ عہ ۸/ اور عـہ۵/

فہرست مضامین

نمبر	عنوان باب مع تفصیل			صفحہ
	لیگ کے قواعد	ص۳	چند الفاظ	۵
	مژدہ	ص۴	تمہید	۹

باب اوّل (حالات اوائل زندگی قبل از تیاگ)

نمبر	عنوان باب مع تفصیل	
۸۷	کیدارناتھ اور بدری ناتھ کی یاترا	۲۴۳
۸۸	رام متھرا میں	۲۴۴
۸۹	نارائن کا سنیاس آشرم	۲۵۰
۹۰	مہاراجہ صاحب ٹیہری کو رام کے درشن	۲۵۴
۹۱	سفر ممالک غیر	۲۵۷
۹۲	گیانی کی سیر	۲۶۱
۹۳	مسٹر پورن سنگھ کا سنیاس	۲۶۶
۹۴	نارائن کا ممالک غیر میں تنہا سفر	۲۶۸
۹۵	رام امریکہ میں	۲۷۰
۹۶	رام مصر میں	۲۷۵
۹۷	ممالک غیر سے رام کی واپسی	۲۷۵
۹۸	سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کی واپسی پر استقبال	۲۷۶
۹۹	دیش بھگتی	۲۷۵
۱۰۰	نارائن کو رام کے دوبارہ درشن	۲۸۱
۱۰۱	رام کی جسمانی علالت	۲۸۲
۱۰۲	رام کا ویاس آشرم میں نواس	۲۸۳
۱۰۳	واشسٹ آشرم میں نواس ستھان	۲۸۶
۱۰۴	بھکشا میں بدانتظامی	۲۸۷
۱۰۵	مسٹر پورن کا واشسٹ آشرم میں پہونچنا	۲۸۹
۱۰۶	پیارے پورن کا قیام اور ہری شرما کی واپسی	۲۹۱
۱۰۷	رام کی واشسٹ آشرم سے واپسی	۲۹۱
۱۰۸	پیارے پورن کی واپسی	۲۹۲
۱۰۹	جملہ معترضہ	۲۹۳
۱۱۰	ٹیہری میں پورن جی کا لیکچر	۲۹۴

صفحہ	عنوان باب مع تفصیل	نمبر

"کلیات رام جلد دویم"

شری سوامی رام تیرتھ لکھنؤ۔ ۱۹۰۵

سوامی رام اور انکے شاگرد سوامی نارائن
بحالت برہمچاری - جنوری ۱۹۰۲

باب اوّل

حالاتِ اوائلِ زندگی قبل از تیاگ

(از قلم شری یان نارائن سوامی شاگرد رشید پرم ہنس سوامی رام تیرتھ جی مہاراج)

سوامی رام تیرتھ جی کی قلبی زندگی تو اُن کی تقریروں، خطوں، غزلوں اور نظموں سے خود بخود مترشح ہو رہی ہے۔ مگر اُن سے نہ جسمانی زندگی کا کچھ ٹھیک پتہ چلتا ہے اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نونہالِ اُمید کن کن حالتوں سے گزر کر اُس معراجِ زندگی پر پہنچا جس کی خاطر تمام لوگ عموماً اور اہلِ مذہب خصوصاً تڑپ رہے ہیں ۔

اس کمی کو پورا کرنے کی غرض سے واجب سمجھا گیا کہ سوامی جی موصوف کی جسمانی زندگی کے چند ضروری حالات بھی مختصراً واضح کر دیئے جائیں تاکہ رام پیارے سوامی جی کی روز مرہ کی عملی زندگی سے بھی واقف ہو جائیں۔ اور اگر ممکن ہو، تو اُس زندگی کے نمونہ پر اپنی زندگی بنانے کی بھی کوشش کر سکیں ۔

تاریخ پیدائش و خاندان | ۲۲ر اکتوبر ۱۸۷۳ء مطابق کاتک سُدی اکم ۱۹۳۰ بدھ وار دن ۲۵ر گھڑی ۵۵ پل بیتے دیوالی کے عین دوسرے دن سوامی رام تیرتھ جی کا جنم صوبہ پنجاب میں ضلع گوجرانوالہ کے مُرالی[1] والا گاؤں میں ایک اعلیٰ

---

[1] اس گاؤں کا اصلی نام مُرالی والا تھا۔ کرشن بھگتی کی اُمنگوں کے زمانہ میں تیرتھ رام جی بجائے مُرالی والا کے مُراری والا کہا کرتے تھے جس سے اُسکا نام مُراری والا یا مُرالی والا پڑ گیا ۔

گوسوامی خاندان میں ہُوا - یہ وہی خاندان (کل) ہے کہ جس میں شری گوسوامی تُلسی داس جی رامائن کے مشہور مصنف پیدا ہُوئے تھے اور جنکے مورثِ اعلیٰ شری رام چندر جی مہاراج کے گورو باسشٹ جی مہاراج کہلاتے ہیں گوسوامی تلسی داس جی کی بھگتی کے سبب یہ خاندان[1] تو پہلے ہی سے مشہور و معروف تھا - مگر سوامی رام تیرتھ جی نے اِس خاندان میں پیدا ہو کر اپنی عملی و سچی زندگی سے اسکی عزت و شہرت اور بھی دوبالا کر دی - سوامی جی کے والدِ شریف کا نام گسائیں ہیرانند جی تھا - وہ عادات کے سیدھے سادھے اور مزاج کے تلخ و غصیلے تھے - سوامی جی کے پیدا ہونے کے چند ماہ بعد ہی اُنکی نیک دل والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا - جس سے اُن کو اپنی ہمشیرو شریمتی تیرتھ دیوی اور اپنے والد صاحب کی ہمشیرہ صاحبہ (یعنی اپنی پھوپھو) کی گود میں پرورش پانی پڑی ؛ اس ننھی سی عمر میں ہی اپنی والدہ صاحبہ کا دودھ چھوٹ جانے کے باعث تیرتھ رام جی بچپن میں بڑے لاغر اور کمزور رہے ؛ نوجوان ہوتے ہی جیسے روحانی ترقی میں وہ سبقت لے گئے - ویسے ہی جسمانی مضبوطی و طاقت میں بھی ترقی کر گئے - زمانۂ سنیاس میں تو تیس میل روزانہ پہاڑوں کے دُشوار و ناقابل گذر راستوں پر چلنا انکے لئے بچوں کا سا کھیل ہو گیا - اور ازحد سرد مقامات پر یعنی برفستان کے نزدیک محض

---

[1] اس خاندان کی گدی گدھی کپورہ (پشاور) میں اب تک موجود ہے - جو بابا تلسی داس کے نام سے مشہور ہے ہزاروں آدمی پشاور کے گرد و نواح میں اس گدی کے سیوک یعنی مُرید ہیں - اس خاندان کے بزرگ گوسائیں بھی جو پشاور کے علاوہ سوات ، مالاکنڈ ، چکدرہ ، بونیر اور کابل وغیرہ کے اکثر ہندو گھرانوں کے قابل تعظیم گورو ہیں گدھی کپورہ (پشاور) میں رہتے ہیں - اُن بزرگ کا نام بابا کرم چند گوسائیں تھا جو ایک سو بیس برس کی عمر میں سنہ ۱۹۲۱ء میں اِس ناپائدار دنیا سے رحلت کر گئے اب اس بات کا پتہ لگا ہے کہ آپ کے مورث گوسائیں تلسی داس مصنف رامائن نہیں ہیں - یہ دوسرے بزرگ ہیں - اڈیٹر

ایک دھوتی پہن کر زندگی بسر کرنا اُن کے لئے ایک معمولی سی بات ہوگئی۔ امرناتھ، ویشنو دیوی اور دیگر برفستان کی یاترا اُن دنوں اُنہوں نے محض ایک دھوتی (آدھی نیچے آدھی کاندھے پر) پہنے ہوئے ہی کی تھی۔ اور سردی کچھ اثر کرتی معلوم نہ دیتی تھی۔

والد صاحب کی ہمشیرہ صاحبہ (یعنی تیرتھ رام جی کی پھوپھی صاحبہ) بڑی نیکدل پارسا و پریم کی پتلی تھیں۔ روز مندروں، شوالوں، عبادتگاہوں میں جایا کرتی تھیں۔ جب جب پرستش گاہوں و معبدوں میں جاتیں اپنے ساتھ ننھے رام تیرتھ کو (جو اُس وقت تیرتھ رام کہلاتا تھا) بھی لیجاتیں۔ گاہے گاہے کتھا میں بٹھا کر کتھا سنواتیں گاہے پوجا و آرتی میں شامل کر کے اُن میں دھرم کا جذبہ بھڑکاتیں۔ پھوپھی صاحبہ کی آغوش محبت، صفائی باطن اور دھارمک چت نے ننھے تیرتھ رام جی کے دل پر کچھ ایسا وجد کا اثر ڈالا کہ بچپن ہی میں اُنھیں عبادتگاہیں (مندر وغیرہ) کتھائیں اور پرہیزگاری مرغوب طبع ہوگئیں، اور آوازِ ناقوس (سنکھ دھونی) بچپن میں ہی اُن کے دل پر جادو بھرا اثر جمانے لگ پڑی۔ گسائیں جی کے والد صاحب (گسائیں ہیرانند جی) کا بیان ہے کہ "جب رام نے تیسرے سال میں قدم رکھا اُس وقت میں اُسکو اتفاقیہ ایک دن اپنے ساتھ لیکر دھرم شالہ کتھا سُننے گیا اور جبتک میں کتھا سُنتا رہا، یہ ننھا بچہ نہایت غور اور تحقیق سے کتھا کہنے والے پنڈت کی طرف تکتا رہا۔ جب دوسرے دن تقریباً اُسی وقت کتھا کا سنکھ بجا تیرتھ رام نے رونا شروع کر دیا۔ میں نے اُسکو چپ کرانے کے لئے کئی مختلف کھلونے اور مٹھائی دینی چاہی، مگر یہ بچہ کھلونوں اور مٹھائی کے لالچ میں بالکل نہ آیا۔ بلکہ کھلونے وغیرہ سب پھینک دیئے۔ اور لگاتار روتا رہا۔ اتنے میں میں کتھا سُننے کے لئے جانے لگا اور تیرتھ رام کو بھی ساتھ لے جانے کے لئے گود میں اُٹھا لیا۔ جونہی میں نے اُسکو اُٹھا کر دھرم شالہ کا رُخ کیا وہ بالکل خاموش ہوگیا۔

مجھے یہ بہت ہی اچنبھا (تعجب) سا معلوم ہوا۔ اور میں آزمانے کے لئے پھر تھم گیا، بچہ نے پھر رونا شروع کر دیا۔ جب میں پھر آگے بڑھا تو خاموش ہو گیا۔ غرضیکہ جب تک کتھا کا متوالا چھوٹا سا رام دھرم شالہ نہ پہنچ لیا تب تک بیقرار رہا۔ اسی طرح ہر روز شنکھ کی آواز سن کر تیرتھ رام رونا شروع کرتا تھا تاکہ کتھا کے مندر میں اُسے جھٹ پہنچایا جائے۔" خود بھی سوامی جی مہاراج نے ایک دفعہ راقم سے یوں فرمایا تھا کہ "بچپن میں رام کے چت پر شنکھ کی آواز ایسا تعجب خیز اثر کرتی تھی کہ اگر رام زار زار بھی روتا ہو، تو بھی اُس کے سُننے سے جھٹ چُپ ہو جایا کرتا تھا"۔

اپنے ایک انگریزی لیکچر میں سوامی جی نے اپنی پیدائش کے بارے میں یوں فرمایا ہے کہ "رام کے دادا (گوسائیں* رام لعل) صاحب علم جوتش (نجوم) میں نہایت ماہر تھے۔ جب رام پیدا ہوا تو وہ ساعت پیدائش دیکھتے ہی روئے اور ہنسے۔ جب اُن کے رونے اور ہنسنے کا سبب پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ "روئے ہم اس لئے ہیں کہ یہ بچہ (تیرتھ رام) ایسی گھڑی پیدا ہوا ہے کہ یا تو یہ خود نہیں رہیگا اور یا اپنی والدہ صاحبہ پر بھاری ہونے کے کارن اُسے اپنے ہاتھ سے کھو دیگا۔ اور ہنسے ہم اس لئے ہیں کہ اگر ایشور کی اِچھا سے یہ بچہ جیتا رہا تو ایسا صاحب اقبال اور عالم ہوگا کہ تمام دُنیا میں اِسکا نام روشن ہوگا۔ اور اِسکی وجہ سے ہمارے کُل (خاندان) کی شہرت مُلک بملک پھیلے گی"۔ قدرت الٰہی کو کچھ ایسا ہی منظور تھا۔ یا شاید ہندوستان کے نصیب ہی کچھ ایسے تھے کہ تیرتھ رام جی کی پیاری والدہ صاحبہ تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد دُنیا سے رحلت کر گئیں۔ اور تیرتھ رام جی کچھ دنوں تک تو گائے کے دودھ سے پلے۔ اور بعد ازاں

---

* تیرتھ رام جی کی جنم پتری میں اُن کے دادا کا نام رام مل لکھا ہے۔ لیکن مشہور نام رام لعل تھا۔

اپنی معزز اور پریم بھری بھوا کی شفقت آمیز گود میں کھیلے کودے۔

جنم پتری و پیشینگوئیاں | اِس مقام پر تیرتھ رام جی کا جنم لگن بھی دیا جاتا ہے تاکہ علم نجوم میں دسترس رکھنے والے اصحاب اور دیگر رام پیارے اِس امر سے بخوبی واقف ہو جائیں کہ اُنکے سابقہ جنم کے سنسکار بھی کیسے زبردست اور اعلیٰ تھے جو بچپن میں ہی اپنا رنگ دکھانے اور جمانے لگے ؂

بکرمی سمت ۱۹۳۰ سالباہن شاکھا ۱۷۹۵ دکھشائین سورج (آفتاب اپنی جنوبی میں) شرد رتو (موسم بہار) کارتک ماس شکل پکھش پرتی پدا (کارتک شدی یکم) بُدھ وار گھڑی ۲۵ پل ۵۵۔ سواتی نکھشتر ۳۱ گھڑی ۲۵ پل۔ پریتی یوگ گھڑی ۲۹ پل ۹ ۴۔ بب کرن ایونگ پنچانگ..... طلوع آفتاب سے ۲۴ گھڑی ۲۰ پل کے بعد کارتک دن آٹھ مین لگن میں گسائیں رام مل جی کے بیٹے گسائیں ہیرانند جی کے گھر میں بالک (تیرتھ رام) کا جنم ہُوا۔ جس کا جنم نام سواتی نکھشتر کے انت چرن میں پیدا ہونے کے کارن تارا چند رکھا گیا اور تُلا راشی ہُوا ؂

سُنا جاتا ہے کہ جنم گھڑی دیکھکر جوتشیوں (نجومیوں) نے یہ پیشینگوئی کی کہ یہ لڑکا دُنیاوی رنج و راحت کو لات مار کر سرورِ ابدی کے سمندر کی لہروں پر

تیرنیگا۔ اور عشق مجازی کے دریا کو عبور کر کے عشق حقیقی کے اتھاہ اور بے پایاں آب میں غوطہ زن ہوگا۔ عالم کی سیر کریگا اور نہ صرف اپنے خاندان بلکہ بھارت بھومی کی تواریخ کو از سر نو سنہری جامہ پہنائیگا۔

اسی موقع پر ایک فاضل پنڈت یہ پیشینگوئی کرتا سنا گیا کہ :۔

(۱) یہ بچہ اپنی ماں کے دودھ سے نہیں پلیگا۔ (۲) ودیا بہت حاصل کریگا۔ (۳) تپ کریگا۔ بھجن میں مشغول رہیگا۔ (۴) ۲۸ برس کی عمر میں اداس ہوکر بنوں کو دیدار الٰہی کی لالسا کے لئے چلا جائیگا۔ (۵) پرتھوی پر بڑا نام پاویگا۔ (۶) تیئس اور چالیس برس کی عمر کے درمیان پانی سے خوف ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ ؛

سوامی جی مہاراج کے شریر چھوٹنے کے بعد صرف مذکورہ بالا جنم لگن ایک مشہور و کامل جوتشی (نجومی) جی کو دکھلایا گیا۔ انہوں نے مفصلہ ذیل دس پھل بیان فرمائے ہیں :۔

(۱) اعلیٰ ودوان (عالم) ہو ؛ (۲) ۲۱ یا ۲۲ برس کی عمر میں پرمارتھ یعنی حق شناسی کا خیال بہت زیادہ رکھے ؛ (۳) اِشٹ اوبھت (عجیب یعنی بے نظیر) ہو۔ مثلاً (اونکار) اوم ؛ (۴) غیر ملکوں میں بھی ضرور جاوے ؛ (۵) راج دربار کا چمتکار ہوکر رہے نہیں۔ یعنی راج دربار میں اعلیٰ عہدے پر ممتاز ہوکر پھر فوراً اسے ترک کر دے ؛ (۶) جسم روگی (علیل) عموماً رہے بلکہ کسی عضو میں نقص ہو ؛ (۷) آخر عمر میں خواہشات نفسانی بالکل نشٹ یعنی راکھ ہو جاویں ؛ (۸) دو لڑکے ضرور ہونے چاہئیں ؛ (۹) عمر ۲۸ سال سے لیکر ۳۵ سال کے اندر اندر ہو۔ یعنی الپ آیو (تھوڑی عمر والا) ہو ؛ (۱۰) اگر برہمن ہو تو موت پانی میں اور اگر کھشتری ہو تو موت مکان پر سے گر کر ؛

تیرتھ رام جی کی جنم کنڈلی کے لکھنے والے جوتشی (نجومی) نے جنم پتر کے

آخر میں جنم راشی کو ۹ حصوں میں تقسیم کرکے مفصلۂ ذیل مختصر ۹ پیشینگوئیاں کی ہیں: "پہلے حصّہ میں دولت کا آنند لینے والا ہو۔ دوسرے حصّہ میں دولت کا مالک یعنی خزانچی ہو۔ تیسرے حصّہ میں غریب یعنی بے زر رہے۔ چوتھے حصّہ میں گفتگو کرنے کے ناقابل ہو۔ پانچویں حصہ میں اپنے خاندان کے دھرم کے مطابق عمل کرنے والا ہو۔ چھٹے حصّہ میں غیر عورت سے کوئی ناواجب تعلق ہو۔ ساتویں حصہ میں ماں باپ کو تارنے والا (نامور کرنے والا) ہو۔ اور اپنے کُل (خاندان) میں سب سے اعلیٰ نکلے۔ آٹھویں حصّہ میں سرکار دربار میں عزت پاوے۔ نویں حصّہ میں نہایت صاحبِ نصیب ہو۔ پیدا ہوتے ہی شروع سال میں پہلے، چھٹے، نویں اور گیارھویں ماہ میں روگی یعنی کسی مرض میں مبتلا ہو۔ اوائل عمر کے تیسرے اور پانچویں برس میں بیماری کی تکلیف میں مبتلا ہو۔ پانچویں برس میں پڑھنے کی طرف راغب ہو۔ ساتویں اور تیرھویں برس میں اوپر سے یعنی کوٹھے پر سے گرے۔ جلا گھات یعنی جل میں غرق ہونا نویں اکیسویں یا آخر تینتیسویں برس میں ہو۔ (یہ آخری پیشینگوئی تو قریباً لفظ بہ لفظ ٹھیک نکلی ہے)۔ علم میں ترقی تیئیسویں برس میں ہو۔ ۲۴ یا ۲۵ برس کی عمر میں راج پراپتی یعنی عہدۂ حکومت ملے۔ برس ستائیس میں راج کلیش یعنی عہدے سے دست بردار ہو۔ عمر ۲۲ یا ۴۱ یا ۵۲ میں کسی انگ (عضو) میں نقص واقع ہو جائے۔ وغیرہ وغیرہ"۔

جب سوامی جی کی جسمانی زندگی پر شروع سے آخر تک غور سے نظر ڈالی جائے تو متذکرہ بالا پھل (ثمرہ پیشینگوئیاں) قریباً سارے کے سارے ثمرہ آور ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ عین تینتیس برس کے اختتام پر اُنکا جسم دریائے گنگ میں بہا۔ اور دُنیا سے ہمیشہ کے لئے رحلت کر گیا۔

اور اگر وہ دن کسی طرح بلا اِس واقعہ کے گزر جاتا تو دُوسرے دن فوراً چونتیسواں برس شروع ہو جاتا۔ کیونکہ دیوالی کے عین دوسرے دن اُن کا طلوع (تولد) ہُوا۔ اور عین دیوالی کے دن غروب (رحلت) ہُا

سگائی ننھے تیرتھ رام جی ابھی ڈیڑھ برس کے ہی ہونے پائے تھے کہ والد صاحب نے اُنکی سگائی ضلع گوجرانوالہ کی تحصیل وزیر آباد کے قصبہ ویروکے میں پنڈت رامچندر کے ہاں کردی۔ اُس علاقہ میں ابھی تک پنڈت رامچندر جی کا خاندان نہایت معزز سمجھا جاتا ہے۔ اسی خاندان کے ایک بزرگ پنڈت قصدی لعل تھے جن کے والد سکھوں کی عملداری میں عدالت وزیر آباد کے رقمداں (محاسب) تھے۔

ابتدائی تعلیم اصل میں تو تعلیمی باب رام کا اُسی وقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ بچپن میں ہی ایشور درشن۔ کتھائیں اور ناقوس کی آوازیں یعنی سنکھ دھونیں اس نونہالِ امید کو بے قرار کئے رکھتی تھیں۔ گویا کہ اوائل عمر میں ہی میلانِ طبع عشق الٰہی و علمِ ادب کی طرف ہو گیا تھا۔ مگر عملی طور پر تعلیمی شوق قریباً چھ سال کی عمر میں ظہور پذیر ہُوا۔ اُنکے گاؤں (مرالی والا) میں ایک سرکاری ورنیکولر پرائمری اسکول تھا۔ اُسی میں یہ ہونہار اور ننھے سے قد والا بچہ داخل کرا دیا گیا۔ تیرتھ رام جی گو قد کے چھوٹے اور عادت کے سیدھے سادے تھے۔ مگر اعلیٰ درجے کے ذہین، پڑھنے میں سب سے تیز (چالاک) اور محنتی تھے۔ مدرسہ کے ہیڈ مولوی (سراجِ مدرّس) مولوی محمد علی تھے۔ وہ تیرتھ رام جی کی ذہانت پر بسا اوقات بہت متعجب اور انگشت بدنداں ہوتے تھے اس چھوٹی سی عمر میں اسکول کی پانچویں جماعت تک تیرتھ رام جی نے فارسی زبان میں گلستان و بوستاں علاوہ اسکول کی کتابوں کے پڑھ لی تھیں۔ اور

سوامی رام تیرتھ جی کی جنم بھومی یعنی جای پیدائش
بمقام مرالی والا ضلع گوجرانوالہ

"کلیات رام جلد دوئم"

بھگت دھنا رام جی – مرشد سوامی رام قبل سنیاس آشرم

اُردو کورس کی نظموں کی نظمیں ازبر کرلی تھیں۔کھیل کود کا اُنھیں مطلقاً شوق نہ تھا۔ اور نہ آوارہ بچوں کی سی عادتیں اُن میں داخل ہونے پائی تھیں۔ سارا دِن وہ اپنے پڑھنے لکھنے میں گزارتے۔ اور شام کو جب اسکول سے چھٹی ملتی سیدھے دھرم شالہ کو کتھا سُننے چلے جاتے اور وہاں سے گھر واپس آ کھانے پینے سے فارغ ہو دھرم شالہ میں دن بھر کی سُنی ہوئی کتھا بِلا کم و کاست جوں کی توں اپنے رشتہ داروں کو بستر پر جانے سے پیشتر سُنایا کرتے تھے؛
اِس خُداداد لیاقت و ذہانت کے سبب تیرتھ رام جی نے بجائے پانچ سال کے قریباً تین سال کے قلیل عرصہ میں پرائمری (ابتدائی منیم) کا سرٹیفکٹ (سند) نہایت کامیابی سے حاصل کرلیا تھا۔یعنی پہلے سال میں پہلی اور دوسری۔ دوسرے سال میں تیسری اور چوتھی۔ اور تیسرے سال میں پانچویں جماعت کی تعلیم ختم کی۔اور درجۂ اوّل میں پاس ہوئے۔اور وظیفہ بھی حاصل کیا؛

فرض کی شناخت تیرتھ رام جی کے والد صاحب سے [illegible] کیا ہے کہ جب رام ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں ختم کر چکے تو مجھے کہنے لگے۔"پتاجی! مدرسے کے مولوی صاحب (مولوی محمد علی) نے میرے ساتھ بہت محنت کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے گھر میں جو بھینس ہے وہ اُستاد صاحب کی خدمت میں نذر کی جائے۔کیونکہ حق اُستادانہ ادا کرنا ہمارا فرض ہے"۔ غور کی جاء ہے کہ یہ تو دس سال کا لڑکا حق و ناحق کی کیسی شناخت رکھتا تھا۔اور روزِ اوّل سے "فرض" اور "استحقاق" کے ساتھ اسے کس قدر محبت و اُنس تھی؛

شادی اسی زمانہ میں تقریباً دس برس کی عمر میں گُسائیں ہیرانند جی نے اپنے بیٹے تیرتھ رام کی شادی کردی بھلا اس چھوٹی سی عمر میں یہ لڑکا اس گورکھ دھندے کو کیا جان سکتا تھا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد بہت معترض ہوا

اور والد صاحب سے یوں عرض کرنے لگا کہ "مجھے آپ نے کس کم سنی میں جنجال میں پھنسا دیا ہے گرہستہ و گھرانوں کی جو دردناک اور خراب حالت ہے اسکے مطابق ایسی باتوں کی کون پرواہ کرتا ہے ؟

تعلیم | ابتدائی تعلیم کے بعد تیرتھ رام جی آگے پڑھنے کے لئے اپنے والد صاحب کے ساتھ گوجرانوالہ ہائی اسکول میں داخل ہونے گئے۔ مرالی والا گاؤں اس شہر سے قریباً سات میل کے فاصلہ پر ہے۔ اِس چھوٹی سی دسّ برس کی عمر کے بچے کو بلا کسی محافظ (نگہبان) کے اتنی دور چھوڑنا والد صاحب نے مناسب نہ سمجھا۔ اِس لئے وہ اپنے لائق و مہربان دوست بھگت دھنّا رام جی کی زیر نگرانی تیرتھ رام جی کو چھوڑ گئے۔ اگرچہ شروع شروع میں کچھ عرصہ تک وہ اپنے ننہال میں ہی رہتے رہے ؟

چونکہ اپنے گاؤں کے ورنیکولر اسکول میں محض اُردو، فارسی ہی پڑھائی جاتی تھیں۔ اور وہاں انگریزی کا نام و نشان نہ تھا۔ اس لئے گوجرانوالہ پہنچکر تیرتھ رام جی پہلے سپیشل کلاس (انگریزی) میں داخل ہوئے۔ اِس جماعت کے پاس کرنے کے بعد مڈل کے درجوں کی پڑھائی پڑھنے لگے۔ اِس وقت اُنکی عمر قریباً ساڑھے بارہ سال کی تھی۔ اس عمر میں کسی ضروری کام کے لئے وہ اپنی سسرال (قصبہ ویروکی میں) گئے تھے۔ بھگت دھنّا رام جی کے ساتھ تیرتھ رام جی کو اس قدر محبت و تعظیم تھی کہ وہ اُنکو بال برہمچاری، ابھیاسی اور یوگی محسوس کرکے اُنھیں اپنا گورو سمجھتے تھے۔ جب یہ پہلا موقعہ اُن سے علیحدہ ہونے کا تیرتھ رام جی کو ملا تو اُنھوں نے اپنی سسرال سے گورو جی کو یہ خط لکھا۔ اور یہ خط بنام اپنے گورو کے تیرتھ رام جی کی زندگی میں پہلا ہے اس کی اصلی کاپی نیچے دی جاتی ہے تاکہ سوانح عمری کے پڑھنے والوں کو معلوم

ہو جائے کہ اس چھوٹی سی عمر میں بھی تیرتھ رام جی زبان اُردو میں کیسے لائق تھے۔ اور اوائل عمر میں ہی انکو اپنے گورو مہاراج کے ساتھ کس قدر تعظیم و محبت (بھگتی) تھی۔ ساتھ ہی وہ اپنے گورو جی پر کیسے فدا تھے!

نقل خط

"از دیرہ کے"

۲۴ رمئی ۱۸۸۶ء　رہنمائے سالکان و پیشوائے عارفان سلامت
آپ کا نوازش نامہ مجھے یزدوکی کے میلے سے ایک دن پہلے ملا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ "میلے کو آوینگے" اس واسطے میں بھی میلے کو گیا۔ مگر مجھے آپ کے درشن نہ ہوئے۔ اور یہاں لفافے نہیں ملتے۔ اس واسطے خط میں دیری ہوئی۔ اور آج اس کارڈ کی خاطر وزیر آباد آیا ہوں۔۔۔۔ اگر کوئی قصور سرزد ہوا ہو، تو معاف فرمائیں" ؛

غلام تیرتھ رام

اس گورو بھگتی کے ساتھ ساتھ تیرتھ رام جی اپنی تعلیم میں بھی اس قدر محنت کرتے تھے کہ اکثر اپنی جماعت میں اوّل ہی رہا کرتے تھے۔ مگر شادی شدہ ہونے پر بھی ½ ۱۴ برس کی عمر میں انھوں نے انٹرنس کا امتحان دیا اور اپنے امتحان کے نتیجے کو مفصل اپنے گورو جی کے پاس یوں لکھ بھیجا۔

"۱۸ رمئی ۱۸۸۸ء جناب ست گورو جی مہاراج بھگت صاحب مجھ پر خوش رہو۔ میں سوموار کے دن مشن کالج میں داخل ہو گیا۔ اور ایک مکان دوچھتی میں ایک روپیہ مہینہ کرایہ پر لیا ہے۔ اس مکان کا مالک مہتاب رائے مشر ہے۔ اس لئے خط مجھے اسکی معرفت لکھا کرو۔ اور میرا وظیفہ نہیں لگا۔ اور وہاں میں اوّل درجہ میں پاس ہوا ہوں۔ میرا نمبر پنجاب میں اڑتیسواں ہے

یہاں مشن کالج میں ساڑھے چار روپیہ فیس ہے۔ فقط۔ زیادہ آداب"۔

تیرتھ رام۔ ایف' اے' کلاس۔ مشن کالج۔ لاہور۔

اسکے کچھ ماہ بعد گورو جی کی مدد سے تیرتھ رام جی کو میونسپل کمیٹی گجرانوالہ سے وظیفہ ملا۔ کیونکہ اُنھوں نے میونسپل ہائی اسکول سے امتحان دیا تھا۔ اور وہ ضلع گوجرانوالہ میں اول رہے تھے۔

اعلیٰ تعلیم | اِس موقع پر یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ تیرتھ رام جی اپنے گھر سے روٹھ کر کالج میں داخل ہونے کے لئے لاہور چلے آئے تھے۔ کیونکہ اُنکے والد صاحب اُنکو آگے پڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ اور تیرتھ رام جی اُنکے برخلاف تھے۔ اس لئے متواتر ایک سال تک (ایف، اے، کے زمانہ میں) وہ اپنے قصبہ مُرالی والا میں ایک دفعہ بھی نہیں گئے۔ اور محض اُس وظیفہ پر جو میونسپل کمیٹی گجرانوالہ سے بوجہ اسکول میں اول رہنے کے ملا تھا، گزارہ کرتے رہے۔ اپنے خالو صاحب پنڈت رگھناتھ مل اور اپنے گورو بھگت دھنا رام جی کی امداد و حوصلہ افزائی سے تعلیم میں وہ ثابت قدم رہے۔ کتنی مدت تک گاؤں جانے کا عزم تک نہ کیا۔ حالانکہ مُرالی والا لاہور سے بہت دُور نہ تھا۔ مگر بعد میں والد صاحب کے اصرار پر چند روز کے لئے اپنے لواحقین سے ملنے چلے گئے۔

ایف، اے، کے دوسرے سال (سیکنڈ ییر) میں رام بہت محنت کرنے لگے۔ اور اسی وجہ سے اکثر بیمار رہنے لگے۔ اس پر بھی اُنہیں ایکانت سیون اور محنت کا اس قدر اشتیاق تھا کہ اپنے ایک خط میں اپنے خالو صاحب کو وہ یوں لکھتے ہیں کہ "میری سب سے بھاری ضرورت (۱) ایکانت (تنہائی) اور (۲) وقت ہے۔ اسے پراپتا (۱) مخفی من (۲) ایکانت جگہ اور

(۳) وقت۔ ان تین چیزوں کا میرے لئے کبھی کال نہ ہو۔ خالص صاحب! یہ میرا ارادہ ہے۔ آگے پرمیشور کا اختیار ہے"۔

ایشور سے اِن پرارتھناوں (دعاؤں) کا تیرتھ رام جی کو یہ پھل ملا کہ باوجود متواتر بیمار رہنے کے وہ ۱۸۹۰ء میں ایف۔اے۔ کے امتحان میں اپنے کالج میں شاید اوّل رہے۔ اور سرکاری وظیفہ بھی حاصل کیا۔ اور بی۔اے۔ کی تعلیم بھی اُسی مشن کالج کی گود میں جاری رکھی۔

اِس طرح تعلیم کو آگے متواتر جاری رکھنے سے جب والد صاحب کو معلوم ہُوا اور یقین ہو گیا کہ تیرتھ رام بغیر ہماری امداد کے بھی تعلیم جاری رکھ سکتا ہے۔ اور ہماری مرضی مطابق ملازمت وغیرہ کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ تو وہ غصہ میں آکر تیرتھ رام جی کی نوجوان بلکہ بالک استری (بیوی) کو بھی لاہور میں اُنکے پاس چھوڑ گئے اور خود کسی طرح کی مدد وغیرہ کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ اُس وقت نوجوان گسائیں تیرتھ رام جی کو بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ (۱) مکان کا کرایہ (۲) کتابوں اور فیس کا بوجھ (۳) اپنا اور بیوی کا خرچ وغیرہ وغیرہ۔ گر سچ ہے "مستقل ارادہ مشکلات کے پہاڑوں کو چیر دیتا ہے۔ مایوسی کے گھنے بادلوں کو چھن بھن (پاش پاش) کر دیتا ہے"۔ ایک دفعہ وظیفہ کے روپے گسائیں جی نے کتابوں پر خرچ کر دیئے۔ اور دیگر خرچ کے لئے اُس وقت کچھ خیال نہ کیا۔ مگر بعد میں سخت مصیبت پیش آئی۔ حساب لگانے سے معلوم ہُوا کہ اس مہینے میں اُنکے حصے میں تین پیسے روز بچتے ہیں۔ پہلے تو گھبرائے۔ پھر سنبھل کر بولے "بھگوان ہماری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ آخر فقیر بھی تو دو تین پیسے میں دن کاٹتے ہیں"۔ اِس حساب سے گسائیں جی دو پیسے کی صبح اور ایک پیسے

کی شام کو روٹی کھا کر دن کاٹنے لگے۔ ایک دن شام کو جب روٹی کھانے دوکان میں گئے تو دوکاندار نے کہا کہ "تم روز ایک پیسے کی روٹی کے ساتھ دال مفت میں کھا جاتے ہو۔ جاؤ، مَیں ایک پیسے کی روٹی نہیں بیچتا" یہ حال دیکھکر نوجوان تیرتھ رام جی نے دل میں عزم کیا کہ چلو جب تک اور روپیہ نہیں ملتا چوبیس گھنٹوں میں ایک ہی وقت بھوجن کیا جائے گا ؂

اِس قدر تنگی اور مفلسی میں بھی گوسائیں جی کے دل میں جس قدر محنت کا اشتیاق و وقت کا لحاظ تھا، جو فوقیت وہ ظاہرداری کی نسبت باطنی حالت کو دیتے تھے اور ساتھ ساتھ گورو بھگتی و ایشور کا جیسا دھیان رکھتے تھے، وہ کُل کے کُل اُنکے خطوں سے جو اُن دنوں اُنہوں نے اپنے قابلِ تنظیم گورو مہاراج دھنا بھگت جی کو لکھے۔ بڑے زور سے مترشح ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر چند خط نیچے دیے جاتے ہیں ؂

خط نمبر ۱

सत्यं ज्ञानमनन्तं (ब्रह्म) आनन्दामृत शान्ति निकेतन,
मंगलमय शिवसुन्दरम्, अद्वैतम् अतुलम्, परमेशम्,
शुद्धम् अपाप विद्धम् ॥

ستیم گیان - منتم برہم - آننَد آمرت - شانتی نکیتن - منگل مے شوسُندرم - ادویتم - اُتّم - پرمیشم - شُدھم - اپاپ ودھم - میں آپ کے چرنوں میں سب کچھ ارپن کرتا ہوں - آپ دَیا رکھیں -

۲۴ر جون ۱۸۹۰ء

مہاراج جی! آپ مجھ پر خفا ہیں - مگر مَیں جانتا ہوں کہ اس خفگی

٭ سنسکرت میں یہ القاب ہو بہو رام تیرتھ جی کے خط کی نقل ہے -

کی وجہ سوائے اسکے (کہ آپ نے میرے دل کو نہیں دیکھا اور صرف ظاہرداری کی باتوں کو دیکھکر ہی میری بابت بُرے قیاس کر بیٹھتے ہیں) اور کوئی نہیں ہے۔ اگر آپ میرے دل کو دیکھیں تو میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ خفا ہونا تو آپ نے یہ نہ خیال کرنا کہ اگر میری طرف سے ظاہرداری کے کسی معاملہ میں کوتاہی ہو گئی ہے تو اسکی وجہ (میرے دل کا عقیدہ آپ کی طرف سے ہٹ جانا) ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ مَیں ہر کام میں آپ کی مدد کا محتاج ہوں اور اپنے من میں سدا آپ کا خیال رکھتا ہوں۔ اوّل تو پڑھنے وغیرہ یا کسی اور بھلے کام کی طرف چت لگنے میں آپکی مدد درکار ہے۔ پھر اُس کام کے لئے تیاری کرنے میں سامان بہم پہنچانے میں آپ کی مدد درکار ہے۔ پھر اگر اُس کام میں محنت کی جائے تو محنت کے سپھل ہونے میں آپکی مدد درکار ہے۔ غرض ہر کام میں آپ کی مدد ضروری ہے ؁

اگر کسی ظاہرداری کے کام میں کوتاہی ہوئی تو اُسکی وجہ ایسی ہے مثلاً اگر مَیں پڑھنے میں کوشش کروں اور اُس پڑھنے میں صرف اپنی ہی غرض ملحوظ ہو اور آپ کی طرف سے اُتنا چت ہٹا لوں تو بیشک بہت ہی بُری بات ہے۔ مگر میری ایسی حالت نہیں ہے۔ مَیں اگر محنت کرتا ہوں تو میرے دل میں (میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ نے کوئی اور خیال نہ کرنا) کسیقدر اپنا رس بھی مطلوب ہوتا ہے۔ مگر زیادہ تر یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ پڑھنا آپ کا کام ہے۔ اگر مَیں اچھا پڑھوں تو گویا آپ کی زیادہ تابعداری کی ہے۔ اور آپ کی زیادہ خدمت بجا لایا ہوں۔ اور آپ کے ذرہ کے انش ماتر بھی کوئی کام نہیں کر رہا۔ اب اگر پڑھنے کی طرف زیادہ خیال کروں اور کسی ظاہرداری کے کام میں اگر کوتاہی ہو جائے (مگر سچ کہتا ہوں کہ میرا من بالکل پہلے

کی طرح ہے۔ بلکہ پہلے سے بھی بہت اچھی طرح آپ کا تابعدار ہے) تو گو ظاہر میں نظر کو میری کوتاہی نظر آتی ہے مگر چشم دور بیں صاف دیکھ رہی ہے کہ میں پہلے کی نسبت بھی آپ کی خدمت زیادہ بجا لا رہا ہوں۔ گو اب معلوم ہو رہا ہے کہ میرا خیال آپ کی طرف کم ہے۔ مگر یہ ظاہر طور پر میرا اب کم خیال آپ کی طرف معلوم ہونا انجام میں مجھ کو اس لائق کر دیگا کہ آپکی خدمت لاکھ مرتبہ اچھی کروں۔ بشرطیکہ آپ میری ظاہرا حرکات پر خفا نہ ہو جائیں اور میری محنت (جو کہ آپکا کام ہے) کے سپھل ہونے میں مدد دیں۔ کیونکہ انجام میں میں آپکی مدد کا بڑا محتاج ہوں مثل مشہور ہے "ہمتِ مرداں مددِ خدا" جسکے معنے میں یہ کرتا ہوں کہ خدا کی مدد درکار ہوتی ہے مردوں کی کوشش کو۔ میرا یہ پڑھنا آپ کا بہت بڑا کام ہے۔ اور ظاہرداری کے کاموں کو بھلے آدمی اتنا بڑا کام نہیں سمجھتے۔ اِس لئے آپ کا بہت بڑا کام کرنے میں (یعنی پڑھنے میں) اگر آپ کے کسی چھوٹے کام (ظاہرداری کے) میں کوتاہی ہو جائے تو معاف کر دیں۔ پھر یہ کہ کئی آدمی ہوتے ہیں جو من سے زیادہ خدمت کر سکتے ہیں۔ اور کئی ظاہر کی چیزوں سے زیادہ خدمت کر سکتے ہیں۔ مگر میں گو ظاہر کی کسی چیز سے آپکی خدمت نہ کر سکوں مگر من سے آپکا بڑا تابعدار ہوں ۔

جو لڑکے گھروں سے پڑھنے آتے ہیں وہ اپنے والدین کو خط تک بھی بہت کم لکھتے ہیں۔ اُن کا زیادہ اُن والدین کی طرف خیال ہونا تو درکنار۔ مگر اُن کے والدین کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ ہمارا بیٹا سرکش ہو گیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں ہمارا ہی کام کر رہا ہے ۔

اگر آپ کہیں کہ زیادہ ظاہر طور پر ایک دوسرے کی طرف خیال نہ کرنے سے محبت کم ہو جاتی ہے۔ تو یہ بات میرے معاملے میں بالکل نہیں کیونکہ میں تو من میں آپ کا خیال بڑا ہی کرتا رہتا ہوں۔ ہر ایک مشکل جگہ میں آپ

یاد رہتے ہیں اور یہ ایک قسم کا اندرونی پاپ ہوتا ہے گو ظاہر طور پر آپ کو معلوم نہ ہو۔ نیز میرا آپ کا معاملہ باپ بیٹے کا ہے۔ جس کے ٹوٹنے کا قیامت کے دن بھی اندیشہ نہیں ہوتا۔

آپ اور کچھ خیال نہ کریں میرا من تو سدا صاف ہے۔

پھر یہ بات کہ جو کام ناجائز آدمی سے ہوتا ہے اُسکی دو وجہیں ہوسکتی ہیں

اوّل۔ بیوقوفی۔ یا نادانی۔ دوئم۔ اُسکے من کا صاف نہ ہونا۔

جب میرے سے کوئی حرکت ناجائز صادر ہو تو آپ دیکھیں کہ اُسکی کیا وجہ ہے اگر پہلی وجہ ہو (صرف جو وجہ میرے ناجائز کاموں میں سدا ہوتی ہے) تو آپ اس کو دوسری وجہ سمجھ کر میرے پر خفا نہ ہو بیٹھیں۔ بلکہ چاہیئے کہ اگر کسی سے کوئی ناجائز حرکت بسبب نادانی صادر ہو تو اسکو اُس آدمی کی نادانی بجھادیں اور اُسکو یہ نہ کہیں کہ تُو تیرا من صاف نہیں ہے اور تُو بُرے چت والا ہے۔ تیرا ہماری طرف چت خراب ہے۔

اب اگر کوئی اور وجہ آپکی خفگی کی ہو۔ تو وُہ ضرور لکھدیں۔ کیونکہ جب تک آدمی کو بات نہ بتائی جائے وہ کیا جانے کہ کوئی کیوں خفا ہے۔ یہ ضرور مہربانی کرنی کہ اپنے من کا غصّہ ایک خط میں ظاہر کر بھیجنا۔ اور میری بیوقوفی پر مجھے اطلاع دینی۔ آپ ضرور میری بابت بُرا خیال جو آپکے دل میں ہے ہٹادیں۔

خط کے بھاری ہوجانے کے لیئے (یعنی سبب سے) بس کرتا ہوں۔ اور یقین کرتا ہوں کہ آپ اتنے سے ہی میرے حال پر مطلع ہوجائیں اور تلطف نامہ لکھینگے فقط

خط نمبر ۲

۱۱ جولائی ۱۸۹۰ء ستیم گیان ننتم۔ برہم۔ آنند۔ آمرت۔ شانتی کلیتں۔ منگل مئے شو۔ ردیم۔ ادوتیم۔ اگم۔ پرمیتم۔ شدھم۔ اپاپ ودھم۔ مہاراج جی! مَیں آپ کے

چرنوں میں سب کچھ ارپن کرتا ہوں۔ آپ دیا رکھا کریں۔

"آپ کا ایک خط ملا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ ہمیں تعطیلیں یکم اگست یا اس سے دو تین دن پہلے کو ہونگی۔..........................

میں پرمیشور سے یا آپ سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ کسطرح تعطیلوں میں مَیں بڑی ہی محنت کروں۔ کسی طرح سے وقت ضائع نہ ہو۔ اور میری محنت ٹھیک ٹھیک طریقے پر ہو اور پرمیشور اُس کو برکت دے۔ کیونکہ مَیں اپنے آپ کو بڑا ہی نالائق سمجھتا ہوں۔ اور درحقیقت ہوں بھی بڑا ہی نالائق۔ اس لئے جو میرا ارادہ ہے اُس کا مطلب یہی ہے کہ کسی طرح محنت زیادہ کروں۔ اور کوئی غرض نہیں۔ اور مَیں اُمید کرتا ہوں کہ آپ مجھے ایسے ارادے میں ضرور مدد دینگے۔ میرے حال پر ضرور ترس کرو۔ مَیں بڑا نالائق ہوں۔ میں چاہے یہاں رہوں چاہے وہاں رہوں۔ آپ کا تو داس ہوں اِس وقت جو میرا ارادہ ہے وہ مَیں لکھ دیتا ہوں۔ اور اگر یہ بدلگیا تو بھی لکھوں گا۔ ارادہ بڑا ہو آپنے کبھی یہ خیال نہ کرنا کہ ہمارے برخلاف ہو۔ کیونکہ میرے ہر ایک ارادہ سے اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ آپکے ساتھ سلوک اور بھی بڑھے۔ میری غرض اسکے اُلٹ کبھی نہیں ہوتی ہے۔ اب ارادہ یہ ہے کہ پہلے کچھ دن قریب سات یا آٹھ روز کے تو بالکل ہی لاہور رہوں۔ اور اُن دنوں میں اپنا پچھلا پڑھا ہوا صاف کروں۔ (بشرطیکہ ہانسی نہ جانا پڑ جائے) بعد ازاں گوجرانوالہ کچھ دن رہ کر دیکھوں کہ پڑھا جاتا ہے یا نہیں۔ پانچ چار روز ویروکے (سسرال) رہنے کا بھی ارادہ ہے۔ اور کچھ دن مُرالی والا۔ نیز ہانسی جانے کا بھی ارادہ ہے کیونکہ ماسٹر (حاکم جی) نے لکھا تھا اور اگر وہاں ایکانت جگہ ملجائے تو وہاں ہی شاید زیادہ دن یعنے قریب مہینے کے رہ پڑوں۔ اور پچھلی چھٹیاں پھر لاہور میں آکر کاٹوں۔ مگر آپ سے مَیں یہی مانگتا ہوں

کہ میرا وقت کسی طرح ضائع نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔" آپ کا غلام تیرتھ رام
اس خط کا جواب گورو جی نے کہیں سخت اور ناراضگی سے بھرا ہوا دیا ہوگا جس کے جواب میں گسائیں جی پھر گورو جی مہاراج کی خدمت میں نہایت مدلل نصیحت آمیز اور مفصل عرض نامہ لکھتے ہیں ؛

خط نمبر ۳
۱۹ر جولائی ۱۸۹۰ء

"ہمیں چھٹیاں یکم اگست سے ہونگی۔ آج ۱۹ر جولائی ہو۔ میں آپ کا سدا تابع ہوں۔ آپ اور کوئی خیال کبھی نہ کریں۔ جس کام میں کوئی آدمی مصروف ہو۔ اُسے کچھ عرصہ کے بعد ایک ملکہ ذہن میں آجاتا ہو۔ جس سے اُسکو بغیر سوچے اُس کام کے متعلق جو اچھی بات ہو وہ سُوجھ جاتی ہو۔ اور اُس اچھی بات کے اچھا ہونے کی جو دلیلیں ہیں۔ اُن دلیلوں کا اثر اُسکے من میں ہو جاتا ہو چاہے وہ دلیلیں خود اُسکے من میں نہ آئیں۔ اور زیادہ موقعوں پر وہ دلیلیں من میں نہیں آتیں۔ کیونکہ دلیلوں کا نکالنا اور بات ہے۔ یہ بات فلاسفروں کے متعلق ہو۔ اور سب لوگ فلاسفر نہیں ہوتے۔ اور وہ قوت جس سے معلوم ہو جاتا ہو کہ فلانا کام اچھا ہو۔ مگر اُس کام کے اچھا ہونے میں دلیل من میں نہیں آتی۔ اُس قوت کا نام ضمیر (Conscience) ہو۔ میں جب چھوٹا تھا تو شعر وغیرہ پڑھنے سے فوراً معلوم کرلیتا تھا کہ فلانا شعر اُسی وزن پر ہو۔ جیسا کوئی اَور فلانا۔ اور فلانا شعر اور وزن پر ہو۔ مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ کیا وزن ہو۔ اور فرق کوئی سے دو شعروں میں کس بات میں ہو۔ گو اتنا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ فرق ضرور ہو۔ یعنی اپنی بات کے ثابت کرنے میں دلیل نہیں دے سکتا تھا۔ حالانکہ بات بالکل سچ ہوتی تھی۔ جیسا کہ اب صرف دس برس کی پڑھائی کے بعد شعر کے بارے میں دلیل دینے کے لائق ہوا

ہوں۔ اور جانتا ہوں کہ یہ دلیل اُس وقت بھی دی جاسکتی تھی۔ گو میں دلیل سے بے خبر تھا۔ یعنی دلیل تھی ضرور گو میں نہیں جانتا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ سچا آدمی ہر وقت دلیل نہیں دے سکتا۔ بعض موقعوں پر اسکی بات کو بے دلیل بھی ماننا چاہیئے۔ بشرطیکہ اتنا ہم کو یقین ہو کہ وُہ آدمی دیدہ ودانستہ بُرا کام نہیں کرنے والا۔ اور اگر وہ کام ایسا کر رہا ہو کہ جس میں وُہ دلیل نہیں دے سکتا۔ تو وُہ اپنے ضمیر کے انوسار چل رہا ہوگا۔

دارشٹانت یہ ہے (مثالِ بالا کا مصداق یہ ہو) کہ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مَیں آپ کا تہِ دل سے غلام ہوں۔ اور جو کام میں کرتا ہوں۔ گو ظاہر طور پر اُس میں دلیل نہ دیسکوں۔ مگر اصل میں وہ کام ایسا ہوتا ہو کہ جیسا مجھ کو اتنے برس کی پڑھائی کا تجربہ بتاتا ہو کہ کام اچھا ہو اور اس کام کے کرنے میں بہتری ہوگی۔ اس لئے آپ یہ نہ خیال کر بیٹھیں کہ چونکہ یہ دلیل نہیں دے سکتا۔ اس لئے اس کو کوئی اور غرض ملحوظ ہو یا ہم سے عاقی (ننگ) ہوگیا ہو۔ یہ بات ہرگز نہیں۔ میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ مَیں آپ کا غلام ہوں۔

پھر یہ کہ چونکہ مَیں جانتا ہوں کہ آپ کی جو رائے میرے معاملہ میں ہوتی ہو۔ اسکی علتِ غائی یہ ہوتی ہو کہ مجھ کو آنند ہو۔ حالانکہ ظاہری علت یا غرض کچھ بڑی معلوم ہو۔ اسلیئے میں خیال کرتا ہوں کہ اگر میرے ضمیر کے ذریعے سے یا کسی اور نہایت ہی پختہ طور پر مجھ کو معلوم ہو کہ یہ بات میرے حق میں اچھی ہو مگر وہ میرے حق میں اچھی ہوگی وہ آپکے حق میں مجھ سے بھی زیادہ اچھی ہوگی۔ آپکے حق میں ہرگز ہرگز بُری نہیں ہوسکتی، تو ضرور ہی آپکی بھی اُس بات میں وہی رائے ہوگی۔ جو میرے ضمیر کی۔ یا اُس پختہ ذریعہ کی جس سے کہ وُہ

بات معلوم ہوئی ہو۔ اور آپ اُس معاملہ میں یہ نہ کہیں گے کہ اس نے ہماری حکم عدولی کی ہو۔ بلکہ یہ کہیں گے کہ اِسنے ہماری کمال تابعداری ہو۔ پھر یہ کہ میں چاہے کسی جگہ ہُوں۔ آپ کا غلام ہُوں ؛

اب بات یہ ہو کہ آپ نے لکھا تھا کہ چھٹیوں میں گوجرانوالہ آجانا۔ سو یہ بات ہو کہ آؤں گا تو مَیں ضرور ہی بہرحال۔ مگر یہ بات نہیں ہوسکتی کہ کُل چھٹیاں وہاں ہی گذاروں۔ میرا ضمیر کہتا ہو کہ لاہور میں زیادہ رہو۔ یہ بات ضمیر کی سمجھ کر میں نے زیادہ سوچا نہیں۔ مگر پھر بھی دو ایک دلیلیں لکھتا ہوں۔ (مَیں بڑا افسوس کرتا ہوں کہ مجھے ان بے فائدہ دلیلوں پر وقت ضائع کرنا پڑتا ہو۔ مگر میں اسلئے وقت ان پر خرچ کرنے پر مجبور ہوتا ہُوں کہ کہیں آپ کچھ اور سمجھ کر خفا نہ ہوبیٹھیں۔ اگر مجھے اس بات کا خطرہ نہ ہو کہ آپ خفا ہوجائیں گے تو مَیں ان دلیلوں پر وقت نہ ہی ضائع کروں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ مجھ کو اپنا غلام سمجھ کر میرے صدق مقال (قول) میں شک نہ لایا کریں) ؛

اس بات کو مَیں نے اب سمجھا ہو کہ لاہور کے بغیر کسی اور جگہ رہنے میں نہ صرف اس بات کا نقص ہوتا ہو کہ وہاں ایکانت مکان نہیں ملتا بلکہ ایک بہت ہی بڑا نقص اور ہوتا ہو۔ وُہ یہ کہ وہاں طبیعت ایسی نہیں رہتی کہ کسی سُوکشم کام کو کرسکے۔ وہاں ویرگھ درشٹی (باریک بینی) جاتی رہتی ہو اس کی وجہ یہ ہو کہ نفس جوکہ نہ جسم ہو اور نہ جسمانی۔ وُہ مدرکات جسمانی کے حصول سے اور مادّی چیزوں کے سنگ سے ضعیف اور ناقص ہوجاتا ہو اور لاہور کے بغیر اور سب جگہ یہ نقص پایا جاتا ہو کیونکہ وہاں عام لوگوں کے میل جول سے طبیعت کی مٹی خراب ہوجاتی ہو ؛

اب اگر کوئی پوچھے کہ لاہور میں بھی تو میل جول ہوتا ہے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ لاہور میں جو آدمی ملتا ہے اُسکے ساتھ اوپرے دل سے ایک بات کیجاتی ہے جسمیں من کا دھیان اُسکی طرف نہیں جاتا۔ مگر اور جگہ جو آدمی وہاں ملتے مجبوراً اُنکی طرف توجہ دلی کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اُس سے جو ملاقات ہوتی ہے وہ کتنے عرصہ کے بعد وقوع میں آئی ہوتی ہے۔ نیز لاہور کے بغیر اور جگہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں سے ملاقات ہوتی ہے۔ جنکی طرف بہت بڑا دھیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔ دیگر لاہور میں جو ملاقات ہوتی ہے وہ اکثر اپنے ہمجنسوں پڑھنے والوں سے ہوتی ہے۔ جو زیادہ بارج نہیں ہوتی ؎

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا اور بھی کوئی لڑکا ہے جو چھٹیوں میں لاہور رہیگا۔ تو سنیئے۔ ترکن دین جو پنجاب میں اس دفعہ اوّل رہا تھا بالکل ایک دن بھی ساری چھٹیوں میں اپنے گاؤں میں نہیں جائیگا۔ وہ خود کہتا ہے۔ وہ دس بارہ دن اب وہاں ہو آیا ہے۔ مگر چھٹیوں میں ہرگز نہ جائے گا آپ معلوم کریں۔

دنیا میں کوئی شخص ہُشیار ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک کہ وہ محنت نہ کرے جو ہشیار ہیں وہ سب بڑی محنت کرتے ہیں تب ہشیار ہیں۔ اگر ہم کو اُنکی محنت نہ معلوم ہو تو وہ خفیہ طور پر ضرور کرتے ہونگے۔ یا وہ پہلے کر چکے ہونگے۔ یہ بات بڑی تحقیق کی گئی ہے ؎

یہ بھی سچ ہے کہ کئی لڑکے چھٹیوں میں گھر جائیں گے۔ اور پھر بھی ہُشیار ہیں۔ مگر وہاں اور بات ہے۔ اُن کے گھروں میں یا اُن جگہوں میں جہاں وہ جاتے ہیں ایسے اسباب (جمع سبب) نہیں ہوتے کہ جو اُن کے منوں کو پڑھنے سے روکیں وہ بیاہے ہوئے نہیں ہوتے۔ یا اور بات ہوتی ہے۔ یا اُنکے من بڑے پختہ ہوئے ہوتے ہیں۔ جو ظاہری چیزوں کی طرف نہیں لگتے۔ مگر میرا من پختہ نہیں۔ یہ بڑا

خراب ہوا

ذہن جس کو کہتے ہیں وہ بھی محنت کرنے سے بڑھ جاتا ہے۔ پھر یہ کہ بفرضِ محال اگر کوئی محنت کئے بغیر کسی امتحان میں اچھا رہ بھی جائے تو اُسکو مزا پڑھنے کا ہرگز نہیں آئیگا۔ وہ آدمی بہت بڑا ہے۔ وہ اُس آدمی کی طرح ہے جس نے آپ کو ایک دفعہ کہا تھا کہ مجھے ایک سی حرفی بنادو۔ اور بیچ میں میرا نام رکھنا۔ اب گو اُس نے لوگوں میں تو مشہور کردیا کہ سی حرفی میری ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ اُس تصنیف میں جو مزہ آپ کو آیا ہوگا اُس شخص کو ہرگز ہرگز نہیں آسکتا۔ یا وہ اُس آدمی کی طرح ہے کہ جس کو اور کی ماری مرائی کمائی ہوئی مل جائے۔ اب گو اُسکے پاس دولت تو ہے مگر وہ دولت سے حظ نہیں اٹھا سکیگا۔ فوراً دولت کو اجاڑ دیگا۔ مگر جس نے محنت سے کمائی ہے۔ وہی نفع اٹھائے گا۔

آپ میرے والد۔ ماں رماتی ہیں۔ اور والدین کو ایسا نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ وہ گوجرانوالہ کا پاندھا جسکی بات آپ نے ایکدفعہ سنائی تھی کہ اُسنے اپنے بڑے ہونہار بچے کو پاٹ شالہ میں پڑھنے سے محروم رکھا صرف اسلئے کہ اسکو اپنے بچے سے محبت کمال درجے کی تھی۔

مگر آپ تو بڑے ہی اچھے ہیں۔ آپ کو تو اس بارے میں اُس پاندھے سے مشابہت نکال ہی نہیں دی جاسکتی۔ آپکی اور اُسکی تو روشنی اور اندھیرے کی مثال ہے۔ شاید آپکے دل میں یہ باتیں نہیں گذری ہونگی۔ جو میں نے اوپر لکھی ہیں۔ تب آپ نے یہ کہا کہ لاہور میں مت رہنا۔ اب دو برس کی بات ہے۔ زیادہ عرصہ بھی نہیں۔ اب محنت نہ کروں تو اور کب وقت آئیگا محنت کے لئے۔ آپ مجھے دو برس کی چھٹی دو۔ پھر ساری عمر آپکے سنگ

ہوں۔ آپ نے یہ سمجھ چھوڑا کہ ہمارا بیٹا ولایت گیا ہوا ہے۔ جب آویگا پھر بہلا
ہے۔ اور میرا خیال جب اس طرف (پڑھنے کی طرف) زیادہ ہو تو آپ نے میری
ظاہرا ضرورتوں کی اس طرح خبر رکھی جس طرح کہ ایک بادشاہ اپنے سپاہیوں
کی رکھتا ہے۔ جس وقت کہ وہ سپاہی میدانِ جنگ میں بادشاہ کے لئے دشمن
سے لڑ رہے ہوں۔ آپ نے کبھی کوئی خیال میرے بارے میں نہ لانا میں
آپ کا غلام ہوں۔

میں یہ جانتا ہوں کہ محنت بڑی اچھی چیز ہے (مگر میں محنت اس طرح پر
نہیں کرنے والا کہ بیمار ہو جاؤں) مگر محنت کرنے پر اقدام کرنے میں آپکی
ضرورت ہے۔ آپ مجھے مدد دیں کہ میں محنت کروں۔ آپکی مدد کے بغیر محنت
بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ پرماتما! میرا من محنت پر زیادہ لگے۔ میں نہایت دلچسپی
کی محنت کروں کیونکہ میرے ارادوں کو پورا کرنے والے آپ ہیں۔ ساتویں۔
آٹھویں چھٹی کے بعد میں گوجرانوالہ آؤنگا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پھر لاہور
میں اگر آجاؤں تو بڑی اچھی بات ہو)۔

آپ اس طول کلام سے خفا نہ ہو جانا۔ اس سے اصل غرض صرف
یہی تھی کہ کسی طرح آپ خفا نہ ہو جائیں۔ [illegible] گسائیں [illegible] کو یہ کہدینا کہ "اگر
اچھا ہونا چاہتا [illegible] کتاب کو زبانی یاد کرے۔ اس بات میں
اتنے فائدے [illegible] بیان نہیں ہو سکتا۔ مجھے تیرہ برس کے تجربہ
کے بعد یہ [illegible] اچھی ہے۔ میں اسکی تشریح
پھر بیان کرونگا۔ [illegible] ہے کہ اس سے بالکل
استادوں کی ضرورت نہیں [illegible] سکول کے ماسٹر سے۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ ان ایام میں گوسائیں جی کی عمر قریب ساڑھے

سولہ سال کے تھے۔ اور بی اے جماعت میں داخل ہوئے ابھی صرف ڈھائی ماہ ہوئے تھے۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں کیا غضب کی دلیلیں فلسفیانہ تحریریں اور پریم بھری نصیحتیں اُنکے دل و دماغ اور قلم سے بہنے لگ پڑی تھیں۔کہ جو آجکل بڑے بڑے لائق و مشہور ایم۔اے کے طُلبا کے دل اور دماغ میں بھی ایک ولولہ سا ڈالتی ہیں۔ اور اس پر طُرّہ یہ کہ سب طرف سے مصیبتیں اور تنگیاں بھی اُن پر اُمڈ اُمڈ کر آئی ہوئی تھیں۔ کھانے کو پیسہ پاس نہیں۔ ایک دفعہ بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا۔مفلسی نے اپنا پورا پورا رنگ جمایا ہوا تھا۔ جسمانی بیماریاں بھی گھیرے ہوئے تھیں۔ چور بھی اس دفعہ گھر میں داخل ہو کر کُل برتن و کھانے پینے کا سامان چورا کرلے گئے تھے۔ مگر ان تمام حالتوں کے طاری ہونے پر بھی ذہن و لیاقت شناسی و صداقت اور صبر و استقلال برقرار اور ترقی پر تھے۔

اس از حد تنگی کے زمانے میں گوسائیں جی ایک بڑی تنگ تاریک کوٹھڑی میں رہتے تھے اور کسی قسم کی جسمانی ورزش بھی نہیں کرتے تھے۔ اس امر کو بیماری کی وجہ محسوس کرکے اُنکے ایک ہم جماعتی نے پرنسپل صاحب کو اطلاع دی۔ جس پر تیرتھ رام جی کو حکم ملا کہ وہ آئندہ سے بورڈنگ ہاؤس میں رہا کریں۔ تاکہ ہوا دار کمرہ اُنکو رہنے کے لئے ملے اور ایک لڑکا ڈرِل دینے اُن پر تعینات کیا گیا کہ وہ انھیں ہر روز چھٹی کے بعد آدھ گھنٹہ ورزش کئے بغیر گھر کو نہ جانے دے۔ اس طرح جب گوسائیں جی بورڈنگ ہاؤس میں رہنے لگے۔ اور ہر وقت بلاناغہ ورزش کرنے لگے تو صحت اپنا رنگ جمانے لگی۔ اور تاپ تِلی کی شکایت دور ہوگئی۔

زمانۂ طالب علمی میں پروفیسر کی جگہ پڑھانے کا کام گوسائیں جی ذہین و محنتی تو مشہور ہی تھے مگر علم ریاضی میں اسقدر ماہر تھے کہ کالج میں اُن کا اس مضمون میں کوئی ہمسر نہ تھا۔ انہی دنوں میں (۵۔ جون ۱۸۹۱ء) کو جب ریاضی کا پروفیسر بیمار پڑگیا تو کئی ہفتوں تک یہ اپنے ہم جماعتوں کو پروفیسر صاحب کی جگہ پڑھاتے رہے۔ علم ریاضی کی پروفیسری کے لائق تو اصل میں ابھی سے ہوگئے تھے مگر عملاً بی اے پاس کرنے کے بعد اس عہدے پر اسی کالج میں ممتاز ہُوئے۔

بی اے میں ناکامیابی سنا جاتا ہے کہ گوسائیں جی زبانِ انگریزی میں اسقدر اوّل نہیں تھے جسقدر کہ علم ریاضی میں۔ تاہم اپنے ہم جماعتیوں سے ہر مضمون میں اوّل رہتے تھے۔ اس سال بی۔ اے کا امتحان کچھ عجب ڈھنگ سے ہُوا تھا۔ جس سے بڑے بڑے لائق و ذہین طُلبا تو رہ گئے اور نکمّے اور معمولی پاس ہو گئے۔ سُنا جاتا ہے کہ انگریزی کا پرچہ یا تو نہایت ہی لاپرواہی سے ممتحن صاحب نے دیکھا تھا یا بنا دیکھے ہی شاید نمبر لگائے گئے تھے۔ کیونکہ جن لڑکوں کو انگریزی کے پروفیسروں نے امتحان میں بھیجنا ہی نامنظور فرمایا تھا (کیونکہ اپنے مضمون میں پروفیسر اُنکو ردّی سمجھتے تھے) وہ تو اس مضمون میں کُل پنجاب بھر میں اول نکلے۔ اور جو ذہین و لائق تھے وہ قریبًا تمام کے تمام فیل گنے گئے۔ بلحاظ ٹوٹل نمبر (aggregate No.) کے گوسائیں جی اس دفعہ بھی تمام یُونیورسٹی میں اوّل تھے۔ مگر انگریزی کے مضمون میں بہت تھوڑے سے نمبر کم ہونیکی وجہ فیل گردانے گئے۔ اس حیرت انگیز خبر کو پاکر نہ صرف تیرتھ رام مع لواحقین و دوستوں کے متعجب ہُوئے بلکہ کالج کے پروفیسر و پرنسپل بھی۔ پروفیسر صاحبان نے ازحد کوشش کی کہ

گوسائیں جی کے انگریزی پرچے دوبارہ دیکھے جائیں۔ مگر سب بے سود۔ کیونکہ اس وقت تک یونیورسٹی میں کوئی ایسا قاعدہ مقرر نہیں تھا کہ کسی فعل شدہ طلباء کا پرچہ دوبارہ دیکھنے کے لئے ممتحن کو ہدایت کیجائے۔ اس لئے فیلو صاحبان نے پروفیسروں کی ایک نہ مانی۔ اور نہ گوسائیں جی کی درخواست منظور ہوئی ✦

گوسائیں جی کے نتیجۂ امتحان کے سبب نئے قانون کا یونیورسٹی میں جاری ہونا

سنا جاتا ہے کہ اس تعجب انگیز نتیجہ سے گوسائیں جی کے دل پر جو صدمہ لگا تھا اسکا تو بیان کرنا قلم کے احاطہ سے باہر ہے۔ مگر پرنسپل کالج و خیر خواہان تعلیم کے دلوں میں اسقدر شور مچا کہ ہر ایک کی قلم سے یکے بعد دیگرے آرٹیکل اخباروں میں شائع ہونے لگے اور کارکنان یونیورسٹی یعنی فیلو صاحبان کو زور سے تاکیدیں ہونے لگیں کہ آئندہ کے لئے کوئی ایسا قانون بنادیں جس سے ممتحن صاحبان کو کسی پرچہ کے نظرثانی کی ہدایت ہوسکے تاکہ آئندہ کو طلباء کسی ممتحن کی لاپروائی اور غفلت سے فیل ہونے نہ پائیں۔ اور طلباء کی محنت میں پست ہمتی یا دل شکنی نہ ہو ✦

جب چاروں طرف سے ایسا شور مچا۔ تو یونیورسٹی نے آئندہ کے لئے یہ قانون درول پاس کیا کہ جن طلباء کے کسی مضمون میں مقررہ نمبروں سے ۵ نمبر کم ہوں یا کل نمبروں کے مقررہ میزان سے ۵ نمبر کم ہوں تو وہ فوراً فیل نہ کیا جائے بلکہ اسکو زیر تجویز (Under Cousideration) رکھکر اُسکے پرچے دوبارہ ممتحن صاحبان کے پاس برائے نظرثانی بھیجے جائیں تاکہ اگر وہ پرچہ لاپروائی سے دیکھا گیا ہو یا اُسمیں زیادہ نمبر دیے جانے کی گنجائش ہو۔ تو اُسکو ٹھیک نمبر دیکر پاس کیا جائے ✦

اس قانون سے آئندہ کے لیئے تو طلبا کی کچھ آسانی و حوصلہ افزائی ہو گئی۔ مگر موجودہ حالت کسی طرح سے بھی اُس وقت درست ہونے نہ پائی۔ اسلیئے گوسائیں تیرتھ رام جیسے لائق و ذہین طلبا بھی اُس سال رہ گئے۔ اس ناگہانی مصیبت کے آنے پر جو جو سخت چوٹیں گسائیں جی کے دل پر گا ہے گا ہے لگتی تھیں وہ اُن کے خطوں سے واضح ہو رہی ہیں ؎

۱۴ مئی ۱۸۹۲ء القاب مذکورۂ بالا

میں آپ کو ایک عجیب بات لکھتا ہوں کہ پہلے اتنا تو آپ کو کسی قدر معلوم ہی ہو کہ اس دفعہ بی اے کے امتحان میں بہت سے ہُشیار لڑکے انگریزی میں رہ گئے ہیں۔ اب جونسا لڑکا انگریزی کے مضمون میں اوّل رہا ہی وہ اسقدر نالایق تھا کہ انگریزی کا پروفیسر اُسے امتحان میں ہرگز بھیجنا نہیں چاہتا تھا۔ سب لوگ حیران ہیں کہ یہ اوّل کیونکر رہ گیا؟

آپکا غلام تیرتھ رام

چار روز کے بعد پھر گورو جی کو یوں لکھتے ہیں ؎

۱۹ مئی ۱۸۹۲ء القاب مذکورۂ بالا

"میں نے ایک طرح اپنا سارا حال لکھ کر صاحب کو دکھا دیا تھا۔ وہ پرچوں کے دوبارہ دیکھے جانے کی رائے نہیں دیتے۔ (کیونکہ اُن دنوں وہ خود یونیورسٹی کے وایس چانسلر تھے اور یونیورسٹی کے قاعدوں کے برخلاف کوئی مشورہ نہیں دے سکتے تھے۔ مؤلف) مگر صاحب نے یونیورسٹی میں میری بابت بہت کچھ کہا تھا کہ اُن کو رعایت ملجانی چاہیئے۔ لیکن اسکی کوئی بات مانی نہیں گئی۔ آج یونیورسٹی نے یہ اشتہار دیا ہو۔ کہ جنھوں نے بی۔ اے یا ایم۔ اے پاس کیا ہو اور عمر اُنکی اکیس سال سے زیادہ

نہ ہو اور ریاضی یا سائنس کے مضمون میں ولایت کا ایم۔ اے پاس کرنا چاہتے ہوں۔ وُہ عرضیاں دیں۔ جس کا حق سب سے زیادہ ہوگا۔ اُسکو کافی وظیفہ دیکر ولایت بھیجا جائے گا۔ اور جب وہ ولایت سے پاس کرکے آئے اُنکو بڑا اعلیٰ درجہ ملے گا۔ اب اگر میں اس دفعہ پاس ہوجاتا تو مجھ کو یہ وظیفہ ضرور ملجانا تھا۔ اوّل میری عمر کی رُو سے۔ دوم میرے ریاضی کے نمبروں کی رو سے۔ تیسرے چال چلن کی رو سے۔ مگر اب کیا ہوسکتا ہے۔ آپ دُعا رکھا کریں۔

آپ کا غلام تیرتھ رام

گوسائیں جی کا بی۔ اے میں دوبارہ داخل ہونا

جب یونیورسٹی نے کسی کی نہ سُنی تو لاچار گوسائیں جی دوبارہ بی اے میں داخل ہوگئے۔ اور اگرچہ خراب نتیجہ سے دل کو بہت صدمہ لگا تھا اور وظیفہ سرکاری بھی بند ہوگیا تھا۔ تاہم اُنھوں نے ہمت نہ ہاری اور متواتر فاقہ کشی کرکے بی اے پاس کرنے کی ٹھان لی۔ مگر مثل مشہور ہے کہ "وہی جو اِدھر خار اُدھر ہے گل خنداں"۔ وہی جو ایک طرف سے مصیبت بعد مصیبت لاتا ہے وہی دُوسری طرف آرام و راحت کے سامان مہیا کرتا ہے۔ بعینہ یہی سلوک قدرتاً گوسائیں جی کے ساتھ ہُوا۔ بی اے میں دوبارہ داخل ہونے سے پیشتر اُن کا دُکھی دِل گاہے گاہے یوں پکار اُٹھتا تھا کہ ہائے وظیفہ تو بند ہوگیا۔ تعلیم جاری رکھنے میں کھانے وغیرہ کی مدد کون دیگا۔ سال بھر کی فیس و کُتب غرضیکہ ہر طرح کے خرچ کی تکلیف کون اُٹھائیگا وغیرہ وغیرہ؟ دِل کوئی سہارا نہ دیکھ کر گاہے بگاہے از حد دُکھی ہوتا۔ اور گاہے گاہے ایشور کی اپار کرپا (ازحد مہربانی) پر بھروسا رکھ کر کُچھ تسلی و شانتی کرلیتا تھا۔ اور ایک دفعہ خالو صاحب کو گوسائیں جی نے یُوں لکھ مارا کہ اگر تیرتھ رام حسبِ منشاء تعلیم نہ حاصل کرسکا تو یہ حسرت قبر تک

جائیگی۔ اور شاید ابھی ہی دُنیا سے رخصت ہونا پڑے۔" سُنا گیا ہے کہ جب دل کسی طرح سے ٹھیک شانتی نہ پکڑ سکا تو گوسائیں جی خلوت گاہ میں چلے گئے اور ایشور کا دھیان کرکے ذیل کا منتر پکارتے ہوئے زار زار روئے۔

त्वमेव माता च पिता त्वमेव, त्वमेव बन्धुश्च सखा त्वमेव।
त्वमेव विद्या द्रविणं त्वमेव, त्वमेव सर्वं मम देव देव॥

تُم ہی میرے ماتا پِتا ہو۔ تم ہی بندھو اور مِتر ہو۔ اے میرے دیوؤں کے دیو! تم ہی میرے سب کچھ ہو۔ یہ وِدیا دھن وغیرہ تم ہی تو ہو۔

پربھو! اب حقیقت میں سوائے آپ کے رام کا کوئی مددگار نہیں۔ اب تو رام آپ کا اور آپ رام کے ہو لیئے۔ رام کا کام تو ہمیشہ آپ کی مرضی پر چلنا۔ آپ کا دھیان کرنا۔ اور بڑھتے سے آپ کی سیوا کرنا ہوگا۔ اور آپ کا کام رام کی سب طرح کی سہائتا (مدد) کرنا ہوگا تاکہ یہ نیک ارادہ تکمیل کو پاوے۔ اب تو رام سارے کا سارا آپ کا ہو گیا! ہو گیا!! ہو گیا!!! ہے پربھو! اب چاہے آپ اُسے رکھو چاہے مارو۔ وُہ تو اب گُندن کے ڈلے کی طرح آپ کے دروازے پر گِر گیا ہے۔ چاہے اُسے آپ گلا لیں اور چاہے سُندر بنالیں۔ یہ سب آپ کی مرضی پر مبنی ہے۔

کُندن کے ہم ڈلے ہیں جب چاہے تُو گلالے یا ور نہ ہو تو ہم کو لے آج آزمالے
جیسے تری خوشی ہو سب ناچ تُو نچالے سب چھان بین کرلے ہر طور دل جمالے
راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور ووں بھی واہ وا ہے
یا دل سے اب خوش ہو کر کر ہم کو پیار پیارے خواہ تیغ کھینچ ظالم ٹکڑے اُڑا ہمارے
جیتا رکھے تُو ہم کو یا تن سے سر اُتارے اب تو فقیر عاشق کہتا ہے یوں پکارے

راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہو
یاں یوں بھی واہ واہ ہو اور وُوں بھی واہ واہ ہو

جھنڈُو حلوائی[1] کی وقت پر مدد اس کامل اعتقاد (نشچے) کے ساتھ دوسرے دن اُٹھتے ہی گوسائیں جی کالج میں دوبارہ داخل ہونے کو چلے گئے مگر ایشور پر کامل بھروسے کا اعتقاد بھی جادو بھرا اثر فی الفور دکھاتا ہے۔ ابھی داخل ہوئے بہت تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہوگا کہ جھٹ کالج کے حلوائی (جھنڈُومل) نے اُنکے پاس آکر استدعا کی کہ "اب سال بھر روٹی آپ میرے ہی گھر کھایا کریں ؛ اس معجزے کو دیکھ کر گسائیں جی اپنے گُورو جی کو ۲۔مئی ۱۸۹۲ء کے خط میں یہ لکھتے ہیں "آج میں کالج میں داخل ہوگیا ہُوں۔ ہمارے کالج کا جو حلوائی ہے اُس نے مجھ کو پہلے بھی کئی دفعہ بڑی پریت سے کہا تھا کہ میں روٹی اُس کے گھر کھالیا کروں۔ اور آج پھر اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا تھا۔ مَیں نے آج اُس کو کہدیا ہے کہ اچھا کھالیا کروں گا.......؛"

پرنسپل صاحب کا چپکے سے روپے دینا اس تنگدستی کے زمانے میں گوسائیں جی کو نہ صرف نیک حلوائی سے ہی مدد ملی بلکہ اعتقاد کی مضبوطی نے کالج کے پروفیسروں وغیرہ کے دلوں کو بھی مدد کے لیے ہلادیا۔ گوسائیں جی گورنمنٹ

نوٹ [1] یہ حلوائی لالہ جھنڈو مل تھے۔ انھوں نے نہ صرف خوراک سے ہی گوسائیں جی کی اس مصیبت کے وقت مدد کی بلکہ کئی دفعہ کپڑے بھی بنوائے۔ انھیں مکان بھی مفت رہنے کو دے دیے غرضکہ جسقدر ہو سکا انھوں نے ہر طرح سے اُن کو مدد دی۔ گویا ایشور نے ایسی مصیبت کے وقت میں گوسائیں جی کی مدد کے لیئے اپنا اختیار کالج میں شاید اسی حلوائی کو ہی مقرر کر رکھا تھا۔ کیونکہ سوامی جی کے متعدد خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرشتہ سیرت حلوائی نے کالج کی زندگی میں سب سے زیادہ بپاک سے ان کی مدد کی تھی ؛

کو ۱۱۔جون ۱۸۹۲ء کے خط میں یوں لکھتے ہیں کہ "آج ایک شخص نے ہمارے
پرنسپل صاحب کو میرے لیے تیرہ(بجائے تیس) روپے دیئے ہیں۔ صاحب نے مجھ کو بلایا تھا
اور کہنے لگے کہ یہ لے لو۔ مَیں نے کہا کہ کس نے دیے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نام
نہیں بتائیں گے۔ (مَیں خیال کرتا ہوں کہ شاید وہ اپنی گرہ سے ہی دے رہے ہوں)
پھر مَیں نے کہا کہ آدھے ان میں سے آپ کالج کے کاموں میں صرف کریں
اور آدھے مجھے دیں۔ یہ بھی نہ مانا۔ پھر مَیں نے کہا کہ اچھا میں گلبرٹ سن
صاحب جو ہمیں ریاضی پڑھاتے ہیں اور میری آدھی فیس ادا کرتے ہیں
اُن کو ناحق تکلیف نہیں دینی چاہتا۔ اُن کے بجائے آدھی فیس امتحان تک
مجھ سے لیلو۔ وہ کہنے لگے کہ اس بات کا فیصلہ گلبرٹ سن صاحب سے کرنا
ہوگا۔ سو مَیں نے روپے لاکر لالہ اجودھیا داس کو دیدیئے ہیں......وغیرہ"
ماسوا ان مددوں کے گوسائیں جی کو پرائیویٹ ٹیوشن (طلبا کے گھر پر انھیں
پڑھانے) سے بھی وقتاً فوقتاً بہت مدد ملتی تھی۔ تاہم اس زمانۂ طالبعلمی میں
رہتے آپ نہایت سادہ تھے؛ زمانۂ موجودہ کے فیشن۔ کالر۔ نکٹائی وغیرہ سے
تو آپ کو شروع ہی سے نفرت تھی۔ مگر اپنے دیسی لباس میں بھی آپ بقدر
سادہ و کفایت شعار رہتے تھے کہ بی۔ اے کلاس میں صرف موٹے گاڑھے (کھدر)
کے کپڑے اور دیسی جوتہ پہنا کرتے تھے؛ ایک دفعہ اپنے جوتہ کے بارے میں
وہ ۵۔ جولائی ۱۸۹۲ء کے خط میں اپنے گوروجی کو لکھتے ہیں:۔ کہ کل رات
کو جب مَیں دودھ پینے گیا تو میری جوتی کا ایک پیر شاید کسی کی ٹھوکر سے
بدررو (نالی) میں جا پڑا۔ جب دودھ پی کر جوتی پہننے لگا تو ایک پیر تو
پہن لیا۔ دوسرا اِدھر اُدھر دیکھا۔ کہیں نہ ملا۔ حلوائی[1] دیا لیکر ساری بدررو تلاش

[1] یہ حلوائی دیا نام تھا جو اُن دنوں لاہور میں لوہاری دروازے کے اندر چکلہ بازار میں دُکان کرتا تھا۔

کر دیا۔ نہ ملا۔ دو لڑکوں کو پیسہ دینا کرکے کہا کہ ڈھونڈھ دو۔ اُن کو بھی نہ ملا۔
پالی بڑے زور سے چل رہا تھا۔ شاید کہیں کا کہیں چلا گیا ہوگا۔ میرے مکان
میں ایک پرانی زنانی جوتی پڑی ہوئی تھی۔ صبح کو ایک اپنی جوتی کا پیر اور ایک
وہ زنانی جوتی کا پیر پہن کر کالج میں گیا۔ یہ میری جوتی اب نہایت پرانی
ہوگئی ہوئی تھی۔ سو آج میں نے سوا نو آنے سے ایک نئی جوتی خرید کر پہنی
ہے۔ میرا آپ کی طرف بڑا خیال رہتا ہے۔ آپ نے میرے اوپر سدا خوش رہنا

بی۔ اے امتحان کا داخلہ

رفتہ رفتہ امتحان کے داخلہ کے دن آپہنچے۔ اس موقعہ پر تیرتھ
رام جی کی نیکدلی واعتقاد کے اثر سے اگرچہ اور بہت سے لوگ
مدد دینے کو تیار ہوگئے تھے۔ مگر اس نیک کام میں حصہ لینے کی خوش قسمتی
ریاضی کے پروفیسر گلبرٹ سن صاحب کے نصیب ہوئی۔ گوسائیں جی اپنے
۲۴ جنوری سنہ ۱۸۹۳ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں کہ:۔ ..... جب میں آج
کالج پہنچا تو چپراسی مجھے بلاکر پروفیسر گلبرٹ سن صاحب (ریاضی کے پروفیسر)
کے پاس لیگیا۔ انھوں نے مجھے ایک بند شدہ کاغذ کی پڑی دی اور کہا جاؤ
اُس وقت گھنٹہ بج گیا اور میں اُس پڑی کو جیب میں ڈالکر پڑھنے میں مشغول
ہوگیا۔ مگر آج میرے پاس ایک پیسہ بھی خرچ کو نہیں تھا۔ تین گھنٹہ کے بعد
میں نے الگ جاکر اُس پڑی کو کھولا۔ اُس میں مبلغ تیس روپے تھے۔
(معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیس روپے محض امتحان کے داخلہ کے بارے میں پروفیسر
صاحب نے دیے تھے (کیونکہ اُن دنوں بی اے کے امتحان کا داخلہ صرف تیس
روپے ہی تھا۔ مؤلف) میں اُسی وقت پروفیسر صاحب کے پاس گیا اور کہا
مجھے اتنے روپے درکار نہیں ہیں (کیونکہ اس سے پہلے لالہ اجودھیا داس سے
داخلہ کے واسطے روپے لے لئے تھے) آپ تیس روپے واپس لےلیں مگر

انھوں نے نہ مانا............وغیرہ"

بی اے کے آزمائشی امتحان کا نتیجہ بی اے کے امتحان کا داخلہ بھیجے جانے کے بعد بی اے جماعت کا آزمائشی امتحان کالج میں ہوا۔ گوسائیں جی اپنے کالج میں سب سے اوّل رہے۔ اس امتحان کے نتیجہ کی خبر اپنے گورو جی کو گوسائیں جی اپنے ۱۱۔ مارچ ۱۸۹۳ء کے خط میں اس طرح دیتے ہیں کہ "آج ہمارے رول نمبر (Roll numbers) آگئے ہیں۔ میرا نمبر ۸۷ ہے۔ ہمارے آزمائشی امتحان کا ریزلٹ (نتیجہ) بھی نکلا ہے۔ مجھے پرمیشور نے سب سے نہایت بڑھ کر رکھا ہے۔ جسقدر نمبر کہ اوّل درجے میں رہنے کو درکار ہیں اُس سے میرے ساٹھ زیادہ ہیں۔ انگریزی میں بھی بڑا اچھا رہا ہوں۔ اور ایک ریاضی میں ۱۵۰ میں سے ۱۴۰ ملے ہیں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ یہ سب آپ ہی کی کرپا درشٹ کا نتیجہ ہے۔ آپ نے مجھ پر دیا درشٹ رکھنی ۔"

بی۔ اے کا سالانہ امتحان جب سالانہ امتحان شروع ہو گیا تو گوسائیں جی کے دل میں نہ صرف امتحان پاس ہونے کا خیال اور شوق ولولہ ڈالتا تھا بلکہ گورو بھگتی بھی اُمڈ اُمڈ کر جوش مارتی تھی۔ آپ اُن دنوں ۲۱۔ مارچ ۱۸۹۳ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ "مہاراج جی! میرا ہر دم آپ کے چرنوں میں خیال رہا ہے۔ آپ ابھی تک نہیں آئے۔ بڑا فکر لگا ہوا ہے۔ پرسوں اور اترسوں ہمارا ریاضی کا امتحان ہے۔ انگریزی کا امتحان ہو چکا ہے۔ مہاراج جی! اگر میرا ساٹھ روپیہ وظیفہ لگ جائے تو پہلے تین مہینے کا وظیفہ سارا ہی آپ نے کھانا اور جو انعام ملے وہ بھی آپ ہی کی دولت۔ اور یوں تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں خود سارا ہی آپ کا ہوں۔ اگر میں ریاضی کے چاروں پرچے ہی سارے کے سارے کر آؤں۔ تب مجھے تسلی ہوگی۔ مگر آپ کی دیا ہو تو یہ بات ذرا

مشکل نہیں"

آپ کا عاجز غلام تیرتھ رام

بی۔ اے کے سالانہ امتحان کا نتیجہ

اس سال گوسائیں جی نہ صرف آزمائشی امتحان میں اول رہے بلکہ سالانہ امتحان میں بھی ویسے ہی اوّل واعلیٰ درجے میں کامیاب ہوئے۔ نتیجہ نکلنے کے وقت گوسائیں جی خود لاہور کے باہر تھے۔ گوجرانوالہ کے پتہ پر گوسائیں جی کے ایک ہم جماعت نے مشن کالج لاہور سے اُنکے بی اے میں پاس ہونے کی خوشخبری اپنے ۱۱ اپریل ۱۸۹۳ء کے خط میں یوں دی "مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ پنجاب میں اول رہے ہیں۔ اور آپ کے نمبر ۱۰۱۲ ہیں۔ اور فرسٹ ڈویژن میں رہے ہو۔ اور آپ کو ویسے ہی دو وظیفے ملیں گے۔ دوم لچھمن داس۔ سوم غلام سرور۔ چہارم ٹوپن رام رہے ہیں"۔

کُل لڑکے ہمارے کالج سے اکیس کے قریب ہوئے ہیں۔ اور کُل لڑکے (تمام پنجاب بھر میں) قریب پچاس کے پاس ہوئے ہیں۔

بندہ ضرور آپ کو تار دیتا۔ مگر بندہ کا اپنا دل بہت بیکل ہے۔ اس واسطے معذور فرمائیں۔

اپنے (بی۔ اے کے) امتحان کے بارہ میں سوامی جی نے اپنے ایک لیکچر (ڈھوس) میں یوں فرمایا ہے کہ "جب رام بی۔ اے کا امتحان دے رہا تھا تو ممتحن نے ریاضی کے پرچہ میں ۱۳ سوال دیکر اُن پر لکھدیا کہ ان تیرہ سوالوں میں سے کوئی سے نو سوال حل کرو۔ چونکہ رام کے دل میں یقین جوش مار رہا تھا۔ اسنے مُقررہ عرصہ میں سب تیرہ کے تیرہ سوال حل کر کے لکھدیا کہ ان تیرہ سوالوں میں سے کوئی سے نو جانچ لو۔ حالانکہ ان تیرہ سوالوں میں سے اوروں نے مشکل سے ۹ یا ۵

سوال حل کیے تھے۔ وہ اپنے ایک خط میں اپنے والد صاحب کو گسائیں جی نے یوں لکھا کہ "آپ کا لڑکا تیرتھ رام فرسٹ ڈویژن (درجہ اوّل) میں پاس ہونے کے علاوہ یونیورسٹی بھر میں اوّل رہا ہے۔ ساٹھ روپیہ ماہوار وظیفہ ملیگا۔ یہ سب مہربانی پرماتما کی ہے۔ ذاتی لیاقت کو اس میں کچھ دخل نہیں"۔ ایک دوسرے خط میں خانو (ماسٹر) صاحب کو یوں لکھتے ہیں کہ " مجھے دو وظیفے ملیں گے۔ ایک پچیس کا دوسرا پینتیس کا۔ یہ سب ایشور کی مہربانی ہے"۔ ایک تیسرے خط میں لکھتے ہیں" جلسہ کانووکیشن پنجاب یونیورسٹی منعقد ہو چکا ہے۔ مجھے پچاس روپے نقد اور ایک طلائی تمغہ علاوہ ڈپلومہ (گاؤن) وغیرہ کے ملا ہے"۔

گورنمنٹ کالج میں ایم۔ اے کی تعلیم کے لئے داخل ہونا

مشن کالج میں اُن دنوں ایم۔ اے کی کلاس نہیں کھلی تھی۔ لہذا بی۔ اے پاس کرنے کے بعد ایم۔ اے کی پڑھائی شروع کرنے کے لئے گسائیں جی گورنمنٹ کالج لاہور میں مئی ۱۸۹۳ء کو جا داخل ہوئے۔ اس سال گسائیں جی کی عمر قریب ۱۹½ (ساڑھے انیس) برس کے تھی۔ مگر جائے غور ہے کہ اس عمر میں گوسائیں جی کی قلم کیا صحیح و دلکش تصویریں قدرت کے نظاروں کی باندھتی تھی۔ آپ اپنے ۱۰۔ جولائی ۱۸۹۳ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں کہ "یہاں کل بڑی برکھا (بارش) ہوئی تھی۔ آج میں کالج سے پڑھ کر سیر کرتا ہوا ڈیرے آرہا ہوں۔ اس وقت بڑا سہانا سماں ہے۔ جدھر دیکھتا ہوں یا جل نظر آتا ہے یا سبزی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی پون ہر دیہ کو بڑی پریہ (پیاری) لگتی ہے۔ آکاش میں بادل کبھی سورج کو چھپا لیتے ہیں۔ کبھی پرگٹ (ظاہر) کر دیتے ہیں۔ نالے نالیوں سے پانی بڑے زور سے بہ رہا ہے۔ گول باغ کے درخت پھلوں سے بھرپور ہیں۔ ٹہنیاں جھک کر زمین سے آلگی ہیں۔

یہی پرتیت (ظاہر) ہوتا ہے کہ انار۔ آڑو۔ آم وغیرہ ابھی گرے کہ گرے۔ کبوتر۔ کوّے اور چیلیں بڑی پرسنّتا (خوشی) سے ہَوا کی سیر کرتے ہیں درختوں پر پنچھی (پرندے) بڑے آنند سے گاین کر رہے ہیں۔ طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے یہی معلوم دیتے ہیں کہ گویا میری راہ دیکھنے کے لیے آنکھیں کھولے منتظر کھڑے تھے۔ زمین پہ ہریاول کیا ہے سبز مخمل کا فرش بچھا ہے۔ سرو اور سفیدا (لمبے لمبے درخت) ابھی اشنان کرکے سورج کی طرف دھیان کیے اک ٹنگے کھڑے ہیں۔ گویا سندھیا اُپاسنا میں مگن ہیں آکاش کی نیلتا اور سفیدی نے عجب بہار بنائی ہے۔ مینڈک برسات کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ ہر ایک طرف سے خوشی کے جھنکارے بج رہے ہیں۔ گویا زمین اور آسمان کا بیاہ ہونے والا ہے۔ جس کی اولاد کتک (کارتک) اور مگھر (منگسر) کے ستوگنی مہینے ہوں گی۔ اس وقت مجھے آپ یاد آتے ہیں چونکہ میں آپ کو یہ سب چیزیں دکھا نہیں سکتا لکھ دیتا ہوں۔

اب میں ڈیرے آن پہونچا ہوں۔ آپ کا خط ملا۔ بڑی خوشی ہوئی ہے۔ اب میں اپنی پڑھائی کا کام کرنے لگا ہوں کیونکہ پرسوں بدھ وار ہمارا امتحان ہے۔ یہ خط چلتے چلتے پنسل کے ساتھ رستے میں لکھا گیا تھا۔ اور ڈیرے آن کر اس کارڈ پر اسکی نقل کرتا ہوں۔"

پڑھانے کا شوق تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ سوامی جی کو پڑھانے کا بھی بڑا شوق تھا۔ بی۔ اے جماعت میں اپنے بہت سے ہم جماعت دوستوں کو پڑھاتے تھے اور انکا بہت سا وقت مقررہ ڈیوٹیوں کے علاوہ ہم جماعتوں کو پڑھانے میں صرف ہوا کرتا تھا۔ خود کیسے ہی مشغول کیوں نہ ہوں مگر جب کسی نے کوئی سوال پوچھا اپنا کام چھوڑ کر جھٹ اسی طرف

متوجہ ہوجاتے تھے ۔

یہ اشتیاق ایم ۔ اے میں داخل ہونے کے بعد پہلے سے بھی دُگنا تگنا بڑھ گیا ۔ اب آپ اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ کسی ملازمت کے حصول کا بھی خیال کرنے لگے ۔ اپنے ایک ۷ ر جولائی ۱۸۹۳ء کے خط میں گوروجی کو لکھتے ہیں کہ ..... "آج مَیں نے کچھ خبر سُنی ہے کہ ویدک کالج کا ریاضی کا پروفیسر چُھٹی لینی چاہتا ہے ۔ اگر آپ پرماتما کو کہکر مجھے اُسکی جگہ فی الحال کرا دیں تو یہ میرے اور آپ کے لیئے نہایت خوشی کی خبر ہو ......" ۔

جب کسی وجہ سے یہ جگہ نہ ملی تو پھر راولپنڈی کی طرف توجہ کی ۔ کیونکہ وہاں کے آرٹس کالج میں ایک پروفیسر ریاضی کی ضرورت تھی ۔ اتنے میں مشن کالج لاہور میں ہی ریاضی کے پروفیسر کی جگہ خالی ہونے لگی ۔ کیونکہ وہاں کے پروفیسر صاحب اپنے گھر ولایت کو رخصت پر جانے لگے تھے ۔

گوسائیں جی نے چونکہ اسی کالج میں تعلیم پائی تھی ۔ یہاں کے پروفیسر صاحبان نے اور خاصکر ریاضی کے پروفیسر نے ہی انھیں تعلیم میں بہت مدد دی تھی ۔ اس لیئے اس کالج کی خدمت کرنا اپنا عین فرض سمجھ کر یہاں بلاتنخواہ گوسائیں جی نے اس پروفیسر ریاضی کی جگہ کام کیا ۔ اور کالج کی تمام جماعتوں کو سال بھر تک ریاضی پڑھاتے رہے ۔ اور ساتھ ساتھ اپنی ایم ۔ اے کلاس کی تعلیم بھی گورنمنٹ کالج میں حاصل کرتے رہے ۔

پرنسپل گورنمنٹ کالج سے اتفاقیہ ملاقات

گوسائیں جی کی سب کے ساتھ ہمدردی ۔ سادہ مزاجی ۔ پاک باطنی ۔ صاف دلی اور خوش کلامی ہر ایک کے دل پر چٹکیاں بھرتی تھیں ۔ جو کوئی اُنکو کالج میں یا باہر مل جاتا اُنکے اعلیٰ اوصاف و اطوار سے ایک دفعہ تو ضرور موہت (متاثر) ہو جاتا

اپنے پرنسپل کالج کے ساتھ اتفاقیہ ملاقات کا حال اپنے ۱۰ جولائی ۱۸۹۳ء
کے خط میں گوروجی کو آپ یوں لکھتے ہیں کہ "آج میں دریا کی سیر کو گیا تھا۔
کشتیوں کے پل پر پھر رہا تھا کہ مسٹر بیل گورنمنٹ کالج کے پرنسپل
(بڑے صاحب) وہاں آ نکلے۔ بڑی اچھی طرح سے ملے۔ کئی قسم کی باتیں ہوئیں۔
میری عینک کی بابت اور اس بات کی بابت کہ میں چھتری کیوں نہیں لگاتا۔
کیونکہ اُس وقت ابر آیا ہوا تھا اور چھوٹی چھوٹی بوندیں پڑ رہی تھیں وغیرہ۔
وغیرہ۔ پھر مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا لیا اور شہر کی طرف لائے۔ رستے میں میری
پڑھائی کی بابت ذکر ہوا۔ اور مجھے کوئی سو شعر انگریزی کے زبانی یاد تھے۔
میں نے وہ سنائے اور ریاضی کی بابت بتایا کہ میں ایک مضمون ریا
پانچ کتابیں کم سے کم ضرور پڑھا کرتا ہوں۔ اور جو انگریزی زباندانی کی کتابیں
میں آج کل مطالعہ رکھتا ہوں وہ میں نے بتائیں۔ بڑے خوش ہوئے۔ پھر انھوں
نے میرے والدین کی بابت پوچھا کہ آیا وہ ذی اقتدار ہیں یا نہیں۔ میں نے
جواب دیا۔ نہیں۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ میرا ارادہ امتحان کے بعد کیا کرنے
کا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ میرا ارادہ کچھ نہیں۔ جو پرمیشور کی مرضی ہوگی میں اپنا
ارادہ اُسکے مطابق کر لوں گا۔ اور یوں اگر میری کوئی خواہش ہے تو یہ ہے کہ
وہ کام کروں جس سے میں اپنی زندگی کا دم دم پرماتما کی خدمت میں ارپن
کر سکوں۔ اور پرماتما کی خدمت لوگوں کی خدمت کرنے میں ہوتی ہے اور
لوگوں کی خدمت میں سب سے اچھی طرح ریاضی پڑھانے کے ذریعہ کر سکتا
ہوں وغیرہ وغیرہ۔

انھوں نے بھی بہت سی باتیں میرے مطابق کیں اور یہ بھی کہا کہ ہم تمھارے
حق میں جسقدر ہو سکے گا کوشش کرینگے (اب یہ صاحب پنجاب یونیورسٹی کے

قائم مقام رجسٹرار بھی ہو گئے ہیں) ؎

اتنے میں اُن کی کوٹھی جو کالج کے عین نزدیک ہی ان پہنچی۔ پر وہ مجھے اُس جگہ لائے جہاں لڑکے ورزش کیا کرتے ہیں۔ اور اُنھوں نے مجھے ورزش کرتے ہوئے لڑکے دکھائے۔ بعد میں اُنھوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کونسی ورزش کیا کرتے ہو۔ میں نے چارپائی والی ورزش بیان کی۔ اُنھوں نے ایک چارپائی منگائی میں نے ایک سو ساٹھ دفعہ اُسے اُٹھایا اور رکھا۔ پھر اُنھوں نے اور لڑکوں کو کہا کہ چارپائی سے ورزش کریں۔ اُن میں سے کوئی بھی بیس سے زیادہ دفعہ نہ کر سکا اس طرح اور لڑکوں کی دوسری قسم کی ورزشیں کچھ عرصہ تک دیکھنے کے بعد وہ سب کو سلام کر کے اپنی کوٹھی کی طرف چل دیئے۔ اور میں نے ذرا آگے بڑھ کر کہا جی! میں آپکی مہربانی کا نہایت مشکور ہوں ؎ پھر وہ مجھ کو سلام کر کے اپنی کوٹھی میں داخل ہو گئے۔ اور میں اپنے ڈیرے کی طرف چلا آیا ؎ اب مہاراج جی! یہ سب آپ کی مہربانی کا نتیجہ ہے........ ؎

سول سروس کا وظیفہ | جس سال گسائیں تیرتھ رام جی نے بی۔اے میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اُسی سال پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے انگلستان بھیجنے کے لیئے کسی ممتاز و برگزیدہ طالب علم کا نام نامزد ہونا تھا۔ گورنمنٹ کالج کے پرنسپل صاحب مسٹر بیل جن سے کہ گوسائیں جی کی اتفاقیہ ملاقات ہوئی تھی۔ اور جو اُس وقت یونیورسٹی کے قائم مقام رجسٹرار تھے۔ گوسائیں تیرتھ رام جی کے بہت مدّاح تھے۔ اور چاہتے تھے کہ گسائیں جی صوبہ پنجاب کے امتحان مقابلہ میں داخل ہو کر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدۂ جلیلہ پر مامور ہوجائیں مگر گوسائیں جی کی دلی خواہش ریاضی پڑھانے کی تھی۔ اور یہی خواہش انکو انگلستان لیجانے کیلیے اُبھارتی تھی۔ لیکن چونکہ تیرتھ رام جی کو حقیقت میں

رسچا رام Rama Truth

مجسم) بنا تھا۔ اور دُنیاوی اُلجھنوں کی بجائے۔ روحانی ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہونا تھا۔ اس لیئے قدرتِ کاملہ نے جس کے حسن انتظام کے مقابلہ میں دنیوی عقلوں اور اختراعوں کے سورجوں کی روشنی ماند رہتی ہے وہ دو سو پونڈ کا وظیفہ جو گوسائیں جی کو ملنا تھا۔ کسی اور طالب علم کو دِلا دیا۔

رُجحان طبع | اس طرح جب گوسائیں جی انگلستان جانے سے روکے گئے۔ تو پرنسپل صاحب و دیگر دوستوں نے پوچھا کہ اب آپکا ارادہ کیا ہے۔ تو گوسائیں جی نے جواب میں ہر ایک کو یہی کہا۔ "I wish to be teacher or preacher" میری خواہش ہے کہ یا میں ادھیاپک (معلم ریاضی) بنوں۔ یا اُپدیشک (واعظ)۔ اس جواب سے صاف ثابت ہوتا تھا کہ گوسائیں جی بذاتِ خود سول سروس اور بیرسٹری کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ اور اُن کا رُجحانِ طبع دینی (دھارمک) تھا۔ اس لئے دُنیاوی باتوں اور عُہدوں سے اُنھیں سخت نفرت تھی۔ ان دنوں اُن کا دل ایسقدر دھارمک خیالات (مذہبی عبادت) میں خود مستغرق دلین) تھا کہ دنیا کی دیگر باتیں اُن کے دل پر ذرا سا بھی اثر پیدا نہیں کر سکتی تھیں۔ اپنے ۲۵ دسمبر ۱۸۹۳ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں کہ:-..........

آج یہاں دادا بھائی نوروجی (جو ہندوستان کا آدمی پارلیمنٹ کا ممبر ہے) تین بجے کی گاڑی میں آیا ہے۔ اتنی شان و شوکت کے ساتھ اُس کا استقبال کیا گیا ہے کہ جس کا کچھ انت نہیں۔ کانگرس والوں نے اُسکو گویا برہما اور وشنو کا مرتبہ دیدیا ہے۔ کئی سُنہری دروازے بنائے گئے ہیں اُسکی گاڑی ابھی تک شہر میں پھرا رہے ہیں۔ لاکھوں آدمی ساتھ ساتھ جارہے ہیں۔ اُسکے اِرد گرد دیپ مالا ہے اور بڑے زور کے جکالے بج رہے ہیں۔

Accession Number
185857
Date 4:10:2001

عام آدمیوں کے دلوں میں بے انتہا جوش آرہا ہو۔ اس قدر جوش کہ جس کو کچھ ٹھکانا نہیں۔ مگر میرے دل پر ان باتوں سے ذرا اثر نہیں ہوا۔ یہ بڑے شکر کی بات ہو"۔

سادگی گوسائیں جی کی سادگی درجہ کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔ انگریزی وضع کے سوٹ بوٹ سے تو آپ حد درجہ احتراز فرماتے ہی تھے۔ مگر قیمتی پوشاک بھی نہیں پہنتے تھے۔ ایم۔ اے میں بھی محض گاڑھے (موٹے کھدر) کے کپڑے استعمال کرتے تھے۔ اکثر اپنے گھر میں ہی کپڑے بنواتے و سلواتے تھے۔ بازار سے شاذ ونادر ہی خریدتے تھے۔ اپنے ایک ۸ر مارچ ۱۸۹۴ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں کہ:۔ ..... پچھلے دنوں سینے کپڑوں کی بڑی تنگی تھی۔ دھوبی نے مہینہ بھر کپڑے نہیں دیئے تھے۔ اسلیے میں نے اپنے پڑوسی درزی سے ایک چوغہ ایک کرتہ ایک پاجامہ مول لے لیا تھا۔ مبلغ دو روپیہ سے دو پیسے کم لگے تھے....." گوسائیں جی کے ایک ہم جماعت لکھتے ہیں کہ ایک دن گسائیں جی عالم تذبذب میں دیکھے گئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یونیورسٹی کا سالانہ جلسہ ہونے والا ہو اور اُس میں سارٹیفکٹ اور تمغہ حاصل کرنے کی غرض سے آپ کی شرکت لازمی ہو۔ فرمانے لگے کہ اس موقعہ پر ولائتی چوغہ اور بوٹ پہننے پڑینگے۔ اور یہ امر میری عادت کے خلاف ہو۔ کچھ دیر بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ یہ ہر دو چیزیں کسی ہم جماعت سے اُس دن کے لیئے عاریتاً لے لی جائیں ؎

ایم۔ اے میں روزانہ دستورالعمل ۹ر فروری ۱۸۹۵ء کے خط میں گوسائیں جی اپنے گورو جی کو دربارۂ روزنامچہ یوں لکھتے ہیں کہ:۔........ میں آج کل کوئی پانچ بجے صبح کے قریب اُٹھتا ہوں اور سات بجے تک

پڑھتا رہتا ہوں۔ پھر پاخانہ وغیرہ جاکر نہاتا ہوں۔ ورزش کرتا ہوں۔ اُسکے بعد پنڈت جی کی طرف جاتا ہوں۔ رستے میں پڑھتا رہتا ہوں۔ وہاں ایک گھنٹہ کے بعد روٹی کھاتا ہوں۔ اُنکے ساتھ گاڑی میں کالج جاتا ہوں۔ کالج سے ڈیرے آتی بار راستے میں دودھ پیتا ہوں۔ ڈیرے چند منٹ ٹھہر کر دریا کو جاتا ہوں وہاں جاکر دریا کے کنارے پر کوئی آدھ گھنٹے کے قریب ٹہلتا رہتا ہوں۔ وہاں سے واپس آتی بار سارے شہر کے گرد باغ میں پھرتا ہوں۔ وہاں سے ڈیرے آن کر کوٹھے پر ٹہلتا رہتا ہوں۔ اتنے میں اندھیرا ہو جاتا ہے (مگر یہ یاد رہے کہ میں چلتے پھرتے پڑھتا برابر رہتا ہوں) اندھیرا پڑے ورزش کرتا ہوں اور لیمپ جلا کر سات بجے تک پڑھتا ہوں۔ پھر روٹی کھانے جاتا ہوں۔ اور پریم (ایک طالب علم کا نام ہے جس کے گھر پر جاکر گوسائیں جی پڑھایا کرتے تھے۔ مؤلف) کی طرف بھی جاتا ہوں۔ وہاں سے آن کر کوئی دس بارہ منٹ اپنے مکان کے دوسرے کے ساتھ ورزش کرتا ہوں۔ پھر کوئی ساڑھے دس بجے تک پڑھتا ہوں اور لیٹ جاتا ہوں۔ میرے تجربہ میں یہ آیا ہے کہ اگر ہمارا معدہ عین صحت کی حالت میں رہے تو ہمیں کمال درجہ کا سرور۔ فرحت۔ دل کا یکسو ہونا۔ پرمیشور کی یاد اور پاک باطنی حاصل ہوتی ہے۔ عقل۔ حافظہ۔ طاقت نہایت تیز ہو جاتی ہیں۔ اول تو میں کھاتا ہی بہت کم ہوں۔ دوم جو کھاتا ہوں خوب پچا لیتا ہوں۔۔۔۔

آج کل رائے میلا رام کا لڑکا کا (مراد رائے بہادر لالہ رام سرن داس صاحب سے ہے) جو ایف اے میں پڑھتا ہے مجھے کئی پیغام بھیج چکا ہے کہ میں اُسے پڑھانا منظور کروں۔ مگر میں نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا۔ وقت کہاں سے لاؤں؟ مشکل یہ ہے کہ جن کو پڑھانے لگتا ہوں وہ پھر چھوڑتے بالکل نہیں

ہر بھلے حوالے سے مجھے رکھ لیتے ہیں۔ پیار سے اور محبت سے باندھ لیتے ہیں۔"

قوتِ برداشت گوسائیں جی صدمات کو بڑے صبر اور شانتی سے برداشت کرتے تھے۔ ایک دن آپ کے گھر سے خط ملا کہ شریمتی تیرتھ دیوی (ہمشیرہ صاحبہ) سُرگباش ہوگئی ہیں۔ آپ کو اُنکی بے وقت وفات کا سخت افسوس ہوا۔ خاموشی کے عالم میں دریائے راوی کی جانب چلدیئے۔ تنہائی میں خون کے حقیقی جوش کو اشکِ ریزی کے ذریعے کم کرکے پرماتما کی درگاہ میں پرارتھنا کی کہ "ہمت کے ساتھ صدمات برداشت کرنے کی طاقت عطا ہو۔" چنانچہ اپنے خالو صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "میں ان دنوں بڑے افسوس اور غم کی حالت میں رہا ہوں۔ کیونکہ میری بہن جو میری رائے میں تمام پنجاب بھر کی عورتوں کے لیے حیا۔ نیک نیتی۔ بُردباری۔ محنت اور پاکیزہ خیالی وغیرہ میں ایک نمونہ تھی کال وش ہوگئی ہے۔" ایسے ہی ۱۰ جنوری ۱۸۹۴ء کے خط میں اپنے گورو جی کو لکھتے ہیں کہ "......... اپنی بہن (ہمشیرہ) کی بابت مجھے کل ہی معلوم ہوگیا تھا۔ جو مجھے غم ہُوا ہے اُس کا نہ لکھنا اچھا ہے۔ میں بڑا ہی رویا ہوں۔ میری اُس کے ساتھ از حد محبت تھی۔"

ایم۔ اے میں قلبی حالت آج کل کی تعلیم کا اثر عموماً یہی دیکھنے میں آرہا ہے۔ کہ جوں جوں کالج کی جماعتیں پاس ہوتی جاتی ہیں۔ توں توں دھرم کو جواب ملتا جاتا ہے۔ پُرانی تہذیب و ایشور دھیان یا گورو بھگتی پر مضحکہ اُڑانا شروع ہوجاتا ہے۔ اور دل مادی ترقی۔ عیش پرستی اور کوٹ پتلون کی بن ٹھن میں والا و شیدا ہونے لگ جاتا ہے۔ مگر گوسائیں تیرتھ رام جی کے دل پر تعلیم سے بالکل اُلٹا ہی اثر پڑا۔ حالانکہ گرہستھ کے گورو (بھگت دھنا رام جی) بمقابلہ گوسائیں جی کے علمی لیاقت میں

بہت ہی پیچھے تھے۔ نہ وہ کوئی جماعت پاس تھے اور نہ کسی زباندانی میں ماہر۔ محض سیدھے سادے۔ مگر پاک باطن۔ کلام کے سچّے اور راگی تھے۔ تاہم انکے ساتھ گسائیں جی کی دلی محبت و تعظیم کو لج کی مادّی تعلیم کے اثر سے ذرا کم ہونے نہیں پائی۔ کم تو کیا اُلٹا علمی ترقی کے ساتھ گورو بھگتی بھی دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتی رہی۔ طالب علمی کے زمانے میں گسائیں جی ہر ایک کام کو گورو جی کی آگیا سے کرتے تھے۔ اور جو کام بھی تکمیل کو پہنچتا تھا وہ سب گورو کرپا یا ایشور کرپا سے ہوتا یقین کرتے تھے۔ اگر کسی غفلت کے سبب گورو جی ذرا خفا ہو جاتے تھے تو بارہا معافی بذریعہ خطوط اُن سے مانگتے تھے۔ ایک دفعہ اتفاق سے گسائیں جی سے معمول سے زیادہ رقم خرچ ہوگئی۔ اور گورو جی کی خفگی کا خط آیا۔ تو آپ انکے جواب میں ۳۰۔ دسمبر ۱۸۹۳ء کو یوں لکھتے ہیں کہ ؎

"گر کشی ور جرم بخشی۔ دست و سر بر آستانم
بندہ را فرماں چہ باشد۔ ہرچہ فرمائی بر آنم

مہاراج جی! جب آپ کا خط مجھے ملا۔ نہایت خوشی ہوئی۔ مگر پڑھ کر دل بڑے غم میں چلا گیا۔ کیونکہ آپ غلام پر خفا ہیں۔ آپ اب معاف فرمائیے گا۔ کیونکہ میرے جیسے ناتجربہ کاروں سے غلطیاں اکثر ہو جاتی ہیں۔ آدمی گر گر کر سوار ہوتا ہے۔ اور کئی دفعہ بڑے سیانے بھی چوک جاتے ہیں۔ تیراک (تارو) ڈوبتے آئے ہیں۔ آپ اب یہاں کب تشریف لائیں گے؟ جب تک آپ کا خوشی کا خط یا خود آپ یہاں نہ آئیں گے مجھے بڑا فکر رہے گا۔ مجھے معلوم ہو کہ آپ کو ان دنوں تنگی ہوگی۔ اس لیے اگر آپ حکم دیں تو میں یہاں سے کچھ عرض کروں دیسی خدمت شریعت میں کچھ

نقدی بھیجوں۔ مؤلف) آپ سے غلام پر کسی طرح خفا نہ ہونا۔ اس سال میں نے ایک کتاب بھی ایسی مول نہیں لی جو میرے امتحان کے متعلق نہ ہو۔ پہلے یہ عادت مجھے تھی مگر اب آپ کی دیا سے دور ہو گئی ہے۔ خرچ مجھ سے بیشک زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور میں کوشش کر رہا ہوں کہ کم ہو۔ خرچ دودھ وغیرہ میں ہوتا ہے۔ میں جب کانگرس کا جلسہ دیکھنے گیا تھا تو اس غرض سے گیا تھا کہ وہاں جو بنگال۔ بمبئی۔ مدراس۔ وسط ہندوستان اور دکن وغیرہ کے اوّل درجے کے لکچر دینے والے (بولنے والے) آئے ہوئے ہیں اُنکے بولنے کے طریقے وغیرہ دیکھوں۔ نوروجی کے آنے کے دن میں نے اس بات کا شکریہ کیا تھا کہ لوگوں کو جوش و خروش میں دیکھ کر مجھے جوش نہ آیا۔ سو اب بھی میں آپ کے چرنوں کا شکر کرتا ہوں کہ ان سب بولنے والوں کو سُن کر مجھے جوش نہ آیا۔"

جیسے گورو بھگتی ترقی کرتی گئی۔ ویسے دھرم میں شردّھا (بھگتی) بھی تعلیم کے ساتھ زور سے زور سے نشوونما پاتی گئی۔ جب تیرتھ رام جی لوئر پرائمری میں تعلیم پاتے تھے تو اس وقت کے اُستاد مولوی محمد علی جی بیان فرماتے ہیں کہ گوسائیں تیرتھ رام جی ہر روز بلا ناغہ کتھا سُننے دھرم شالہ میں جاتے تھے چونکہ کتھا دو بجے ہوتی تھی۔ اور یہی اسکول کا وقت ہوتا ہے۔ اسلیئے میں نے اُسے جانے سے روکا۔ ہونہار تیرتھ رام نے رو کر التجا کی۔ کہ "اے اُستاد جی! روٹی کھانے کی رخصت خواہ نہ دی جائے مگر کتھا سُننے کی اجازت ضرور دیویں۔" ان کتھاؤں نے گسائیں جی کے چت کو ایسا آستک بنا دیا تھا کہ بات بات میں گسائیں جی ایشور

ک۱ دیہات کے مدرسوں میں ماسٹروں کو اُستاد جی کہتے ہیں۔ ان مدرسوں میں صبح سے لیکر شام تک پڑھائی ہوتی ہے۔ اور بیچ میں ایک دفعہ بچوں کو کھانا کھانے کے لیے چھٹی دی جاتی ہے۔

کرپا اور بھگوت پر بھروسا مقدم سمجھتے تھے۔ یہ ایشور پر وشواش (اعتقاد حق) روز بروز ترقی کرتا کرتا گوسائیں جی کے روم روم میں اب ایسا رچ گیا کہ اگر گورو جی بھی اس وشواش کو ذرا چھوڑتے نظر آتے تو انھیں بھی آگاہ کرنے میں ذرا دریغ نہ کرتے۔ ۷ر فروری ۱۸۹۴ء کے خط میں آپ گورو جی کو لکھتے ہیں کہ: "آپ اپنے اصلی سروپ کی طرف دھیان کرنے کی کوشش کریں۔ رشتہ داروں کی ذرا پرواہ نہ کریں۔ ست سنگ۔ اچھے پستک۔ ایکانت سیون کے ذریعے سے اپنے سروپ میں استھا (ستھتی یعنے قیام) ہوتی ہے۔ اور اپنے سروپ میں استھا ہونے سے تمام دنیا غلام بن جاتی ہے۔۔۔۔۔۔"

پھر دوسرے (۱۰ر فروری ۱۸۹۴ء کے) خط میں لکھتے ہیں "دنیا کی کوئی چیز اعتبار اور بھروسہ کرنے کے لائق نہیں۔ نہایت کرپا پرمیشور کی ان لوگوں پر ہے جو اپنا آشرا اور یقین کیول پرماتما پر رکھتے ہیں۔ اور دل سے سچے سادھو ہیں۔ ایسے مہاپرشوں کے چرنوں میں پرمیشور کی ساری سرشٹی غلامی کرتی ہے۔" پھر ۱۰ر مارچ ۱۸۹۴ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ "ست سنگ اتم گرنتھ اور بھجن بندگی یہ تین چیزیں تین لوکوں کا راجا بنا دیتی ہیں اور مہا کُسنگ پرمیشور کو ہم سے ناراض کروا دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم ہر طرح طرح کی تکلیفیں حاصل ہوتی ہیں۔ ایکانت سیون سے اور تھوڑا سا کھانے سے پرماتما خود آن کر ہمارا سنگ اختیار کرتے ہیں"۔ اس سال کے تمام خطوں سے عیاں ہوتا ہے کہ گوسائیں جی میں آستک بھاؤ و ایشور پر وشواش اب اپنے گورو جی سے بھی بدرجہا بڑھ گیا تھا۔ جس سے بجائے گورو جی کی جانب سے اُپدیش ملنے کے اب اُلٹا اُنکی طرف اُپدیش بہنے لگا۔ تاہم گوسائیں جی کی

عجز و انکساری اور گورُو بھگتی نہایت قابلِ تعریف ہی۔ اتفاق سے اگر کسی کمی کے دُور کرنے میں اپنا دلی عقیدہ وہ گورو جی کو لکھتے تو بڑے ڈرتے ہوئے پریم بھرے الفاظ سے لکھتے تاکہ گورُو جی کہیں خفا نہ ہو جائیں۔ گو بعض کے خط اگرچہ خفگی بھرے اور شاید طعنہ آمیز آتے تھے۔ مگر آپ جواب بڑے ہی عاجزانہ۔ صداقت اور بھگتی سے بھرے شبدوں میں دیتے تھے۔ ۲۹ جون ۱۸۹۴ء کو کہیں بہت خفگی بھرا خط گورُو جی کے پاس سے آیا ہوگا۔ مگر آپ اُس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: "میں خط برابر اپنے معمول کے موافق ارسال کرتا رہا ہوں۔ شاید آپ کو دیر سے ملتا ہوگا۔ یا میرا آدمی ڈاک میں ڈالنا بھول جاتا ہوگا۔ حقیقت میں دُنیا کی کوئی چیز پائدار نہیں۔ جو آدمی ان چیزوں پر بھروسا کرتا ہی (اور اپنی خوشی کا مدار پرماتما پر نہیں رکھتا) وہ ضرور نقصان اُٹھاتا ہی۔ دنیا کے دولتمند برہنہ دراز دامن کی مانند ہیں۔ یعنی یہ لوگ ہیں تو بالکل برہنہ (ننگے) اور کنگال۔ مگر اپنے آپ کو بڑا دامن دراز یعنی پوشاکوں والا خیال کرتے ہیں۔ ایسے برہنہ دراز دامن سے ہمیں کیا سکھ مل سکتا ہی۔ آپ نے غلام پر سدا نظرِ عنایت رکھنی۔ اور اپنا عاجز نوکر تصوّر کرنا۔ کوئی فکر نہ کرنا۔ آپ نے ہر طرح سے خوش رہنا۔ کسی طرح بھی خفا نہ ہونا۔ میں آپ کا ٹہلیا ہوں۔"

ان ہی دنوں میں گورُو جی کی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ کہیں گھر میں کشمکش و ناچاقی ہو گئی۔ اور اُنھوں نے اس کشمکش کا حال گوسائیں جی کو لکھدیا۔ مگر گوسائیں جی کا عارفانہ جواب اس امر پر واضح طور سے روشنی ڈالتا ہی کہ سوامی جی کا چت ایم۔ اے کی تعلیم پاتے وقت بھی کیسا دھارمک و شانتی بھرا تھا۔ گوسائیں جی ۵۔ جون ۱۸۹۵ء کو گورُو جی کو

جواب دیتے ہیں کہ "مہاراج جی! پرمیشور بڑا ہی چنگا ہو۔ مجھے بڑا ہی پیارا لگتا ہو۔ آپ اُسکے ساتھ صُلح رکھا کریں۔ آپ کے ساتھ جو کبھی کبھی ذرا سختی پیش آتا ہو یہ اُسکے بلاس (مخول) ہیں۔ وہ آپ کے ساتھ ہنسی مخول کرنا چاہتا ہو ہمیں چاہیے کہ ہنسنے والوں سے خفا نہ ہوجائیں۔ کسی اور خط میں میں آپ کی خدمت میں اُس کی کئی باتیں بتاؤں گا (عرض کروں گا)۔ حقیقت میں وہ بڑا ہی موتیوں والا ہو"۔

"یہ خط میں میز پر رکھ کر لکھ رہا ہوں یہاں صبح تھوڑی سی کھانڈ پڑی تھی اُس کھانڈ کے پاس میز پر چار پانچ کیڑیاں اکٹھی ہو رہی ہیں۔ اور وہ سب میری قلم کی طرف اور حرفوں کی طرف تک رہی ہیں۔ اور آپس میں بڑی باتیں کر رہی ہیں۔ جتنی گفتگو میں نے اُن سے سُنی ہو وہ عرض کرتا ہوں۔ دگر میں پہلے یہ عرض کرنی چاہتا ہوں کہ گو میرا خط بہت ہی خراب اور ناقص ہو۔ مگر ان کیڑیوں کی نگاہ میں تو چین کے نقش و نگار سے کم نہیں)، جو کیڑی سب سے پہلے بولی وہ بڑی انجان اور معصوم تھی۔ ابھی ننھی بچی تھی"۔

پہلی کیڑی کہتی ہو "دیکھ بہن! اس قلم کی کاریگری۔ کاغذ پر یہ کیا! گول گول گھیرے ڈال رہی۔ اُسکی ڈالی ہوئی لکیروں (یعنی حرفوں) کو سب لوگ بڑی پریت سے اپنی آنکھوں کے پاس رکھتے ہیں (یعنی پڑھتے ہیں)۔ اور جس کاغذ پر یہ (قلم) نشانیاں کردے (یعنی لکھ دے) اُس کاغذ کو لوگ ہاتھوں میں لیئے پھرتے ہیں۔ کاغذ پر گویا موتی ڈال رہی ہو۔ کیا رنگ آمیزیاں ہیں۔ بعضے بعضے حروف تو خاص ہماری اور ہماری ماں کے بیٹے (یعنی کیڑیوں) کی تصویروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ کیا ہی خوبصورت ہیں"

سہ قلم گوید کہ من شاہ جہانم و قلم کش را بدولت می رسانم۔ اس قلم میں جان نہیں ہے۔ مگر ہمارے جیسے جانداروں کو بیسیوں دفعہ پیدا کرسکتی ہے۔"

اتنا کہہ کر پہلی کیڑی تو خموش (خاموش) ہوگئی۔ اب دوسری بولی۔ یہ کیڑی پہلی سے کچھ بڑی تھی اور اُس سے زیادہ بصارت رکھتی تھی۔ یعنی اسکی آنکھیں تیز تھیں۔ دوسری کیڑی:۔" میری بھولی بہن! تو دیکھتی نہیں کہ قلم تو بالکل مُردہ شے ہے۔ وہ تو بالکل کچھ کام نہیں کرسکتی۔ دو اُنگلیاں اسے چلا رہی ہیں جتنی صفت تو نے قلم کی کی ہے یہ سب اُنگلیوں پر عاید ہونی چاہیئے۔"

اب ان دونوں سے ایک بڑی اور سیانی کیڑی بولی:۔" تم دونوں ابھی انجان ہو۔ انگلیاں تو پتلی پتلی رسیوں کی طرح ہیں۔ وہ کیا کرسکتی ہیں۔ وہ موٹی پینی ہاتھ کی ان سب سے کام لے رہی ہے۔"

اب ان کیڑیوں کی ماں بولی:" یہ سب قلم یا انگلیاں۔ پینی۔ بازو وغیرہ اس بڑے موٹے دھڑ کے آسرے کام کر رہے ہیں۔ یہ سب تعریف اُس دھڑ کو موزوں ہے۔"

اتنا کہہ کر جب کیڑیاں ذرا چپکی ہوئیں۔ تو میں نے اُنکو یہ کہا کہ" اے میرے دوسرے سروپو! یہ دھڑ بھی جڑ روپ ہے۔ اس کو بھی ایک اور چیز کا آسرا ہے۔ یعنی جان کا۔ اس لیئے حمد و ثنا اُس جان کے شایان ہے۔" جب میں نے اتنا کہا تو میرے دل میں آپ کی طرف سے آواز آئی اور وہ آپ کے بچن بھی میں نے اُن کیڑیوں کو سُنا دیئے۔ اُنکا خلاصہ میں درج کرتا ہوں:" آدمی کی جان کے پرے بھی ایک وستو ہے۔ (ارتھات پرماتما۔ اس وستو کے آسرے سب بھوت (پدارتھ) چیشٹا کرتے

ہیں۔ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہی اُسکی مرضی سے ہوتا ہی۔ پُتلیاں بغیر تار والے کے نہیں ناچ سکتیں۔ بانسری بغیر بجانے والے کے نہیں بج سکتی۔ اسی طرح دنیا کے لوگ بغیر اُسکے حکم کے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ جیسے تلوار کا کام گو مارتا ہی مگر وہ تلوار بغیر چلانے والے کے نہیں چل سکتی۔ اسی طرح سے گو بعض اشخاص کا سبھاؤ بہت ہی خراب کیوں نہ ہو جب تک اُنہیں پرمیشور نہ اُکسائے وہ ہمیں تکلیف نہیں پہنچا سکتے۔ جیسے بادشاہ کے ساتھ صلح کرنے سے تمام عملہ فعلہ ہمارا دوست بن جاتا ہی۔ اسی طرح پرماتما کو راضی رکھنے سے تمام خلق ہماری اپنی ہو جاتی ہی"

مہاراج جی! آپ کا نوازشنامہ صادر ہُوا تھا۔ کمال خوشی کا باعث ہوا تھا۔ مہاراج جی! اگر آپ یہاں رہنا چاہیں تو بڑی خوشی کی بات ہی۔ اور اگر وہاں آپ ایک آدمی رکھنا چاہیں تو آپ بیشک رکھ لیں۔ جہاں اتنا خرچ ہو رہا ہی۔ وہاں اور ایک آدمی کا خرچ بھی پرماتما بڑی اچھی طرح سے دینگے میری طرف سے کوئی فرق نہیں۔ جس طرح سے جی چاہے کریں"

"مجھے کسی پر ذرا غصہ نہیں ہی۔ میں بڑا خوش ہوں۔ اکثر طیش میں آکر منشوں کی زبان سے کئی باتیں نکل جاتی ہیں۔ ہمیں سب معاف کرنی چاہئیں۔ آپ بھی معاف کردیں۔ آپ اُن سے صلح کرلیں۔ کھانا آپ اُنکا چاہے کھائیں۔ چاہے نہ کھائیں۔ مگر صلح ضرور کرلیں۔ اور سب خطائیں معاف کردیں۔ سادھوؤں کا کھشما بھوشن ہوتا ہی"

آپ ان دنوں ذرا اچاہ (بلا خواہش) ہوے تھے اس لئے آپ کے بھائیا جی (یعنی والد صاحب) آپ کے پاس آگئے تھے"

یہ خط بے اختیار اتنا لمبا ہوگیا ہی۔ معاف فرمانا۔ پرشود آپ کو بھی

خوشی دے گا؛ آپ کا عاجز غلام تیرتھ رام

ایم۔ اے کے زمانہ میں خوراک

عموماً گوسائیں جی ستوگن بھوجن کھایا کرتے تھے اور دودھ کو سب سے بڑھ کر ترجیح دیتے تھے۔ مگر ایم۔ اے میں آن کر آپ شاید بوجہ کثرت کام کے یا اور وجہ سے ضروری سمجھ کر محض دودھ پر گزارہ کرنے لگے۔ اور کتنے ہی عرصہ تک یہ ہلکا اہار (بھوجن) جاری رکھا۔ ۱۱ مارچ ۱۸۹۶ء کے خط میں آپ گورو جی کو لکھتے ہیں کہ "مہاراج جی! میں ان دنوں صرف دودھ پر گزارہ کرتا ہوں۔ اور میرا دماغ بہت اچھی طرح کام کرتا ہے۔ بدن میں طاقت کسی سے کم نہیں۔ من بھی شُدھ رہتا ہے۔ اگر آپ بھی اسی طرح صرف دودھ وغیرہ پر گزارہ کرنے کی عادت ڈال لیں تو مجھے بڑی خوشی ہو۔ خرچ کی کچھ پروا نہ کریں۔ دودھ پینا فضول خرچی نہیں ہے۔ دودھ زیادہ استعمال کرنے سے خرچ ہرگز ہرگز زیادہ نہیں ہوتا۔ اور اگر زیادہ ہو بھی تو کچھ پروا نہیں ہے"؛ حقیقت میں گسائیں جی کو اس غذا کے جاری رکھنے سے گمان سے بھی بڑھ کر طاقت حاصل ہوئی۔ کہاں تو ہر روز بیمار رہنا۔ اور مشکل سے ہر روز ایک دو میل چلنا اور کہاں اب اس ہلکی دودھ کی غذا سے ہر روز عین تندرست رہنا اور میلوں ہی تیز رفتار سے بلا تکان پیدل چلنا؛ آگے چل کر ۲۲ دسمبر ۱۸۹۵ء کے خط میں گوسائیں جی اس غذا کا اثر لکھتے ہیں کہ "...... مجھے آٹھ دن روٹی کھائے ہو گئے ہیں۔ صرف دودھ پیتا ہوں۔ لیکن آج پورے تیس میل کا چکر بطور سیر کے لگا آیا ہوں اور ذرا معلوم تک بھی نہیں ہوا......"؛

کام میں آنند

یہاں یہ امر ذہن نشین کرنے کے لائق ہے کہ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد گوسائیں تیرتھ رام جی علوم ریاضی میں اتنی شہرت حاصل کر گئے

تھے کہ بہت سے کالجوں کے بی۔اے اور ایم۔اے کے طلبا آپ سے ریاضی سیکھنے آیا کرتے تھے۔ شاید ان دنوں میں آپ ایک انگریز طالب علم کو بطور ڈیوٹی پڑھایا کرتے تھے۔اپنے کالج میں صرف ایک گھنٹہ برائے نام جایا کرتے تھے اور اپنا باقی وقت مشن کالج میں ایف۔اے اور بی۔اے کے طلبا کو ریاضی پڑھانے میں صرف کرتے تھے گویا ایک ہی وقت میں آپ گورنمنٹ کالج میں ایم۔اے کلاس کے طالبعلم تھے۔ادھر مشن کالج میں ریاضی کے آنریری پروفیسر تھے۔علاوہ اسکے دیگر پروفیسروں کے پرچے امتحانوں کے برائے ملاحظہ آپ کے پاس آجاتے تھے۔ اسلئے گسائیں جی کے پاس کام سخت بڑھ گیا۔ اور دن رات کام میں مصروف رہتے تھے۔

۳۔جولائی ۱۸۹۴ء کے خط میں آپ اپنے گورو جی کو لکھتے ہیں کہ" میں کل بڑا ہی کام میں مصروف رہا ہوں۔چنانچہ رات کے دو بجے سویا ہوں — اور آج صبح پانچ بجے پھر کام کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا ہوں۔اس لئے خط کل نہیں لکھ سکا۔معاف فرمائیے گا۔مشن کالج کے لڑکے بڑا ہی خوش ہوتے ہیں۔ یہ سب آپ کی دیا ہے"۔

باوجود اس سخت مصروفیت کے گوسائیں جی کو کام میں حد سے بڑھکر آنند آتا تھا اور کام کی کامیابی کا راز بھی بخوبی معلوم تھا۔

آپ ۴ مارچ ۱۸۹۴ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں۔

آج میں دیر کے بعد عریضہ بھیجنے لگا ہوں۔ان دنوں مجھے نہایت درجے کا کام رہا ہے۔چنانچہ آج میں سویا بھی پانچ گھنٹہ سے کم ہوں۔پروفیسروں کا کام بھی کرنے والا ہے۔سارٹیفکٹ نہایت ہی عمدہ ملے ہیں۔آپ ہر طرح سے خوش رہا کریں کسی قسم کا فکر نہ کریں۔اگر ہم کسی کام کو کرنا چاہیں تو میری رائے میں ہم کو چاہیئے کہ اپنے من کو ذرا نہ ہلائیں دُاسکو اڈول

اچل اور بے حرکت رکھیں) مگر اس کام کے کرنے کے لئے اپنی اندریوں کو ذرا ساکن نہ ہونے دیں۔ اُن کو ہلاتے اور چلاتے رہیں اور نہایت مصروف رکھیں۔ اس طرح سے ہم کو ضرور نہایت جلدی کامیابی ہوتی ہے۔ کرشن[1] جی نے بھی ایسا ہی کہا ہے"۔

مالی دقتیں | وظیفوں سے اگرچہ ساٹھ روپیہ کے قریب ماہوار آ جاتا تھا مگر خانہ داری اور دیگر اخراجات کا بوجھ جو گوسائیں جی پر اسقدر بڑھ گیا تھا کہ ایک پیسہ بھی اُن کے پاس اور خرچ کو نہ بچتا تھا۔ ہر وقت بے زر ہی رہتے تھے۔ ایسی تنگی کے دنوں میں گسائیں جی ذرا اس فکر میں تھے کہ ایم۔ اے کے امتحان کا داخلہ کیسے دیا جائے۔

یہ پہلے واضح کیا جاچکا ہے کہ گوسائیں جی کا ایشور پر کامل وشواش تھا۔ اور جب کبھی کوئی مشکل درپیش ہوتی تو جھٹ ایشور کے دھیان میں چت لگا دیتے۔ اور سب کچھ بھگوت کرپا پر ہی چھوڑ دیتے تھے۔ اس تنگی کے وقت بھی پست ہمت ذرا نہیں ہوئے۔ بلکہ پختہ اعتقاد سے گورو جی کو آپ اپنے ۱۳ر نومبر ۱۸۹۴ء کے خط میں اطلاع دیتے ہیں کہ:۔......جو پرماتما ابتک مدد کرتا رہا اب بھی ضرور کرے گا۔ حوصلہ چھوڑنے کی کچھ ضرورت نہیں:۔ ایسے پختہ وشواش سے ایشور کے بھروسے پر اپنے آپ کو چھوڑنا تھا کہ

[1] زمانۂ طالب علمی میں گسائیں جی کو کرشن گیتا کے پڑھنے کا بڑا شوق تھا بلکہ ایک دفعہ اپنے گورو جی کو لکھتے ہیں کہ میں نے ابھی گیتا کا بھوگ پایا ہے۔ نہایت ہی بڑا انمول تحفہ ہے۔ اس کو سمجھ کر پڑھنے سے پرمیشور کے اُوپر اتنا وشواش ہو جاتا ہے۔ جتنا دنیادار پرشوں کو اپنے شریر پر ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں کرم کے راز میں گیتا کا حوالہ دیتے ہیں۔

گوسائیں جی کو جھٹ اپنے خالو صاحب سے ہمدردی بھری چٹھی آئی۔ گوسائیں جی خوشی میں آکر گورو جی کو ۱۱۔ نومبر ۱۸۹۴ء میں لکھتے ہیں کہ "ماسٹر (خالو) جی کا خط آیا تھا وہ لکھتے ہیں کہ امتحان کے داخلہ کے واسطے روپیہ ہمارے بغیر اور کسی سے نہ لینے۔ پرماتما کی صفت کوئی کس زبان سے کرے"۔ اس طرح آپ اپنے ماسٹر جی سے داخلہ کی مدد لیکر امتحان ایم۔اے میں داخل ہوئے۔

ایم۔اے میں کامیابی | اس طرح بیسیوں مشکلات میں سے گزرتے ہوئے آپ نے ایم۔اے کا امتحان دیا۔ اور اپریل ۱۸۹۵ء میں اُسکا نتیجہ نکلا۔ آپ نہایت کامیابی کے ساتھ پاس ہوئے۔ آپ اپنے خط میں اپنے محسن مہربان معاون و مددگار ڈاکٹر رگھناتھ مل جی کو لکھتے ہیں۔ کہ "آج میرا نتیجہ نکلا ہو پرماتما نے دیا کی ہو۔ میں پاس ہوگیا ہوں۔ امتحان از حد مشکل ہُوا تھا۔ کبھی ہندوستان کی کسی یونیورسٹی میں ریاضی کے ایسے مشکل پرچے نہیں گئے۔ یہ صرف پرماتما کی دیا اور آپ کی دعاؤں کی بدولت ہو"۔ اگرچہ اس امتحان میں گوسائیں جی نے بی۔اے کی طرح کُل نمبر حاصل نہیں کئے تھے۔ مگر دونوں اے اور بی کورسوں میں کامیابی پائی۔ اور اس سے پہلے ایم۔اے کا کوئی طالب علم ریاضی کے دونوں کورسوں میں شاذ و نادر ہی پاس ہُوا تھا۔ سوانح عمری کے پڑھنے والے اس قدرت کے برگزیدہ رُکن اور آیندہ کے قدرت مجسم رام کے خیالات کا ابھی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ باوجود کامیابیوں پر کامیابیوں کے آپ اپنے محسنوں کو نہیں بھولے۔ پرماتما کو نہیں بسارا۔ گورو بھگتی و گورو سیوا کا خیال کم ہونے نہیں دیا۔ ہر لحظہ و ہر دم یہی سوچ و بچار جاری رہا کہ "یہ پرماتما کی مہربانی کا پھل ہو"۔ "یہ گورو جی کی کرپا اور دیا ہو"۔ وغیرہ +

اور گوروجی سے اسقدر امید تھا کہ ابھی نتیجہ امتحان کا نہیں نکلا تھا کہ آپ ۱۸ اپریل ۱۸۹۵ء کے خط میں اُنکو لکھتے ہیں کہ "آپ نے جو ایم۔اے کا امتحان دیا ہوا ہے اُس کا نتیجہ ابھی نہیں نکلا۔ جب آپ کے پاس ہو جانے کی خبر آئے گی۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ یہ سب آپ ہی کا کام ہے۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ جس دن آپ کی خبر نکالنے کی مرضی ہو۔ اُسی دن سہی۔"

ایم۔اے پاس ہونے کے بعد کلاس کھولنے کا ارادہ

ایم۔اے میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد آپ کے چند خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ کرسچین کالج میں آپ کو جگہ مل سکتی تھی۔ پشاور اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی جگہ مل سکتی تھی مگر آپ کسی وجہ سے وہاں نہیں گئے۔ اپنے ایک خط میں آپ لکھتے ہیں کہ "گورنمنٹ کالج کے پرنسپل مسٹر بیل اور دیگر کالجوں کے پرنسپل مجھے بہت کچھ امیدیں دلاتے ہیں اور مسٹر بیل نے تو فی الحال (جب تک اس کالج میں جگہ خالی نہ ہو) مجھے اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ ریاضی میں میں پرائیوٹ جماعتیں کھولوں۔ اور ایف۔اے والوں سے دس دس روپے اور بی۔اے والوں سے پندرہ روپیہ ماہوار فیس لیکر انھیں ریاضی پڑھاؤں۔ چنانچہ مئی ۱۸۹۵ء میں مسٹر بیل نے اپنے خرچ سے اس قسم کے نوٹس وغیرہ چھپوائے۔ اور دیواروں پر بعد ازاں لگوا دیے تھے۔ اس طرح سے کچھ عرصہ میں گسائیں جی جماعتیں پرائیوٹ کھول کر پڑھانے لگے۔ اور علاوہ ان جماعتوں کے کالج کے ایک دو پروفیسر صاحب بھی گوسائیں جی سے ریاضی میں تعلیم پانے لگے اور یہ سب کام بہت محنت طلب تھا گسائیں جی کی صحت امتحان ایم۔اے کی محنت شقّت کے سبب پہلے سے خراب ہو چکی تھی۔ اب ان کلاسوں کے کھولنے اور پرائیویٹ

"کلیات رام جلد دویم"

لالہ چندو مل ـ حلوائی ـ لاہور

"کلیات رام جلد دویم"

شری سوامی رام تیرتھ - پروفیسر تیرتھ رام گو سوامی
ادم - اے - (۱۸۹۶)

کو مدد دینے سے انکو لگاتار کام کرنا پڑا۔ جس سے کام کا پہلے سے بھی زیادہ بار ہوگیا۔ اس لئے اُن کی صحت اور زیادہ بگڑ گئی اور انکو لاچار اپنے گھر مُرَلیوالہ (ضلع گجرانوالہ) میں جانا پڑا ۰

ملازمت چند ماہ کے اندر شفا پاکر گوسائیں جی واپس لاہور تشریف لائے۔ اور کوئی ملازمت کرنے سے پیشتر پبلک کام میں قدم رکھنے لگے۔ ۴ جولائی ۱۸۹۵ء کے خط سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ سناتن دھرم سبھا کی تعلیمی سبھا کے ممبر بنائے گئے اور وہاں کی انٹرنیس جماعت کا امتحان لینا بھی انکے ذمہ ہوا۔ اسکے بعد پھر سناتن دھرم سبھا کی سب کمیٹی کے سکریٹری بنائے گئے۔ اس کمیٹی کے ممبر مفصلہ ذیل اصحاب تھے۔

(۱) پنڈت ایشری پرشاد جی (۲) پنڈت بھانو دت جی (۳) پنڈت گنپتی جی (۴) پنڈت درگا دت جی (۵) پنڈت شیودت جی (۶) لالہ اجودھیا داس صاحب بی۔اے اور گسائیں جی خود۔ ان پبلک خدمات کے ساتھ گسائیں جی کو معلوم نہیں کس وجہ سے علم نقشہ کشی (ڈرائنگ) سیکھنے کا بھی شوق ہوگیا۔ اور آپ لالہ ہنسراج صاحب پرنسپل ویدک کالج لاہور سے اس علم کے سیکھنے کی اجازت لیکر اپنے گورُو جی کو ۵۔ نومبر ۱۸۹۵ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ "لالہ ہنسراج جی کو میں جاکر ملا تھا۔ ان سے علم ڈرائنگ یعنی نقشہ کشی بغیر فیس سیکھنے کی مجھے اجازت مل گئی ہے۔ ویدک کالج میں۔ آپ غلام پر تو یا درشٹ رکھا کریں"۔ اس شوق کے تھوڑے ہی دنوں بعد آپ سیالکوٹ امریکن مشن ہائی اسکول میں ۱۸۹۵ء میں بعہدۂ سیکنڈ ماسٹری مامور ہو گئے ۰

سیالکوٹ پہنچنے کے چند ہی روز بعد تمام اسکولوں کے لڑکوں میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ مشن ہائی اسکول میں ایسے ٹیچر آئے ہوئے ہیں۔ جو

لاکھوں کروڑوں کی ضربیں یاد سے بتا دیتے ہیں۔ انکی ایسی شُہرت سے دُور دُور کے طُلباء سیالکوٹ مشن اسکول میں آنے لگے۔ آپ کی تنخواہ صرف اسّی روپے تھی۔ اُسوقت بھی آپ کی تنخواہ کا زیادہ حصّہ آپ کے زمانۂ طالب علمی کے وظیفہ کی طرح طُلباء کی امداد میں خرچ ہوتا تھا۔ جس لڑکے کا جی چاہتا آپ کا نام لیکر حلوائی سے حسب ضرورت دودھ پی لیتا تھا۔ جسمانی ورزش کا آپ کو بے انتہا شوق تھا۔ اور طُلباء سے آپ کا ربط ضبط اتنا بڑھ گیا تھا کہ جو چیز وہ چاہتے تھے آپ بلا تامّل مہیّا کر دیتے تھے۔ آپ کی سادہ مزاجی رحمدلی۔ ہمدردی۔ بے غرضی ان دنوں بھی ایسی ہی مشہور تھیں کہ آپ ضد سے لکھنے کے قابل ہیں۔

ذیل کے ایک واقعہ سے آپ کی سادہ دلی اور پاک زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ بیان ہے کہ جب آپ پہلے سیالکوٹ ملازم ہوکر گئے تو وہاں پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ کے پاس خرچ ختم ہوگیا تھا۔ مجبوری ضروریات پُورا کرنے کے لئے وہاں کے ہی ایک واقف سے دس روپے قرض لئے۔ یوں تو قرض عام لوگ لیتے ہیں اور ادا بھی کر دیتے ہیں۔ مگر اس بے غرض سادہ مزاج اور بیشور بھگتی سے رنگے ہُوئے گوسائیں جی کے قرض کی ادائگی کی بھی عجیب صُورت تھی۔ یعنی جب تک آپ سیالکوٹ میں رہے آپ اُس شخص کو ہر مہینے دسؔ روپے ادا کرتے تھے۔ وہ ہرچند انکار کرتا تھا مگر آپ اپنے محسن کے اُس دسؔ روپیہ کے احسان کو بار بار یاد کرتے اور روپے دے دیتے۔

سیالکوٹ آنے سے پہلے لاہور کی سناتن دھرم سبھا کو تو اپنی خدمات سے مستفیض کیا ہی تھا۔ لیکن یہاں کی سناتن دھرم سبھا اور دیگر ست

سنگیوں کو بھی اپنے پریم بھرے اپدیشوں سے بہت فائدہ پہنچایا۔

۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء کے خط میں آپ گورو جی کو لکھتے ہیں کہ "...............
آپ کی دیا سے یہاں آنے والے سب لڑکے خدا بن گئے ہیں۔ مگر مجھ بھی کیا کریںگے" اور ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ "........
کل انھوں نے (سناتن دھرم سبھا والوں نے) میرے لیکچر کا اشتہار نہیں دیا تھا۔ مگر آپ کی کرپا سے میرے بولتے بولتے سناتن دھرم مندر کا میدان آدمیوں سے بالکل بھر گیا تھا۔ ڈپٹی صاحب اور بڑے بڑے عہدہ دار بھی تھے۔ ویش پر بھی بولا تھا۔ مگر لوگوں کی آنکھیں آنسوؤں سے تر نظر آتی تھیں اور تالیاں بھی بہت بجی تھیں..............."

ایک اور خط میں اپنے خالو صاحب کو لکھتے ہیں:۔ کہ "یہاں کی سناتن دھرم سبھا کو بھی میرے سبب سے بڑی رونق ہو گئی ہے۔ جب میں اپنے فرائض دل و جان سے اچھی طرح بھگتا دیتا ہوں تو ایک سرور سا آجاتا ہے۔ جس کے آگے شاہی خزانے کی بھی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ یہاں کے تمام لوگ ہندوستانی اور انگریز میرے مہربان بن گئے ہیں"

اصل بات تو یوں ہے کہ آپ چونکہ خود پریم کے پتلے اور مہربانی مجسم تھے۔ اس لئے جو کوئی بھی اُنکے پاس آتا وہ ویسا ہی اُنکے ساتھ ہو جاتا تھا۔ ایسے مہاپرش کے آگے دنیوی خزائن اور دفائن بھلا کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

بورڈنگ ہاؤس کا مہتمم ہونا سیالکوٹ مشن ہائی اسکول کا بورڈنگ ہاؤس بھی تھا۔ وہاں کے سپرنٹنڈنٹ ایک مسلمان اُستاد تھے۔ ۵۔ مارچ ۱۸۹۶ء کے خط میں گسائیں جی اپنے گورو جی کو لکھتے ہیں کہ "... پچھلے دنوں یہاں

کہ مسلمان سپرنٹنڈنٹ صاحب نے ایک ناجائز حرکت کی (یعنی ہندوؤں کی قسم کا گوشت بورڈنگ ہاؤس میں منگوایا۔) اس بات کی خبر ہوگئی۔ سو اُسکو نکال دیا گیا ہی۔ اب بورڈنگ کا مہتمم میرے سوا اور کوئی ہندوستانی نہیں بن سکتا۔ اس لئے مجھ کو انتظام سنبھالنا پڑا ہی:۔ آج وہاں (بورڈنگ) چلے جانا ہوگا۔ جو جگہ میں نے وہاں لی ہی وہ اس جگہ سے بہت اچھی ہی اور آپ کو وہاں بہت سکھ ہوگا۔ ایکانت بھی ہی"؀

مشن کالج لاہور کی پروفیسری صرف چند ماہ تک ہی سیالکوٹ میں مہتمم بورڈنگ ہاؤس کا فرض نباہا تھا کہ اپریل ۱۸۹۶ء میں گسائیں جی مشن کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوگئے۔ اور یکم مئی ۱۸۹۶ء میں اس سینیر پروفیسری کی کرسی کو زینت بخشی۔ آپ کے ایک خط سے واضح ہوتا ہی کہ ان دنوں آپ ایس۔ سی۔ ڈی۔ (ڈاکٹر آف سائنس) کی ڈگری حاصل کرنا چاہتے تھے جو اُسوقت تک کسی ہندوستانی نے حاصل نہیں کی تھی۔ مگر جیسا کہ آپ کو سول سروس کو مجبور ہوکر خیرباد کرنا پڑا۔ ایسا ہی علم ریاضی کے پڑھانے کے شوق میں آپ کو یہ بھی ترک کرنا پڑا۔

سچا دلی ترک (ویراگ) اس پروفیسری کے زمانہ میں بھی جیسا تیاگ گسائیں جی کے دل میں جوش مارتا تھا۔ کسی میں شاذ و نادر ہی نظر آیا ہوگا؛ جسقدر تنخواہ یا دیگر رقم یونیورسٹی سے موصول ہوتی اُسے فی الفور مستحق پُرشوں میں تقسیم کردیا کرتے۔ اور اپنے پاس اپنی خاطر محض ایک یا دو ہی روپے شاید بچاتے۔ گسائیں جی اپنے ۵۔ جون ۱۸۹۶ء کے خط میں گوروجی کو لکھتے ہیں کہ ......"میں تو بالکل ہی آپ کا ہوں۔ کسی چیز کو اپنا نہیں سمجھا ہوا۔ دولتِ دنیا کو جمع کرنا خوشی کا کارن نہیں سمجھا ہوا۔ نہ گھنا

بنانے کا نہ سامان مہیا کرنے کا خیال ہی۔ آپکی کرپا سے درخت کا سایہ گھر کی جگہ بھبوت کپڑوں کی جگہ زمیں بچھونوں کی جگہ۔ اور بھیک کا ٹکڑا کھانے کو اگر ملے تو بھی بڑا آنند مانا ہوا ہی۔ کس دولت کی خاطر میں آپ کو خفا کردوں؟ اگر فقیروں کی طرح رہنے کا آپ مجھے حکم دو تو میں اب حاضر ہوں سب کچھ چھوڑ کر سادھوؤں کی طرح رہنے کو تیار ہوں، کالج میں کام بھی کرتا رہونگا۔ جو کچھ وہاں سے ملے۔ جس طرح آپ کا چت چاہے برت لیا کرنا۔ ہمارے گھر بھی جو مناسب چاہو دیدیا کرنا۔ عاجز غلام تو صرف کام کرنے اور پرماتما کو دل میں قائم رکھنے میں وہ سکھ پاتا ہی۔ جو کسی بیرونی سکھ یا جاہ وجلال کی ذرا احتیاط نہیں رکھتا مجھے تو جو پرمیشور کی خاطر کام کرنے میں سکھ ہوتا ہی وہی کافی تنخواہ ہی۔ میری تنخواہ جانے اور آپ جانیں۔ میرا آتما تو ان چیزوں سے نہ گھٹتا ہی نہ بڑھتا ہی۔ سدا آنند رُوپ ہی — یہ سب آپ کی کرپا کا پھل ہی........"

کرشن بھگتی: اس قلبی تیاگ کے زمانہ میں گسائیں جی کا ازحد عشق دپریم، بھگوان کرشن چندر سے ہوگیا۔ کرشن گیتا کا مطالعہ تو روز بروز ترقی پر تھا ہی۔ اور کئی بھوگ بھی گیتا کے پاٹھ کے لئے تھے دینی کئی دفعہ مکرر پڑھ ڈالا تھا، مگر اب کرشن بھگوان کے عشق کی یہ نوبت پہنچی کہ دن رات اپنے پیارے کی یاد کے سوائے اور کچھ نہ سُوجھتا تھا۔ ہر وقت اُس کے دیدار کی تمنا دل کو پاگل بنائے رکھتی تھی۔ جہاں بھی کہیں کرشن کا نام سُنا۔ جھٹ وہیں محویت طاری ہوجاتی۔ اگر کہیں بانسری کی سی آواز سُنائی دے جاتی۔ تو وہیں دل بے سُدھ ہوجاتا۔ چنانچہ لاہور میں آپ صبح کئی گھنٹہ دریائے راوی کے کنارے پر اپنے دلربا کی یاد میں محو رہتے تھے۔ اپنے دوستوں و دیگر رفیقوں سے فضول بات چیت اور تمسخر نہیں کیا کرتے تھے۔ ہمیشہ دھرم کے متعلق بات

چیت کیا کرتے تھے۔ اس بھگتی کی کیفیت کا مفصل حال گوسائیں جی کے اُس وقت کے ایک دوست یا واقف کار نے رسالۂ کل بھاسکر میں یوں تحریر فرمایا ہے۔ کہ" ایک روز شام کو راوی دریا سے پرے جنگل میں گوسائیں جی ٹہلتے تھے۔ آسمان پر گھنگور گھٹا چھا رہی تھی۔ کالے کالے بادلوں کو دیکھ کر کچھ دیر تو آپ عالمِ محویت میں رہے اور پھر زار و قطار رو کر کہنے لگے" اے کرشن! اے گھنشیام! یہ شیام رنگ کے بادل آپ کا رنگ ہیں۔ یہ مجھے بیکل کر رہے ہیں ؛ پیارے! اتنا کیوں ترساتے ہو؟ بتاؤ تو سہی؟ کون سے کُنج میں تم چھپے ہوئے ہو؟ ارے بادل! تو اُونچائی سے بہت کچھ دیکھ سکتا ہے۔ پھر بتاؤ میرا کرشن کہاں ہے۔ اچھا میں سمجھ گیا۔ تو نے بھی اُس کی جُدائی کے غم میں اپنا کالا (کرشن) رنگ بنا رکھا ہے۔ کیا مجھ کو اس پیارے کرشن کا دیدار حاصل نہ ہوگا؟ یہ دُنیا بغیر اس کرشن کے درشن کے کاٹ کھائے گی۔ یہ جُدائی کے دُکھڑے کس کے آگے روؤں؟ اے کرشن! تمہاری خاطر دوست و اقارب سے منہ موڑا۔ دُنیاوی شرم و حیا چھوڑی۔ لیکن ناز و نخرے کا ٹھکانا ہی نہیں۔ میرا آپ کے سوا کون ہے؟"

بادلوں کو غائب ہوتے دیکھ کر کہنے لگے۔ او" بھائی بادل! جاتے ہو تو جاؤ مگر میرا پیغام کرشن کے پاس لیتے جاؤ! تم دیکھتے ہو کہ میری آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ اُس بیوفا کو میری طرف سے کہنا ؎

مزا برسات کا چاہو میری آنکھوں میں آ بیٹھو
سیاہی ہے سفیدی ہے شفق ہے ابرِ باراں ہے

جانِ من! کب تک ترسا کریں۔ اب صبر نہیں آتا ؛ یا تم ملک الموت کو بھیجکر خاتمہ کردو۔ یا شربتِ دیدار سے اس تشنۂ لب کی پیاس بُجھاؤ۔ یہ

کس قسم کا دستور ہو کہ محبت کی آگ سے میرا جگر کباب بنا دو۔ آپ دور ہی دُور سے تماشا دیکھو! سورج کو بغیر مانگے آپ نے جلال بخشا۔ چاند کو شانتی اور خوبصورتی عطا فرمائی۔ پھولوں کو بغیر ہاتھ پھیلائے گوناگوں کے رنگوں سے مالا مال کر دیا۔ ایک مجھ کو گیان بخشنے سے آپ کا خزانہ خالی ہو جائیگا؟ اے کرشن! اگر درشن نہیں دو گے تو یہ طائر روح قفس تن سے پرواز کر جائے گی۔ اور آپ کی یاد میں آنکھیں کھلی رہجائیں گی۔ ع

بلبم رسید جانم تو بیا کہ زندہ مانم

پیارے بادل! بس یہی الفاظ دوہرا دینا" یہ کہکر اے کرشن اے کرشن!! بولتے ہوئے بیہوش ہوکر گر پڑے۔

آپ رات کے دو بجے تک جس پریم میں لگے رہتے تھے۔ آپ کے اس دلی عشق کی کیفیت سے بہت تھوڑے لوگ واقف تھے مگر تھوڑے ہی دنوں بعد آپ کی انتہائی بھگتی کی حالت عام طور پر مشہور ہوگئی۔ لالہ اجودھیا پرشاد وکیل ہوشیار پور کا بیان ہے کہ گوسائیں تیرتھ رام ایک دفعہ لاہور میں بھائی نند گوپال کے مندر میں راماین کی کتھا سُن رہے تھے۔ چند منٹ کے بعد دورانِ کتھا میں بچوں کی طرح ہونٹ لسار کر رونے لگے۔ یہاں تک کہ ڈھاریں مارنے لگے۔ بہت منع کیا۔ پنڈت جی (کتھا کہنے والے) نے بھی دلاسا دیا۔ مگر بے سود۔ آخر مجبوراً کتھا بند کرنی پڑی۔ رفتہ رفتہ بیصبری بڑھتی گئی۔ گویا ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کتھاؤں کے سُننے کے بعد رو رو کر آپ یہی کہتے سُنائی دیتے تھے "اے کرشن! مجھ پر۔ رحم کیجئے۔ درشن دیجئے۔ کیا میں گسکندھا کے بندروں سے

بھی گیا گزرا ہوں۔ کیا میں بھیلنی سے بھی گیا گزرا ہوں؟ اگر آپ نہ ملے تو چولھے میں جائے یہ علم۔ خاک میں جائے یہ عزّت۔ اور بھاڑ میں جائے یہ جسم"۔

ایک دفعہ کالج میں گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد آپ نے یہ ارادہ کیا کہ بہت پڑھایا۔ شب و روز محنت کی۔ اب یہ چھٹیاں تو ایشور کے بھجن میں ہی گزاریں گے۔ صبح اُٹھ کر راوی پہنچے۔ اپنے پیارے کے دھیان میں مستغرق ہوئے۔ اتنے میں کوئل کی آواز سن کر چونک پڑے۔ کہنے لگے "اری کوئل! تیری آواز میں یہ دل آویزی کہاں سے آئی؟ کیا تو نے اُس بانسری والے کو دیکھ لیا ہے؟ معلوم ہوتا ہے اُس سے تو آواز اُدھار لائی ہے۔ تو نے اُس کرشن پیارے کو دیکھ لیا ہے۔ سچ بتا وہ ہم سے کس ترکیب سے اور کب ملیگا؟ اری آنکھوں اگر شیام کو نہیں دیکھ سکتی ہو تو ابھی پھوٹ جاؤ! ارے ہاتھو! اگر پیارے کرشن کے چرن نہیں چھو سکتے ہو تو میں تم کو رکھ کر کیا کرونگا۔ گل جاؤ! مرجاؤ!!......" اُسی مہینے میں کسی دوسرے دن گھبرا کر بولنے لگے "اے بھگوان! ایک دن اور گزر گیا۔ آپ کا دیدار نصیب نہیں ہوا۔ کیا اسی طرح میری زندگی ضائع ہو جائیگی؟ اس جنم میں تو میں نے کوئی گناہ بھی نہیں کیا۔ پھر آپ کی جُدائی کے صدمہ کیوں برداشت کرتا ہوں"۔

"اچھا میں پاپی گنہگار ہی سہی۔ اب تو میں آپ کے شرن آیا ہوں۔ بخش دیجئے۔ جھلک دکھا دیجئے۔ اے ناتھ! اگر جان دینے سے بھی آپ ملتے ہیں تو لے لیجئے۔ یہ پران ابھی آج آپ کی بھینٹ کئے دیتا ہوں۔ مجھے آپ کے درشن کی چاہ ہے........" یہ کہتے کہتے زار زار رونے لگے۔

آنسوؤں سے کپڑے تر بتر ہو گئے۔ رونا بند ہی نہیں ہوتا تھا۔ بیہوش ہو گئے۔ جب آنکھیں کھلیں تو ایک کالا سانپ پھنکاریں مارتا ہوا آپ کے سامنے آکھڑا دکھائی دیا آپ اُس کو دیکھتے ہی اُٹھ بیٹھے اور کرشن کرشن کہتے ہوئے پکے۔ کہ "مہاراج آپ نے اس رُوپ میں درشن دیا۔" یہ کہتے ہوئے پھر گر پڑے اور بیہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو سانپ چلا گیا تھا۔ بولنے لگے: "ناتھ! ملے تو سہی مگر دل کی دل ہی میں رہی۔ میں تو آپ کی شیام سندر مورتی کے درشن کرنے چاہتا ہوں۔ میں تم کو اُسی خوبصورت جسم میں دیکھوں گا۔ جس پر گوپیاں قربان ہوئی تھیں۔ اے من موہن!....." یہ کہتے ہوئے پھر بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت آپ کے ایک دوست نے دروازے کے اندر قدم رکھا جو آپ کی یہ تمام حالت دیکھ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ "گوسائیں جی! مبارک ہو وہ ماں جس نے آپ جیسے پُتر کو پیدا کیا۔" اتنے میں آپ ہوش میں آئے۔ اور نہایت بلند آواز سے کہنے لگے "ارے وہ ہمارا دلربا کہاں گیا؟ ابھی تو میرے سامنے کھڑا تھا۔ ہائے اب زندگی بیکار ہے۔" دوست بولا: "گوسائیں جی! جس کی آپ کو تلاش ہے وہ آپ کے دل میں موجود ہے۔" یہ سُن کر آپ نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور سینہ نوچنا شروع کیا۔ خون نکل آیا۔ کہنے لگے۔ "ارے من موہن! اگر تم دل ہی میں ہو تو بچ کر کہاں جاؤ گے۔ ابھی کھوج ڈالتا ہوں۔"

دوست گھبرایا۔ گوسائیں جی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: "مہاراج! صبر کیجے۔ بھگوان آپ کو ملیں گے۔" گوسائیں جی: "کیوں ناتھ! کیا باہر آگئے؟ اگر کچھ دیر اور نہ آتے تو دیکھتے کہ میں آپ کو کہاں سے نکالتا" یہ کہکر پھر بے ہوش ہو گئے۔ شام کو اُٹھے۔ اس وقت طبیعت بالکل شانت تھی اور ہچکیاں بھی بالکل ختم ہو چکی تھیں۔ گویا اس دفعہ ہچکیاں پریم کے

دنوں اور عشق کی اُمنگوں و چوٹوں میں گذریں۔
پھر جب اگست ۱۸۹۶ء میں کالج کی چھٹیاں آئیں۔ تو اسی طرح کرشن بھگتی سے گھائل رام کو متھرا برندابن جانے کی سوجھی۔ پنڈت دین دیال جی آپ کے دوست اور واقف کار تھے۔ اور وہ متھرا برنداین اکثر جایا کرتے تھے۔ اس لئے اُن کے ہمراہ برج بھومی کی یاترا کو آپ چلے۔ اور پنڈت جی کا کُل خرچ اپنی جیب سے ادا کیا۔ متھرا میں پہنچکر آپ گورو جی کو اپنے ۹ اگست ۱۸۹۶ء کے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ "آج ہم برج کی یاترا کو چلے ہیں۔ تین چار دن لگیں گے۔ گوبردھن۔ برسانا۔ نندگام۔ گوکل۔ بلداؤ۔ یہ سب مقامات دیکھیں گے۔ اُمید ہے کہ ستمبر میں حاضرِ خدمت ہوجاؤنگا۔ آپ نے تو خط پہلے پتہ پر ہی لکھنا۔ تین مہاتماؤں کے درشن ہُوئے :۔
پتہ۔ شری برندابن دھام۔ کیشی گھاٹ۔ نارائن سوامی جی مہاراج کی معرفت تیرتھ رام کو ملے۔ چنڈت جی کی طرف سے بجے سری کرشن چند مہاراج کی"۔ اپنے اور خطوں میں اس برج بھومی کی آپ بہت تعریف لکھتے ہیں۔ اور یاترا کرتے وقت قدم قدم پر اپنے پیارے کی یاد فرماتے جاتے ہیں۔ اور جگہ جگہ پیارے کرشن کی رہائش وغیرہ کے مقامات دیکھکر دل انکا بلیوں اُچھلتا تھا۔ اُس کے نام سُننے سے گھڑی گھڑی سمادھی طاری ہوجاتی تھی۔ اپنے پیارے کے پریم میں مگن ہُوئے آپ نے ایک لیکچر بھی انگریزی میں متھرا میں دیا۔ شہر کے کل رؤسا اور امیر سُننے آئے تھے۔ ہر ایک نے مضمون سنکر عشق کی۔ کرشن مہاراج کے درشن اُس لا انتہا بھگتی کا یہ ثمرہ ملا کہ گوسائیں جی کی بار بار سمادھی محض کرشن جی کے نام سے لگ جاتی تھی۔ زمانۂ خانہ داری میں گوسائیں جی نے اپنی زبان مبارک سے راقم سے یوں فرمایا کہ "آج ہمارے

گوتو یار (کرشن مہاراج) نے اشنان کرتے سمے (وقت غسل) خوب درشن دیئے۔ اور باہم مٹھ بھیڑ خوب ہوئی۔ یعنی گلے لگ کر خوب گھٹ کرلے۔ مگر منٹے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ہاتھ پر ہاتھ مار کر گم ہو گئے۔ اور مجھے ویسے ہی اپنے عشق میں بلبلاتا اور روتا چھوڑ گئے۔ اس طرح کی سمادھی اور دیدار کی حالت گوسائیں جی پر گھڑی گھڑی طاری ہو جاتی تھی اور سورداس اور میراں بھائی کی طرح بھگوان کرشن کے عشق میں بہت دنوں پاگل بنے رہے۔

نارائن کے دل پر اثر اس کرشن بھگتی کے زمانہ میں گسائیں جی کے لیکچر دربارۂ عشق الٰہی سناتن دھرم سبھا لاہور میں ہوا کرتے تھے۔ لیکچر کیا ہوتے تھے گویا پریم کے آنسوؤں کا طوفان اُمڈ آتا تھا۔ اپدیش کرتے وقت آپ کے آنسوؤں سے کپڑے بھیگ جاتے تھے۔ اور بعض اوقات گھگی بندھ جاتی تھی۔ سننے والے بھی عشق سے گھائل ہو کر دم بخود ہو جاتے تھے۔ اور مدت تک سکتے کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ دوران تقریر میں "ہائے میرے کرشن کو لوگ کالا کہتے ہیں۔ اے کرشن تو بھی کالا۔ میرا دل بھی کالا۔ پھر تو مجھے کیوں نہیں ملتا" کہتے ہوئے رو پڑے۔ اور اتنا روئے کہ لیکچر بند کرنا پڑا۔ ان ہی دنوں میں آپ کے کئی لیکچر پریم اور بھگتی کے مضامین پر اجمیر۔ شملہ۔ امرتسر۔ سیالکوٹ اور پشاور میں ہوئے۔ پشاور میں آپ اپنے ایک لیکچر (تریتی) میں اتنے روئے کہ آپ کی آواز تک نہیں نکل سکتی تھی۔ اس بارے میں نارائن (راقم) کا ذاتی تجربہ ہے کہ امرتسر میں سناتن دھرم سبھا کے سالانہ جلسہ پر جو اثر آپ کے دیاکھانوں سے لوگوں کے دل پر ہوا وہ کسی دوسرے اپدیشک کے لیکچر سے ہرگز نہ ہوا تھا۔ خاصکر کرشن گیتا اور کرشن لیلا کے دیاکھانوں نے جو اثر راقم کے دل پر کیا وہ بیان سے باہر ہے۔ اُن دنوں راقم اگرچہ آریہ سماج

کے خیال والا تھا اور کرشن مہاراج کو محض ایک مہاتما پُرش مانتا تھا۔ اوروں کی طرح ایشور کا اوتار قبول نہیں کرتا تھا۔ اور کرشن لیلا کو ایک فحش طریقہ زندگی محسوس کیا کرتا تھا۔ جس سے اس لیلا سے اُسے مطلقاً نفرت تھی۔ اور نہ بھگوت گیتا ہی کی طرف چنداں رغبت تھی۔ تاہم گوسائیں جی کے اُن بھکتی بھرے ویاکھیانوں سے کچھ ایسا جادُو بھرا اثر دل پر پڑا کہ نارائن جیسا مُشرک و ناستک چت والا پُرش بھی گوسائیں جی کی عشقیہ لہر (پریم ترنگ) سے متاثر ہوگیا۔ بھگوت گیتا و کرشن لیلا کے مخفی معنوں کے سمجھنے کی طرف جُھک گیا۔ اور لگاتار اس گیتا کو مفصل و مسلسل پڑھنے پر وہ آمادہ ہوگیا۔ اور یہ سب اُسی اثر کا پھل ہے کہ نارائن تب سے مذہبی تحقیقات کے درپے ہوگیا اور عشق الٰہی دل میں جاگزیں ہوگیا — جس نے آخر میں جاکر ان ہی گوسائیں جی کے چرنوں میں لا ڈالا۔

جگت گورو شنکر آچاریہ کے درشن ان ہی دنوں میں دوآرکا مٹھ کے مہنت دیش شری ۱۰۸ جگت گورو شنکر آچاریہ جی مہاراج لاہور میں آ پدھارے۔ آپ اُپنشدوں۔ ویدانت شاستر (فلسفہ) میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ اور دیگر شاستروں و زبان سنسکرت میں بھی اتنے عالم تھے کہ اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ اسی لئے پُرانے رواج کے مطابق صُبح شام آپ کے سنگھاسن کے اِردگِرد مشعلیں دِگیان کے دیپک جو کُل عالم کی فتح کا نشان تصور کیا جاتا ہے) جلا کرتی تھیں۔ سنسکرت زبان میں نہایت ہی عالمانہ و مؤثر لیکچر دیا کرتے تھے۔ بھارت ورش کے تقریباً تمام اطراف میں آپ کی شہرت کا جھنڈا بلند تھا۔ جب ان کا دورہ ہندوستان میں ہو رہا تھا اُس وقت گسائیں جی جو عشق الٰہی کے پُتلے یعنی پریم مُورتی مشہور تھے

سناتن دھرم سبھا لاہور کے بہت سے پبلک کاموں میں حصہ لیا کرتے تھے۔ جب جگت گورو جی کی آمد کی خبر لاہور میں پہنچی کہ وہ ایک دو دن میں آنے والے ہیں تو گوسائیں جی کے اندر اشتیاقِ دیدار کی آگ بھڑک اٹھی اور جب تک اُن کے درشن نہ کرلئے دل کا اضطراب نہ گیا۔ چونکہ سناتن دھرم سبھا کا بہت سا کام گوسائیں جی کے ذمہ ہی رہتا تھا لہذا جگت گورو جی کی خدمت بجا لانے کا بہت سا فرض بھی گوسائیں جی کے حصہ میں آ گیا۔ جس کی وجہ سے ان کو جگت گورو شنکر آچاریہ جی کی خاطر خواہ صحبت (سنگت) کا موقع مل گیا۔ جگت گورو جی کی گاہے گاہے اُپنشدوں کی کتھا۔ گاہے گاہے ویدانت پر اپدیش اور اُن کی سنگت نے گوسائیں جی کے پاک دل پر ایسا جادو بھرا اثر کیا کہ پریم کی زردی کی جگہ وہاں اب گیان کی لالی شعلے مارنے لگی۔ جس قدر اشتیاق پیارے کرشن کے دیدار کا دل میں جوش مارتا تھا اب وہی جوش انکشافِ ذات (آتم ساکشات کار) کے اشتیاق میں اُمڈنے لگا۔ اب گوسائیں جی کا رجحانِ طبع اُپنشدوں برہم سوتروں اور ویدانت کے پرکرن گرنتھوں کے مطالعہ کی طرف اُلٹ پڑا۔ اب بجائے بندرابن یا متھرا کی یاترا کرنے کے ہر سال گرمی کی تعطیلوں پر اُتراکھنڈ (یعنی ہردوار۔ رشی کیش وغیرہ) جانے اور خلوت نشینی کا اشتیاق بھڑکنے لگا۔ دن بھر میں جب بھی ذرا موقع ملتا جھٹ ویدانت وچار اور آتم دھیان میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اپنے ۲۲ فروری ۱۸۹۹ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں کہ:۔ "جب فرصت ملتی ہے ویدانت کے گرنتھ انگریزی میں دیکھتا ہوں۔ اور چھٹی کے دن چت ایکاگر کرنے کا بھی زیادہ وقت ملتا ہے۔ آنند صرف اپنے سروپ میں مستغرق ہونے میں ہے۔ اور اختیار بھی

کی جگت پر اپنا ہی ہے۔ خواہ ہم اپنے تئیں اوروں کے (افسروں وغیرہ کے) اختیار میں خیال کر لیتے ہیں۔ ...." گوسائیں جی کے آیندہ کے کئی خطوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بھگت دھنا رام جی بھی (گوسائیں جی کے زمانۂ خانہ داری کے گورو) شاید کرشن بھگتی کے چنداں شائق نہیں تھے۔ صرف ویدانت کی تعلیم ہی کے مداح تھے۔ اس لئے ویدانت کو عمل میں لانے کے لئے یعنی عالم باعمل بننے کی پے در پے تاکیدیں گوسائیں جی کو کیا کرتے تھے۔ اس بارہ میں وہ شاید بہت سخت تاکید گوسائیں جی کو اس دفعہ کر بیٹھے ہونگے۔ جس کے جواب میں گوسائیں جی ۱۰ اپریل ۱۸۹۹ء کو بھگت جی کو یوں لکھتے ہیں کہ "میں آپ کی کرپا سے اپنا وقت ویرتھ (بے سود کاموں میں) خرچ نہیں کرتا۔ اور زیادہ تر ویدانت چرچا ہی ہوتی ہے۔ آیندہ آپ کے حکم کے مطابق دیگر قسم کی گفتگو بالکل تیاگ دینے کی کوشش کروں گا۔ ...."

ہرچرن کی پوڑیوں میں نواس

گوسائیں جی نے واٹر ورکس کے متصل مکان لیا ہوا تھا۔ بہت عرصہ تک وہاں ہی رہتے تھے۔ مگر جب ویدانت کے مطالعہ و عمل کا اشتیاق بڑھا اور ایکانت ابھیاس کی طرف زیادہ رغبت ہوئی تو اپنے مکان کو ایکانت نہ سمجھ کر ایک نہایت عمدہ مکان ہرچرن کی پوڑیوں میں کرایہ پر لے لیا۔ آپ یکم اگست ۱۸۹۹ء میں اس عمدہ اور صاف مکان میں داخل ہوتے ہی بھگت جی کو لکھتے ہیں کہ "ہم اس نئے مکان میں آ گئے ہیں۔ یہ ہرچرن کی پوڑیوں میں ہے۔ ہرچرنوں میں (تیرتھ) شری گنگا جی کا نواس ہے۔ اور تیرتھ (رام) کو بھی ہرچرنوں میں ہی رہنا واجب ہے۔ یہاں جب کا آیا ہوں ہری چرنوں میں ہی دھیان ہے۔ اور اپنے سروپ کے شری گنگا جل میں آپ کی دیا سے سنان کر رہا ہوں۔" اس مکان میں آکر گوسائیں جی ایکانت سیون دا تم

وچار) میں حتی الوسع اپنا سارا وقت دینے لگے۔ اور جوں جوں ایکانت ابھیاس سے شکتی ملنا شروع ہوا اس کے اظہار کئے بغیر قلم نہیں رُکی۔ ۵؍ اگست ۱۸۹۷ء کے خط میں آپ بھگت جی کو لکھتے ہیں کہ "..........آج کل تو ویدانت بچار اور بھجن۔ ایکانت سیون ہی کو کل وقت دیتا ہوں۔ اس میں وہ آنند ہے کہ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا.........." آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "اگر بیوہار کال (کام کرتے وقت) میں چلتے پھرتے اور سب کام کرتے ہماری برتی برہماکار رہے۔ اور دل عرش اعلیٰ سے کبھی نیچے نہ اُترے۔ تو دھن ہے ہمارا جیون۔ ورنہ مُفت دیہ نشپھل کھو دیا۔"

اس طرح روز مرہ کے ابھیاس سے جب ویدانت کا عملی ثمرہ ملنے لگا۔ تو قلم ویدانت کی صداقت کا اظہار کئے بنا نہ رہ سکی۔ آپ ۶؍ اگست ۱۸۹۷ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ "حقیقت میں عملدرآمد کرنے سے شاستروں کے بالکل انوسار نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ دنیا میں اگر کوئی چیز سچ ہے تو ویدانت شاستر ہے......"
اسی مکان میں آکر گوسائیں جی کی مستی دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگی۔ اسی جگہ میں آپ کے پاس ویدانت کے شائقین کے گروہ کے گروہ آنے لگے۔ اور اسی مکان میں سوامی وویکانند جی کو مع اپنے ہمراہیوں کے دعوت ملی۔ اسی مکان میں نارائن کو گوسائیں جی کی دل بھر کر لگاتار صحبت و درشن کرنے نصیب ہوئے۔ اور اسی مقام سے ویدانت کا عملی جھنڈا (رسالۂ الف) قلم بند ہو کر بذریعۂ نارائن لہرانا شروع ہوا۔ اور اسی مکان سے جب ایکانت ابھیاس سے مستی جوش پر آئی تو رام کو مع اپنے بیوی بچوں کے یاسبز بنوں میں جانے کی ترنگ اُٹھی یعنی اسی مکان سے رام جنگلوں میں بان پرست کی زندگی بسر کرنے کے لئے پدھارے۔ گویا یہی اس علم کو جو اس مکان میں داخل ہوتے ہی بنی تھی اپنے عمل سے

لفظ بلفظ درست کر دکھایا۔ اور رام کا نواس ہمیشہ کے لیئے ہری کے چرنوں میں (یعنی اپنے سروپ کے قدم اقدس میں) ہی ہو گیا۔

رام سمرپن اسی مکان میں رہتے رہتے جب روزمرہ کے ابھیاس سے مستی بڑھنے لگی اور دنیا سے دن بدن مُنہ مڑنے لگا۔ یعنی ویراگ از حد اُمنڈنے لگا تو گُسائیں جی نے اپنا تن من ہمیشہ کے لیئے آیندہ یار حقیقی کے دھیان میں ارپن کر دیا۔ اور بالکل لاتعلق ہو کر اپنے جسمانی والدین کو ۲۵۔ اکتوبر ۱۸۹۷ء کے خط میں آپ نے یوں لکھ دیا کہ: "میرے پیارے والد بزرگوار من واقلم چرن بندنا۔ نوازشنامہ سامی شرف صدور لایا۔ از حد آنند ہوا۔ آپ کے لڑکے تیرتھ رام کا شریر تو اب بِک گیا۔ بِک گیا رام کے آگے۔ اُسکا اپنا نہیں رہا۔ آج دیوالی کو اپنا جسم ہار دیا اور مہاراج کو جیت لیا۔ آپ کو مبارک ہو۔ اب جس چیز کی ضرورت ہو میرے مالک سے مانگو۔ فوراً خود دیدینگے۔ یا مجھ سے بھجوا دینگے۔ مگر ایک دفعہ نشچے کے ساتھ آپ اُن سے مانگو تو سہی۔ انیس ۱۹ بیس ۲۰ دن سے میرے گل کام بڑی ہوشیاری سے اب وہ خود کرنے لگ پڑے ہیں۔ آپ کے کیوں نہ کرینگے۔ گھبرانا ٹھیک نہیں ہے۔ جیسی اُس کی آگیا ہوگی عمل ہوتا جائے گا۔ مہاراج ہی ہم گوسائیوں کا دھن ہیں۔ اپنے پچ کے قیمتی دھن کو تیاگ کر سنسار کی جھوٹی کوڑیوں کے پیچھے پڑنا ہم کو مناسب نہیں۔ اور اُن کوڑیوں کے نہ ملنے پر افسوس کرنا تو بہت ہی بُرا ہے۔ اپنے اصلی مال و دولت کا مزا ایک دفعہ لے تو دیکھو"۔

سنیاس آشرم کی اُمنگیں اب آتم سمرپن کے بعد رام کے قلب کی کچھ عجب حالت ہو گئی۔ اب دن رات اپنے سروپ میں نشست رکھنے کے سوائے اور کچھ نہیں سوجھتا تھا۔ بلکہ لوگوں کو خط

لکھنے بھی بند ہو گئے۔ اور تو کیا بھگت جی کو بھی روزمرہ خط لکھنا بند ہو گیا۔
بھگت جی کی بہت تاکید دل کے آنے پر آپ ۹ر نومبر ۱۸۹۶ء کو لکھتے ہیں
کہ: "مہاراج جی!........گو میں نے اتنے دن خط نہیں لکھا
مگر سوائے آپ کے سُروپ میں رہنے کے اور کوئی کام بھی نہیں کیا۔ جب
اپنا آپ ہو گئے تو خط کسکو لکھیں"۔ جب اس طرح گوسائیں جی کی قلبی حالت
آزادگی و تیاگ سے بھرپور ہوئی۔ یعنی آزادگی و تیاگ کی مجسم حالت بذریعہ خطوط
مترشح ہوئی تو بھگت جی شاید بہت سی مثالیں دے کر اندرونی تیاگ
سے ان کی برتی کو نیچے لانے کی کوشش کرنے لگے۔ رام جانے کیا اُپدیش
بھگت جی نے لکھ بھیجا ہوگا۔ مگر گوسائیں جی ۹ر دسمبر ۱۸۹۶ء کو اسکا جواب
یوں تحریر فرماتے ہیں:۔
"آپ کا نوازش نامہ شرف صدور لایا۔ از حد آنند ہوا۔ آپ کی نہایت دَیا
ہے۔ بہت آنند ہے۔ میں تو خود کچھ نہیں کرتا۔ مناسب موقعہ سب کارروائی،
اپنے آپ ہو رہی ہے۔ کسی دن مستی اور دُنیا کی جانب سے بیہوشی بنا بُلائے
آجائے تو میرا کیا قصور؟ بنا کئے کام ہو رہے ہیں۔ سُورج اور شیش ناگ
تو ہمارے غلام ہیں۔ ہمارا کام تو شیش ناگ کی سیج پر آرام کرنا ہے۔ سُورج
کو پرکاش ہم کرتے ہیں اور حکم کا بندہ بنکر وہ گردش کرتا ہے۔ سُروپ تو
سب کا ایک ہی ہے۔ مگر سُروپ میں ستھتی درکار ہے۔ اور ٹھریا اوستھا و
سمادھی کال کی کہاں مہما نہیں آئی؟ شری رامچندر جی و شری کرشن پرماتما
خود ایسے مہاتماؤں کے چرنوں پر سر رکھتے رہے ہیں۔ اور یاگیہ ولک اور
اشٹاوکر جی کا مرتبہ راجہ جنک سے بڑھ کر ہے۔ راجہ جنک و کرشن پرماتما تو
بی۔ اے کلاس کے ہیں۔ اور یاگیہ ولک اشٹاوکر وغیرہ ایم۔ اے کلاس

کے ؛ قدر بی۔ اے اور ایم۔ اے کی یکساں ہوتی ہے۔ مگر سچائی کو چھپانا ٹھیک نہیں۔ جو بڑا ہے اسکو بڑا ہی کہنا مناسب ہے ؛

غلام کی بابت ابھی کچھ عرصہ تک کوئی اندیشہ و خطرہ نہیں کرنا چاہئے۔ ملائی والا دودھ اور مصری ملے ہوئے تو ایک طرف پینے کو ملتے ہیں اور باجرہ وجوار کی روٹی دوسری طرف۔ میں یہ نہیں کہتا کہ باجرہ وجوار خراب ہیں (کیونکہ وہ بھی تو میں ہی ہوں)۔ مگر میرے معدے کے موافق نہیں۔ میرے معدے کو تو دودھ مصری ہی ہضم ہوتے ہیں ؛

جب بادشاہ کے کام بغیر ہاتھ پیر ہلائے ہو رہے ہیں تو وہ مزدوروں کے ساتھ مکر (؟) کری کیوں ڈھوئے ؛

وٹو ہی (یعنی دیگچی یا بٹا) میں گرم جلانے والے پانی میں اُبلنے سے بچنے کے لئے دیگچی سے باہر جا پڑنا ہی واجب ہے۔ دیگچی کے ساتھ لگے رہنا مناسب نہیں ؛ شری شنکر آچاریہ جی نے گیتا بھاشیہ میں نہایت صاف طور پر ثابت کردیا ہے کہ آخر میں بالکل کرم کا تیاگ ہو جانا چاہیئے۔ گو خود اُن دنوں وہ تھوڑا بہت کرم کرتے ہی تھے۔ غلام کے لئے ایسے دن آنے میں ابھی دیر ہے۔

؎ کاش آنانکہ عیب من جستند ؛ رُویت اے دلستاں بدیدندے

؎ ایں خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولیٰ ؛ وایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ

اخیر مصرعہ کا مطلب :- یہ کتابیں پستکیں دفتر وغیرہ بالکل بے معنی۔ لاحاصل اور نکمے ہیں۔ اگر اُن کے پڑھنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہم اُنکو خالص شراب میں ایسا ڈالدیں کہ وہاں بالکل گل کر خراب خستہ ہو جائیں۔ اور اُنکا نام

لہ مراد یہ ہے کہ ابھی ایسا اراپ نہ کریں کہ میں فقیر یعنی سنیاسی ہو جاؤں گا یعنی کچھ عرصہ تک تو خانہ دار بنا رہوں گا۔ اور بعد ازاں دیکھیں کیا ہوتا ہے ؛

و نشان باقی نہ رہے۔ بلکہ شراب روپ ہی ہو جائیں ÷ شراب سے مراد نشہ توحید و مستیٔ وحدانیت ہے ÷

یہ کپڑے (یعنی گرہست) مُردے کا کفن ہیں۔ اگر اخیر میں انکو بیچکر شراب کے رنگ میں ہم رنگے نہیں جاتے۔ فقط زیادہ آنند" ÷

اسی طرح پھر ۱۳ دسمبر ۱۸۹۶ء کے خط میں گورُو جی کو لکھتے ہیں کہ:۔

ہری چرن اوم شری

نو پور۔ ۱۳ دسمبر ۱۸۹۶ء القاب مذکورۂ بالا

آپ کی دَیا سے آنند سروپ ہے کے ساتھ سنگ بڑھتا جا رہا ہے۔ واہ! واہ! دھن ہو! فقط زیادہ آنند ÷ راقم رام

پہلا کارڈ لکھ رہا تھا کہ آپ کے تین پوسٹ کارڈ صادر ہوئے۔ بہت ہی آنند ہوا۔ آپ نے جو لکھا ہے نہایت ہی ٹھیک اور درست رقم فرمایا ہے۔ جو آپ کی اچھا ہے وہی ہوگی۔ کرنے کرانے والے سب آپ ہیں۔ ویراگ کی امنگیں جو یہاں آتی ہیں آپ کی بھیجی ہوئی ہیں۔ اور آپ ہی روکتے ہو۔ عجب تماشا ہے۔ واہ کیا خوب کھیل ہے۔ بلہار!

سب کے لئے سنیاس ٹھیک نہیں۔ اور سنیاس کا سنسار میں نہ ہونا بھی درست نہیں۔ ہر رنگ کا مصالحہ جگت میں بنایا ہوا ہے۔ کسی کو ہنساتا کسی کو رُلاتا اور آپ الگ کھڑے تماشا دیکھنا۔ یہ ہمارا کام ہے۔ جس طرح سے آتشباز انار کے مصالحہ کو گرم گرم آگ سے جلاتا ہے اور اس بیچارے مصالحہ سے ٹھوں ٹھوں رُوپی ہائے ہائے کا شور کراتا ہے۔ یہ آپ سدا پرسن رہتا ہے ساکشی روپ بنکر۔ بعض پھل پک کر بھی درخت کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ پر بعض پھل پک کر گر پڑتے ہیں۔ فقط زیادہ آنند ÷ راقم رام

اسکے بعد گوسائیں جی کا گورو جی سے بھی اپنی ابھیدتا (ایکتا) کا اقتباس اتنا بڑھ گیا کہ اب خطوں میں اپنا نام تک لکھنا اُنھوں نے بند کر دیا۔ اور ۲۵ دسمبر ۱۸۹۷ء کے خط میں آپ گورو جی سے اس طرح رقمطراز ہوئے:۔

۲۵ر دسمبر ۱۸۹۷ء　　　ادم شری

القاب مذکورۂ بالا

رات کے آٹھ بجنے والے ہیں۔ ورزش کر چکا ہوں۔ اندر بالکل صاف ہے۔ اور نہایت ہی آنند کی حالت ہے۔ اسوقت نہایت پریم کے ساتھ آپ یاد آئے ہیں۔ آپ دھن ہیں جن کی بدولت اس طرح آنند کے سمندر میں سنان ہوتے ہیں۔ آپ پر بلہار۔ بالکل ایکتا کی حالت ہے۔ آپ سے اس وقت سرمُو بھی کسی بات میں اختلاف نہیں۔

سے　من تو شُدم تو من شدی　　من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں　۔ من دیگرم تو دیگری

راقم آپ خود

ادویت امرت ورشنی سبھا

اب ویدانت کی تعلیم گسائیں جی کے دل کو بہت محظوظ کر رہی تھی۔ اس آنند کے رنگ میں خوب غوطے لگاتے رہنے کے خیال سے ۵ر فروری ۱۸۹۸ء کو ایک ادویت امرت ورشنی سبھا اپنے گھر پر قائم کر دی اور اس کی خوشخبری وہ اپنے گورو جی کو یوں دیتے ہیں:۔

"..... یہاں ایک ادویت امرت ورشنی سبھا قائم کی ہے۔ جس میں زیادہ تر سادھو مہاتما ہی شریک ہیں۔ اس کے اکٹھ کا استھان میرا ہی گھر ہے۔ اور ہر ویتروار کو اکٹھ ہوتا ہے۔ جس میں اُپدیش وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ مگر کیول ویدانت پر ہے۔ چونکہ یہ سبھا اور سبھاؤں کی طرح لوگوں میں شور وغل کے

پھیلانے کی غرض سے یا دوسروں کو اوتی گر اسمجھ کر راہ راست پر لانے کی خاطر سے نہیں تھی۔ بلکہ اپنے دل و دماغ کو ہر دم ویدانت وچار میں مصروف رکھنے اور اس کے شروَن منن وندِدھیاسن سے نجانند کا حظ اٹھانے کے خیال سے تھی۔ اس لئے ہفتہ بھر میں ایک ہی دن گسائیں جی جو مہاتماؤں کے ست سنگ سے سبھا میں شروَن کرتے باقی تمام دن وہ ایکانت میں اس کا منن وندِدھیاسن کرتے رہتے۔ اور جو آنند اس طرح کے ویدانت وچار اور ایکانت سیون میں ان کو ملتا اس سے گوروجی کو مطلع فرماتے۔ ۱۵ فروری ۱۸۹۵ء کے خط میں گسائیں جی گوروجی کو لکھتے ہیں "اس میں کچھ شک نہیں کہ جو آنند ایکانت سیون اور اثر مکھ ہونے میں ہے وہ اور کہیں نہیں۔ اور کروڑوں اشومیدھ یگیہ کئے ہوئے ہوں تو ہر دم سُروپ میں نِشٹھا رہتی ہے"

باہر ہولی اندر سمادھی | اس ویدانت وچار وایکانت ابھیاس سے گسائیں جی کا دل یہاں تک رنگا گیا کہ اب گرد و نواح کے اثر انکو اپنے سُروپ سے ذرا نہیں ہلا سکتے تھے۔ بلکہ انکے اِرد گرد خواہ کچھ ہی پڑا ہو دل اپنے نجانند میں آروڑھ (محفوظ) رہتا تھا۔

۸ مارچ ۱۸۹۵ء کے خط میں گسائیں جی اپنے گورو مہاراج کو یوں لکھتے ہیں کہ "دل کا نتیجہ کل نکل گیا۔ میرے مکان کے قریب اس وقت بڑا رَولا پڑ رہا ہے بباعث ہولی کے۔ مگر آپ کی کرپا سے دل کے مکان میں کوئی کسی قسم کا شور وغل نہیں۔ آنند ہے۔ جس طرح شِوجی کے اِرد گرد بھوت پریت رَولا اور واویلا مچاتے رہتے ہیں۔ پر وہ آنند کی سمادھی میں نِروگن مگن رہتے ہیں۔ اسی طرح سنسار کے جیو اگیان کی سیاہی اور گُلال چہروں پر ملے اپنے نج سُروپ کو چھپا کر ہر وقت شور مچاتے رہتے ہیں۔ باوجود اسکے قیمو سُروپ اپنے

آپ میں کسی قدر تواس ہونے کی بدولت گمبھیر سمندر میں رہنے کا شکوہ ہی۔"

مزاج پُرسی کا جواب

اتفاق سے ان دنوں گورو جی اُن کی مزاج پُرسی بذریعۂ خط کر بیٹھے۔ اُسکے جواب میں گُسائیں جی اپنے ۱۹ر مارچ ۱۸۹۵ء کے خط میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کے نوازشنامجات شرف صدور لائے۔ نہایت آنند کا باعث ہوئے۔ ایک راجہ نے ایک مہاتما سے پوچھا کہ آپ کی طبیعت کیسی ہی۔ اُنھوں نے جوابدیا جس کی مرضی بنا ایک پتّہ نہ ہل سکے۔ جسکا حکم سُورج اور چندرماں مانیں۔ ندیاں اور ہوا جسکی آگیا (اجازت) کو ایک دم بھر کے لیئے بھی نہ توڑ سکیں۔ جہاں چاہے خوشی بھیجدے۔ اور جہاں چاہے غم روانہ کر دے۔ اور اے راجن! جسکے فرمان کے بنا تیرے منھ کے دانت نہیں ہل سکتے اور جسکی اِچھا کے انوسار بادشاہوں کی رگوں میں خون تک گردش کرتا ہی۔ ایسے قادر مطلق کے آنند کا کیا ٹھکانا ہی۔ ہے راجن تو خود ہی اندازہ لگا لے"۔

راجہ بولا: "دھنیہ ہو۔ ایسا ہی ہی۔ جس کا الپگیہ بھاؤ اُٹھ گیا ہی اور جس کی جیو بُدّھی نشٹ ہو گئی ہی اور برہم مئے ہو گیا ہی۔ وہ پرماتما (پرماتما) سروپ بنا ہوا وہی جگت کے کل کام کر رہا ہی۔ اور اُس کی کل خواہشیں ہر وقت پوری ہو رہی ہیں اور شادی کا سمندر ہی"۔

अहो अहं यस्य मे नास्ति किञ्चन ।
अथवा यस्य सर्वं यद्वाङ्मनसि गोचरे ।

بھگوان شنکر کہتے ہیں: "واہ کیسا سُندر اور آشچریہ ہی میرا اپنا آپ۔ کہ جس میں میرے اپنے آپ کا جتنا یہ جگت ہی (جو کچھ وید میں کہا گیا ہی اور خیال میں آسکتا ہی) یہ سب کچھ جس میرے اپنے آپ کا ہی (یہ) تو ایسا ہوتے ہوئے بھی میرے اپنے آپ کا کچھ نہیں ہی) ایسا جو میں ہوں اُسکے تئیں میرا بہت بہت

پرنام اور نمسکار ہو۔

آج کل کام بہت زیادہ رہا۔ امتحانوں کے نزدیک ہونے کی وجہ سے کالج کے امتحانوں کے لئے پرچے بھی بنائے تھے۔ نیز طالب علموں کی دقتیں بھی رفع کرنی پڑتی ہیں۔ مگر دل ایکانت میں رہا۔

کٹاس راج تیرتھ کی یاترا

اپریل ۱۸۹۵ء میں گسائیں جی نے کٹاس راج تیرتھ کی یاترا کی۔ ان دنوں اس تیرتھ پر بڑا بھاری میلہ ہوتا ہے۔ اس میلہ میں بہت مہاتما و دوان لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور کئی طالبان حق تو محض مہاتماؤں کے درشن ارتھ اور اُنکے منوہر اُپدیش سُننے کی غرض سے اس میلہ پر ہر سال بلا ناغہ جاتے ہیں۔ گوسائیں جی کے گورو بھگت دھنّا رام جی اپنے وطن گجرانوالہ کو چھوڑ اسی کٹاس راج کے میلہ پر آئے تھے۔ یہاں کی آب و ہوا سے اور مہاتماؤں کے درشن سے محظوظ ہوکر اور اپنے پیشہ کو بافراط دیکھ کر وہ کٹاس راج کے نزدیک قصبۂ پنڈ دادنخاں میں ہی مقیم ہو گئے تھے۔ اور کئی سال وہاں گذارنے کے بعد گوسائیں جی کو اُنکے نزدیک رہنے اور اُن سے کتھا وغیرہ سننے کا موقع ملا۔ جس صحبت و کتھا کے اثر سے بالک تیرتھ رام جی کا دل اُن پر نچھاور ہو گیا تھا۔ ممکن ہے کہ بھگت جی سے ہی کٹاس راج کی مہاد (تعریف) سُنکر گسائیں جی نے اس تیرتھ کی یاترا کا عزم کیا ہو۔ مگر وہاں پہنچکر گوسائیں جی کی طبیعت پر جو اثر ہوا وہ اُنکے مفصلۂ ذیل خط سے مترشح ہو رہا ہے۔

۱۷۔ اپریل ۱۸۹۵ء

"کٹاس راج کے رستے نے جو اُپدیش کیا وہ نہایت درست ہے۔ جو سُکھ ایکانت سیون اور نج دھام میں ہے وہ کہیں بھی نہیں۔

س　　ہے مرگ تیری کُنگندھ سوں بھیو یہ بن بھرپور

کستوری تو نکٹ ہو کیوں دھاوت ہو دُور
ایسا ہی آنند جگت کے پدارتھوں میں آنند بھاؤنا کر دکھلاتا ہو۔ سب وید کتیب
کی جہارے اندر ہی ہیں "

گسائیں جی کے خطوں سے واضح ہوتا ہو کہ اس یاترا سے لوٹنے کے بعد اُنکو پہلے کی نسبت ایکانت سیون کی للک اور آتم ابھیاس کی چٹک بہت لگ گئی۔ اور اس چٹک لگنے کے بعد دل کی حالت دن بدن بہت شانت، ستھر اور اچل ہوتی گئی۔ آپ اپنے ۲۵ مئی ۱۸۹۵ء کے خط میں لکھتے ہیں:
"آپ کا کرپا پتر ملا۔ آنند ہوا۔ آپ کی دیا سے چت تو دن بدن اچل ہوتا جاتا ہو۔ اس میں ذرا فرق نہیں آتا۔ میرے شریر کے بیوہار سے چت برتی کا اندازہ لگانا درست نہیں۔ پچھلے دنوں کام ذرا بہت رہا"

ریاضی پر گوسائیں جی کی تقریر و تصنیف

انھیں دنوں گوسائیں جی نے طلبا کے فائدے کے لئے ریاضی پر ایک انگریزی لیکچر دیا جو بعد ازاں بعنوان "ریاضی میں کیسے ترقی پاسکتا ہو" How to excel in Mathematics. کے نام سے ایک کتاب کی شکل میں چھاپا گیا۔ جہاں تک دریافت سے معلوم ہوا یہ تقریر و تصنیف بزبان انگریزی گوسائیں جی کی پہلی تھی اس سے پہلے کوئی تصنیف کسی طرح کی گوسائیں جی کی قلم سے نہیں نکلی تھی بلکہ اس تصنیف کے بعد وہ زیادہ تر اُردو زبان میں لکھنے لگے۔ تصنیف ہذا نے گوسائیں جی کی خوب شہرت پھیلا دی۔

یکم جون ۱۸۹۵ء کے خط میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:"..........
کتاب پر مع اشتہاروں کے ایک سو پچیس ۱۲۵ روپیہ خرچ آیا ہو۔ ایک سو جلد کتاب کی میں نے مفت تقسیم کر دی ہیں۔ ہندوستان کے انگریزی ریاضی دانوں نے

نہایت عمدہ رائیں اس کی تعریف میں لکھی ہیں۔"

اُترا کھنڈ کی یاترا کرشن بھگتی کے زمانہ میں گوسائیں جی جب فرصت پاتے جھٹ متھرا بندرابن کی طرف چل دیتے تھے۔ اور اپنی تعطیلات کا تقریباً سارا وقت وہاں ہی راس لیلا وغیرہ کے دیکھنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ مگر جب سے ایکانت سیون اور نجانند کی چاٹ لگی۔ تب سے فرصت پاتے ہی ہردوار رشی کیش وغیرہ مقاموں کی سیر کا خیال دل کو گھیرنے لگ پڑا۔ ۱۸۹۰ء کی گرمیوں کی چھٹیوں میں ایکانت سیون کا زیادہ آنند لینے کے خیال سے آپ ہردوار رشی کیش اور تپوبن کو گئے؛

اپنے ۱۴ اگست ۱۸۹۰ء کے خط میں ہردوار کی سیر اور ایکانت ابھیاس کی لگن کا یوں تذکرہ کرتے ہیں: "آج ٹھاکر داس کو لاہور بھیجدیا ہے۔ اتنے دنوں میں یہاں کے قابل دید مقامات دیکھے ہیں۔ سنتوں کے درشن کئے ہیں۔ اب آج اسیر یعنی تر پت ہوکر، اپنے گھر کے دروازے بند کرکے اپنے گھٹ میں گھٹ جانکو جی چاہتا ہے۔ مہاراجہ جموں کی حویلی میں ٹھہر رہا ہوں۔ میرے رہنے کا کمرہ ہردوار میں سب سے اتم ہے:

اُترا کھنڈ میں ایکانت نواس و آتم ساکھشات کار ہردوار سے چل کر گوسائیں جی رشی کیش پہنچے۔ اور جسقدر خرچ پاس تھا اُسے تمام مہاتماؤں کی سیوا

نوٹ: اس مفید لیکچر کے شائع ہونے کے دو سال بعد گوسائیں جی خانہ داری کا تعلق توڑ جنگلوں میں چلے گئے تھے۔ لہٰذا اسکے دوبارہ شائع ہونے کا اتفاق نہ ہوا۔ انگریزی کلیات رام کی جلد چہارم کے آخر میں اسے درج کر دیا تھا۔ مگر بعد کو علیحدہ ایک کتاب کی صورت میں اسے شائع کردیا ہے تاکہ رام بھگت اور خاص کر طلباء گوسائیں جی کی سب سے پہلی تصنیف کے مطالعہ سے بھی محروم نہ رہیں۔

میں صرف کردیا ۔آپ برہنہ تن دیوانہ وار۔ تن تنہا ۔صرف چند اُپنشدیں ساتھ لئے وہاں سے پتوبن براے ایکانت ابھیاس پدھارے۔ یہ پتوبن رشی کیش سے صرف چند میل کے فاصلے پر ہی شروع ہو جاتا ہے اور اس میں ایک برہم پوری مندر ہے جو رشی کیش سے قریب آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس مندر کے نزدیک گنگا کنارے گُسائیں جی نے اپنا آسن جمایا۔ اور اپنے کھانے پینے کا ذرا فکر نہ رکھ کر بلکہ اس امر کو سچے نشچے سے محض ایشور پر چھوڑ کر ذیل کے مصمم ارادے سے گنگا کنارے جم کر ایکانت ابھیاس کرنے لگے۔

س بیٹھے ہیں تیرے در پہ تو کچھ کر کے اُٹھیں گے
یا وصل ہی ہو جائے گا یا مر کے اُٹھیں گے

اس مقام کا حال اور اپنی قلبی حالت اور آتم ساکھشات کار کا مفصل ذکر گوسائیں جی نے اپنی تصنیف (بلوہ کہسار) کے اندر خود درج فرمایا ہے۔ جسے ہُو بہو دوسرے باب میں دیا جاتا ہے۔ تاکہ طالبانِ حق رام کے قلب کی حالت تیاگ و مستی کا ملاحظہ اُن کی اپنی ہی قلم کے بیان میں کر سکیں۔

باب دوم

جلوۂ کہسار

یعنی

عزم وصال و عالم مستی

(از قلم عالیجناب سوامی رام تیرتھ جی مہاراج)

(راگ بھیروی۔ تال دُھمار)

(۱) اے دل اینجا کوئے جاناں است از جاں دم مزن
از دل و جان و جہاں در پیش جاناں دم مزن

(۲) جاں ندارد قیمتے بسیار از جاں وا مگو
گرچہ جاں در باختی در راہِ جاناں دم مزن

(۳) گر ترا دردے ست از وے ہیچ از درماں مگو
درد اُو را بہ ز درماں داں ز درماں دم مزن

(۴) چوں یقیں آمد رہا کن قصۂ شک و گماں
چوں عیاں بنمود رخ دیگر ز برہاں دم مزن

(۵) علم بے دنیاں گزار و جہل را حکمت مخواں

از خیالات و فسون و اہل یوناں دم مزن

(۶) با لب میگون و روئے خوب و زلف دلکشش
از شراب و شاہد و شمع و شبستاں دم مزن

(۷) کفر و ایماں را بہ پیش زلف و رویش کن رہا
پیش زلف و روئے او از کفر و ایماں دم مزن

(۸) چونکہ با او بر نیاری بودن از وصلش مگو
چونکہ بے او ہم نمی باشی ز ہجراں دم مزن

(۹) مہر تاباں چونکہ ہست از عکس رویش تابشے
مغربی در پیش او از مہر تاباں دم مزن

---

(۱) اے دل یہاں اپنے پیارے کی گلی ہے اپنی جان کے بارہ میں کچھ مت کہہ (یعنی جان سے بھی دریغ مت کر) اور اپنے پیارے کے آگے جان و جہان اور دل کا تذکرہ مت کر یعنی اپنے پیارے کے آگے ان کو بھی عزیز مت سمجھ۔

(۲) جان نسبت اپنے پیارے کے زیادہ قیمت نہیں رکھتی ہے اسلئے اس جان کا چرچا مت کر۔ اگر تو اپنے پیارے کے راستہ میں جان پر کھیلتا ہے تو چپ رہ (تو اس کام پر بھی شیخی مت مار)۔

(۳) اگر تجھکو (اپنے پیارے کی محبت میں) کچھ تکلیف ہے تو اسکے علاج کی بابت کچھ ذکر نہ کر۔ اسکی تکلیف کو (یعنی اسکی محبت میں جو تکلیف ہو اس کو) بھی علاج سے بہتر سمجھ اور علاج کے بارے میں ذکر نہ کر یعنی چپ رہ۔

(۴) جب تجھ کو یقین ہو گیا تو شک و شبہ کا قصہ چھوڑ دے جب اسمیں (یقین) نظر بنا بر (یعنی سالک) [illegible] تو عقلی [illegible] کا ذکر مت کر۔

(۵) جو اہل یقین نہیں ہیں انکے لئے علم چھوڑ دے نکل بحث مت کر۔ اور اہل یونان کے خیالات و جادو کا بھی ذکر مت کر۔

(۶) پیارے کے لال ہونٹ خوبصورت چہرہ اور دلربا زلف کے سامنے شراب معشوق شمع اور رات کا ذکر مت کر۔

(۷) کفر و ایمان کو اس کے چہرہ اور زلف کے سامنے چھوڑ دے یعنی اس پیارے کے زلف و چہرہ کے سامنے کفر و ایمان کا ذکر مت کر۔

(۸) چونکہ تو اس پیارے کے ساتھ رہ نہیں سکتا اسلئے اسکے وصل کا ذکر مت کر چونکہ تو اس پیارے سے الگ بھی نہیں رہ سکتا اسلئے ہجر کا بھی چرچا مت کر۔

(۹) چونکہ منور آفتاب اس (پیارے) کے چہرہ کی تجلی کا ایک پرتو ہے اسلئے اے مغربی اسکے سامنے منور آفتاب کا بھی ذکر مت کر۔

(راگ بھیروی۔ تال جپ)

(۱) میار اَے بخت! بہرِ غرق ما در شور دریا را

پر ماہی گرداں بادبانِ کشتیٔ ما را

(۲) لباسِ ما سُبکساراں تعلق برنمی تابد

بُود ہمچوں حباب از بخیہ خالی پیرہن ما را

(۳) دمِ جاں بخش تو تا رنگِ حیرت ریخت در عالم

ز ہر آئینہ در پیشِ نفس دیدم مسیحا را

(۴) اگر لب از سخن گوئی فرو بندیم جا دارد

کہ نبوَد از نزاکت تابِ بستن معنیٔ ما را

---

(۱) اے نصیب! ہمارے غرق کرنے کے لئے دریا کو طوفان میں مت لا (اے بخت! ہمکو ڈبونے کے لیئے خواہشات دنیوی کے دریا میں طوفان مت برپا کر) اور اے مچھلی کے بیچ ہماری کشتی کے بادبان کو مت پھیر۔

(۲) ہم ہلکے (آزاد از تعلقاتِ دنیا) لوگوں کا لباس تعلق کی تاب نہیں لاسکتا ہے یعنی تعلقات کی طرف راغب نہیں ہوسکتا اور ہمارا لباس بلبلہ کی طرح بخیہ سے خالی (لاتعلق) ہے۔

(۳) جب سے تیرے جاں بخش دم نے دنیا میں حیرت (تعجب) کا رنگ بکھیر دیا ہے تو اُس وقت سے میں نے مسیحا کو تیری محبت کی وجہ سے (آئینہ در پیشِ نفس) متحیر دیکھا ہے یعنی اے معشوقِ حقیقی! چونکہ تیرے دمِ جاں بخش نے مریضانِ محبت کو شفا دی ہے۔ اور مردہ دلوں کو زندگی اس لیئے تیری محبت کی وجہ سے مسیح (جسکو معجزہ تھا کہ بیمار کو شفا اور مردہ کو زندہ کر دیتا تھا) متحیر ہو رہا ہے چونکہ اب اُس کا معجزہ بے سُود ہے۔

(۴) اگر تو کہے تو ہم بات کرنے سے لب بند رکھیں (چُپ رہیں) مگر کیا یہ واجب ہے؟ کیونکہ تیری نزاکت کی وجہ سے ہم کو معنی (راز) چھپانے کی تاب نہیں۔ یعنی قدرتاً ہمارے منہ سے تیری تعریف ضرور نکلے ہی گی اور تیرا راز ظاہر کیئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

۵۔ شود از شعلۂ آوازِ قلقل بزم مے روشن
سرت گردم مکن خاموش ساقی! شمعِ مینا را

(۶) غنی ساغر بکف جمشید پیشِ مے فروش آمد
کہ شاید در بہائے بادہ گیرد ملکِ دنیا را

گنگا! کیا وہ تیری ہی چھاتی ہے جس کے دودھ سے برہم ودیا پرورش پاتی ہے؟ اے ہمالیہ! کیا وہ تیری گود ہے جس میں برہم ودیا (گرجا) کھیلا کرتی ہے؟ کیا تمھیں بھی وہ دن یاد ہے جب پہلے پہل "رام" "رنگِ زرد و آہِ سرد و چشم تر" کے ساتھ تمھاری پناہ میں آیا تھا؛ تن تنہا ان پتھروں پر پڑے پڑے راتیں کٹتی تھیں۔ آنسوؤں سے یہ شلا تو بتر ہوتے تھے۔ ہچکیوں کا تار بندھا ہوا تھا۔ ہائے! وہ پرم آنند کہاں ہے" جس کی مستی میں کوئی فردا ہے نہ امروز ہے؟ وائے! وہ بحرِ سُرور کب ملے گا جو لذاتِ دنیوی کو خس و خاشاک کی طرح بہائے جاتا ہے! آفتاب معرفت کا طوفانِ نور دگیان کا مارتنڈ پرچنڈ) کب عین سمت الراس پر آئے گا!۔ اغراضِ جسمانی اور جذبات نفسانی دُھند اور اندھیرے کی مانند کب صاف اُڑ جائیں گے! گنگا کا جل بیچگاہ گرم نہیں ہوتا۔ کاش! وہ وقت کب آئے گا کہ نشۂ حقیقت کی بدولت رام کے دل پر

(۵) چونکہ شراب کی محفل (شراب کی، صراحی کی آواز کے شعلہ سے روشن ہو جاتی ہے۔ اس لئے اے ساقی! میں تجھ پر قربان جاؤں کہ شیشۂ شراب کی شمع کو مت بجھا۔ یعنی اے مرشد کامل! شرابِ محبت الٰہی کا دور (پریم امرا) جاری رکھ۔ سوائے خدا اُسے چشم زدن کے لئے بھی بند نہ کر۔

(۶) اے غنی! جمشید اپنے پیالہ (جام جہاں نما) کو ہتھیلی پر رکھے ہوئے مے فروش یعنی مرشد کے پاس آیا کہ شاید معرفت کے بدلے وہ ملک دنیا کو لے یعنی عشقِ الٰہی کی شراب اسقدر قیمت رکھتی ہے کہ جمشید اُسکے لینے میں ملک دنیا کو، اپنے اُس پیالے کو جس میں کہ تمام جہان کا نظارہ دکھائی دیتا تھا بے دریغ دیتا ہے۔

خواب میں بھی ہم دیکھا (favours and frowns.) ذخل پانے کے ناقابل ہوجائیں گے! گناہ اور غم (sin and sorrow.)

زمانۂ ماضی" کی طرح کب کے گزرے ہوں گے! ثریا کیا گرنتھوں ہی میں مذکور ہونے کو ہے۔ ورنہ وہ ثریا کہاں ہے؟ ننگے سر۔ ننگے پیر۔ برہنہ بدن اُپنشدیں ہاتھ میں لئے۔ دیوانہ وار رام پہاڑی جنگلوں میں پھر رہا ہے۔

ل‍ۂ خونِ جگر شراب ترشح ہے چشم تر
ساغر مرا اگر نہیں ابر بہار کا

ع‍ۂ نالہائے کلبۂ احزاں تسلی بخش نیست
در بیاباں می تواں فریاد خاطر خواہ کرد

سہ برگِ حنا پہ جا کے لکھوں دردِ دل کی بات
شاید کہ رفتہ رفتہ لگے دل رُبا کے ہات

پہاڑ کی کھوہ کا پربت کی کندرا کا نالہائے زار کو ہمدردی بھرا جواب دِ گونج، دنیا کبھی نہیں بھولے گا۔

سہ عشق کا منصب لکھا جس دن میری تقدیر میں
آہ کی نقدی ملی صحرا ملا جاگیر میں

بس۔ تخت یا تختہ۔ والدین! تمہارا لڑکا اب واپس نہیں جائے گا۔ ودیارتھی لوگو! تمہارا ودیا گورو اب واپس نہیں جائے گا۔ اہلِ خانہ! تمہارا رشتہ کب تک نبھے گا۔ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟ یا تو سب تعلقات سے برتر ہوگا یا تمہاری سب امیدوں کے سر یک قلم پانی پھر جائے گا۔ یا تو رام کی آنند گھن

(۱) جگر کا لہو تو میرے لئے شراب ہے اور آنسوؤں سے تربتر آنکھیں میرے لئے بزغالہ ہیں، میرا پیالہ ابر بہار کی طرح نہیں ہوگا۔

(۲) تنگ مکان میں غم سے نالہ و زاری کرنا تسلی بخش نہیں ہے بیابان ہی میں جا کر عشق میں زار زار رو کر دل بھر کر فریاد کی جا سکتی ہے۔

ترنگوں میں کون و مکاں غرقاب ہوگا (ترِیا اَیست) اور یا رام کا جسم گنگا کی لہروں کے حوالے ہوگا۔ تن بدن کا خاتمہ ہوگا۔ مرکر تو ہر ایک کی ہڈیاں گنگا میں پڑتی ہیں اگر جلوۂ عُریانی (اپروکش) نہ ہُوا۔ اور اگر حیوانیت کی بُو باقی رہ گئی تو رام کی ہڈیاں اور ماس جیتے جی مچھلیوں کی بھینٹ ہوں گے:

؎ بن کے پروانہ ترا آیا ہُوں میں اے شمع طور

بات وُہ پھر چھڑ نہ جائے یہ تقاضا اور ہے

رب ارنی لن ترانی

(راگ اساوری تال یکہ)

نین برے نکو کیوں نہیں سوندے، اکڑہ باندھا پتری دیکھو دن میرے، کاگ مرے گھرنت اُڈ اُڈ رہوندے

نین مرے نکو کیوں نہیں سوندے

गर رام کے چرنوں میں گنگا نہ بہی ۔ करे रथांगं शायने भुजंगं

تو رام کا جسم گنگا پر ضرور بہے گا ۔ याने विहंगे परसोम्बुगामम् ।

آنکھیں جل برسا رہی ہیں۔ ٹھنڈے اور لمبے سانس گویا تیز ہَوا کی طرح مینھ کا ساتھ دے رہے ہیں۔اندر جھڑی لگ رہی ہے! ہر بھی برسات زور پر ہے۔ الحاح و زاری کے ساتھ رام کے تہِ دل سے یہ نالہ نکل رہا ہے۔

(راگ جنگلہ۔ تال تین)

گنگا! تیتھوں صد بلہا رے جاؤں

(۱) باد چام سب وارکے پھینکوں دیہی پھول بتاشے لاؤں؛ گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں

(۲) من تیرے بندرن کو دیدوں، بُدھ دھارا میں بہاؤں؛ گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں

(۳) چت تیری مچھلی جب جاوے؛ آہنگ گرگھا میں دباؤں؛ گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں

(۴) پاپ پُن سبھی سلگا کر؛ یہ تیری جوت جگاؤں؛ گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں

(۵) مجھ میں پڑوں تو تو بن جاؤں ؛ ایسی ڈبکی لگاؤں ؛ گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں
(۶) پنڈے جل تھل پون ودھوں وک اپنے سروپ بناؤں ؛ گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں
(۷) رین کروں ست دھارا ابھیں ؛ نہیں تو نام نہ رام دھراؤں گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں

اونچے لمبے درخت گنگا کنارے کھڑے گویا سندھیا کر رہے ہیں اور منوہر لتا بتا میں رنگا رنگ کے پھول کھلے ہوئے ننھے بچوں کی طرح تبسم کر رہے ہیں۔ ہوا آن کر انہیں جھورے جھلا رہی ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی پَون مند سپند سے دل لبھا رہی ہے ؛

سے بادِ صبا کے جھونکوں سے شاخوں کا جھومنا
اور جھوم جھوم کر وہ رخِ گل کو چومنا ۔

چاروں طرف یہ کیفیت ہے کہ رام شش و پنج میں ہے کہ پیٹھ کس طرف کر کے بیٹھوں۔ ایک سے ایک بڑھ کر سُہانا ہے ؛ پربتوں کے ڈھلوان پر ہرے ہرے باس متی کے کھیت لہلہا رہے ہیں۔ ان کھیتوں میں پہاڑوں سے اترتا ہوا نرمل جل بہ رہا ہے۔ یہ جل مکت پرشوں کی مانند برہم سروپ شری بھاگیرتی میں مل کر اُس سے ابھید ہو رہا ہے ؛ شری بھاگیرتی کی شوبھا کون ورنن کر سکتا ہے ؟ بھگوان کا ہردے ہی استھان ہے ؟ اُسکا گمبھیر (عمیق) اور شیتل بھاؤ اور اُسکی اونک کار انا ہت رُوپی آواز چت کی چلبلاہٹ اور کدورت کو صاف کر رہے ہیں۔ بعض بعض مقامات پر گنگا جل کے عجب شانتی بھرے کنڈ بن رہے ہیں۔ چاندنی میں تو چمکتی دمکتی گنگا ہے کہ گویا کوٹ کوٹ ہیرے موتی کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ میری جان بہ مرجان والا سُرمہ آنکھوں میں کیا ٹھنڈک دیتا ہے۔ دیدۂ دل کو بھی روشن کرتا ہے ؛ گنگا اپنی مہا شیتلتا اور نرملتا سے دلشوبیں دکھاتی اور مہا شکتی اور زور شور سے شیر کی طرح گرجتے اور اسیتوں کو چپانے

(دہا بہجانے) سے شاکت پن ظاہر کرتی وشنو اور شو دونوں کی جھلک رقی ہوئی بابا پوری (جگت) کو کرتارتھ کرنے جا رہی ہے۔ گنگا کے ترنگ اس جگہ نہنگ کی مانند نعرے مارتے اور زور سے چھلانگیں بھرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تو بہت بڑے بڑے پتھر ہوں گے۔ لہریں جھاگ جھاگ ہوئی جاتی ہیں۔ موجیں کس بلا کے پیچ کھاتی ہیں۔ وہ دیکھو۔ گنگا کی دھارا غضب کا آبشار بن رہی ہے پانی سب کا سب ایک دم گرا۔ پھر اُچھلا۔ گنگا کے جوش و مستی کو جتلانے والی بہین کھف ناچ رہی ہے کہ شیر غراں کے عیال mane, لہرا رہے ہیں۔ اس جوش و خروش کے ساتھ گنگا گویا یہ کہہ رہی ہے کہ اے اہنکار (ہرن) آ میں تیرا شکار کروں۔ اے جل (کگیڈ) تیری جسمانیت دانائیت کی ہڈیاں چبا جاؤں گی۔ پسلیاں الگ الگ کر دوں گی۔ اے موہ روپی پتھرا آ میں تجھے چیر ڈالوں۔ پہاڑوں کو کاٹ کر آئی ہوں۔ اب تیری باری ہے۔

یہ اسوقت کُل اگیان کی سینا نہ معلوم کہاں معدوم ہوگئی ہے۔ نہ اندھیرے کا کہیں پتہ لگتا ہے نہ ادویا تمرکا۔ ان ہرے بھرے پہاڑوں کا نور و سرور سے یوں بھرپور ہونا کس بات پر دال ہے۔ یہ ٹھنڈک اور آنند کیا مژدہ سناتے ہیں رام کی مراد یہاں برآئے گی۔ خواہشیں سب مُرگباش ہو جائیں گی۔

مژدہ اے دل کہ مسیحا نفسے می آید
کہ ز انفاس خوشش بوے کسے می آید

کس لطف کے ساتھ رام سنان کرتا ہے۔ جل اچھالتا ہے اور خوشی کے نعرے بلند کرتا ہے۔

---

[1] خوشخبری ہو اے دل کہ کوئی مسیحا نفس آرہا ہے۔ کہ اُس کے خوش دم سے کسی کی بُو آرہی ہے۔

(راگ سندھورہ - تال تین)

ندیاں دی سردار - گنگا رانی!

مٹھے جل دے دین بہار - گنگا رانی!

ساڈوں رکھ جندڑی دے نال - گنگا رانی!

کرے وار کرے چار - گنگا رانی

سو سو غوطے گن گن مار - گنگا رانی،

تیریاں لہراں رام اسوار - گنگا رانی!

(۱) Mother of mighty rivers
Adored by saint and sage,
The much beloved peerless Gunga,
Famous from age to age.

(۲) Unconscious roll the surges down,
But not unconscious thou,
Dread spirit of the roaring flood,
For ages worshipp'd as a God,
(۳) ...... And worshipp'd even now!
Worshipp'd and not by serf or clown;

---

(۱) اے بڑی بڑی دریاؤں کی ماں جس کی پرستش بزرگ اور کامل فقیروں نے کی ہے۔ اے پیاری لاثانی گنگا جو ایک مدت سے مشہور و معروف چلی آ رہی ہے۔

(۲) تیری لہریں خود بخود بلا سوچے سمجھے موجزن ہیں۔ لیکن تو جو کہ شور زن طغیانی کی بھیانک روح ہے ایک مدت سے دیوتا کی طرح پوجی گئی ہو۔ و سرداں ہو اور ابھی تک صدیوں تک ایک دیوتا کی طرح پوجی گئی ہو (۳) اور ابھی تک پوجی جا رہی ہو

For sages of the mightest fame
Have paid their homage to thy name
Dutt.

(۲) Sacred Gunga, ample-bosomed,
Sweeps along in real pride,
Rolling down her limpid waters through
high banks on either side.

شام پڑنے کا ہے۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر رام بیٹھا ہے۔ عجب حالت ہے؛
نہ تو اسے اداسی نام دے سکتے ہیں نہ رنج و غم ہی ہے۔ دنیا داروں والی خوشی
بھی یہ نہیں۔ اسے جاگتا نہیں کہہ سکتے سویا بھی نہیں۔ کیا معلوم تصور ہو یہ بیکلی
دنیا کا نشہ نہیں۔ کیا رس بھینی اوستھا ہے!؛ دور اشجار میں سے گھڑیال اور
سنکھ کی آواز آنے لگی۔ شاید کوئی مندر ہے۔ آرتی ہو رہی ہے لے لو! سامنے
بلند پہاڑ کی چوٹی سے دو تین فیٹ کی بلندی پر ترودشی کا چندرماں بھی اپنا
چاند سا مکھڑا لے آرہا ہے۔ کیا یہ آرتی میں شریک ہونے آیا ہے؟ شریک
کیوں؟ یہ تو اپنے دمکتے ہوئے نورانی بدن کی جوت بنا کر اپنے تئیں سدا شیو پر چڑھا
رہا ہے؛ آرتی روپ بن رہا ہے؛ آہا! سارا نیچر آرتی میں شریک ہو گیا۔ چاروں
طرف سے کیسی آواز (گونجار) آنے لگی! ارے چاند! تو سبقت لیجانے والا کون ہے
پیارے! اکیلا مت رہ۔ اپنی ہڈیوں کو اور تن بدن کو آگ کی طرح سلگا کر تیری

تیری پرستش عظام یا بزرگوں (اعلیٰ درجہ کے لوگوں) نے ہی نہیں کی بلکہ مشہور و معروف
کامل فقیروں نے تیرے نام کی پوجا کی ہے۔ (۲) مقدس پوتر اور وشالہ یعنی فراخ سینہ والی گنگا جی فخر کے
ساتھ اپنے شفاف پانی کو اپنے ہر دو جانب کے بلند کناروں کے بیچ میں بہاتے ہوئے جاری ہے۔

طرح رام اپنے تئیں اس آرتی میں کیوں نہ وار ڈالے گا؟.............

اُن دنوں رام کی تلاش کرتا کرتا ایک خط پہاڑوں میں آیا۔ اُس کا جواب

شه ''سترِ بیسر نامہ را پیدا کنم

عاشقاں را در جہاں شیدا کنم''

ایک خط ملا۔ جس میں (۱) گھر آنے کی بابت ترغیب تھی۔ یہ خط فوراً پرم دھام کو روانہ کردیا گیا یعنی شری گنگاجی میں پرداد دیا گیا۔ (یعنی بہا دیا گیا)؛

(راگ اساوری)

ر۔ رنگ نہیں میرا کتنے دا — چوڑیں بنّہ کے بھورے نہ گھت مائے

پیڑاں پیڑ کے جان نپیڑ لیتی — ماسا ماس ناہیں رتی رت مائے

چرخا دیکھ کے رنگ کرنگ ہویا — بیتّاں وچ باہاں کیڑے ہے ڈت مائے

متیں عشق حسین نہ مت سمجھے — متّیں دنید یا ندی ماری مت مائے

(۲) لوگوں کے گلے اُلاہنوں کا ڈر دکھایا تھا۔ سو بھگوں اب تو ہم ہیں اور گنگا ہے

ہ کفن باندھے ہُوئے سر پر کنارے تیرے آبیٹھے

ہزاروں طعنے اب ہم پر لگائے جس کا جی چاہے

تیروں ایسے الزام یہاں کچھ نہیں اثر کر سکتے؛

شه گر نماند در دلم پیکاں گناہ تیر نیست

آتشِ سوزانِ من آہن گداز افتادہ است

---

(۱) بے نام و نشان (لاپتہ) ہوکے رازکو میں ظاہر کرتا ہوں۔ تاکہ جہاں میں عاشق لوگ اُسکے شیدا ہوں۔

(۵) اگر میرے دل میں تیر کی نوک نہیں چُبھتی تو اُس میں تیر کا قصور نہیں کیونکہ میرے اندر عشق کی آگ ایسی جل رہی ہے کہ اگر لوہا بھی اُس میں پڑے تو گل جاتا ہے۔

(۲) زبردستی سے باندھ کر چرخہ کاتنے کی جگہ مجھے مت بھیج۔ (۳) دکھوں کے کولہو میں میری جان کو پیل کر......

۱؎ تا نخواہد سوخت از ما بر نخواہد داشت دست

عشق بس ما را چو آتش در قفا اُفتادہ است۔

تمہارا۔ (رام) تو اب پُورا ہوگیا پُورا۔ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ (گویا مالک ملک لاٹ کا)۔

(۳) کسی خانگی معاملے کے افسوس کی بابت پوچھو تو سخت حیرت ہی کہ تمہیں اصلی گھر سے غافل رہنے کا کچھ افسوس نہیں آتا!

(۴) آپ نے "سب لوگوں کے دنیوی کام کاج میں ہمہ تن مصروف" ہونیکا اشارہ کرکے بُلایا چاہا ہی؛ اچھا اگر لوگوں کی کثرت رائے پر ہی حقیقت کا فیصلہ کرنا منظور ہو تو بتائیے آدم سے لیکر اِس دم تک کثرت (MAJORITY) اُن لوگوں کی ہی جو موجودہ زندگی کے کاروبار کو زبان، اعمال سے سچ کہنے والے ہیں یا اُن کی جو رُوئے زمین کی خاک کے تقریبًا ہر ذرّے میں زبان حال سے بول رہے ہیں کہ دُنیا مندرو می انسدوم ہی۔۲؎

अव्यक्तादीनि भूतानि व्यक्त मध्यानि भारत।
अव्यक्त निधनान्येव तत्र का परिदेवना॥

(۵) بھگوان! آپ ہی کی آگیا پالن ہو رہی ہی۔ یعنی آپ سے بہت جلدی ملنے کی کوشش ہورہی ہی؛ از روئے جسم تو جُدائی ہرگز دُور نہیں ہوسکتی۔ خواہ کتنے نزدیک ہوجائیں پھر بھی جہاں ایک بدن ہی وہاں دوسرا بدن نہیں آسکتا ورنہ تداخل اجسام لازم آتا؛ فی الواقع جُدائی کو دُور کرنے کے زاہم

(۱) عشق جب تک ہم کو جلا نہ لے گا تب تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیگا۔ عشق تو آگ کیطرح ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہی۔

(۲) اے بھارت یعنی ارجن؛ وجودوں کے پہلے کی حالت معلوم نہیں درمیان کی حالت معلوم ہے۔ مرنے کے بعد کی حالت کا بھی پتہ نہیں۔ پھر چنتا یعنی فکر کیوں ہو۔

رات دن دریے ہی۔ غیریت کا نام نشان نہیں ہے دیکھا آپ کا اثر آتا۔ آپ
کے سینے میں۔ آپ کی آنکھوں میں بلکہ سب نے دل جگر میں رام اپنا گھر (قیام)
دیکھے بنا چین نہیں لیتا۔ آئیے آپ بھی پانچ ندیوں (خون، بول، پسینہ، پیپ، رال)
کے کچھ بیتے جسم سے، بنے پنج دھام دھول سروپ کی طرف مراجعت کرو۔ اس نیچا
سے اٹھ کر حقیقی دھام کی پہاڑیوں پر کشاں کشاں تشریف لائیے گا۔ لہٰذا اب مرکز
ہی پر مناسب ہی۔ جہاں پر ملے پھر جدائی نہیں ہو سکتی۔ محیط پر (hide and seek)
چھپن لکن کھیلتے کھیلتے کہاں تک نبھے گی۔ رام نے تو اگر خود گنگا کو اپنے چرنوں
سے نکلتی ہوئی نہ دیکھا تو لوگ اس کا جسم گنگا کے اوپر رواں ضرور دیکھیں گے۔

سہ یہی کشتگان عشق میں سردار ہی رہا
سر بھی جدا کیا تو سر دار ہی رہا

سیپ سے موتی نکلا ہوا پھر سیپ میں واپس نہیں آتا۔

سہ پھر زلیخا نہ نیند بھر سوئی۔ جب سے یوسف کو خواب میں دیکھا
گنگا میں پڑی ہوئی ہڈیاں وارثوں کو واپس کیسے مل سکتی ہیں۔ البتہ ملنے کے
خواہشمند اپنی ہڈیاں بھی حوالۂ گنگ کردیں تو شاید میل ہوجائے۔ کچھ مشکل
تو نہیں۔ نیت پراپت کی پراپتی۔ ہر نیت تپسیت کی ترپتی۔

سہ عشق کا منصب لکھا جس دن میری تقدیر میں
آہ کی نقدی ملی صحرا ملا جاگیر میں

سہ کب سبکدوش رہے قیدئے زندان وطن
بوئے گل پھاندتی ہر باغ کی دیواروں کو

سلہ خون عاشق چہ بکار می آید۔ نہ شود گر حنائے پائے دوست

---

(۱) عاشق کا خون کس کام کا اگر وہ اپنے پیارے کے پاؤں کی مہندی نہیں بنتا۔

۱؎ شد فدائے پائے جاناں جانِ من
مصحف رُویش بُوَد ایمانِ من

۲؎ در سرم ہردم سرِ آزادگی ست
قیدِ تن باشد کنوں زندانِ من

۳؎ سجدۂ مستانہ ام باشد نماز
دردِ دل با او بُوَد قرآنِ من

۴؎ ذکر خدا و فکر ناں می شوَد ایں نیشود
عشقِ صنم وبیم جاں می شود ایں نیشود

۵؎ می رسی در کعبہ زاہد زود از راہِ تری
زہدِ خشک و صومِ تو بے دیدۂ گریاں عبث

۶؎ در دبستانِ محبت ابجد از خود رفتگی ست
معنیٔ بسم اللہ آں فہمد کسے کو بسمل است

---

(۱) میری جان پیارے کے پاؤں پر فدا ہوگئی۔ اسلیئے اُسکے چہرہ کا قرآن میرا ایمان ہو۔

(۲) میرے دماغ میں ہر وقت آزادی کا خیال ہو۔ بدن کی قید اب مجھے جیلخانہ معلوم ہوتی ہو۔

(۳) میری نماز میرا مستانہ سجدہ ہو اور اس کے ساتھ دل کا درد میرا قرآن ہو۔

(۴) ایسا نہیں ہو سکتا۔

خدا کا ذکر تو ہو اور روٹی کی فکر بھی اور نہ یہ ہو سکتا ہو کہ پیارے کا عشق تو ہو اور جان کا خوف بھی۔

(۵) اے زاہد تری (پانی) کے راستے سے تو کعبہ کو تو بہت جلد پہنچتا ہو۔ تیری خشک پارسائی و روزہ بغیر تر بتر آنکھوں کے بے فائدہ ہو۔

(۶) محبت کے مکتب میں ابجد (الف۔ ب کیا ہو؟) آپے سے باہر یعنی بیخود ہو جانا۔ بسم اللہ کے معنی وہ جانتا ہو جو پہلے خود بسمل ہو چکا ہو۔ گھایل کی گت گھایل جانے۔

؎ رہ نوردانِ محبت را پیام از ما رساں
کاندریں راہ یک قدم از خود گزشتن منزل است
؎ نہیں کچھ غرض دُنیا کی نہ مطلب لاج سے میرا
جو چاہو سو کہو کوئی بسا اب تو وہی من میں
ایک کالے سانپ کا پاؤں تلے آنا۔ دیال بھوشن رام پیار کرنے کو ہاتھ بڑھاتا ہے؛
؎ میرے پیارے کا یہ بھی پیارا ہے ؛ میری آنکھوں کا یہ بھی تارا ہے
سانپ کا دوڑ جانا
اپروکش | گھنا جنگل۔ جل کا کنارا۔ جنگلی گلزار شگفتہ۔ تحلیہ۔ چند اُپنشدیں ختم؛
....
اے نُطق! تجھ میں ہے طاقت اُس سُرور کو بیان کرنے کی؟ دھنیہ ہوں میں! مبارک ہوں میں!۔

جس پیارے کا گھونگھٹ میں سے کبھی پیر کبھی ہاتھ کبھی آنکھ کبھی کان مشکل کے ساتھ نظر پڑتا تھا۔ دل کھول کر اُس دُلارے کا وصال نصیب ہوا۔ ہم ننگے وہ ننگا۔ چھاتی چھاتی پر ہے؛ اے ہاڈ چام کے جگر کلیجے! تم بیچ میں سے اُٹھ جاؤ۔ تفاوت! ہٹ۔ فاصلے! بھاگ۔ دُوری! دُور۔ ہم یار، یار ہم یہ شادی ہے کہ شادی مرگ۔ آنسو کیوں جھما جھم برس رہے ہیں۔....

....
کیا یہ ساہا (بیاہ) کے موقع پر کی جھڑی ہے کہ مَن کے مرجانے کا ماتم ہے۔

(۱) محبت کا راستہ طے کرنے والوں (عاشقوں) کو ہماری طرف سے پیغام پہنچا دو۔ کہ اس راستے میں اپنے سے ایک قدم گزرنا ہی منزل ہے۔

سنسکاروں کا آخری سنسکار ہوگیا۔ خواہشوں پر مری پڑی۔ ڈکھ دارِ دُز اُجالا آتے ہی اندھیرے کی طرح اُڑ گئے۔ بھلے بُرے کرموں کا بیڑا ڈوب گیا۔

؎ بڑا شور سُنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اِک قطرۂ خوں نہ نکلا

شکر ہے آئی خبر یار کے آجانے کی ٭
اب کوئی راہ نہیں ہے مرے ترسانے کی

آپ ہی یار ہوں میں خط و کتابت کیسا
مستیٔ کل ہوں میں حاجت نہیں میخانے کی

وہ ثریا جو عنقا کی طرح معدوم تھی ہم خود ہی نکلے۔ جس کو صیغۂ غائب (third person.) سے یاد کرتے تھے۔ وہ متکلم ہی نکلا۔ صیغۂ غائب اب غائب ٭ اوم ॐ ہم۔ ہم ॐ اوم ٭ ہم نہ تم دفتر گم۔

اوم! اوم!! اوم!!! ....

آنسوؤں کی جھڑی ہے کہ وصل کا مزا دلانے والی برسات!

اے سر! تیرا ہونا بھی آج سُپھل ہے ٭ آنکھوں! تم بھی مُبارک ہوگئیں ٭ کانوں: تمہارا پُرشارتھ بھی پُورا ہوا۔ یہ شادی مُبارک ہو۔ مُبارک ہو۔ مُبارک ہو۔ مُبارک کا لفظ بھی آج مُبارک (کرتارتھ) ہوگیا ٭

؎[1] شاد باش! اے عشقِ سَودائے ما	اے دوائے جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما	اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

اہنکار کا گُڈا اور بُدّھی گویا جل گئے۔ ارے آنکھوں! تمہارا یہ کالا بادل برسانا مُبارک ہو ٭ یہ مستی بھرے نینوں کا ساون سعید ہو۔

---

(۱) اے میرے پاگل پن کی وہ واہ اے میری کُل رنجوں کی دوا اے میری نیک نامی اور تکبر کی دوا اے میرے جالینوس و افلاطون خوش ہو (کیونکہ بیاہ اب ہوگیا)۔

سہ یار اساڈے نے انگیا کھلا یا ۔ اساں کھول تنی گل لاء لیا ۔
اساں گھٹ جانی گل لاء لیا

مست وہاڑے ساون دے آئے ۔ ساون یار ملاؤن دے آئے۔
بھاگ رے او یار! بھاگ؛ کہاں بھاگے گا۔ آسمان پر چھپے گا؟ مَیں وہاں موجود؛
کیلاس پربت جا۔ مَیں وہاں حاضر؛ سمندر میں جالیٹ۔ تجھ سے پہلے پہنچا ہوں۔
اگنی میں گھس جا۔ میرا ہی مکھ ہو؛ تمام ابدان مَیں۔ کل اجسام میں مَیں۔ جملہ اہلو
واشکال میں مَیں؛ ابدان و اجسام۔ اسماء اشکال یہ خود مَیں؛ کون ہوے۔ کون
کے۔ گونگے کا گڑ؛ ....

آ ہا ہا ہا! مَیں کیسا خوبصورت ہوں۔ میری سوہنی صورت۔ میری موہنی مورت
میری جھلک۔ میری ڈلک۔ میرا حسن۔ میرا جمال۔ اس کو میری آنکھ کے سوا کوئی
آنکھ دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی۔

مَیں اپنی مہا (جلال) میں مست پڑا ہوں پر ہائے میرے حسن کا خریدار کوئی
نہیں۔ میرے جوبن کا گاہک کوئی نہیں۔ اس بے بہا ہیرے کو کون خریدے؟
مُل گھت سی آن کے کون کیڑا ؛ نہیں دِسدا دُوسرا ہور کوئی
میں خود ہی عاشق ہوں خود معشوق ؛ عاشق ہوں کہ معشوق ہوں؟ مَیں
عشق ہوں؛ ....

باہر جب نگاہ جاتی ہو ہر برگ و گل "تو ہی" "تو ہی" کے نغمہ سے استقبال کرتا
ہو۔ اندر سے آنند کے بادل اپنی گرج میں سب کچھ غرق کر رہے ہیں۔ ...... رفتہ
اعضاء جسم؛ دیش کال کہاں چلے گئے؟ فاصلہ دوری اور اندر باہر کیسے؟
اب آگے بیان کون کرے؟ ....

کئی روز اسی حالت میں بیت گئے۔ لیکن رات دن دن رات کس کے؟

ع چٹ ڈل دیکھاں توں ہی توں نہ تانا پیٹا رُوں ؛

سہ پہر کا وقت ہوگا۔ ایک کاٹھ کے جھولے پر عین وسط میں رام مگن بیٹھا ہے۔ تیز میگھ کے سروپ میں میگھ ناد کی طرح اُوپر سے کڑک رہا ہے۔ بجلی بن کر اپنے تیج کی چمک سے آپ وسنگ پر دَمک رہا ہے۔ پانی بن کر اپنی بوچھار سے کُل جانداروں کو اپنے اپنے گھونسلوں میں گھسیڑ دیا ہے۔ آکاش اور زمین اور پہاڑ کوئی نظر نہیں آتا۔ جل ہی جل ہے۔ گویا گنگا بھی زمین سے اُٹھ کر آسمان تک جا چڑھی ہے۔ تاکہ اپنے گھر رام میں آرام کرے ؛ ان سب کو تو گھر بل گئے۔ اب لامکاں رام کہاں بسرام کرے؟۔

مصرع نہ نشیمنے کہ گنم مکاں نہ پرے کہ بر پرم ازمیاں

رام جل شایِن نارائن اُس جل میں بیاپ رہا ہے ؛ بادلوں پہ چل رہا ہے۔ سمندر کو ریتہ بنا رہا ہے ؛

کبھی بارش آتی ہے کبھی دھوپ۔ لیکن رام کے ہاں کچھ چڑھتا ہے نہ اُترتا۔

ع راہ کھو جیا اپنے اندر دا | جد پایا بھید قلندر دا
جیتھے کدے نہ چڑھدی لہندی ہے | سکھو باسی ہو اُس مندر دا

مُنھ آئی بات نہ رہندی ہے ؛

دُنیا میں یار وتی ہے۔ بھنگ بوٹی ہر وقت گھوٹ رہی ہے۔ شو کی آنکھ کھلی پیالہ جھٹ حاضر۔ ذرا ہوش آیا۔ نشہ میں بہایا ؛

آ میرے بھنگوا تُو آ بھنگ پی جا آ میرے بھنگوا۔ نِشنگ بھنگ پی جا
بھر بھر دینیاں میں بھنگ دے پیالے نِشنگ بھنگ پی جا۔ نِشنگ بھنگ پی جا

بھنگ گھوٹنے والی پر کرتی نہیں یہ تو خود بھنگ اور شراب ہے ؛ بھنگ اور

سلہ نہ کوئی گھونسلا دکھر) ہے کہ جہاں ٹھہر جاؤں اور نہ پر ہی ہیں کہ جس سے اُڑ جاؤں ؛۔

شراب نہیں یہ تو بھنگ شراب کا نشہ اور مستی ہو۔ یہ تو خود میں ہوں بہ

سے نہ ہو کچھ تمنا نہ کچھ جستجو ہو | کہ وحدت میں ساقی نہ ساغر نہ بو ہو
ملیں دل میں آنکھیں جبھی معرفت کی | جدھر دیکھتا ہو صنم رو برو ہو
گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا | تو میری ہی رنگت ہو میری ہی بو ہو
مرا تیرا اٹھا ہوے ایک ہی ہم | رہی کچھ نہ حسرت نہ کچھ آرزو ہو

بھر دے نی کٹورا بھنگ وا
تیرا کھیڑی گلوں جیا سنگدا

ایک انوٹھا خواب:۔

گوپال چند (جس کو عام لوگ کرشن پرماتما کہتے ہیں) رام سے چھپن لکن۔ کھیلتا ہو۔ (hide and seek.) ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے دق ہو کر

رام:۔ ارے کہاں چھپ رہا؟ نہ باہر ہو نہ اندر ہو۔ غائب کہاں ہوگیا۔ بڑا اندھیر ہو۔ ہائے! ہائے!........ ہاں! ہاں!! اب لگا پتہ۔ کواڑ کی آڑ میں گھسے کھڑے تھے آپ۔ باہر نکل گونو!۔ اب جاتا کہاں ہو۔ کان کھینچکر چپت جڑا۔ منھ پھیر دونگا!..................."

اتنے میں جھٹ آنکھ کھل گئی۔ اپنا کان دزدکر رہا تھا اور اپنے ہی گال پر دھپّڑ مارتا ہوا) اٹھ تھا۔ اس خواب کی تعبیر جو بتائے وہی یوسف۔.....

....

ایک رقعہ چند سوالات اٹھائے ہوئے اس آنند گنگا میں سنان کرنے آگیا۔ سوالوں کے جوابات:۔

(۱) کیا رام اکیلا ہو؟

(۱) کوئی ودیارتھی ساتھ نہیں۔ نوکر پاس نہیں۔ آبادی بہت دور ہو۔ آدمی

کا نام کافور ہے۔ تاروں بھری رات آدھی اِدھر آدھی اُدھر ہے۔ بالکل سُنسان ہے۔ بیابان ہے۔ سناٹے کا عالم ہے۔ پر کیا ہم اکیلے ہیں؟ اکیلی ہماری بلا! ابھی پرستان کی پریاں ستان کرا کر گئی ہیں۔ ہوا ٹھنڈی چاروں طرف دوڑ رہی ہے۔ سامنے گنگا اپنی گنگ گنگ کی راگنی الاپ رہی ہے۔ سیکڑوں خادم ارد گرد جھاڑیوں میں آرام کر رہے ہیں۔ لو یہ نعرہ کدھر سے آیا؟ کوئی جنگلی جانور درختوں میں سے بول اُٹھا ہے "حاضر"۔ .... ہم اکیلے کیوں؟ پر ہاں ہم اکیلے ہی ہیں۔ یہ خادم وادم اور نہیں ہم ہی ہیں۔ گھن کے درخت نہیں ہم ہی ہیں۔ ہوا نہیں ہم ہیں۔ گنگا کہاں؟ ہم ہیں۔ تارے وارے اور چاند نہیں۔ ہم ہیں خدا نہیں۔ ہم۔ معشوق اور وصل کیسا؟ ہم ہی ہم۔ ارے تنہائی کا خیال بھی ہم سے بھاگ گیا۔ اکیلے کا لفظ بھی اکیلا چھوڑ گیا۔

(۱) تنہا ستم تنہا ستم چہ بوالعجب تنہا ستم۔
جز من نباشد ہیچ شئے یکتا ستم تنہا ستم۔

(۲) این نعرہ و این نعرہ زن و نیز این صحرا
اشجار و گُلستاں و شب و روز نگارا
باد انجم و گنگا جل و ابر و مہ تاباں
معشوق و خدا خاص۔ وصال و دم ہجراں

---

(۱) میں اکیلا ہوں۔ میں اکیلا ہوں۔ کیسے تعجب کی بات ہے کہ میں اکیلا ہوں میرے سوا کسی چیز کی ہستی نہیں ہے۔ میں یکتا اور واحد مطلق ہوں۔

(۲) یہ نعرہ یہ نعرہ مارنے والا اور ساتھ ہی یہ جنگل۔ درخت۔ پہاڑ۔ دن رات۔ طرح طرح کے نقش۔ ہوا۔ تارے گنگا جل بادل یہ چمکتا چاند معشوق اور خاص خدا۔ وصال و جدائی کا دم۔ کاغذ۔ قلم۔ چشم مضمون اور تو خود جان۔ یہ سب کے سب رام ہے۔ اس سے الگ دوسرا کچھ نہیں۔ وہ ہی ہے۔ تمام وہی ہے۔

ملاغذ قلم چشمت و مضموں و تو خود جاں
رام است ہمہ۔ نیست دگر۔ اوست ہمہ آں

(۲) کیا رام بیکار ہے؟

(۲) من کا مانسرودر امرت سے لبالب ہو رہا ہے۔ آنند کی ندی ہردے میں سے بہہ رہی ہے۔ ماتہ کرن کرت کرت اور گد گد ہے۔ وشنو کے اندر ستوگن اتنا بھرا کہ سما نہ سکا۔ اُس چشمۂ ستوگن سے پیروں کی راہ ستوگن گنگا جاری ہوگئی۔ ٹھیک اس طور پر پرم آنند سے بھرپور رام بھگوان جس کا برہم آنند پیٹ سے سمٹتا نہیں۔ پُورن آنند کا چشمہ بنکر آنند آنند کی ندی سنسار کو بھیج رہا ہے۔ خوشحالی اور فارغ البالی کی بادِ نسیم روانہ کر رہا ہے۔ کون کہتا ہے وہ بیکار بیٹھا ہے۔

راگ بروا۔ تال دادرا

^۱ الا یا ایہا الساقی مئے باقی بخش از ما
کہ روز افزوں شود عشقت کند آسان مشکلہا
^۲ یا حُسن موج خیز من کہ شُد گرفتہ نقاب من
ز موج خوبیٔ بحرم چہ شور اُفتاد در دلہا

---

(۱) ہوشیار! اے ساقی! باقی (لافانی) شراب ہم سے چکھ، تاکہ تیرا عشق (پریم) روز بروز ترقی کرتا ہے اور تیری مشکلوں کو آسان کر دیوے۔ (یہاں مجذوب عشق الٰہی اپنے مرشد سے کہتا ہے کہ ہم سے پریم پونہ چکھ تاکہ تمام عقدہائے دلی کھل جائیں۔ اور انکشاف رازِ حقیقی ہو جائے)

(۲) میری لہراتی ہوئی خوبصورتی کی وجہ سے میرا ایک عیب پردہ بن گیا ہے، اور میرے بحرِ عشق کی خوبصورتی کی لہر سے دلوں میں کتنا ہی شور برپا ہوگیا ہے یعنی کتنے ہی دل بیقرار ہو گئے ہیں۔

(۳) شبِ مہتاب و بادِ خوش لبِ دریا صنم در بر
چساں دانند حالِ ما غریقانِ تموّجہا

(۴) مرا در منزلِ جاناں۔ ہمہ عیش و ہمہ شادی
جرس بیہودہ می نالد۔ کجا بندیم محملہا

(۵) ہمہ کارم ز بیکامی۔ بہ خوش کامی کشید آخر
نہاں چوں ماند ایں رازے کہ بودہ شمعِ محفلہا

(۶) حضوری چہ بجوا ہی ؟۔ ازو غائب نۂ اے جاں!
توئی عُقبیٰ۔ توئی مولا۔ توئی دنیا و مافیہا

(۷) بہ صدقِ دل اناالحق گو چنینت رامؔ فرماید
کہ در یک دم زدن گردد وصالِ و قطعِ منزلہا

---

(۳) جب چاندنی رات اور خوشگوار ہوا۔ دریا کا کنارہ اور پیارا پہلو میں ہو۔ تو ہماری ایسی حالت کو لہروں میں ڈوبے ہوئے لوگ (دنیا کی ہوا و ہوس میں گرفتار) کیا جانیں ؟

(۴) مجھ کو پیارے کی منزل میں نہایت آرام و نہایت خوشی ہے۔ گھنٹہ بیفائدہ شور مچاتا ہے۔ ہم محمل کہاں باندھیں۔ یعنی ہم کو تو یہاں ہی پیارے کا وصال ہو گیا اس میں ہمیں نہایت خوشی ہے اب واعظ (ناصح) کا شور مفت میں ہے ہم یہاں سے ٹل نہیں سکتے۔ یا اب سانس کا شور بیفائدہ ہے ہم کو آنا جانا باقی نہیں رہا۔

(۵) میرے تمام کام جو کہ ناکمل تھے اب کمل ہو گئے۔ یہ بھید کیونکر چھپا رہ سکتا ہے کیونکہ یہ اب محفلوں کی شمع ہوگا (یعنی ظاہر ہو گیا ہے۔ میری کل خواہشات پیارے کے ملنے سے پوری ہو گئی ہیں۔ یہ بات اب چھپی نہیں رہ سکتی)۔

(۶) اے پیارے تو حضوری یا حاضری کیا چاہتا ہے؟ تو اس سے پوشیدہ نہیں ہے تو ہی عقبیٰ۔ تو ہی مولا ہے تو ہی دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی تو ہی ہے۔

(۷) رامؔ یہ تجھے حکم دیتا ہے کہ سچے دل سے اناالحق کہہ تاکہ پیارے کا وصال ہو جائے اور منزلیں دفعۃً طے ہو جائیں ؎

No sin, no grief, no pain,
Safe in my happy self,
My fears are fled, my doubts are slain,
My day of triumph come.

———— G ————

O Grave! where is thy victory?
O Death! where is thy sting?

————o————

My self to me my kingdom is
Such perfect joy therein I find.
No worldly wave my mind can toss
To me no gain, to me no loss.
I fear no foe, I scorn no friend,
I dread no death, I fear no end.

سہ میں نے کہا کہ رنج و غم ٹلتے ہیں کس طرح کہو
سینہ لگا کے سینے سے مہ نے بتا دیا کہ یوں

ملہ ایسی کوئی پاپ (گناہ)، آپ سے عذاب نہ رنج (غم)، اپنے آنند سروپ آتما میں سرور ذات میں، محفوظ ہوں۔ میرے سے خوف دور ہو گئے اور شک و شبہ کافور، اب میری فتح کی خوشی منانے کا دن آ پہنچا ہے۔ اے قبر! کہاں ہے تیری جیت (فتح)؟ اے موت! کہاں ہے تیرا نیش (ڈنک)؟ میرے لیے تو میرا آپ (آتما) ہی بادشاہت ہے اور مجھے ایسا مکمل آنند ملتا ہے کہ دنیا کی کوئی لہر (موج) قدرت میرے من کو ہلا نہیں سکتی۔ اب میرے لیے نہ کوئی نفع ہے نہ نقصان نہ مجھے کسی دشمن کا ڈر ہے اور نہ کسی دوست کو حقیر سمجھتا ہوں، نہ مجھے موت کا بھی ڈر ہے اور نہ انجام کا خوف و خطر۔

رام بیکار کبھی نہیں۔ دنیا بھر میں نکمے کام رام ہی کرتا ہے؀

؁ مہر سرگشتہ آفتاب کجاست	آب ہر سو دواں کہ آب کجاست
؂ خواب دوشم ز دیدہ می پرسید	کاے جہاں بیں بگو کہ خواب کجاست
؃ مست پرساں کہ مست ما دیدی	یارب آں بیخود و خراب کجاست
؄ بادہ در میکدہ ہمی گردد	گرد مجلس کہ گو شراب کجاست
؅ یارِ خود بے نقاب می گردد	کہ مرآں یار بے نقاب کجاست

؆ چوں کار مردم می کنند۔ از دست و پا حرکت کنند
بیکار ماندم جائے حرکت ہم منم ہر جاستم
؇ از خود چہ بیروں جہم۔ گو من کجا حرکت کنم
از بہر چہ کارے کنم۔ من روح مطلبہاستم

(۳) کیا یہ انانیت ہے؟

مغرور اور متکبر کون ہے؟ جو جہل مرکب میں مبتلا ہو؀

---

(۱) آفتاب پریشان ہو رہا ہے کہ سورج کہاں ہے پانی ہر طرف بھاگ رہا (بہتا پھرتا) ہے کہ پانی کہاں ہے؀

(۲) کل رات میری نیند میری آنکھ سے پوچھتی تھی کہ اے جہاں کی دیکھنے والی (آنکھ)، تو بتا کہ نیند کہاں ہے؀

(۳) مست لوگ پوچھ رہے ہیں کہ تم نے مست کو دیکھا۔ یارب وہ بیخود و خراب (بدمست) کہاں ہے؀

(۴) شراب شرابخانہ میں مجلس کے گرد دورہ کرتی ہوئی پوچھتی پھرتی ہے کہ شراب کہاں ہے؟

(۵) اپنا یارِ مطلوب حالانکہ بے نقاب پھرتا ہے۔ لیکن پھر پوچھتا ہے کہ وہ بے نقاب کہاں ہے؀

(۶) جب تمام آدمی کام کرتے ہیں۔ اور ہاتھ پاؤں ہلاتے ہیں تو میں بیکار رہتا ہوں کیونکہ منبع حرکت میں ہی ہوں یعنی تمام عالم مجھ ہی سے متحرک ہے اور میں ہی سب کا منبع حرکت ہوں؛

(۷) میں اپنے سے باہر کہاں کودوں! اور بتلاؤ کہ میں کہاں حرکت کروں اور کس لئے کوئی کام کروں۔ کیونکہ تمام مطلب اور مقصدوں کی جان میں ہی ہوں۔

ع آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند

ابنکاری وہ ہے جو عُہدہ سے۔ خاندان سے۔ روپیہ سے۔ علم سے یا چمڑے کی رنگت سے یا درجہ سے پھٹی پُرانی بڑائی کی خلعت اُدھار مانگ کر پہن رہا ہو اور اُس پر نازاں ہو۔ یعنی ہو تو دراصل غیر سے بھیک مانگنے والا پر اپنے حقیقی افلاس کو باعثِ عزت خیال کر بیٹھا ہو۔ فرعون اور نمرود نے خدائی دعویٰ کیا تھا۔ کُفر اور بُھول کے باوجود وہ مبارک تھے کہ ایک دفعہ کلامِ عظیم "انا الحق" تو بول اُٹھے۔ اُن کا کُفر اور بُھول فقط یہ تھا کہ اُنہوں نے اپنی ذاتِ پاک کو الزام لگایا۔ اپنے تئیں محدود بنایا۔ اپنے آپ کو "وحدہ لاشریک" نہ جانا۔ حقیقی منزلت کو نہ پہچانا۔ اپنا شریک ایک دوسرا خدا فرض کر کے اُس کی نقل اُتارنا یا ہمسری کرنا چاہا۔ حقیقی کبریائی کو چھوڑ کر بناوٹی تکبر اختیار کیا۔ جسمانیت میں پھنسے۔ پاؤں کے جُوتے کو سر پر چڑھایا۔ اپنے پیروں آپ کُلہاڑا مارا۔ اور خود بخود مُشرک و مُلحد بنے۔ لیکن رام جو خود گلوں کا تنفس (شمیم) گُرُخوں میں پران کا دم پھُونکنے والا اور منصور کو سردار اور ناصر بنانے والا ہے پس رام کو کیا ضرورت ہے۔ کہ وہ اپنی ذاتی شانِ کبریائی اور جلال کو چھوڑ کر گدیہ گری یعنی تکبر اور انانیت اختیار کرے۔[1]

[1] نمرود شُد مردود چوں ؛ بودش نگہ محدود چوں
ما را تکبر کے سزد ؛ چوں کبریا ہر جا ستم

(۴) یہ دیوانگی نہ ہو؟

بجانب اکثر اہلِ عقل یہ شکایت سُننے میں آئی۔ کہ رام کو مرضِ مالیخولیا ہو گیا

---

[1] نمرود کیوں ذلیل ہوا؟ اس لیے کہ اُسکی نگاہ محدود تھی۔ ہمیں ایسا تکبر کب زیب دیتا ہے کیونکہ میں ہر جگہ کبریا ہوں ۔ بھلا مجھے تکبر کیوں ہو جبکہ ہر جگہ میں ہی سب سے بڑا ہوں۔

مخبوط الحواس ہو چلا ہے؛ زمانہ حال کے منطقیوں کا سردار ہے۔ ایس مِل
لکھتا ہے۔ کہ دو اُمور میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا صرف اُس شخص
کو حق ہوتا ہے جو ہر دو واقعات سے بخوبی آگاہ ہو۔ صرف ایک ہی پہلو سے
باخبر دونوں کا مقابلہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اَے معقلتانِ مِل و ڈیوڈ ہیوم
Mill، David Hume! یعنی اہلِ عقل و منطق! کیا تم نے کبھی اس دیوانگی
کا مزا چکھا۔ اس پاگل پن کا تجربہ کیا؟ اس سَودا کا سودا لیا؟ کبھی نہیں۔

دل کے جانے کی خبر عاقل کی کیا جانے بلا
کس طرح جاتا ہے دل بیدل سے پوچھا چاہیئے

پس تمہیں کوئی اختیار نہیں۔ اِس مبارک دیوانگی پر حرف رکھنے کا۔ اے آنند
(ecstaey بیخودی) پر شیدا لوگو! جاؤ شراب تمہیں یاد کر رہا ہے
سرود و سماع بُلا رہا ہے: لذیذ کھانے تیّار پڑے ہیں۔ حسین عورتیں منتظر
کھڑی ہیں۔ جاؤ؛ پر سُنو تو سہی۔ حسینوں میں۔ سرود و سماع میں۔ شراب و کباب
میں۔ یا دیگر دلچسپیوں میں وہ کیا ہے۔ جو تمہیں رات دن اپنا غلام بنائے رکھتی
ہے؟ عزیزو! وہ رام کے دیوانہ پن کی ذراسی جھلک ہے۔ اور بس۔
تمہیں شرم نہیں آتی۔ کیکر کے بھوت (شراب) سے مصنوعی مستی (دیوانہ پن) اُدھار مانگتے ہو۔ لمحہ بھر کی لذت بیخودی (دیوانہ پن) کی خاطر لہو ہاڑ چام
کے وارے نیارے جاتے ہو۔ ذلیل و خوار ہوتے ہو۔ طرح طرح کے جھمیلوں
میں گرفتار ہوتے ہو۔ آؤ! شاہنشاہِ زماں کو جو مستی (دیوانہ پن) نصیب
نہیں ہے۔ رام مرحمت فرماتا ہے؛

رام:- ع دیوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

جام شراب وحدت والا ؛ پیا پی ہر دم رہ متوالا

پی میں واری۔ لاکے ڈیک[1]	اللہ شاہ رگ تھیں نزدیک
سُن سُن مُن ہے رام دو ہائی	بے انتا! کیوں انت ہو جائی
ذات پاک توں[2] لا نہ لیک[3]	اللہ شاہ رگ تھیں نزدیک

رو، رو کر روپیہ کو فراہم کرنا اور اُس سے جُدا ہوتے سمے پھر رونا۔ یہ روپیہ کے پیچھے پاگل بننا نامناسب ہے۔ اپنی دولتِ ذات کو سنبھالو۔ بات بات میں "لوگ کیا کہیں گے"؟ ہائے! "فلاں صاحب کیا کہیگا"؟ اس سہم سے سوکھتے جانا۔ اوروں کی آنکھوں سے ہر بات کا اندازہ لگانا صرف پبلک کی عقل (رائے) سے سوچنا۔ ذاتی آنکھ اور ذاتی ادراک کو کھو کر سراسیمہ اور پاگل بننا ناروا ہے۔ مٹاؤ غیریت کا نام ونشان۔ اور اپنے تئیں بحال کرو۔

کلاک کے پنڈولم کی مانند رنج و راحت کے مابین متزلزل بتذبذب رہنا ہر اساں کردینے والا پاگل پن ہے۔ اسے جانے دو۔ اپنے اکال سروپ میں قیام (ستھتی) ہونے دو۔

ہاں! رام دیوانہ ہے۔ یعنی عقل سے پرے اُسکا مقام ہے۔ بیفائدہ جگت پڑا بھنا اور اُس میں خودگم ہوجانا۔ ایسی حرکات دیوانوں کا کام نہیں تو اور کسکا ہے۔

۵۴　دیوانہ ام دیوانہ ام باعقل وہش بیگانہ ام
بیہودہ عالم می کنم ایں کردم ومن خاستم

سودائی نہیں۔ تُو سودائی (سو داؤ جاننے والا) ہے۔ پاگل نہیں۔ پاگل (درمزوال تُو ہے)

(۱) ایک ساتھ۔ (۲) کو۔ (۳) بدنام مت کر۔

(۴) میں ایسا پاگل اور بے خود ہوں کہ عقل و ہوش سے واسطہ نہیں رکھتا۔ بے فائدہ میں اس جہان کو پیدا کرتا ہوں اور پیدا کرتے ہی اس سے علیحدہ ہوجاتا ہوں۔

میراں رام کی دوائی دُنیا باوری کہے:

ہوش و خرد سے ہم کو سروکار کچھ نہیں
ان دونوں صاحبوں کو ہمارا سلام ہو

(۱) گر طبیب را رسد زیں سان جنوں
دفترِ طب را فرو شوید بہ خوں

(۲) جنونے گو کہ از قیدِ خرد بیروں کشم پا را
کنم زنجیرِ پائے خویشتن دامانِ صحرا را

راگ جوگ۔ تال تین

آمدے مقام اُتے آ میرے پیاریا! ڈیک،

پاگل اصلی پاگل ہو جا — مست الست صفا میرے پیاریا!
ظاہر صورت دَولا مولا — باطن خاص خدا میرے پیاریا!
پُستک پوتھی سُٹ گنگا وِچ — دَم دَم الکھ جگا میرے پیاریا!
میلی ٹوپی لاہ دے سِر توں — رُنڈ مُنڈ ہو جا میرے پیاریا!
عزت پھوکی پھوک دُنی دی — آک دھتورا کھا میرے پیاریا!
جھگڑے جھیڑے فیصل تیرے — لیکھا پاک چکا میرے پیاریا!
پردے پھاڑ دوئی دے سارے — ایکو ایک کھا میرے پیاریا!
آپے بُھل بُھلاویں آپے — آپے بنیں خدا میرے پیاریا!
جگ وِچ تیرا پیارا لیٹے — کھول تنی گل لا میرے پیاریا!

(۱) اگر حکیم کو اس قسم کے جنون سے واسطہ پڑے تو وہ حکمت کے دفتر کو خون سے دھو ڈالے:
(۲) یہ وہ جنون ہے کہ جس کی وجہ سے میں عقل کی قید سے اپنے پاؤں کو باہر کر سکوں اور جنگل کے دامن کو اپنے پاؤں کی زنجیر بنا سکوں (یعنی دیوانہ ہو کر صحرا گردی کروں) (۳) راز دھسوں پھینک (۴) دنیا (۵) بھول۔

عملہ دل بہ استدلال بستم ماندم از مقصود دُور
نردبان کردم تصوّر راہِ ناہموار را
ٹیک عقل نقل نہیں چاہیئے ہم کو : پاگل پن درکار
ہمیں اک پاگل پن درکار
چھوڑ پوواڑے جھگڑے سارے + غوطہ وحدت اندر مار
ہمیں اک پاگل پن درکار
لاکھ اُپاؤ کرے پیارے + کدی نہ مِل سی یار
ہمیں اک پاگل پن درکار
بے خود ہو جا دیکھ تماشا + آپے خود دلدار
ہمیں اک پاگل پن درکار

آزادی

آزادی۔ آزادی۔ آزادی۔ ہائے لِبرٹی! ہائے فریڈم! بچوں کو ہفتہ کے دن گِننے کون سکھاتا ہے؟ چھٹی کا روز اِتوار۔ اُستاد وگ طلبا کو چھٹی دینے سے بظاہر انکار کیا کرتے ہیں۔ پر چھٹی کی لذّت کوئی اُن کے جی سے پُوچھے۔ دفتر والوں کے زرد چہروں پر کس شے کے نام سے رونق آتی ہے؟ تعطیل۔ تاریخ دنیا میں بڑے بڑے غدر اور جنگ و جدل کس بات کی خاطر ہوئے؟ آزادی۔ کروڑوں مخلوق کے لہو کے دریا کس بات پر بہے؟ آزادی۔ سب مذاہب بالعموم اور ہندو شاستر بالخصوص کس شمع پر اپنا تن من دھن پروانہ بنانا چاہتے ہیں۔ سنّیاسی سرتاپا ہر سِر مُو کس پر نثار کرتا

(۱) جب میں نے دل کو دلیل بازی میں لگایا۔ تو منزل مقصود دُور ہو گئی۔ اسلئے دھیان کو اس مشکل راستہ کے کاٹنے کا زینہ بنالیا۔
عملہ دیکھو صفحہ نوٹ۔ عملہ کبھی نہ ملیگا۔

ہر ؛ مکتی (نجات۔ Salvation جس کے لغوی معنی ہیں آزادی

....

(۱) بل بے آزادی ! خوشی کی روح اُمیدوں کی جان
بُلبلہ ساں دَم سے تیرے پیچ کھاتا ہے جہان

(۲) مُلک دُنیا کے ترے بس اک کرشمہ پر لڑے
خون کے دریا بہائے نام پر تیرے مرے

(۳) ہائے مکتی رستگاری ہائے آزادی نجات
مقصد جملہ مذاہب ہے فقط تیری ہی ذات

(۴) اُنگلیوں پر بچّے گنتے رہتے ہیں ہفتہ کے روز
کتنے دن کو آئے گا یکشنبہ آزادی فروز

(۵) رَم براندی کے مقید سچّی آزادی سے دور
ہو گئے نشّے پہ لٹو بہرِ آزادی سرور

(۶) صاحبو ! یہ نیند بھی میٹھی نہ لگتی اس قدر
قید تن سے دو گھڑی دیتی نہ آزادی اگر

(۷) قید میں پھنس کر تڑپتا مُرغ ہے حیران ہو
کاش ! آزادی ملے۔ تن کو نہیں تو جان کو

(۸) لمحہ جو لذّت مزے کا تھا وہ آزادی کا تھا
سچ کہیں لذّت مزا جو تھا وہ آزادی ہی تھا

---

(۹) کیا ہے آزادی : جہاں جب جیسا جی چاہے کریں
کھانا پینا عیش گُلچھرّوں میں سب دن کاٹ دیں

(۱۰) راگ شادی ناچ عشرت جلسے رنگا رنگ کے
بنگلے و باغات عالی سب... یورپین ڈھنگ کے
(۱۱) قطع ٹوپی کی نئی ۔ فیشن نرالا بوٹ کا
دلکش و بے داغ کھلتا بدن پر وہ سوٹ کا
(۱۲) دل کو رنگت جس کی بھائے شادی بے کھٹکے کریں
اھرم کی آئین چپکے طاق پر تہ کر دھریں
(۱۳) پھرتیں فیٹن کے آگے۔ کوچباں کا پوش پوش
ابلقوں کا بڑھ نکلنا۔ ہنہنانا۔ جوش جوش
(۱۴) کوٹ پہناتا ہی نوکر۔ جوتا پہنائے غلام
چڑھاتا باگ ہی آقا ئے جلد۔ سب ! نطفہ حرام
(۱۵) منھ میں غٹ غٹ سوڈا واٹر یا سگاروں کا دھواں
ضعف کی دل میں شکایت رام کی اب جا کہاں
(۱۶) کیا یہ آزادی ہی؟ باشے! یہ تو آزادی نہیں
گوشے چوگاں کی پریشانی ہی۔ آزادی نہیں
(۱۷) اسپ ہو آزاد و سرپٹ ۔ قید ہوتا ہی سوار
اسپ ہو مطلق عناں۔ حیران روتا ہی سوار
(۱۸) اندریوں کے گھوڑے چھوٹے باگ ڈوری توڑ کر
وہ مرا وہ گر پڑا اسوار سر منھ پھوڑ کر
(۱۹) تازی توسن تند خو پر دست دیا جکڑے کرے
لے اڑا گھوڑا اسے زیبا جان کے لالے پڑے
(۲۰) جان من آزاد کرنا چاہتے ہو آپ کو

کر رہے آزاد کیوں ہو آستیں کے سانپ کو

(۲۱) ہاں وہ ہی آزاد جو قادر ہی دل پر جسم پہ
جس کا من قابو میں ہی قدرت ہی شکل و اسم پہ

(۲۲) گیان سے ملتی ہی آزادی یہ راحت سربسر
وار کر پھینکوں مَیں اس پہ دو جہاں کا مال و زر

٭

۵ آزادہ ام آزادہ ام از رنج دُور اُفتادہ ام
از عشوۂ زالِ جہاں آزادہ ام بالا ستم

حاشیہ متعلقہ شعر ۱۹:۔۔۔۔۔۔ سے ئے زپا کی سزا:

تیزی اور تندی کا پتلا آفت کا پرکالا ایک گھوڑا جس پر ابھی زین نہیں ڈالا تھا۔ گھوڑوں کے جنگل میں سے منتخب کرکے لایا گیا۔ اس پر سے ئے زپا کو سوار کرکے ہاتھ پاؤں نہایت مضبوط کس دیے گئے کہ گرنے نہ پائے اور پھر اس سراپا بلا گھوڑے کو سخت چابک مار کر کڑوا کریلا نیم چڑھا کا غضب ڈھایا چھوڑ دیا۔ برق رفتار گھوڑا ئے زپا کرے اُڑا۔ ندی نالے چیر گیا۔ خندقیں پھاند گیا۔ دیواروں پر سے کود گیا۔ چل چل چل۔ چلا چل۔ ریگستان گزر گیا۔ کڑی منزلیں آن کی آن میں کاٹ گیا۔ آناً فاناً کہیں کا کہیں جا نکلا۔ سوار بیچارا شامت کا مارا بیتاب ہو رہا ہی۔ کبھی سر دائیں کو اُچھل اُچھل پڑ رہا ہی۔ کبھی بائیں کو۔ کبھی آگے کے رُخ۔ کبھی پیچھے کی جانب۔ الٰہی! یہ کیسی سواری ہی! دشمن کے بھی نصیب نہ ہو۔ درختوں کی رگڑ سے بدن چھل گیا۔ کانٹوں سے جسم چھلنی ہو گیا۔

---

(۱) میں آزاد ہوں۔ میں آزاد ہوں۔ رنج و غم سے دور پڑا ہوں۔ جہان رُوپی بُڑھیا کے ناز و نخرے سے آزاد اور برطرف ہوں۔

گھوڑے کی طرح منہ سے جھاگ چھٹ گئی۔ بدن پر لہو کا پسینہ جاری ہوگیا۔ الٰہی! اس سفر کا خاتمہ بھی کہیں ہوگا؟ اور منزل مقصود کیا ہے؟ پھوٹ گئی قسمت ؛

خون روتا ہے جگر یہ دیکھ آزادی تری
ہائے رے زیبا! یہ آزادی ہے بربادی تری

حاشیہ دوم:۔ ایک ضیافت میں بچوں کو دیکھا کہ منہ میں ڈالنے کی بجائے مٹھائیاں جیب میں ٹھونس رہے تھے۔ ایک ظریف بولا۔ عزیزو! لباس کے جیب میں پڑی ہوئی مٹھائی مزا نہیں دیگی۔ نہ بھوک ہٹائے گی؛ مٹھائی کو پیٹ کے تھیلے میں بھرو؛

کون مٹھائی یا نعمت ہے جو آزادی سے بڑھ کر لذیذ ہے۔ عزیزو! یہ شیرینی جسم روپی لباس کے جیب میں بھری ہوئی اشتہا کو ہرگز نہیں ہٹانے کی؛ اس کو اپنے حقیقی تھیلے میں بھرو؛ گھوڑے کی آزادی سے آپ کو (جو کہ سوار ہو) قید حاصل ہوگی؛

حاشیہ سوم:۔ ایک پٹھان کے لڑکے کو کسی بات پر استاد نے بہت جھڑکا خان زادہ نے آنکھیں لال کرکے جھٹ تلوار نکالی۔ مولوی صاحب کے اوسان خطا ہو گئے۔ آگے آگے وہ دوڑے؛ ننگی تلوار ہاتھ میں لئے خان زادہ تعقب کرنے لگا؛ اتنے میں بڑے خان صاحب اتفاق سے موقع پر تشریف لے آئے۔ دور ہی سے آواز کساۃ "او اخوند! اخوند! ٹھہریو۔ ٹھہریو۔ میرے لڑکے کا پہلا وار ہے۔ خالی نہ جائے" ؛ نوجوان! آزادی چاہتے ہو۔ پر بتاؤ تو سہی۔ آزادی تمہیں درکار ہے کہ تمہارے شاگرد رشید (نفس امارہ) کو؛ مانگنا اپنے لئے اور دینا غیر کو۔ تیرا ہاتھ کھلنے دو اسکا۔ تم ہی پر ہاتھ صاف کریگا؛ جذبات آزاد

ہونگے۔ تم گئے گزرے ۔

حاشیہ چہارم:۔ غدر ۱۸۵۷ء کے دنوں میں ایک نواب صاحب کے دولتخانہ پر باغی سپاہیوں نے حملہ کیا۔ مکان کا بڑا دروازہ اندر سے بند تھا۔ لیکن مکان کی پچھلی طرف ایک تنگ سی گلی میں ایک دریچہ کھلتا تھا۔ نواب صاحب کا پلنگ اُس دریچہ کے پاس بچھا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ باغیوں نے بڑا دروازہ توڑنا شروع کر دیا ہے۔ نواب صاحب کو جان بچانے کے لئے اس دریچہ سے کود کر بھاگ نکلنے کی سوجھی لیکن وہ نواب صاحب جن کے پیٹے دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ دھرے بغیر بگھی میں سوار ہونا اپنی شان کو بٹہ لگاتا تھا وہ آج خود بخود کود کیونکر جائیں۔ وہ نواب صاحب کے خیال میں پیدل چلنا دیا ہی زبون اور خلاف تہذیب تھا جیسے بندر کا اُچھلنا۔ وہ آج اپنے آپ بھاگ کیسے نکلیں ۔ خادم کو آواز دی ۔ "علیم! علیم! ارے جلد آ۔ ہمیں جوتا پہنا دے۔" جب کسی کی اپنی جان پر آبنتی ہے تو دوسرے کو بچانا بھول جاتا ہے۔ مارے ہول کے علیم کی نظروں میں باغیوں کی چمکتی ہوئی برچھیاں اور تلواریں پھر رہی تھیں۔ رنگ فق ہو رہا تھا۔

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

جب نواب صاحب نے بلایا تو دریچہ کو دیکھتے ہی علیم کو اپنے بچاؤ کی صورت نظر پڑ گئی ۔ جوتا تو نواب صاحب کو پہنایا نہیں۔ سیدھا دریچہ کے پاس چلا گیا اور کود کر چھٹ پار۔ وہ گیا وہ گیا ۔ نواب صاحب گالیوں کا جھاڑ باندھتے ہی رہ گئے پھر دوسرے خادم کو بلایا "کلیم! کلیم! ابے تو تو۔ ابو۔ الو جوتنا۔ جوتا!" کلیم آیا۔ ایسی مصیبت کے وقت جوتا کون پہناتا۔ کلیم بھی جھٹ دریچہ میں سے کود کر چلتا بنا ۔ تیسرے خادم سلیم کو بلا کر منت سے کہا کہ ذرا

جوتا پہنا دو۔ اتنے میں بڑا دروازہ آدھا ٹوٹ چکا تھا۔ سلیم میاں کے ہاتھ پاؤں پھول سے گئے۔ اُس نے سُنا ہی نہیں کہ نواب صاحب نے کیا حکم دیا ہے۔ بلبلی میں دریچہ سے کُودا اور بھاگا۔ ہائے مصیبت! ملنگے اندر گھس آئے۔ نواب صاحب کی جان کی خیر نہیں۔

صاحبان! انصاف سے بتانا کہ غلامئے فیشن جو جوتا پہننا ہی تو کیا بات بات میں اوروں کا محتاج بناتی ہے کیا یہ امیری ہے؟ ایسے نواب صاحب مالک یا آقا تھے کہ نوکروں کے نوکر (dependant.) دوہائی ہے۔ اس قید آزادی نا کے ہاتھوں دوہائی ہے! جو شخص اودیا (جہل) کے داؤں پیچ میں پھنس کر اس محتاد کی متلون مزاجیوں (freaks) کو پورا کرنے کے پیچھے پڑتا ہے۔ اُسے یہ عورتنا پیچ کھاتی ہے۔ وہ آزادی کا دعویٰ کرنے کا مستحق نہیں۔

حاشیہ پنجم:۔ بیدانت شاستر پڑھنے بیٹھے۔ جماہیوں پر جماہیاں آنی شروع ہوگئیں۔ دل غمگین کہیں جاتا ہے کبھی کہیں۔ توجہ لگتی ہی نہیں۔ طبیعت بے بس ہے۔ مَن روپی گھوڑا یا خادم اختیار میں نہیں۔ اُسے کہا جاتا ہے گر یہ کام سُنتا ہی نہیں۔ ایسا پُرش مالک خود مختار یا آزاد کہلا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں جس کے اپنے گھر ہی میں اختیار نہیں چلتا وہ خود مختار خاک ہوگا۔

حاشیہ ششم:۔ سہ گانہ قیودِ نفسانی مکانی و زمانی (دیش کال وستو) میں اسیر۔ یعنی علم ذات سے بے بہرہ۔ آتم گیان سے خالی پرش کبھی آزادی کا لطف اُٹھا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تین جیلخانوں میں قید آزادی کا دم بھرنے کا کبھی مجاز ہے؟

حاشیہ ہفتم:۔ آزاد وہی ہے۔ جو دیش کال وستو سے مکت ہے۔

"سوامی" وہی ہے۔ جو صاحب دل ہے۔ شاہنشاہ وہی ہے۔ جو سوراٹ (स्वराट) ہے۔ گنگا بلا جتن خود بخود شیتل رہتی ہے۔ سورج ہمیشہ پرکاش ہی کرے گا۔ کبھی تاریکی نہیں کر سکتا۔ اس طرح شم۔ یم۔ دم جس کے سوبھاو میں داخل ہو گئے ہیں وہ آزاد ہے۔

حاشیہ ہشتم۔ **سوال:۔** نیچرل (قدرتی) دَہن کو روکنا قانونِ قدرت کو توڑنا ہے۔ کیا گناہ نہیں ہے؟ جس کو تم آزادی کہہ رہے ہو یہ تو اُلٹی گنگا بہانا ہے۔ گناہ ہے۔

جواب:۔ بیشک سچی آزادی۔ گنگا کے منبع کی جانب عُروج کرنا ہی ہے۔ (ऊर्ध्व रेतस) اُوردھ ریتم) ہونا اور تمھارے قانونِ قدرت کو توڑنا ہی ہے۔ اگر قانون کی پابندی (قید) رہی تو آزادی کیسی؟

خواہشیں جذبات وَلوَلے نیچرل ہیں کیا؟ ذرا غور تو کرو لفظ نیچرل کا اطلاق اس جگہ کن معنوں میں ہُوا ہے۔ ریل کی سڑک پر دھکّا کھا کر ٹرالی کا ہَوا کی طرح اُڑتے جانا نیچرل ہے۔ کیوں؟ انرشیا (inertia) یعنی جڑتا۔ چوگان کی چوٹ کھا کر گیند کا لُڑھکتے جانا نیچرل ہے۔ کیوں؟ انرشیا (inertia.) یعنی جڑتا۔ ٹھیک اسی طرح درندوں چرندوں حیوانات کے جسموں سے صعود (ایوولیوشن) کرتا ہُوا پُرش جب انسانی جامہ پہنتا ہے تو اس پر حیوانی خواہشات اور ولولوں کا جذبہ اور غلبہ ہوتا نیچرل ہے۔ آخر کیوں؟ پُرانا انرشیا (inertia.) جڑتا۔ پر انسان کی فضیلت (اشرف المخلوقات ہونا) کس بات میں ہے؟ صرف اس میں کہ اُس کو (inertia.) جڑتا پر غالب آنے کی قُدرت حاصل ہے اور پچھلے دھکّے کے اثر کو زایل کرنے کی شکتی ہے۔ پس یاد رہے

(۱) شانتی (۲) حواسوں پر قابو (۳) دل پر قابو۔

کہ اپنے شیاکے نیچر پر غالب آنا ہی انسان کی انسانیت ہے۔ حیوانی نیچر پر غالب آنا نیچر سے باہر نہیں ہے۔ نیچرل ہے بلکہ انسان کا اعلیٰ ترنیچر (فطرت) ہے۔ اور جذبات خواہشات۔ حواس اور نفس پر قادر و مالک ہوتا نہ تو قانون قدرت کو توڑتا ہے۔ اور نہ گناہ ہی ہے۔ بلکہ حقیقی نیچر یا اصل فطرت ہرگز چین نہیں لینے دیگی جب تک اپنی ذات کو سچ مچ آزاد نہ کر لوگے اور نیچر سے برتر نہ ہو جاؤ گے۔

حاشیہ نمبر ۔۔ سفنکس (Sphinx.) یعنی بیتال کی کہانی یوروپ اور ایشیا میں تقریباً سب جگہ رائج ہے۔ یوگ باسشٹ میں ہندھیاچل کے بیتال کا ذکر آیا ہے۔ جس کے سوالوں کا جواب ہر راہرو کو دینا پڑیگا۔ صحیح صحیح جواب نہ دینے والے کی جان سلامت بچنی ناممکن ۔ اے رہروان منزل دُنیا! کیا تم جواب دیے بغیر پلا چھڑا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں ۔ بیتال ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا ہے وہ کھایا کہ کھایا۔ جواب دیئے بغیر چھٹکارا ہو سکتا ہے کیا؟ کبھی نہیں ۔ وہ جواب طلب سوال دو لفظوں میں یہ ہے۔ آزادی کیا ہے؟ ہر کوئی اس سوال کا جواب دینے میں غلطاں و پیچاں ہے۔

نوٹ ۱۔ علم ریاضی جن لوگوں نے باقاعدہ نہیں پڑھا وہ ریاضی کے سوال ویسے ہی حل کرتے ہیں جیسے ننھے بچے اپنی بڑھی دادی کی پوچھی ہوئی دہپیتاں (بجھارتیں پہیلیاں) بوجھتے ہیں۔ یعنی منھ در آیا بول دیا سوچنا سمجھنا خاک نہیں۔

ایک شخص نے اپنے بنک والے روپوں کا دسواں حصّہ دھرم ارتھ خرچ کر دیا۔ تیسرا حصّہ ایک جگہ چندہ دیا (خطاب راے بہادر کے لالچ میں)۔ ساتواں حصہ بیٹی کے بیاہ پر ناچ تماشے میں صرف کر دیا۔ باقی روپوں

کی زمین خریدی یہ آراضی ۱۸۰۰ روپیہ کی ہے۔ اس کی کُل جائداد بتاؤ۔

بے علم لوگوں کا طریقِ حل یہ ہے:-

فرض کرو کہ جواب دو ہزار ہے۔ اُس سے شرائطِ سوال پوری کرتے ہوئے باقی ۱۸۰۰ نہیں بچے۔ اسے چھوڑو۔ اب ڈھائی ہزار جواب فرض کیا اس سے بھی شرائط پوری نہیں ہوتیں۔ فرض کرو تین ہزار جواب ہے۔ اس سے بھی نہیں بنتی۔ علیٰ ہذا القیاس۔ کبھی کچھ فرض کیا کبھی کچھ۔ خوش قسمتی سے جواب ٹھیک ... آ گیا تو خیر۔ نہیں تو اندھوں کی طرح لاٹھی سے رستہ ٹٹولتے ٹٹولتے جنگل میں رات کر دینا تو کہیں گیا ہی نہیں ۔

بیج تر زمین میں پڑا ہے۔ اوپر پتھر آ گیا۔ اُگتے وقت ننھا پودا کس پہلو کو جھکے گا؟ یقین اُس رُخ کو بڑھے گا جدھر نزدیک سے نزدیک رستہ روشنی (آزادی) کو ہو۔ بیج کے روپ میں پُرش نے سفنکس کے سوال آزادی کا ایسا جواب عملی طور پر دیا ہے۔

کسی شے کو ایک حالت میں قرار نہیں۔ ہر چیز متواتر تغیر پذیر ہے۔ اپنی پہلی حالت سے بھاگتی جاتی ہے۔ موجودہ شکل و اسم سے آزاد ہوا چاہتی ہے۔ بیتال کا سوال حل کرنے میں لگی ہے۔

ہر لحظہ ہر ساعت بہ ہر دم بجز دِگر گُوں می شود احوالِ عالم

بیتال کا سوال اس طرح تعقب میں پڑا ہے جیسے چڑیا کے تعقب میں باز۔ پر ہائے ایک غلطی سے نکلنے نہیں پاتے کہ دوسری غلطی میں گر جاتے ہیں۔ صحیح جواب تو ایک ہی ہو سکتا ہے۔ غلط جوابوں کی کچھ حد نہیں۔ توبے سے اُترے چولہے میں پڑے والا معاملہ ہو رہا ہے۔ ٹھیک جواب اسم و شکل کی قلمرو میں کہیں نہیں۔ اسی لیئے اسم و شکل کے دائرہ میں قرار و قیام امن و آرام

ختا ہو۔

کائنات میں (Struggle for existence.) جنگ و جدل جدّو جہد کے کیا معنی ہیں؟ ایوولیوشن میں درجہ بڑھنے سے رکاوٹیں دور ہوں۔ آزادی ملے۔ کیا اس دوڑ بازی کے چکر میں کہیں بھی کوئی جہد برائے زندگی نہیں۔ بلکہ جہد "برائے آزادی" سے کنارہ کشی کر سکنے کا جواز ہو؟ سائینس نے دکھا دیا کہ سورج کا تاریکی پھیلانا اور گنگا کا گرمی کرنا شاید ممکن ہو۔ لیکن جہد برائے آزادی میں شریک نہ ہونے والے کا بچاؤ خواب میں بھی ممکن نہیں۔ سست پیروں تلے روندا جائے گا۔ نکما جوتوں تلے کچلا جائے گا۔ خالی تموگن والا نہیں بچ سکتا۔

(He is not fit to survive.)

یہ قانون قدرت ہو۔ سب پاپوں کی جڑ کیا ہو؟ سستی۔ نکاہل (جس کو ہندو شاستر تموگن نام دیتے ہیں) کا اہل بیتال کا جواب دینے سے صاف انکار کرتا ہو۔ بیتال اُسے کھا جائے گا۔

ایوولیوشن کے زینے پر جل کا یار (پُرش)، چڑھتے چڑھتے جامۂ انسانی میں آکر آزادی کی خاطر کہاں کہاں ٹکریں نہیں مارتا۔ کیسی کیسی ٹھوکریں نہیں کھاتا۔ وہ جو عیش و عشرت میں پڑگیا یا سستی میں گرگیا اُسکا گوشت و خون تو بیتال کی بھوک پیاس کے کام آیا۔ مرا۔ تباہ ہوا۔ ایسوں کو چھوڑکر اُن انسانوں کی حالت پر ایک نگاہ ڈالیئے جو آزادی کی جستجو میں ہمت نہیں ہار بیٹھے۔ جدوجہد اور محنت چھوڑ نہیں بیٹھے۔ یوسف جب مصر میں بکنے لگا تو ایک بڑھیا نے بہت آگے بڑھ کر نیلام کی بولی دی۔ اور (اپنی جائداد) آدھ پاؤ روئی کو بڑے اشتیاق سے بطور قیمت پیش کیا۔ شاباش! بڑھیا۔ شاباش! آدھ پاؤ روئی سے یوسف تو نہ ملا۔

لیکن حضرت یوسف کے خریداروں میں تو نام پایا! غلامانِ فیشن آزادی کے گاہکوں میں تو شمار ہوئے۔ آزادی تو بھلا کیا ملنی تھی! عام دُنیادار آزادی یعنی وہ حالت جہاں کوئی دباؤ سر پر نہ ہو۔ بڑائی۔ بزرگی۔ عظمت، کے لئے جائز یا ناجائز طریق پر کوہکن کی طرح تیشہ چلائے جاتے ہیں؛ بڑائی۔ بزرگی۔ عظمت (آزادی) کچھ ایسی شیریں ہے کہ اُس کی بدولت کون ہے۔جس کی زندگی تلخ نہیں ہو رہی!

وعظ۔ پرچار اور لیکچر کے موقع پر عموماً یہ آواز سُنائی دیا کرتی ہے:۔"ارے بھائیو! عاجزی۔ عاجزی۔ عاجزی۔ غریبی اور انکساری اختیار کرو۔ داس بنو۔ داس بنو۔ بڑائی کی خواہش ترک کرو وغیرہ"؛ یا بندگی گاہوں میں اس قسم کے ترانے البتہ سُنائی دیتے ہیں "میں غلام۔ میں غلام۔ میں غلام تیرا۔ تُو دیوان۔ تو دیوان تو دیوان میرا"؛

"ہم کو نوکر راکھو جی۔ ہم کو نوکر راکھو جی" وغیرہ۔

{معترضہ۔ مسئلہ کرم کے مطابق یہ غلامی کے سنسکار پھل دیئے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتے۔ اب پرمیشور اپنے نراکار روپ میں غلام کیسے رکھے یا اپنے پتھر یا مجر کی مورتی سے کیسے نوکر رکھے۔ لیکن یہ داس پن (غلامی) کے سنسکار بھی پھل دیئے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتے؛ بس پرکاش سروپ جیوترے پرمیشور سفید چلکیلے گورے چٹے بدن دھارن کرکے انڈیا کو غلام بنا رہا ہے؛ }

لیکن جُڑے ہوئے ہاتھوں خمیدہ گردن اور نکالے ہوئے دانتوں کی سطح تلے گھر گھر میں دُکان دُکان میں ہر دفتر میں ہر چوک اور بازار میں کھانا کھاتے وقت سوتے وقت۔ چلتے پھرتے سمے یہ نیچرل ندا ہر ایک کے دل کی تہ سے لگاتار آتی رہتی ہے "بزرگی۔ بزرگی۔ بزرگی۔ ہائے۔ عظمت! ہائے بڑائی آزادی"؛

اس اندرونی آواز کو دبانے اور روکنے کی بیشمار کوششیں کی گئیں۔ لیکن اسکا دور دُوبالا ہی ہوتا گیا۔ گٹھیا کے پُرانے مرض کی طرح ایک جگہ سے نام کو مٹایا بھی گیا تو دوسری جگہ جھٹ پھُوٹ آیا۔ کیا سچ کہا ہے۔

Truth crushed to Earth shall rise again,

The eternal years of God are hers.

وہی بندے جو معبدوں میں سر رگڑ رگڑ کر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے تھے "میں داس۔ میں عاجز گنہگار پاپی۔ میں سب کا سیوک" وغیرہ۔ یہی پرمیشور کے ساتھ بنا بنا کر چکنی چُپڑی ابلہ فریب باتیں کرنے والے جب ذرا سُن پاتے ہیں۔ کہ فلاں شخص نے ہمیں کہہ دیا ہے "پاپی! نالائق" تو جھٹ آگ بگولہ ہو جاتے ہیں۔ تعجب ہے۔ وہ شخص جو ہرروز پرمیشور کے حضور مقدس عبادت گاہ میں پکار کر اقرار کر آیا ہے "میں عاجز نالائق۔ گنہگار" وہ اب بازار میں آنکر اپنے ہی اظہار سے چڑتا کیوں ہے۔ ہائے! پرمیشور کی بارگاہ میں جھوٹ بول آیا۔ گنگا جل (گنگاجل) اُٹھا کر ہی نہیں۔ گنگا جی میں سنان کرتے "وقت پاپی ہوں" "پاپ اعمال والا ہوں" "پاپ آتما ہوں وغیرہ" کہتے ہوئے کفر کا طوفان بہا لیا۔ کیا ایسا گندہ جھوٹ سزا دیئے بغیر ہی رہ جائے گا؟

یادووں نے ایک برہمن کے آگے جھوٹ بولا تھا۔ سچ کو چھُپایا تھا اور کا اور کرکے دکھایا تھا۔ آدمی کو حاملہ عورت بنایا تھا۔ نتیجہ کیا ہُوا؟ بعد میں یادووں نے ہرچند کوشش کی کہ سزا سے رہائی پائیں۔ لیکن کیونکر؟ اس سچ (برتن۔ باتی) کو ریت میں رگڑتے رگڑتے ملیا میل کرنا چاہا۔ اُس کو نیست و نابود

(۱) سچائی ہرچند کتنی دُھول ڈالی جائے۔ چاہے اُسے زمین میں خوب تو بادگاڑا جائے۔ وہ پھوٹے بغیر نہیں رہتی۔ ایشور کے سال مدام اسی کی خدمت کے لئے ہوتے ہیں۔

کرنے کا پورا پورا جتن کیا - لیکن

Truth crushed to Earth shall rise again,
The eternal ears of God are hers.

सत्यमेव जयते नानृतम

وہی رگڑا ہوا سچ پھر اگا - اسی سچ نے یادوؤں کو تباہ کر دیا - نام مٹا دیا -
دوآرکا پر پانی پھر گیا - اسی سچ نے (سوفار) بن کر خود کرشن کے پیر کے
پدم سے آنکھ لڑائی اور ایسا پاؤں پڑا کر کرشن کہاں رہا؟ اس قدرتی صدائے
آزادی کو جو متواتر حق کی جانب سے آرہی ہے ہزاروں لیکچر - لاکھوں کتابیں -
کروڑوں سجدہ گاہیں عاجزی اور انکسار کے رونے سے نہیں دبا سکتیں ؛
یہ عقدہ فطرت کا بیتال (Sphinx.) پیش کرتا کبھی نہیں بھولے گا ؛
عاجزی - عاجزی کا نام لیکر جواب دینے سے انکار کرنے والا چاہ و پستی میں
گریگا نیز غلط جواب بھی رونے اور دانت پیسنے کا موجب ہوگا ؛
غلط جواب یہ - جو لوگ اہنکار (جسمانیت) کو لیکر بیرونی دباؤ سے آزاد
یعنی بڑا بننا چاہتے ہیں وہ فطرت کی اندرونی صدا کا غلط جواب دیتے ہیں ؛
بڑائی کے عام معنی کیا ہیں ؟ ممتاز ہونا - اپنے ہمجنسوں میں فرد ہو نکلنا -
ایسا رتبہ پانا کہ شریکوں کی تعداد بہت قلیل ہو جائے - جس قدر تعداد شریکوں
اور رقیبوں کی کم ہوگی دنیا میں اسی قدر بزرگی اور عظمت زیادہ گنی جائیگی
پس دنیا داروں کے ہاں بڑائی وہ ہے جو شریکوں کے احاطہ سے باہر
نکالے - لاشریک بنائے ؛ بارِ تفکرات سے رہائی دے - غیر کے کھٹکے سے
خلاصی دے - دوسرے کے ڈر سے آزادی دے - غیریت کا بوجھ اٹھادے

---

(۱) ستیہ (سچائی) کی ہمیشہ جیت ہوتی ہے انرت (جھوٹ) کی نہیں ؛

اب وہ اصحاب جو ادھر تو جسم اور اہنکار (little self.) (انانیت) سے محدود (پرچھن) ہو رہے ہیں و نیز اُدھر آزاد اور بڑا بننا چاہتے ہیں۔ ہمیشہ ناکامیاب رہیں گے۔ پچھتائیں گے ؛

"میں عالی خاندان کا ہوں" اس بات پر نازاں تھوڑے دنوں میں بھائی بندوں کو اپنے ایسا دیکھ کر پیچ و تاب کھاتا ہے۔ کیونکہ دیکھتا ہے کہ میں لاشریک نہیں۔ رقیب بہ کثرت موجود ہیں۔ سفنکس کا سوال (باشے آزادی) پھر تیر کی طرح چبھتا ہے ؛

برہم ودیا جس کے محل (دیوتاؤ) میں نہیں ہے۔ اس قسم کا ایک بڑا بھاری پنڈت کسی اور فاضل اجل پنڈت کا نام سن کر اگر علانیہ نندا کرنی شروع نہ کریگا تو جی میں ضرور ویسے ہی گھٹے گا جیسے پرائمری جماعت کا لڑکا اپنے سے ہشیار بڑے کو دیکھ کر دُکھ مانتا ہے۔ "میں تازہ ایم۔ اے ہوں" اس گھمنڈ پر مست کا ایک آدھ مہینہ میں جب نشہ اُترتا ہے تو دیکھتا ہے کہ میرے جیسے بلکہ مجھ سے اچھے سیکڑوں پڑے ہیں۔ میں بزرگ نہیں لاشریک نہیں ؛ (Sphinx.) کا سوال پھر آگ کی طرح جلاتا ہے ؛

آج یونیورسٹی کانووکیشن کا جلسہ ہے۔ چانسلر صاحب زیب انجمن ہیں۔ سب فیلو لوگ کرسیوں پر رونق افروز ہیں۔ تماشائی (Visitors) چاروں طرف سے نئے گریجویٹوں کی طرف انگلیاں اُٹھا رہے ہیں۔ تازہ بالغ فتوں جی میں جلا نوش ہو رہا ہے کہ چودہ پندرہ برس کی محنت کا آج پھل ملیگا۔ خوشی سے رخسارے پھول رہے ہیں (Gown) گون پھڑکاتا سرٹیفکیٹ لینے کی خاطر اُٹھا ہے۔ چانسلر صاحب کے سامنے مؤدب استادہ ہے۔ اس وقت چت برتی کیسی ایکاگر دیکھو، ہے ؛ اے گلشن اُمید کے نونہال! وہیں چانسلر صاحب کی تقریر سننے سے پیشتر رام کی رام

کہانی سے گوشِ ہوش مت موڑ ؛ پیارے! ادھر تو گردن سے لیکر پاؤں تک کالا سیاہ جامہ (جو ساری عمر میں ایک دن بھی تو کام نہیں آتا) پہن کر خنداں و خرّم ہو رہا ہے۔ اُدھر سفنکس تماشا دیکھ دیکھ کر ہنس رہا ہے کہ "سولہ برس گزار دیئے۔ لیکن میرے سوال کا ٹھیک جواب نہ دے سکا"۔ یہ گردن کا جھکنا، سرٹیفکیٹ کے لئے ہاتھ کا بڑھنا اور مؤدب سلام بول رہے ہیں کہ نوجوان ڈگری حاصل کر رہا ہے۔ سند لے رہا ہے انتخار پا رہا ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ ایک ہی عمل اِدھر نوجوان میں فخر بھر رہا ہے۔ اُدھر ڈگری عطا فرمانے والوں (فیلو آف یونیورسٹی) سے اُس کے کمتر اور کہتر ہونے کو صاف جتلا رہا ہے۔ اس وقت گریجویٹ کے زعم میں جو ترقیِ منزل ہے۔ وہی اُس کے ادنیٰ اور چھوٹے ہونے پر دال ہے؛ ڈگری لینا نہ تو صرف جیسیوں شریک (فیلو گریجویٹ) ساتھ دکھلا رہا ہے۔ بلکہ سیکڑوں بہت بڑے بڑوں (فیلو صاحبان) کے بھی ایک ساتھ درشن کرا رہا ہے۔ پس بی۔ اے کی بڑائی (یعنی لاشریک ہونا) چہ معنی؛ ٹھیک اس طرح دنیا دار جس بات میں کبھی عزت سمجھتا ہے اور فخر و ناز کرتا ہے دوسرے پہلو سے وہ بات ہمیشہ اس کی کسرِ شان پر دلالت کرتی ہے۔ دُنیا کا جیو رہ کر لاشریک (بزرگ اور آزاد) ہونا کسی صورت سے ممکن نہیں؛ پر کیا یہ فطرتی آرزو (آزادی اور بزرگی) انسان کے اندر مسخرا پن کی خاطر ہے صرف مخول بازی ہے۔ اور پوری ہونے کے لئے نہیں ہے؟ ایسا کیوں ہوگا۔ یہ قدرتی دُھن (آزاد اور بزرگ ہونے کی) یہ دُھن جو رات دن پیچھے لگی رہتی ہے پوری کیوں نہ ہوگی؟ ضرور پوری ہوگی؛ لیکن بہ حیثیتِ محدود جیو انسان کے اندر کی یہ آگ ہرگز ہرگز نہیں بُجھ سکتی؛

"میں سیٹھ ہوں" اس خیال میں مغرور جلدی ہی دیکھتا ہے کہ مجھ سے

زیادہ متمول لوگ موجود ہیں۔ ہائے اُن جیسا کب ہونگا۔ میں لاشریک نہیں بڑا نہیں۔ پھر سنگلس کا سوال آستانا ہے۔ بڑھتے بڑھتے فرض کرلو کہ دُنیا میں انگلینڈ کا راج پل گیا۔ پھر روس اور فرانس وغیرہ شریک سینہ میں کھٹکتے رہیں گے۔ بوروں کا خدشہ لگا رہے گا وغیرہ۔ رعایا کی نگاہ میں بڑے بن گئے۔ ماتحت راجاؤں کے قبلہ وکعبہ ہو گئے۔ لیکن گیان کے بغیر نجات میسر نہ ہوگی اور نہ ہوگی۔ واقعی بندگی اور آزادگی کوسوں دور رہے گی۔ ہزاروں بادشاہ جہان میں ہو گزرے ہیں۔ کیا سب کے سب آنند تھے؟ نہیں۔ جتنی جتنی کسی میں گیان کی جھلک تھی اتنا اتنا وہ آنند تھا۔

الغرض قوم درجہ اور رنگ (Caste, Colour and Creed.) کی بڑائی فی الواقع چھوٹائی ہے۔ "میں اعلیٰ قوم کا ہوں اس واسطے بڑا ہوں" رام کہتا ہے۔ پیارے اگر تم قوم کے سبب سے اعلیٰ (لاشریک) بنا چاہتے ہو تو تم نہایت حقیر ہو۔ کیونکہ اس قوم کے ہزاروں آدمی تم جیسے اور موجود ہیں۔ کسی خاص قوم والا ہونا تو تمھارے بزرگ (لاشریک۔ آزاد) ہونے میں مانع ہے۔ یہ بیجا فخر میٹھی گاجروں کی طرح تمہیں ایک دن درد شکم لاحق کرے گا۔ بڑے بڑے شہروں میں جب دسہرہ کا میلہ ہوتا ہے تو راون والے میدان کے گرداگرد عموماً لوہے کا کانٹے دار تار لگا دیتے ہیں تاکہ بغیر ٹکٹ کے لوگ میدان کے اندر آنے نہ پائیں۔ اُس وقت تار کے چکر کے باہر اہل ہنود کا بھاری ہجوم ہوتا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا چلتا ہے۔ تماشائی لوگ تار کے گرداگرد پھرتے چلے جاتے ہیں۔ پیچھے سے دھکے پر دھکے ملتے ہیں۔ آگے بھیڑ کے باعث پیر ٹکانے کو جگہ نہیں ملتی۔ اس طرح پس پیا؟ میں بکرے بھوتے چکر میں گھومنے والا اگر مقام لا سے مقام حق تک چلا جائے تو بیشک

لا

۱
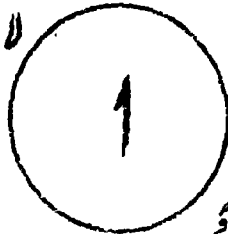
دُنیا کی نگاہ سے بہت ترقی کرتا ہو لیکن اُس
کی جان سے پوچھو کہ آیا مقام لاؔ کی نسبت
مقام عؔ پر دھکم دھکا سے کچھ کم کُچلا جا ی
رہا ہو کہ ویسا ہی؛ پیارے خواہ عؔ پر پہنچ جاؤ
خواہ تیؔ پر۔ خواہ پھر لاؔ پر آجاؤ جبتک چکّر میں رہوگے آگے پیچھے کے
دباؤ سے آزادی بالکل ناممکن ہو؛ ہاں ٹکٹ خریدنے پر میدان کے اندر آ
مرکز کو جا سکتے ہیں۔ وہاں کوئی دھکم دھکا نہیں ہو؛

دنیا میں مقام تیؔ والے (یعنی اعلیٰ ترین صاحب اقبال) کا دِل ویسا ہی
ڈانواں ڈول متذبذب اور دھکّے کھانے والا ہوتا ہو جیسے مقام لاؔ (یعنی ادنیٰ
ترین منزل) والے کا۔ دلے درد دکھ میں نالاں اہلِ زمانہ! اگر تم اپنے سے
دنیوی درجوں میں بڑے لوگوں کو دیکھ کر حسد و رشک کررہے ہو۔ تو باز آؤ
باز آؤ۔ درگزرو اس خیال سے؛ کیونکہ وہ لوگ جو ظاہر میں تم سے زیادہ
ذی اقبال ہیں اپنی بیرونی عزّت و دولت کی بدولت تم سے ذرا ذرّہ بھی
زیادہ سُکھی اور خوش نہیں ہیں۔ البتہ اگر اُن میں گیان کا ظہور زیادہ ہو
تو وہ زیادہ آنند ہونگے؛ اور اگر آپ کے اندر گیان زیادہ عمل میں آیا ہوا ہو
تو آپ زیادہ خوش ہونگے؛ دُنیا کا مال و جاہ حصولِ آنند میں کوئی جزو
(FACTOR) نہیں ہو وہ لوگ جو اپنے آپ کو جسم یا جسمانی مان
کو اپنے تئیں بزرگ و عظیم بنایا چاہتے ہیں اور اپنے گرد منقولہ وغیر منقولہ
مقبوضات کے ڈھیر لگا کر بڑا بننے کی اُمید رکھتے ہیں شروع ہی میں غلطی
کر گئے ہیں؛ صفر (۰) کو خواہ کہاں تک ضرب پڑے دیتا وہ صفر ہی
رہے گا؛ اس طریق پر عقدہ حل ہونے کا نہیں۔ عبث وقت کھو رہے

ہیں۔ آدم پاؤ رینان سے یسعت نہیں ملے گا۔ شانتی نہیں پراپت ہوگی ؛
جسمانیت میں پھنسے ہوئے شداد نے چاہا کہ تسیم دباغِ ارم، بناکر خدا کی طرح
(جو مجھ سے جدا ہی) عیش مناؤں گا ؛ ایسپ کی کہانی کے کتے والی مثل اُس
پر صادق آئی جو منھ میں مانس کا ٹکڑا لیئے ندی میں سے گذر رہا تھا۔
اپنے سائے کو اپنے سے جدا مان اُس سائے کے منھ والے مانس کو
چھیننے کے لیے پانی میں جھپٹا۔ اور اسی کشمکش کی بدولت ندی میں بہہ گیا؛
فٹ بال کا گیند اگر مقررہ جھنڈیوں (گول) سے پرے کی زمین میں بھی
چلا جائے لیکن جھنڈیوں کے بیچ سے گزر کر نہ جائے تو لا حاصل ہی۔ گیند کو
جھنڈیوں سے درلی طرف واپس لانا ہوگا اور پھر باقاعدہ جھنڈیوں کے بیچ
سے گزارنا ہوگا۔ ورنہ کچھ سدھرے گا نہیں ؛ اے شداد کی طرح (Little
self. (اہنکار) کو بڑا بنانے والوں! تم ناجائز طور پر جھنڈیوں کی پرلی زمین پر
جا رہے ہو۔ واپس ہٹو۔ ہٹو واپس۔ پیچھے کو مُنھ موڑو۔ حقیقی اپنے آپ کو
(آتما کو) ساکشات کار کرو۔ اور تم وہی خدا ہو۔ جس کی نقل اُڑانے کی کوشش
شداد نے کی تھی ؛

زر میں۔ زمین میں۔ اولاد میں۔ عزت میں اور سیکڑوں اشیائے دنیا میں
عظمت ڈھونڈنے والوں! تمہارے سیکڑوں جواب سب کے سب غلط ہیں۔
ایک ہی درست جواب جب ملیگا جب اہنکار کو چھوڑ۔ خیالِ جسم و جسمانیت
کو نفی کر اور دویت (غیر بینی) کو تیاگ کر حقیقی شان و تجلی کو سنبھالو
گے ؛ اسی طرح اور صرف اس طرح غیر کا نام نہیں رہنے پاتا۔ شریک کا
نشان نہیں باقی رہتا ؛ آزاد مُطلق۔ آزادِ مطلق ؛ وحدہ لاشریک۔ وحدہ لاشریک
درد دکھ کیا ہی؟ اشیاء کو محدود نگاہ سے دیکھنا ؛ اہنکار کے پہلو سے

اشیاء کو مشاہدہ کرنا۔ فقط اتنی ہی مصیبت دنیا میں ہی اور کوئی تمیں! اے اہل دُنیا! یقین کرو کہ رنج و غم فقط تمھارا ہی بنایا ہُوا ہی۔ ورنہ دراصل کوئی آفت عالم میں نہیں ÷

(Ludicrous Glass.) دخندہ آور شیشے میں سے جب بچے خوبصورت سے خوبصورت آدمی کو دیکھتے ہیں تو کیسا بھیانک اور ڈراؤنا روپ نظر آتا ہی۔ ٹھیک اس طور پر حالانکہ "ایشور سرشٹی" میں کوئی بھی امر تریوں بُرا یا عیب نہیں ہی۔ وہم اور اودیا کا "خندہ آور شیشہ" آنکھوں پر لگانے والے خوفناک "جیو سرشٹی" سے بچوں کی مانند ہراساں اور لرزاں پڑے ہوتے ہیں ÷

ساز سارنگی بجانے والے کی اُنگلی کبھی خطا نہیں کرتی۔ اول درجہ کا اُستاد ہی۔ غضب کی ارمونی harmony. (موافق سُریں) اُن اُنگلیوں سے نکل رہی ہیں۔ اگر تم کو discard. (کرخت آواز) سُنائی دے رہا ہی تو صرف یہی سبب ہی کہ تمھاری سارنگی کے تار ڈھیلے ہوں گے سارنگی کے کان (کھونٹی) مروڑو۔ تاریں کس دو۔ نغمۂ شیریں تو پہلے ہی سے ہورہا ہی۔ تمھارا کبھی کچھ بگاڑ ہو ہی نہیں سکتا۔ دُکھ درد کیوں؟

[1] گلشن گیتی ندارد غیر گل ÷ وہم خود بگزار خار این ست وبس

[2] نہ کچھ تیزی چلی باد صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اُسکی بنا کی

ایک نوجوان پر دیوتا پھولوں کی برشا کر رہے تھے۔ اندر اُسے بردان

---

[1] زمانہ کا باغ سوائے پھول کے اور کچھ نہیں رکھتا۔ اپنے وہم کو دور کر کیونکہ یہ وہم ہی کانٹا ہو اور کچھ نہیں۔

دے رہا تھا، یکایک ایسی دُھند سی چھا گئی کہ نوجوان کی نظروں سے دیوتا غائب ہو گئے۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی دائیں سے اُس کی چٹکی لے رہا ہے ایک بائیں سے اُس کا بازو مروڑ رہا ہے۔ ایک سامنے سے اُسے سُرخ آنکھیں دکھا رہا ہے۔ ایک پیچھے سے دھکیل رہا ہے۔ جب یہ خواب سا دُور ہوا تو باچھیں کھل گئیں۔ کوئی گُہر تھی نہ تاریکی۔ نہ کوئی دائیں بائیں سے چھیڑ خانی ہی تھی۔ وہی پھول برس رہے تھے اور اِندر کے سامنے پرتروں کی طرح اپنے تئیں بر لیتے ہوئے موجود پایا۔

اے چنتا اور فکر میں مستغرق صاحبان: ایشور سرشٹی میں تو آپ پر پھول ہی برس رہے ہیں۔ آندر بر ہی دے رہا ہے۔ لیکن اپنے توہمات کے بادلوں میں آپ گوناگوں مصائب پڑے سہتے ہو۔ اپنے تفکرات (چنتا) شوک کے خواب میں کچھ کا کچھ پڑے رہتے ہو۔

اس جیو سرشٹی کے موقوف کرتے ہی دیکھو گے کہ زمانہ کبھی بھی تمہارے مخالف نہیں ہوا۔ فلک ہرگز ناہنجار یا ستمگر نہیں۔ دَورِ چرخ چنبری تمہیں حقیقی آزادی دلانے کے درپے ہے۔

تمہارے آتم گیان سے یہ تفکرات و توہمات کی جیو سرشٹی کا خواب دُور ہوتا ہے۔ جیسے انگریزی راج کی بدولت قوم کا چمار جب امتحان مقابلہ پاس کر کے تحصیلدار ہو جاتا ہے تو وہ اپنے چمار پن کا کبھی نام بھی نہیں لیتا۔ چمڑے کے کام کو یاد بھی نہیں کرتا۔ اسی طرح برہم گیان کی بدولت حقیقی خُدائی پاتے ہی چمڑے کا نبھنے کا فکر و غم لاحاصل۔ اندیشے اور چنتا یا اناتم چنتن کی جیو سرشٹی ایک دم کافور ہو جاتے ہیں۔

اے حکمت کے چرخوں کے دیش والو! اے مہرشی کمارو!

در آں حالیکہ وہ تحصیلدار جو تمھارے خیال میں پُشتہا پُشت سے چار چلا آتا ہی چھڑا اگا نشٹنے (شو درپن) کے کام کو خواب میں بھی نہیں کرتا۔ تم تو اناد ی کال سے شنکر روپ چلے آتے ہو۔ سدا سے مُکتا ہو۔

[1] अजो नित्यं शाश्वतोऽयं पुराणः ।

تم کو کیا ضرورت پڑی ہی واہیات جیو سرشٹی بنانے کی؟

اناتم چنتن جھگڑے کا فکر و اندیشہ۔ اور رنج و غم چھوڑ دو۔ جیو سرشٹی کیوں بناتے ہو جبکہ ایشور سرشٹی تمھاری ہی ہی۔ صرف گیان کے پرکاش کی دیر ہی۔ رنج و غم دُکھ دَرد۔ پیڑ۔ بلا پاس نہیں پھڑک سکیں گے چیلنج بھیجتا ہی رام شوک جیسے کام لوبھ وغیرہ کو۔ کبھی مُنہ تو دِکھا جائیں۔

[2] آزادہ ام آزادہ ام از رنج دور افتادہ ام
از عشوۂ زالِ جہاں آزادہ ام بالاستم
[3] زالِ جہاں شنو سخن عشوۂ نازکی مکُن
دل بتو نیست مبتلا۔ تن تملا۔ تلا تلا

لیکن چیلنج دیلنج کیسا؟ شریک ہی ہی نہیں۔ غیر ہُوا ہی نہیں۔ چیلنج کس کو؟

---

(۱) یہ آتما بغیر جنم کے۔ دائمی۔ سناتن اور پُرانا ہی۔

(۲) میں آزاد ہوں۔ میں آزاد ہوں۔ رنج و غم سے دُور پڑا ہوں۔ جہان رُوپی بُڑھیا کے ناز و نخرے سے آزاد اور برطرف ہُوں۔

(۳) اے جہان رُوپی بُڑھیا! میری بات سُن۔ اور نخرے نخرے مت کر۔ میرا دل تیرے ساتھ پھنسا نہیں۔ تن تملا تا تلا یعنی میں تو انند رُوپی۔ سارنگی کے سُر میں مست ہُوں۔

لہ اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عارفاں ریزد ۔
شعاعِ ذات اندازیم و بنیادش براندازیم

سہ स्वप्नान्तं जागरितान्तं चोभौ येनानुपश्यति ।
महान्तं विभुमात्मानं मत्वा धीरो न शोचति ॥ کٹھ اپنشد

ترجمہ:۔ جس کے نور میں عالم خواب اور عالم بیداری نظر آتے ہیں۔ اس حقیقی اپنے آپ کو جو کُل شئے محیط نورِ کبریا ہی جانتے ہی عارف کے فکر و غم میں اُڑ جاتے ہیں؛

य इमं मध्वदं वेद आत्मानं जीवमन्तिकात् ।
ईशानं भूतभव्यस्य न ततो विजुगुप्सते ॥
एतद्वै तत् ॥ کٹھ اپنشد

ترجمہ:۔ اس شہد چش -نزدیک سے نزدیک اپنے آپ۔ ماضی و مستقبل کے مالک آتما کو جانتے ہی عارف کبھی سکڑتا نہیں دنیا کی تلاش نہیں کرتا۔ حیران نہیں ہوتا، یقیناً یہ وہی ہے"؛

यदेवेह तदमुत्र यदमुत्र तदन्विह ।
मृत्योः स मृत्युमाप्नोति य इह नानेव पश्यति ॥ کٹھ

"جو یہاں ہے یقیناً یہی وہاں ہے۔ نیز جو وہاں ہے وہی یہاں ہے اس مقام پر گویا اختلاف دیکھنے والا موت سے موت میں جاتا ہے"؛

ایک ہاتھ میں لذیذ مٹھائی اور دوسرے میں اشرفی بچے کو دکھا کر کہا جائے کہ ان دونوں میں سے کون سی ایک چیز تمہیں منظور ہے؛

---

(۱) اگر غم عارفوں کے خون بہانے کے لئے لشکر ڈالے۔ تو ہم اپنی ذات کا نور اس پر ڈالیں گے اور اس سے اُسکو جڑ سے اکھاڑ دیں گے؛

تو نادان بچہ مٹھائی کو پسند کریگا جو اُسی دم مزا دے جاتی ہو۔ یہ نہیں جانتا کہ اشرفی سے کس قدر مٹھائی مل سکتی ہو؛ یہی حال اُن دنیاداروں کا ہو جو اشرف بنانے والی سچی آزادی کی اشرفی کو چھوڑ کر جگنو کی چمک والی ناپائدار لذات کی مٹھائی قبول کر رہے ہیں؛

گوال پن کو چھوڑ کر اپنے پیدائشی حق (راج گدی) کو سنبھالنے کے لیے کرشن بھگوان کا کنس کو مارنا ازبس لازمی تھا؛ لیکن کنس تب مریگا جب کُبجا سیدھی ہوے گی؛ پان سُپاری چندن عطر عبیر وغیرہ لیے کنس کی سیوا کو کُبجا جا رہی ہو۔ راستے میں مہاراج سے بھینٹ ہو گئی۔ بانکے کے ساتھ کُبجا کی بول چال بھی نہایت ٹیڑھی تھی؛ ایک مُکّا جڑنے سے کُبڑی کی پُشت کوز رہت ہو گئی (کبڑی کو لات کاری آگئی)۔ نام تو کُبجا ہی رہا لیکن سیدھی ہو کر اپنے محسن کے چرنوں پر گری؛ اب کنس سے تعلق کیسا؟۔ پان سُپاری چندن عطر عبیر سے بھگوان کا پوجن کیا۔ اور اُنہیں کی ہو رہی؛ سیدھی کُبجا کو ہمدم و ہمراز بناتے ہی کرشن بھگوان کی کنس پر فتح ہو اور سوراجیہ (ورثہ) حاصل ہو۔ محسوسات کے تن جنگل کو چھوڑ کر سلطنت حقیقی (سوراجیہ) کو سنبھالنے کے لیے اہنکار (انانیت) روپی کنس کو مارنا ضرور ہو۔ ورنہ طرح طرح کی اذیتیں اور گوناگوں ظلم و ستم منجانب اہنکار (کنس) کہیں چین سے دم نہ لینے دینگے اہنکار (کنس) جب مریگا جب کُبجا سیدھی ہو کر کرشن (آتما) کی ہمراز ہو جائیگی؛ کُبجا کیا ہو؟ شردھا (یقین)؛ عوام الناس کے ہاں اُلٹی (کُبڑی) شردھا اہنکار کی سیوا میں دن رات لگی رہتی ہو؛ "مکان میرا ہو" اس روپ میں۔ "مال و زر میرا ہو" اس صورت میں۔ "زن و فرزند میرے ہیں" اس شکل میں۔ "جسم و عقل میرے ہیں" اس رنگ میں۔ اس قسم کے لباسوں میں ملبوس کرنے والی شردھا

کُبجا (ست یقین) ہر وقت اہنکار (جسمانیت) کو غذا اور تقویت دیتی رہتی ہے۔
جب تک یہ زمین دوز نگاہ والی شردھا سیدھی ہو کر آتما (کرشن) کے ہم پہلو اور
ہمکنار نہ ہووے گی۔ نہ تو کنس (اہنکار) مرے گا۔ اور نہ سوراجیہ ملے گا۔ مارو
زور کی لات (بیراگ) اس کُبجا کو۔ جڑ و بیکھ روپی منکا اس اُلٹے یقین کو
ا (الف) کی طرح سیدھی کر دو اس کبڑی شردھا کی کمر۔

ع قد الف پیدا کنم چوں راست پُشتِ نون کنم

اپنے اصلی سروپ (ذات مطلق) میں حق الیقین پیدا کرو۔ جسم وجسمانیت
کیسے؟ تم تو خاص خدا ہو۔

لہ گفتم شہا چندیں غنا داری و من در فاقہ ام
گفتا بیا۔ بگزر ز خود تا من ترا قاروں کنم

تم تو رام ہو۔ تم بن کچھ اور ہی بھی نہیں۔ میرا تیرا وغیرہ تعلقات کے کیا
معنی؟ شِوو ہم۔ شِوو ہم۔ شِوو ہم۔ شِوو ہم۔ شِوو ہم۔ اس طرح راست پُشتِ
کُبجا (تیھارتھ شردھا) کو ہمدم و ہم جان بناتے ہی کنس وَس کہاں رہ جائیں
گے۔ سُوراجیہ کے فی الفور حاصل ہونے میں کیا شک ہے؟ یہ شردھا کُبجا جب تک
اہنکار (کنس) کی خدمت میں ہے۔ کوز پُشت ہے یعنی مغالطہ اور وہم ہے۔ جو نہیں
آتما (کرشن) کی سیوا میں آئی۔ الف دار راست ہے۔ سرایۂ خوبی ہے۔ بلا کی حسین
(سُندری) ہے۔ اُسکو سدا ہم بغل رکھنے والا (آتم ابھیاس کرنے والا) آزاد ہے
اور صرف وہی آزاد ہے اور کوئی نہیں۔ اور کوئی نہیں۔ اس پُر تر شردھا۔
(حق الیقین) کے رفیق ہوتے ہی اندریوں (حواس) کے پاؤں جاؤ (دکتا کنل) ہو

(۱) میں نے بادشاہ سے کہا کہ آپ اتنے امیر ہیں اور میں بہت بھوکوں مرتا ہوں۔ اُس نے جواب دیا
آ۔ اپنی خودی سے درگذر تاکہ میں تجھ کو قاروں بنا دوں۔

ہو جاتے ہیں۔ بشر بکار دُور رہ جاتے ہیں۔ خواہشوں سے مفارقت ؛

ؔ چہ ناداں بود آں مجنوں کہ عاشق گشت بر لیلی
چو لیلی رفت از دستش پریشاں ماند در خیلی
عجب من شمس تبریزم کہ عاشق گشتہ ام بر خود
چو خود در خود نظر کردم ندیدم جز خدا در خود

سیدھی کیچا کا جادو منتر (سحر) فقط راستی ہی اور یہ منتر تو ایسا کارگر ہوتا ہی کہ گوپال پن (جسمانیت و نفسانیت) کے تعلقات اور رشتے ایکدم توڑ دیتا ہی۔ گوپیاں (آرزوئیں) جا تو کبھی تھیں ہی نہیں۔ بن جنگل سے کبھی واسطہ ہی نہ تھا۔ سدا سے راج ہی کرتے چلے آئے ہیں مہاراج ؛ گوپال پن ایک خواب سا تھا۔ گزر گیا۔ صحرا نوردی ایک ریلا سی تھی۔ بند ہو گئی؛ چھپنے بھوگ شکایت ہی کرتے رہ جائیں گے ؛

بیوفائی کیا کہوں میں شیام گُرو یار کی
ہم سے خاموشی کریں کیجا سے باتیں پیار کی

अहं वृक्षस्य रेरिवा । कीर्तिः पृष्ठं गिरेरिव ।
ऊर्ध्वपवित्रो वाजिनीवस्वमृतमस्मि ।
द्रविणं सवर्चसम् । सुमेधा अमृतोक्षितः ॥ (تیتریہ)

ترجمہ :- (سنسار روپی) شجر کا ہلانے والا میں ہوں۔ میری شُہرت پہاڑ

---

(۱) وہ مجنوں کیسا نادان نکلا جو لیلی کا عاشق ہوا۔ اور جب لیلی اُس کے ہاتھ سے جاتی رہی تو جنگل میں پریشان ہو کر پھرنے لگا۔ لیکن مجھ شمس تبریز کی عجیب حالت ہی کہ میں اپنے پر خود عاشق ہوں۔ جب اپنے اندر آپ نظر کی۔ تو سوائے خدا کے میں نے کچھ نہ پایا ؛

کی چوٹی کی مثال - میری اصل پوتر دپاک، ہو - میرا ہی امرت - جلال آفتاب میں ہو میں مہ شان دولت ہوں ؛ عقل کل زندہ جاوید اور لا زوال میں ہوں؛

اعتراض :- ایسے ہی بچار کا نام آتم چنتن اور برہم ابھیاس ہو تو اُسے انانیت اور خودستائی خود غرضی کہنا زیادہ موزوں ہوگا ؛ وہ آچاریہ بھی اچھے تھے جنھوں نے اس منتر کو برہم یگیہ کا مرتبہ دیا ؛

جواب :- یہ اعتراض صرف وہی عقلمند کریں گے جو اپنے آپ کو بھی نہیں جانتے ؛ بیدانت کی خودستائی دُنیا کی خود غرضی اور انانیت سے اُتنی ہی بعید ہو - جس قدر کہ بموجب بیدانت خود (آتما) جسم و عقل وغیرہ سے پرے ہو ؛ میرا حقیقی اپنا آپ وہ نہیں ہو جو تمہارے اپنے آپ سے جُدا ہو بلکہ میرا حقیقی اپنا آپ وہ ہو جو اُس سے جُدا ہو - جس کو عام لوگ "میرا اپنا آپ" کہتے ہیں ؛

جس کو اُوپر سنگس (بیتال) کا خطاب عطا فرمایا گیا ہو - یہ ایک قانونِ قدرت ہو - یہ قانونِ قدرت سب قوانین کی قید سے آزادی کی راہ دکھلاتا ہو ؛ یہ اٹل قانونِ قدرت سایہ کی طرح ہردم ساتھ رہتا ہو - اور جیسے بچے اپنے ہی سایہ سے ڈرتے اور بھاگتے ہیں - اسی طرح برہم ودیا سے عاری اصحاب اس بیتال کی بدولت طرح طرح کی تگ و تاز اور آوارہ گردی کرتے ہیں - گیان وان مہاتما جانتا ہو - کہ یہ قانونِ قدرت میرے ہی سروپ کی آزادی جتلاتا ہو ؛

آزادِ مطلق کی حالت

راگنی پڑھنس۔ تال دھمار

(۱) آزاده ام آزاده ام از رنج دُور افتاده ام
از عشوۂ زالِ جہاں آزاده ام بالاستم
(۲) تنہاستم تنہاستم چہ بوالعجب تنہاستم
جُز من نہ باشد ہیچ شئ۔ یکتاستم تنہاستم
(۳) چوں کار مردم می کنند از دست و پا حرکت کنند
بیکار ماندم۔ جائے حرکت ہم منم ہرجاستم
(۴) از خود کجا بیروں جہم۔ گو من کجا حرکت کنم
از بہر چہ کارے کنم۔ من روحِ مطلبہاستم

---

(۱) میں آزاد ہوں۔ میں آزاد ہوں اور رنج و غم سے دُور ہوں۔ جہان رُوپی بڑھیا کے نخرے و نخرے سے آزاد اور برطرف ہُوں۔

(۲) مَیں اکیلا ہوں!۔ میں اکیلا ہوں!! کیسے تعجب کی بات ہو کہ مَیں اکیلا ہوں۔ میرے سوا کسی چیز کی ہستی نہیں ہو۔ مَیں یکتا اور واحد مطلق ہوں۔ یعنی میں وہ یکتا وحدہ لاشریک ذاتِ مُطلق ہوں کہ میرے سوا کسی چیز کی حقیقی ہستی ہی نہیں ہو؛

(۳) جب تمام آدمی کام کرتے ہیں۔ اور ہاتھ پاؤں کو حرکت دیتے ہیں۔ تو مَیں بیکار رہتا ہوں۔ کیونکہ منبعِ حرکت میں ہوں۔ یعنی تمام عالم میرے ہی سے متحرک ہو اور میں ہی سب کا منبعِ حرکت ہوں؛

(۴) میں اپنے سے باہر کہاں جاؤں۔ اور بتلاؤ کہ مَیں کہاں حرکت کروں اور کس لیئے کوئی کام کروں۔ کیونکہ تمام مطلب اور مقصدوں کی جان مَیں ہی ہُوں؛

(۱) چہ مفلسم چہ مفلسم با خود نمی دارم جوے
انجم - جواہر - مہر - زر - جملہ منم یکتا ستم

(۲) دیوانہ ام دیوانہ ام با عقل و ہش بیگانہ ام
بیہودہ عالم می کنم ایں کردم و من خاستم

(۳) نمرود شد مردود چوں؟ بودش نگہ محدود چوں
مارا تکبر کے سزد چوں کبریا ہر جا ستم

(۴) طالب مکن توہین من در خانہ ات رام است ہیں
رو تافتی از من چرا؟ در قلب تو پیدا ستم

(۱) میں کیا مفلس ہوں۔ میں کیا مفلس ہوں!! کہ اپنے ساتھ ایک جَو بھی نہیں رکھتا ہوں۔ مگر ستارے جواہرات اور زر (سونا) اور آفتاب خود مَیں ہوں اور یکتا ہُوں ۔

(۲) میں ایسا پاگل اور بے خود ہوں کہ عقل و ہوش سے واسطہ نہیں رکھتا۔ بے فائدہ مَیں اس جہان کو پیدا کرتا ہُوں اور پیدا کرتے ہی اس سے علٰحدہ ہو جاتا ہوں ۔

(۳) نمرود کیوں ذلیل ہُوا؟ اس لیئے کہ اُس کی نگاہ محدود تھی ۔ ہمیں ایسا تکبر کب زیب دیتا ہی۔ کیونکہ مَیں کبریا (مَولا) کی طرح ہر جگہ سمایا ہُوا ہوں۔ بھلا مجھے تکبر کیوں ہو۔ جبکہ ہر جگہ مَیں ہی سب سے بڑا ہُوں ۔

(۴) اے طالب! میری توہین (بے عزّتی) نہ کر۔ دیکھ تیرے گھر میں رآم سمایا ہُوا ہی تو نے مجھ سے منہ کیوں پھیر لیا؟ مَیں تو تیرے قلب میں ظاہر ہوں یعنی دل کے اندر بیٹھا ہوا ہوں ۔

رام میدانوں میں

ایک جگہ سے شکایت بھرا خط آیا کہ رام نے بسار کیوں دیا ہے، اس کا جواب:۔

....

(۱) من آں طاقت کجا دارم کہ پیماں رانگاہ دارم
بیا اے ساقی و بشکن بیک پیمانہ پیمانم

کوئی کارڈ لفافہ پاس نہ تھا اور نہ کوئی پیسہ ویسہ ہی بچے تھا۔
ع درم و دام اپنے پاس کہاں ؛ چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

اس وقت اتفاق سے ایک کتاب میں سے دو ٹکٹ مل گئے۔ اور اُدھر آپ کا جواب طلب ضروری خط موصول ہوا۔ جواب لکھا گیا ہے؛ اسی طور پر دیگر کاروبار ہو ہوتے ہیں؛

آج لیمپ میں تیل نہیں۔ اور تیل منگانے کو دام بھی نہیں۔ پر ایسی باتوں سے یہ نتیجہ نہ نکال لینا کہ ہائے ہائے رام تنگ دست اور دکھیا ہے؛

تونگروں کو مبارک ہو شمع کافوری
قدم سے یار کے روشن غریب خانہ ہوا

پرکرتی رام کی ہزار جان سے خادمہ ہے۔ ہر لحظہ خدمت کرنے کی دھن میں رہتی ہے۔ آج لیمپ اس لیئے نہیں جلایا کہ مبادا رام سیر کو جانے سے رُک جائے۔ دن بھر پڑھتا رہا۔ اب پھر پڑھنے لکھنے لگ گیا تو صحت میں خلل

---

(۱) مجھ میں اتنی طاقت کہاں جو اپنے عہد پر قائم رہوں۔ اے ساقی (مُرشد) آ۔ اور ایک پیالہ (شراب معرفت) پلاکر میرے عہد کو توڑ دے یعنی گیان کی مستی کے آنے پر دنیا سے وابستگی جاتی رہے گی؛

آجائے گا۔

ع　عشق کے بیمار کو اللہ شفا کرے

آج رات دریا پر چاندنی کا لطف دکھایا چاہتی ہے۔

رام پرلے درجہ کی امیری اور بادشاہی کرتا ہے۔ جب مشکلات سامنے آتے ہیں جھٹ پٹ اُن کو کمت دریا بُرد کر دیتا ہے۔ اور پھر اس چین اور بیفکری سے کاٹتا ہے کہ سلاطین کے جاہ و جلال کو جائے خندہ بنا دیتا ہے۔

* بھلا بھلا۔ جانیاں! | تو جان لُٹیا گیا نیاں
خوشی رہنا کار ہے | سوگ سوگیاں دوار ہے

پہلے تو بڑی فکر کے ساتھ ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش ہوا کرتی تھی۔ اب ضروریات بیچاری خود بخود پوری ہوکر سامنے آجائیں تو اُن پر آنکھ پڑ جاتی ہے ورنہ اُن کے نصیب میں رام کی توجہ کہاں؟ وہ ضرورتیں جو ابھی پوری نہیں ہوئیں (ادھوری ہیں) اُن سے پورے رام کو کیا واسطہ؟

بھیس بدلے محفل احباب میں بیٹھے تھے ہم
وہ سمجھتے تھے یہ کوئی اور پرا سا اور ہے

یہ تعلیم طلباء کو کیوں نہیں دی جاتی کہ جب کسی حاجت کو رفع کرنے کے سامان موجود نہ ہوں تو وہ حاجت ہی محسوس ہونے نہ پائے۔

خوب یاد رکھو کہ سامانوں کی عدم موجودگی میں جو حاجت محسوس ہوتی ہے محض کاذب ہوتی ہے۔

جج صاحب جب کچہری میں رونق افروز ہوتے ہیں تو اُن کو کمرے کے جھاڑنے بُہارنے یا میز کرسی بچھانے۔ دوات قلم کو لانے اور مقدمہ بازوں کو

---

* ہر جگہ بھلائی ہی بھلائی دیکھ کر گیانی لوگ مست رہتے ہیں اور اُن کا کام ہنسی خوشی رہنا ہے اور جو ہمیشہ سوگ کیا کرتے ہیں انھیں رنج و الم ہی ملے گا۔

بُلانے کا کچھ خیال نہیں ہونا چاہیئے۔ اُن کو تو صرف عدل و انصاف کے لئے اپنے دل اور دماغ کو شانت اور بشاش رکھنا ہی کام ہو۔ دیگر دھندے جج صاحب کی تکلیف اُٹھائے بغیر خود بخود نبھ جائیں گے۔ مقدمہ باز اپنے آپ ہی مقررّہ تاریخ پر حاضر ہو جائیں گے۔ وکیل صاحبان بھی خودبخود تشریف فرما ہو جائیں گے۔ میز کُرسی دوات قلم بھی چپراسی لوگ وقت پر اپنے آپ تیار کر رکھیں گے۔

اے طالبانِ حقیقت! رآم تم کو یقین دلاتا ہو۔ کہ اگر تم روحانی محنت میں رات دن مصروف رہوگے تو تمھاری جسمانی حوائج خود رفع پڑی ہونگی تمہیں کچھ ضرورت نہیں کہ اپنے اصلی مسند کو چھوڑ کر چپراسی اور خادم لوگوں کے کام کو اپنا دھرم (فرض) مان بیٹھو۔

دُنیا میں قاعدہ ہو کہ جُوں جُوں آدمی کا رُتبہ بلند ہوتا ہو جسمانی محنت اور ستھول دھوندے، کام سے برتری ملتی جاتی ہو۔ مثلاً جج اس قسم کا کوئی کام نہیں کرتا۔ بلکہ جج کی موجودگی ہی سے سب کام پڑے ہوتے ہیں۔ جج کا ساکشی (شاہد) ہونا ہی چپراسیوں کو مقدمہ بازوں کو عرضی نویسوں وغیرہ کو ہل چل میں ڈال دیتا ہو۔ وَیسے ہی کرتا بھوگتا کی دُم کو اُتار کر نشۂ حقیقت میں مگن مست کا ساکشی رُوپ میں قیام (استھتی) ہونا ہی کاروبار کو بڑا چلاتا ہو۔ جس شاہد (ساکشی) کے خوف سے مہروماہ روشنی کرتے ہیں۔ جس کے بھو سے ندیاں بہتی ہیں۔ جس کی دہشت سے ہوا چلتی ہو۔ ایسے شاہد (ساکشی) کو آرزو اور تشویش سے کیا مطلب؟

راگ بھیروی (تال شول)

(۱) یہ ڈر سے مہر آچکا آہاہاہا! آہاہاہا!!

اُدھر مستہ بیم سے لپکا آہاہاہا! آہاہاہا!!

(۲) ہوا اٹکھیلیاں کرتی ہے میرے اک اشارے سے
ہے کودا موت پر میرا آہاہاہا! آہاہاہا!!

(۳) اکائی ذات میں میری انیکوں رنگ ہیں پیدا
مزے کرتا ہوں میں کیا کیا آہاہاہا! آہاہاہا!!

(۴) کہوں کیا حال اس دل کا کہ شادی موج مارے ہے
ہے اک اُمڈا ہوا دریا آہاہاہا! آہاہاہا!!

(۵) یہ جسم رام اے بدگو تصوّر محض ہے تیرا
ہمارا بگڑتا ہے کیا آہاہاہا! آہاہاہا!!

راگ جوگ۔ تال دھمار

(۱) گُل کو شمیم آب گُہر اور زر کو میں
دیتا ہوں جبکہ دیکھوں اٹھا کر نظر کو میں

(۲) شاہوں کو رُعب اور حسینوں کو حُسن وناز
دیتا بہادری ہوں بلا شیر نر کو میں

(۳) سورج کو سونا چاند کو چاندی تو دے چکے
پھر بھی طواف کرتے ہیں دیکھوں جدھر کو میں

(۴) ابرو سے کہکشاں میں انوکھی کمند ہے
بے قید ہو اسیر جو دیکھوں اُدھر کو میں

(۵) تارے جھمک جھمک کے بُلاتے ہیں رام کو
آنکھوں میں اُن کی رہتا ہوں جاؤں کدھر کو میں

راگ بروا ۔ تال مغلئی

(۱) آپ ہی ڈال سایہ کو اُس کو پکڑنے جائے کیوں
سایہ جو دوڑتا چلے پیچھے وا ئے وائے کیوں

(۲) دیدۂ دل ہُوا جو وا ۔ کھب گیا حُسنِ دلربا
یار کھڑا ہو سامنے ۔ آنکھ نہ پھر لڑائے کیوں

(۳) گنجِ نہاں کے قفل پر میر ہی تو مُہر شاہ ہی
توڑ کے قُفل و مُہر کو کنز کو خود نہ پائے کیوں

(۴) اہل و عیال و مال و زر سب کا ہی بار رام پر
اسپ پہ ساتھ بوجھ دھر ۔ سر پہ اُسے اُٹھائے کیوں

(۵) جب وہ جمالِ دلفروز ۔ صورتِ مہر نیمروز
آپ ہی ہو نظارہ سوز ۔ پردے میں منھ چھپائے کیوں

(۶) دشنۂ غمزہ جانستاں ناوکِ نازِ بے پناہ
تیرا ہی عکسِ رُخ سہی ۔ سامنے تیرے آئے کیوں

راگ پیلو ۔ تال جھپ

(۱) آپ میں یار دیکھ کر آئینہ پُرصفا کہ یوں
مارے خوشی کے کیا کہے ۔ ششدر سا رہ گیا کہ یوں

(۲) روکے جو التماس کی دل سے نہ بھولیو کبھی
پردہ ہٹا دُوئی مٹا ۔ مَہ نے بھلا دیا کہ یوں

(۳) میں نے کہا کہ رنج و غم مٹتے ہیں کس طرح کہو
سینہ لگا کے سینے سے اُس نے بتا دیا کہ یوں

(۴) گرمی ہو اس بلا کی ہائے بُھنتے ہوں جس سے مرد و زن

اپنی ہی آب و تاب ہے - خود ہی ہوں دیکھتا کہ یوں
(۵) دُنیا و عاقبت بنا - واہ وا جو جہل نے کیا
تاروں سان مہر رام نے پل میں اُڑا دیا کہ یوں

بدن سخت بیمار پڑتا ہے - تپ کھانسی درد اور پیچش اپنی اپنی زور آزمائی کرتے ہیں - اس موقع پر رام کا گانا ؎

واہ وا اے تپ و ریزش واہ وا　　حبذا اے درد و پیچش واہ وا
اے بلائے ناگہانی واہ وا　　ویلکم! اے مرگِ جوانی واہ وا
یہ بھنور یہ قہر برپا واہ وا　　بحرِ مہرِ رام میں کیا واہ وا
کھانڈ کا کتا گدھا چوہا بلا　　منہ میں ڈالو ذائقہ ہے کھانڈ کا
پگڑی پاجامہ دوپٹہ انگرکھا　　غور سے دیکھا تو سب کچھ سوت تھا
دامنی توڑی و مالا کو گھڑا　　پر نگاہِ حق میں ہے وہی طلا
موتیا بند دل کی آنکھوں سے ہٹا　　مرض و صحت عین راحت رام تھا

سونے کو کیا پروا ہے زیور رہے خواہ نہ رہے - سونے کے لحاظ سے تو زیور کبھی ہوا ہی نہیں - طلائی زیور کے اوپر بھی سونا - نیچے بھی سونا - اطراف میں بھی سونا اور بیچ میں بھی سونا - ہر جانب سونا ہی سونا ہے - زیور نام تو برائے نام ہی ہے - سونا ہر حالت میں ایک رس ہے - مجھ میں جسم و اہم ہی کبھی جا یاب نہیں ہوئے تو جسم و اہم کے تبدلات و تغیرات - صحت و بیماری کا کیا دخل ہے؟ یہ میری اک عجیب اشچریہ مہا کا چمتکار ہے کہ میں سب میں علیحدہ علیحدہ "اہنگ" مفروض کر دیتا ہوں جس سے یہ سب لیلا افراد میں منقسم ہو کر میرا تیرا کا شکار ہو جاتی ہے - ایک دوسرے کو افسر ماتحت - گورنمنٹ حاکم محکوم - دکھی سکھی تسلیم کر کے مداری کی پتلیوں کی طرح کھیل دکھانے

لگتے ہیں۔

یہ میری فرضی بناوٹ میرے پرتَو کے باعث اپنے آپ کو کچھ مان بیٹھی ہے۔ اس کی وجہ سے مجھ میں ہرگز غیریت نہیں آتی۔ کیونکہ کُل ہستی و بُود جو اس دید و پدید میں ہے مجھ سے ہے۔ پنجرے میں چڑیا اُچھلتی ہے۔ کودتی ہے۔ خوش ہوتی ہے۔ غم بھی مانتی ہے۔ لیکن صیاد جانتا ہے کہ اس میں کیا بَل ہے۔ خاموش تماشا دیکھا کرتا ہے۔ آنند سُروپ مَیں سدا ایکانت ہوں۔ آپ ہی آپ میرے میں غیریت کا خلق انداز ہوتا کیا معنی؟

اندر باہر اوپر نیچے آگے پیچھے ہم ہی ہم
اُرمیں سرمیں ترمیں سُرمیں پُورمیں گرمیں ہم ہی ہم
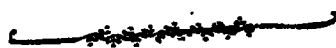
سمندر کی سیر

سمندر کے کنارے رام کھڑا ہے۔ پیچ کھاتی ہوئی موجیں چرنوں میں گذر رہی ہیں۔ تیز ہوا کپڑے اُڑا رہی ہے۔ سمندر کی باؤ ہُو تمام دنیا کو غرق کر رہی ہے۔

جسم میں حس و حرکت ندارد۔ کیا کیفیت ہے۔ رام کہاں ہے؟......

....

....

سہ
جس طرف اب نگاہ جاوے ہے
آپ ہی آپ نظر آوے ہے

وسیع وسیع سمندر۔ سب جل ہی جل۔ جل ہی جل۔ خشک زمین کے خیال کو لوحِ دل سے دھو رہا ہے۔ بڑے بڑے شہر اور بازار سڑکیں نیز شہریوں کے آپس میں لڑائی جھگڑے۔ شور و شر یہاں پر خواب ایسے معلوم ہو رہے ہیں۔ سمندر کے سامنے دنیا کچھ چیز نظر نہیں آتی۔

لیکن جب نگاہ ذرا اوپر اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو چاروں طرف تنا ہُوا۔ نیلگوں مہا آکاش کا بحر ناپیدا کنار ایسا وسیع وسیع وسیع دکھائی پڑتا ہے کہ اس میں زمین والا بڑا بڑا سمندر مطلقاً ڈوب جاتا ہے۔ نام و نشان سب کھو بیٹھتا ہے۔

طرفہ یہ ہے کہ یہ لا انتہا مہا آکاش خود آنند سروپ رام میں ہیچ و ناپدید ہو جاتا ہے۔ جیسے آفتاب کی شعاعوں میں سراب نظر آتا ہے۔ ویسے ہی اتنا بڑا مہا آکاش رام کے پرکاش میں بھان ہوتا ہے۔

لہ آفتابم آفتابم آفتاب
ذرہ ہا دارند از من رنگ و تاب

راگ کونسیہ تال تین

شُدّھ سچدانند برہم ہوں اَجَر۔ اَمَر۔ اَج۔ اَبناشی
جاس گیان سے موکش ہو جاوے۔ کٹ جاوے یم کی پھانسی
انادی برہم اَدوَیت۔ دویت کا جا میں نام نشاں نہیں
اکھنڈ سدا اسکہ جا کا کوئی آدی۔ مدھیہ۔ اَوسان نہیں
نِرگُن۔ نِربِکلپ۔ نِراُپا۔ جا کی کوئی شان نہیں
نِروِکار۔ نِروِیو۔ مایا کا جا میں رنچک بھان نہیں
یہی برہم ہوں مَن نِرنتر کریں موکش ہت سنیاسی
شُدّھ سچدانند برہم ہوں۔ اَجر۔ اَمر۔ اَج۔ اَبناشی
سربیہ دیشی ہوں برہم ہمارا ایک جگہ استھان نہیں
رما ہوں سب میں مجھ سے کوئی بھن دستو انسان نہیں
دیکھ بچار و۔ سوا برہم کے ہوا کبھی کچھ آن نہیں
کبھی نہ چھوٹے پیڑ دُکھ سے جسے برہم کا گیان نہیں

لہ میں سورج ہوں۔ میں سورج ہوں اور ایسا سورج ہوں کہ جس کی چمک سے دنیا کا ذرہ ذرہ چمکتا ہے۔

لہ نہ بوڑھا ہونے والا یعنی نہ گھٹنے والا۔

لہ نہ مرنے والا۔ لہ نہ پیدا ہونے والا۔ لہ نہ ناش ہونے والا۔ لہ جس کے

لہ ازلی۔ لہ لاثانی۔ لہ آغاز۔ لہ درمیان۔ لہ اختتام۔

لہ و لہ غیر متغیر۔ لہ ذرا۔ لہ برابر۔

برہم گیان ہو جسے اُسے نہیں پڑے بھوگنی چور اسّی[1]
شدھ ستچدانند برہم ہوں۔ اجر۔ امر۔ اج۔ ابناشی
ادرِشٹ[2] اگوچر[3] سدا۔ درِشٹ میں جس کا کوئی اکار نہیں
نیتی[4] نیتی کہہ نگم رکھیشور[5] پاتے جس کا پار نہیں
الکھ[6] برہم لیو جان جگت نہیں۔ کار نہیں کوئی یار نہیں
آنکھ کھول دل کی ٹک پیارے کون طرف گلزار نہیں
ست رُوپ آنند راشی ہوں۔ کہیں جسے گھٹ گھٹ باسی
شدھ ستچدانند برہم ہوں۔ اجر۔ امر۔ اج۔ ابناشی

---

[1] چوراسی لکھ جونیں۔
[2] جو دکھائی نہ دے۔
[3] جسے حواس محسوس نہیں کر سکتے۔
[4] یہ نہیں یہ نہیں۔ [5] وید رشی۔
[6] جو دکھائی نہ دے۔

سیر کشمیر

ہوائے خوش۔ فضائے خوش۔ صدائے آبشارے خوش
بہارے خوش۔ نگارے خوش۔ چنارِ سایہ دارِ خوش

اے رامؔ! یہ بیرخی ٹھیک نہیں۔ نیچر نے تیری خاطر رنگا رنگ کے موتی نگواتے ہیں۔ نئی نئی پوشاکیں پہنی ہیں۔ اور تو اس کی طرف نیم نگاہ بھی نہیں ڈالتا۔ یہ ظلم مت کر۔ چل درشن دے:

لہ همہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
بامید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

لہ عزیزاں وقت و ساعت می شمارند: رفیقاں چشم و دل در انتظارند

لہ سرو قدا چپاں چپاں۔ برلبِ جُو رواں رواں
فرشِ رہِ تو قمریاں۔ طالع شاں بہ باز کشا

نظارۂ اوّل

پہاڑی کھیت تھیٹر کی بنچوں کے ڈھنگ پر آراستہ ہیں۔ ایک کے پیچھے دوسرا زیادہ بلندی پر بچھا ہوا ہے۔ پانی اوپر سے گرتا ہوا سارا کا

لہ جنگل کے تمام ہرن اس امید سے ہتھیلی پر سر رکھے ہوئے ہیں کہ کسی دن تو وہاں آکر ان کا شکار کرے:

لہ عزیز لوگ گھڑیاں گن رہے ہیں۔ اور رفیق انتظار میں لگے ہوئے ہیں:

لہ بہتے ہوئے دریا کے کنارے پر سرو قد (معشوق) ناچ رہے ہیں۔ تیرے راستہ کے فرش پر قمریاں منتظر ہیں۔ تو اپنی تشریف آوری سے ان کی قسمت کا قفل کھول دے۔

سارا ایک پنج پر یکساں پھر جاتا ہے۔ وہاں کے سبز دھانوں کو سیراب کرنے کے بعد دوسرے پنج پر اُترتا ہے۔ علی ہذا تیسرے پر۔ صبح کے وقت سبز کھیت میں جابجا پانی کی سفید جھلک یوں معلوم دیتی ہے۔ جیسے کسی معشوق کے گورے بدن کا سبز پوشاک میں سے نظر پڑنا۔ لیکن دوپہر کو دُور سے دیکھا جائے تو سفید پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ اور پہاڑ چاندی کا سا بن جاتا ہے۔

ایک تختۂ سبز پر سے رام گزر رہا ہے۔ لق و دق سبز میدان ہے۔ فرحت افزا ہوا بے روک ہر وقت چلتی رہتی ہے۔ گشادہ میدان اُفق (HORIZON) کے متوازی نہیں ہے۔ بلکہ مثل اس نازنین کی پیشانی کے سلامی دار ہے۔ جو نشۂ حُسن میں مست ہو کر چاند کو آنکھیں دکھا رہی ہو۔ گھاس کیا ہے نہایت مکلف صاف چادریں بچھی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے پریاں اسی جگہ ناچ کر راجہ اندر کی خوشنودی مزاج کے پروانے حاصل کیا کرتی ہیں۔

راگ بھیروی۔ تال شُول

(۱) بھلا ہُوا ہر بیسرو سِر سے ٹری بلا (ٹیک)

جیسے تھے ویسے بھئے اب کچھ کہا نہ جاوے

(۲) تُجھ سے جیُوں نہ کر جیُوں۔ آر سے جیُوں نہ رام

رام سدا ہم کو بھجے۔ ہم پاویں بسرام

(۳) رام مرینے تو ہم مرینے؟ ہمری مرے بلاء

ست پُرش لیو جان جب۔ مرے نہ مارا جائے

(۴) حد ستے سو اولیا۔ بیحد ستے سو پیر

حد بیحد دونوں سپتے۔ تاکا نام فقیر

(۵) حد حد کر دے سب گئے بیحد گیا نہ کوے

حد بیحد میدان میں رہو کبیرا سوئے

(۷) من ایسو نرمل بھیو جیسے گنگا نیر
پیچھے پیچھے ہر پھرے کہت کبیر کبیر

نظارۂ دوم

شراب کے پیالہ (بادیہ) کی صورت میں پہاڑوں کی ہیئت۔ عین وسط میں آب زلال۔ پانی نہایت شیریں ذائقہ امرت کا چشمہ؛ درخت نہایت بلند۔ گھنی کے سایہ والے۔ بیلیں قدرتی ہنڈولوں کی بہار دے رہی ہیں۔ مزیدار جھولنے لٹک رہے ہیں۔ رام جھولتا ہی اور گاتا ہی۔

راگ پیلو۔ تال دھمار

(۱) دریا سے حباب کی ہی یہ صدا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں
مجھ کو نہ سمجھ اپنے سے جُدا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں
(۲) جب غنچہ چمن میں صبح کو کھلا۔ تب کان میں گل کے یہ کہنے لگا
ہاں آج یہ عُقدہ ہی ہم پہ کُھلا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں
(۳) آئینہ مقابل رُخ جو رکھا۔ جھٹ بول اُٹھا یوں عکس اُسکا
کیوں دیکھ کے حیراں یار ہُوا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں
(۴) ناسُوت میں آکے یہی دیکھا۔ ہی میری ہی ذات سے نشو و نما
جیسے پنبہ کا تار سے ہو رشتہ۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں
(۵) تو کیوں سمجھا مجھے غیر بتا۔ اپنا رُخ زیبا نہ ہم سے چھپا
چک پردہ اُٹھا ٹک سامنے آ۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں
(۶) دامنے نے بقا کا خرمن سے کہا۔ چپ رہ۔ اس جا نہیں چون و چرا

وحدت کی جھلک کثرت میں دکھا۔ تم اور نہیں ہم اور نہیں
اِدھر اُدھر رام کی سینا کلول کر رہی ہے۔ چھوٹے چھوٹے موتوں ایسے رنگارنگ
کے پرندے بیل بوٹوں پہ پھدک رہے ہیں۔ اور آوازِ خوش آنند سے
چہچہا رہے ہیں ؛
سفید سفید جھاگ کے اندر سے نیلا پانی اس طرح جھلک رہا ہے۔ جیسے
گورے بدن پر نیلی نیلی رگیں ؛ بعض جگہ پانی کے نیچے پتھروں کی یہ چمک
ہے کہ اگر "سب جگہ اپنا گھر نہ سمجھنے والا" کوئی آدمی یہاں ہو۔ تو فی الفور
اُس کے جی میں یہی آئے کہ جیسے بنے ان سنگریزوں کو چرا کر گھر ضرور
لیجاؤں ؛ لیکن گھر کیسا ؟ یہ وہ مقام ہے کہ جب ایک دفعہ دیکھا تو یہیں
گھر کر بیٹھنے کی خواہش ہوتی ہے۔ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا ؛ ہائے لے دنیا
کی ہَوا و ہوس! تیرے رستے کیسے مضبوط ہیں۔ ایسے آنند کے آغوش سے بھی
لوگوں کو کھینچ لے جاتی ہے۔ پھر گرمی میں رُلاتی ہے۔ مٹی میں ملاتی ہے ؛

سوال:۔ یہاں دنیا و مافیہا گُم ہے۔ آنند ہی آنند ہے۔ سورگ بہشت
کہیں اسی کا نام نہ ہو ؛

رام:۔ ہاں خوب سمجھے۔ شبھ کرموں والا اقبالمند جگت جنجال سے چھٹی
پاکر کہیں اِدھر آتا ہے۔ کچھ دیر آرام کرتا ہے۔ پھر بُرے بھلے سنسکاروں سے کھچا ہوا
گر جاتا ہے۔ یہی سورگ ہے ؛

؎ اگر فردوس بر روئے زمیں است ؛ ہمیں است وہمیں است وہمیں است[1]

لیکن میرا مقام (پرم دھام) یہ نہیں کیونکہ میرے آنند کی وہ کشش
ہے کہ دُنیا کی کوئی خواہش اُس پر غالب نہیں آسکتی۔ اور اُس سے

(۱) اگر رُوئے زمین پر کوئی بہشت ہے تو وہ یہی ہے، یہی ہے۔ یہی ہے ؛

نہیں ہٹا سکتی۔ وہاں سے واپس آنا چہ معنی؟

رخصت دے باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن [5]
جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائیگا

راگ سورٹھ۔ تال تین

مان۔ مان۔ مان کہیا مان لے مرا
جان۔ جان۔ جان روپ جان لے مرا
جانے بِنا سرُوپ۔ غم نہ جائے گا کبھی
کہتے ہیں بید بار بار بات یہ سبھی
نینن کے نین جو ہی سو بینن کے بین ہی
جس کے بغیر شریر میں نہ پلک چین ہی
اے پیاری جان! جان تو بھُوپوں کا بھُوپ ہی
ناچت ہی پرکرتی سدا مجرا انوپ ہی۔

نظارۂ سوم

کُوکرناگ کے پاس ایک پہاڑ کی چوٹی پر رام آسن جمائے بیٹھا ہی۔ چاروں طرف پہاڑوں پر کیاریوں کے اُوپر کیاریاں ہیں کہ کُرسیاں بچھی ہیں اُن کرسیوں پر پوَن۔ ورُن۔ آدتیہ۔ کُوبیر وغیرہ دیوتاگن متمکن ہیں۔ شاہنشاہ رام کا اجلاس لگا ہی۔ نیچے میدان میں دھانی سبز سُرخ زرد رنگوں کے قالین اور غالیچے (گھاس) آراستہ پیراستہ ہیں۔ اس تماشاگاہ میں کنچنیاں (ندیاں) عجب بانکپن سے ناچ رہی ہیں۔ اور شکرریز

[1] ذات۔ [2] لاثانی۔

نغمے نکالتی ہوئیں من لبھا رہی ہیں۔ واہ رے دلربائی! جس نے پاس جاکر آنکھ لڑائی اسی سے یہ مدارات کہ ہاں میرے دل جگر میں تیری جا ہے (شفاف ہیں)۔ بیلوں کے ہار ڈالے۔ سُرخ زرد نیلگوں پھول کانوں میں پہنے جھوم جھوم کر یہ بلند بالا اشجار کیا کر رہے ہیں؟۔ ندیوں کے حُسن کی داد دے رہے ہیں ؛

لہ دلبر دل رُبائے من میکند از برائے من
نقش و نگار و رنگ و بُو تازہ بتازہ نَو بنَو

غلط گفتم۔ جن کو (ندیاں) ہم لولیانِ شوخ سمجھے تھے وُہ ناگ اور ناگنیاں ہیں۔ کاٹ کھانے والے (نہایت سرد) سانپ ہیں کہ لہراتے لہراتے بَل کھاتے ساں ساں مچاتے چلے جا رہے ہیں ؛ تنگرداھرناتھ نے اپنے سانپ بھیجے ہیں کہ رام کے آگے مجرا دکھائیں ؛

سیر کر اور دُور سے گُل دیکھ اُس گلزار کے
پر بنا اپنے گلے کا اُن کو مت زنہار ہار ؛

بازیچۂ اطفال ہے دُنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
ہوتا ہے نہاں خاک میں صحرا مرے ہوتے
گِھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے
جُز نام نہیں صورتِ عالم مرے نزدیک
جُز وہم نہیں ہستیٔ اشیا مرے آگے

---

(۱) میرے دل کو لبھانے والا دلبر دپیارا) میرے لیئے ہر گھڑی نئے نئے طرح طرح کے نقش و نگار بناتا ہے۔ شرنگار کرتا ہے ؛

نظارۂ چہارم

سڑک کے دونوں کناروں پر آمنے سامنے قطاروں میں شمشاد آسمان سے باتیں کرتے ہوئے کھڑے ہیں۔ گویا کشیدہ قامت معشوق ہیں کہ لباس سبز دربر کیئے بدن سے بدن ملائے رام کے انتظار میں صف آرا ہیں عجب نظارہ ہے۔ بعض بعض مقامات پر تو شمشاد ایسے تنگ ایستادہ ہیں کہ بیچاروں کا کندھے سے کندھا چھلتا ہے۔ اور یوں سر بفلک ہیں کہ اگر مطلع صاف ہو اور سڑک پر ٹھہر کر آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی جائے تو روز روشن میں دن دوپہر کے وقت تاروں کا نظر آنا کچھ بڑی بات نہیں۔

ایک دن ایسی سڑک پر اننت ناگ کے قریب گھوڑے پر سوار رام جا رہا تھا۔ بادل گھر رہے تھے۔ ہوا شمشاروں کی زلفوں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ یکایک گھٹا تمام آسمان پر بھر گئی۔

وہ آئی وہ آئی وہ آئی گھٹا | گلستانِ عالم پہ چھائی گھٹا
گھٹا کالی کالی دھنش لال لال | کنہیا کے اَبرو پہ جیسے گلال

پیچھے سے ایک نغمہ کی آواز نکلی۔ ہوا پر سوار ہو کر پھیلنے لگی۔ بادلوں تک گونجار سے تمام عالم بھر گیا۔ یہ ایک پہاڑی لڑکا بانسری بجا رہا تھا۔ کیسا سما بندھ گیا۔ آہاہا! دل کے ساتویں پردے تک وہ سُریں دھس گئیں۔ اب کس میں تاب تھی۔ کہ گھوڑا بڑھا کر آگے نکل جائے۔ نغمہ کے تال کے ساتھ گھوڑے کا قدم اُٹھنے لگا۔ میل کئی ایک گزر گئے۔ اور خیال تک نہیں آیا۔

اب ذرا غور کیجیے اُس بانسری سے گول چند کا گوپیوں کو سانپ کی

طرح پلّوں سے کھینچ لاتا اور نقش بر دیوار بنائے رکھنا کیا مشکل تھا؟

ایک دل تھا سو وہ بھی کھو بیٹھے | اچھے خاصے فقیر ہو بیٹھے
اب بٹھائیں گے آپ کو کس جا | ایک مدت کے دل کو رو بیٹھے

سلہ آں شعلہ رُو بہ غمزہ دلم را کباب کرد

مارا چہ کرد؟ خانۂ خود را خراب کرد

نظارۂ پنجم

دونوں طرف سرسبز پہاڑ۔ گھن کا سایہ۔ بیچ میں برلب جوئبار رام جا رہا ہے۔ ہری ہری کونپلوں۔ پیاری پیاری پتیوں۔ دلفریب سنبل اور نرم نرم گھاس سے آنکھیں نہال ہو رہی ہیں۔ اور جی باغ باغ۔ قدم قدم پر آبشاروں کی بہار اور ٹیڑھے ترچھے قدرتی گلزار۔ نشۂ ذات میں سرشار کر رہے ہیں۔ ہرے بھرے درختوں کے جھرمٹ کانوں میں پھول۔ گلے میں بیلوں کے ہار ڈال کر چڑھتی جوانی کے خمار میں براتیوں کا سا شرنگار کر رہے ہیں۔

ٹہ برلب جوشے جہاں با ساز و برگ تازۂ

ہر زماں آید خراماں یار خوش رفتار ما

خوبانِ گلزارِ فطرت رام کی ایک نگہ ناز پر اپنا اپنا جوبن بیچنے کو بیتاب ہو

(۱) اس معشوق نے اپنے ناز و نخرے (کتاکش) سے میرے دل کو بھون دیا۔ اس میں میرا کیا بگڑا بلکہ اس نے اپنے ہی گھر کو برباد کیا۔ (کیونکہ میرا بھی دل اس کا گھر تھا۔)

(۲) دنیا کی نہر کے کنارے میرا خوش رفتار پیارا نئے نئے ساز و سنگار کے ساتھ ہر وقت آتا ہے۔

لگائے پرے کے پرے جاتے جمع ہیں ؛
یونانی میتھالوجی سے سُنا ہے کہ حُسن کی پری جھین میں سے پیدا ہوئی تھی لیکن

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ ۔

یہاں ان آبشاروں کی جھین پہ پرنکیش ناچ (نرتیہ) کرتی دیکھ لو۔ پانی اتنا تو گہرا۔ لیکن شفاف ایسا کہ پیاری گنگی (گنگا جی) یاد آتی ہے۔ گو یہاں اگر یہاں نہائیں تو گول چند کو کبھی ضرورت نہ پڑتی کہ انکو برہنہ تن دیکھنے کے لیئے پانی سے باہر نکلنے کی تکلیف دیتا ؛ یہ چھلکتے چھلکتے اُونچے آبشار چاندی کے کمند اَور رسے معلوم دیتے ہیں کہ جن کو پکڑ کر عالم عُلوی کو چڑھ جائیں۔ یا یہ ہیرے کے گات والی کنجیاں (چادریں) ہیں جو سر کے بل رقص کناں زمین خدمت چُوم رہی ہیں۔ اور نہایت سُریلی آواز سے رام کی مہما کے گیت گاتی جاتی ہیں ؛

لہ آب از برائے دیدنم می آید از فرسنگہا
بیخود شدہ از خرّمی غلطاں شود بر سنگہا

آج ورزش نہیں کی۔ آؤ۔ کچھ دیر اس آبشار کے نیچے چھاتی رکھتے ہیں۔ کافی ورزش ہو جائے گی۔ اپنی چھاتی کے رقبہ اور سُرعت آب کے مجذور وغیرہ پر عمل ریاضیہ کرنے سے متحرک پانی کا دباؤ معلوم کریں گے۔ لیکن اُف او! یہ زور کا پانی! یہ تو کُل ریاضی و ریاضی کو بہائے لے جا رہا ہے؛ ڈیلٹوں سے بھی چڑھ بڑھ کے ہے۔ اس کے آگے چھاتی رکھنے

(۱) میرے دیکھنے کے لئے پانی کوسوں سے آ رہا ہے۔ (میرے دیدار سے) بیخود ہو کر پتھروں پر خوشی سے لڑھکتا چلا جاتا ہے؛

سے تو یہی بہتر ہوگا کہ چار پانچ پتھر مار کر کلیجہ شق کیا جائے ؛ اسے پانی! تیری نرمی جو ضرب المثل ہو آج کیا ہوئی ؟ تمھاری شیتلتا کہاں بہہ گئی کہ اس گرمجوشی کے ساتھ دوڑے جا رہے ہو ؛ یہ جوش وخروش یہ تندی تیزی۔ یہ گرمی کیوں ؟

جواب آب:- (الف) میں تو سدا شیتل ہوں۔ سپرش کر کے دیکھ لو۔ بدن ٹھٹھر نہ جائے تو سہی۔ یہ گرمی و رمی تماشائین کے ذہن میں ہے۔
(ب) میں تو ہر وقت نرم ہی ہوں۔ آپ کی سینہ زوری ہو کہ اُلٹی مجھ میں سختی مفروض ہوئی ہو ؛

پیارے ناظرین! ذرا غور کرنا۔ سنسار سمدر کی ترشی و تلخی کہاں؟ تمھاری مہربانی ہو کہ جگت تند و تاریک نظر آتا ہو ؛

خنجر کی کیا مجال کہ اک زخم کر سکے
تیرا ہی ہو خیال کہ گھایل ہوا ہو تو

باده از ماست شُد نے ما ازو[1]
هم ز ما داں بوئے گل - آوازِ نی ؛

تم ہی جگت بن رہے ہو ؛

سوال:- اگر فی الواقعہ یہی ماجرا ہو تو کیا وجہ حقیقت نہیں کھلتی ؛ میں ہی جگت کی اصل اور پھر میں ہی ڈروں۔ سمجھ میں نہیں آتا ؛ آپ کی ان شانتی آمیز باتوں سے ہمارے دل کی تپت نہیں بجھتی۔ مایا بڑی غالب ہو۔ کیا کریں ؛

---

[1] شراب ہم سے مست ہوتی ہو۔ ہم شراب سے نہیں۔ اور ہم سے پھول کی خوشبو اور بانسری کی آواز سمجھ ؛

ؔلہ ز حرفِ سرد ناصح گرمیٔ عشقم نگردد کم
نمیداند ز جوش خویشتن سیلاب دریا را

رام:- سچ ہی جب تک خود اپنے تئیں لیکچر نہ دو گے دل کی تپت کیوں بجھنے کی ہی؟

ؔع ؔلہ تو خود حجاب خودی اے دل از میاں برخیز

ہم بغل مجھ سے رہتا ہی ہر آن رام تو
بن پردہ اپنی وصل میں حائل ہُوا ہی تو

اپنے ہاتھوں سے اپنا منہ کب تک ڈھانپو گے؟

ؔلہ بر چہرۂ تو نقاب تا کے | بر چشمۂ خور سحاب تا کے

ہمت سے کام لو۔ مایا کچھ چیز ہی نہیں۔ ذرا سے تنکے کی اوٹ میں پہاڑ کو چھپا رہے ہو۔ جب محیط ہمت طغیانی پر آتا ہی کون سا ہمالیہ ہی جس کو خس و خاشاک کی طرح بہاکر آگے نہیں لے جاسکتا۔ وہ کون سا سمندر ہی جسے تم نہیں سکھا سکتے۔ وہ کون سا سورج ہی جسے ذرّہ نہیں بنا سکتے۔

وہ کون سا عقدہ ہی جو وا ہو نہیں سکتا
ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

---

(۱) واعظ کی سرد تلقین سے میرے عشق کی گرمی کم نہیں ہوتی کیونکہ میرے اندرونی جوش سے جو عشق کی طغیانی ہی۔ اس کا اس کو انداز نہیں۔

(۲) اے دل تو اپنا پردہ آپ بنا ہوا ہی بیچ میں سے اٹھ جا۔

(۳) تیرے چہرہ پر پردہ کب تک اور آفتاب کے رُخ پر بادل کب تک رہے گا۔

سوال:- یہ حجاب اور نقاب کا کام ہی کیا؟ نرآویو اور نرآکار میں ہاتھ پاؤں چہ معنی؟ ایک ہی ذاتِ پاک میں یہ کہاں سے آ گئے؟ وہ کون طاقت تھی جس نے قادرِ مطلق پر استیلا حاصل کیا؟ اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ میرا ہی چہرہ اپنے تئیں ڈھانپ لے؟

رام:- ۱؎ حجاب جلوہ ہم یکسر ہجومِ جلوہ ہست اینجا
نقابے نیست دریا را۔ مگر طوفانِ عریانی

؎ چادر سے موج کی نہ چھپے چہرہ آب کا
برقع حباب کا نہ ہوا برقع آب کا

؎ جب وہ جمالِ دلفروز صورتِ مہرِ نیمروز
آپ ہی ہو نظارہ سوز۔ پردے میں منہ چھپائے کیوں؟

چہرۂ نورانی پر سے ظلمتِ کاکل دور کرو۔ اور دیدۂ دل میں سرمہ دو۔

؎ ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن

۲؎ حجابِ نو عروسانی ز شوہر خود نمی ماند
اگر ماند شبے ماند۔ شبِ دیگر نمی ماند

؎ لو سے مقراضِ موج دامنِ دریا کتر گئی
وحدت کا برقع پھٹ گیا۔ ساری ستر گئی

---

(۱) اس جگہ جلوہ کا ہجوم (کثرت) ہی جلوہ کا حجاب بنا ہوا ہے جیسے دریا کو سوائے اسکی اپنی طغیانی کے اور کوئی نقاب نہیں یعنی یارِ غار آپ ہی اپنی مایا میں چھپا ہوا ہے۔

(۲) نئی دلھن کا اپنے شوہر سے پردہ نہیں رہتا۔ اگر رہتا بھی ہے تو ایک رات کو لیکن دوسری رات کو جاتا رہتا ہے۔

گا پہاڑ پہاڑ کر آپ پکار رہا ہے۔

[1] منم خدا و بیانگِ بلند می گویم ؛ ہر آنکہ نُور دہد مہر و ماہ را ادیم

سوال :- تم تماشا دیکھنے آئے ہو کر سب چیزوں کو کھا جانے ؟ سب کی رونق محل کی آب و تاب تم ہی ہو ! اس شعر کے مصداق ہو گیا ؟

؎ چاندنی دیکھے اگر وہ مہ جبیں تالاب پر
عکس رُخ کی تاب پانی پھیر دے مہتاب پر

رام :- کیا آج اس شعر کا مصداق ہُوا ہوں۔ میری شان میں وید کہتا چلا آتا ہے ؛

[2] न तत्र सूर्यो भाति न चन्द्र तारकं, ने मा विद्युतो
भान्तिकुतोऽयमग्निः ।
तमेव भान्तमनु भाति सर्वं, तस्य भासः सर्वमिदं
विभाति ॥ (مُنڈک اُپنشد)

راگ پہاڑی ۔ تال چلنت

(۱) پہاڑوں کا یوں لمبی تانے یہ سونا وہ گنجان درختوں کا دو شالا ہونا
وہ دامن میں سبزہ کی مخمل بچھونا ندی کا بچھونے کی جھالر پرونا

---

[1] میں خدا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں کہ میں وہ ہوں جس سے سُورج اور چاند کو روشنی ملتی ہے ؛

[2] نہ وہاں سُورج چمکتا ہے نہ چندرماں و تارے اور نہ بجلی ہی پھر اگنی تو بھلا کہاں ؟ تمھارے چمکنے سے یہ سب چمک رہے ہیں۔ اور تمھاری ہی روشنی سے یہ سب روشن ہیں ؛

یہ راحت مجسم یہ آرام میں ہوں
کہاں کوہ دریا یہاں میں ہی میں ہوں

نوٹ:۔ جھالردار مخمل کے بچھونے پر دوشالہ اوڑھے کنبھ کرن کی طرح لیے سلسلۂ کوہ کا دراز ہونا مستی دگھن ششپتی۔ آنند مئے کوش) کی تصویر مجسم ہے۔ اس ششپتی یا آنند مئے کوش میں ظہور (پرکاش) یا آنند (گُوتسو) مَیں ہوں ؛ مجھے جاننے پر یہ ششپتی روپ پہاڑ دریا وغیرہ کہاں رہنے پاتے ہیں ؟ حقیقت کا پتہ لگتے ہی وہم غائب ہوجاتا ہے لہ اے زرُوییت گلستانہا شرمسار ؛ درگل و گلزار چُونت یافتم

(۲) سفید سفید بادل کبھی گھوڑے کی شکل میں کبھی ریل کی صورت میں کبھی انسان کی ہیئت میں پہاڑوں پر ہاتھی کی مست چال سے چلتے ہوئے عالم خواب کی متلون مزاجیاں دکھا رہے ہیں ؛ پرکرتی اس حالت میں بھی عورتوں والے ناز و نخرے نہیں چھوڑتی۔ اپنے خاوند رام کی لطف نگاہ حاصل کرنے کے لیئے کبھی روتی ہے۔ کبھی ہنستی ہے؛

(۱) یہ پربت کی چھاتی پہ بادل کا جھکنا | وُہ دم بھر میں ابروں سے پربت کا گھرنا
گرجنا۔ چمکنا۔ کڑکنا۔ نکھرنا | چھما چھم۔ چھما چھم یہ بوندوں کا گرنا
عروس فلک کا وہ ہنسنا یہ رونا
مرے ہی لیے ہے فقط جان کھونا

(۳) کوسوں تک قدرتی گلزار کا چلے جانا۔ رنگا رنگ کے پھول ہر چار سُو شگفتہ۔

لہ پھول اور پھلواڑی میں جب تجھ کو پایا تو تیرے چہرہ کے آگے پھلواڑیاں شرمندہ نظر آئیں ؛

(۳) یہ وادی کا رنگیں گلوں سے لکنا | فضا کا یہ بُو سے سراپا مہکنا
یہ بلبل ساں خنداں لبوں کا چہکنا | وہ آوازِ نے کا یہ ہر سو لپکنا
گلوں کی یہ کثرت اِرم رُو بڑا ہی
یہ میری ہی رنگت ہی میری ہی بُو ہی

(۴) ایک اَور دلکش مقام

(۴) جو جُو اور چشمہ ہی نغمہ سرا ہی | کس انداز سے آب بل کھا سا ہی
یہ ٹکیوں پہ تکیے ہیں۔ ریشم بچھا ہی | سُہانا سما۔ مَن لُبھانا سما ہی
جدھر دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں
میں اپنی ہی تاب اور شاں دیکھتا ہوں

(۵) آبشاروں کی بہار

(۵) نہیں چادریں ناچتے سیمتن ہیں | یہ آواز؟ پازیب ہیں نعرہ زن ہیں
پہاڑوں کے دانے زمرّدِ فگن ہیں | صفائی آہا! رُوئے مہ پُرشکن ہیں
صبا ہوں میں گُل چومتا بوسہ لیتا
میں شمشاد ہوں جھوم کر داد دیتا

(۶) بڑے بڑے اونچے پہاڑوں کو کشمیر میں "پیر" کہتے ہیں۔ (جیسے پیر پنچال۔ پیر بھنجال۔ رتن پیر وغیرہ)۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہی کہ جیسے "پیر" (بڈھا) سفید سر والا ہوتا ہی۔ ان پہاڑوں کی چوٹیاں بھی بباعث برف عموماً سفید رہتی ہیں ؛

لیکن لطف یہ ہی کیا جانے ان پیروں نے دھوپ میں بال سفید کیے ہیں۔ سر تو بڈھے ہوگئے لیکن جوانی کی سب اُمنگیں جی میں ہیں۔ ان کے دل سرسبز ہیں یعنی چوٹیوں کو چھوڑ کر نیچے سے نہایت خوب

ہرے بھرے ہیں۔ یا ہر کا مقولہ ان پر صادق آتا ہے۔

لہ پیری میں نہ کس طرح کروں عیش جہاں کی
دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشا گزری کا

دیوار کے اونچے درخت شراب کی صراحیوں کی صورت رکھتے ہیں۔ ان میں جا بجا گلگلاتے ہوئے چشمے بہہ رہے ہیں گویا بوتلوں میں سے قلقل کے ساتھ شراب نکل رہی ہے۔ یہ مجسم مستی رام ہی کی ایک موج ہے۔

(۶) میرے سامنے ایک محفل سجی ہے | ہیں سب سیم تن سر سبز پُر سبزی ہے
شجر کیا ہیں؟ مینا یہ مینا دھری ہے | نہ جھرنوں کا جھرنا ہے قلقل لگی ہے
لنڈھائے یہ شیشے کہ بہہ نکلیں نہریں
ہے مستی مجسم یہ یا اپنی لہریں؟

(۷) شری نگر سے اننت ناگ کو کشتی میں جانا۔

(۷) رواں آب دریا ہے کشتی رواں ہے | صبا نزہت آگیں صبحدم وزاں ہے
یہ لہروں پہ سورج کا جلوہ عیاں ہے | بلندی پہ برف اک تجلی فشاں ہے
ظہور اپنے ہی نور کا طور پہ ہے۔
پدید اپنی ہی دید کل بحر و بر ہے۔

(۸) جھیل ڈل میں اِرد گرد کے سر جیت پہاڑوں کا عکس پڑ رہا ہے۔ اور پانی کو ہوا ہلا رہی ہے۔ (بدیں صورت) ہلکی ہوا کے جھونکوں سے اتنے بڑے پہاڑ ہلتے نظر آتے ہیں۔ کیا لطف ہے۔ تعجب ہے۔

(۸) ڈلکتا ہے ڈل دیدۂ مہ لقا سا | دھڑکتا ہے دل آئینہ پُر صفا کا
ہلاتا ہے کو ہوں کو صدمہ ہوا کا | کھلے ہیں کنول پھول ہے اک بلا کا۔

یہ سورج کی کرنوں کے چپّے لگے ہیں
عجب! ناؤ بھی ہم ہیں خود کھے رہے ہیں۔

سورج کشتی کی طرح ڈل میں لرزاں نظر آتا ہے۔ اور اُسی سورج کی کرنیں چپّوں کی طرح کشتی چلانے والی ہیں۔ میں ہی وہ سورج ہُوں جو کشتی بنا ہے۔ میں ہی کھینے کے اوزار ہوں۔

(۹) امرناتھ کی چڑھائی۔ پورنماسی کی رات

(۹) چڑھائی مصیبت۔ اُترنا یہ مشکل | پھسلنی برف ترس یہ آفت یہ بادل
قیامت یہ سردی کہ بچنا ہے باطل | یہ بُو بُوٹیوں کی کہ گھبرا گیا دل

یہ دل لینا۔ جاں لینا کس کی ادا ہے؟ (شوجی جو میرا ہی آتما ہے)
مری جاں کی جاں جس پہ شوجی فدا ہے

(۱۰) پُورنماسی کی رات

(۱۰) عجب لُطف ہے کوہ پر چاندنی کا | یہ نیچر نے اوڑھا ہے جالی دوپٹا
دکھاتا ہے آدھا۔ چھُپاتا ہے آدھا | دوپٹے نے جوبن کیا ہے دوبالا

نشے میں جوانی کے معشوق نیچر
ہے بیٹھی ہوئی رام سے مست ہو کر

(۱۱) امرناتھ کا از حد وسیع خدائی بال (جسے لوگ گپھا کہتے ہیں)

(۱۱) برف جس میں ستی ہے۔ جڑتا ہے لاشم | امرلنگ استادہ چیتن کی جا ہے
ملے یار۔ ہو وصل۔ سب فاصلہ ٹوٹا | یہی رُوپ دائم امرناتھ کا ہے

وہ آئے اُپاسک۔ تعین مٹا سب
رہا رام ہی رام میں تو مٹا جب

ہرے رام

راگ جنگلا - تال دھمار

۱؎ ہر سو کہ دویدیم ہمہ سوئے تو دیدیم
ہر جا کہ رسیدیم سر کوئے تو دیدیم

۲؎ ہر قبلہ کہ بگزید دل از بہر عبادت
آں قبلۂ دل را خم ابروئے تو دیدیم

۳؎ ہر سرو رواں را کہ دریں گلشن دہر ست
بر رستۂ بستانِ لب جوئے تو دیدیم

۴؎ از باد صبا بوئے خوشت دوش شمیدیم
ما بادِ صبا قافلۂ بوئے تو دیدیم

۱؎ جس طرف کہ ہم دوڑے وہ تمام اطراف تیرے ہی دیکھے (یعنی سب طرف تو ہی تھا)۔ اور جس جگہ کہ ہم پہنچے وہ تمام تیری ہی گلی کا سرا دیکھا۔ یعنی ہر جا تجھے ہی پایا ؛

۲؎ جس پرستش کی جگہ کو دل نے برائے عبادت قبول کیا۔ اس دل کے قبلہ کو تیری آبرو (بھویں) کا خم دیکھا یعنی اس جگہ تو ہی جھانکتا ہمیں نظر آیا ؛

۳؎ ہر سروِ رواں (معشوق یا پیارے) کو جو کہ اس دُنیا کے باغ میں ہے۔ اُس کو تیری ندی کے کنارے کے باغ کا اُگا ہوا دیکھا (یعنی جو بھی اس جہان میں پیارا نظر آیا وہ سب تیرے ہی سے ظہور پذیر ہُوا دکھائی دیا) ؛

۴؎ کل رات ہم نے باد صبا (مشرقی ہوا) سے تیری خوشبو سُونگھی۔ اور اُس باد صبا کے ساتھ تیری خوشبو کا قافلہ دیکھا (یعنی اس میں تیری خوشبو بسی ہوئی تھی) ؛

لہ روئے ہمہ خوبانِ جہاں را بہ تماشا
دیدیم و لے ز آئینۂ روئے تو دیدیم

لہ در دیدۂ شہلائے بُتانِ ہمہ عالم
کردیم نظر نرگسِ جادوئے تو دیدیم

لہ تا مہرِ رُخت بر ہمہ ذرّات نتابد
ذرّاتِ جہاں را بہ تگ و پوئے تو دیدیم

——— ××× ———

راگ بھیروی۔ تال دادرا۔

لہ سیر نیم سیر نیم از لبِ خندانِ تو
ای کہ ہزار آفریں بر لب و دندانِ تو

لہ دنیا کے تمام خوبصورت لوگوں کے چہرہ کو ہم نے دیکھا۔ لیکن تیرے چہرے کے آئینۂ سے اُن کو دیکھا (یعنی اِن تمام خوبصورتوں میں تیرا ہی رُوپ یعنی نور پایا) ÷

لہ تمام جہان کے پیاروں (معشوقوں) کی مست آنکھ میں ہم نے جب دیکھا تو تیری جادو کی نرگس (آنکھ ہی) دیکھی ÷

لہ جب تک تیرے چہرے کا آفتاب تمام ذرّوں پر نہ چمکے۔ تب تک جہان کے ذرّوں کو تیری ہی طرف دوڑتے ہوئے دیکھا (یعنی) جب تک تیری شعاع نہ پڑے تب تک طالبِ حق تیرا ہی طلبگار رہے گا) ÷

لہ تیرے ہنستے ہوئے لب سے میرا جی نہیں بھرا۔ نہیں بھرا۔ تیرے دانت و لب پہ ہزار ہزار شاباش ÷

سلہ سوسن تیغے بکشید - خونِ سمن را بریخت
تیغ بہ سوسن کہ داد؟ نرگسِ خونخوارِ تو
سلہ آئینہ جاں شدست - چہرۂ تابانِ تو
ہر دو یکے بودہ ایم - جانِ من و جانِ تو

بَن باس

راگ بروا - تال دھمار

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
دشمنِ جاں ہو نہ کوئی مہرباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو آکر کوئی پوچھے نہ بات
اور گر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو
رخصت اے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکاتے ہے
مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلاتے ہے
پھر بہار آئی چمن میں تخمِ گل آئے ہوئے
پھر ہرے داغِ جنوں آتش کے پرکالے ہوئے

سلہ سوسن پھول نے چنبیلی کے خون بہانے کے لیئے تلوار کھینچی - لیکن اُس سوسن کو تلوار کس نے دی؟ تیری خونخوار نرگس (آنکھ) نے ؛

سلہ تیرا منوّر چہرہ میری جان کا آئینہ ہوا - اس طرح میری جان اور تیری جان ہر دو ہم ایک ہی ہو گئے ؛

جیتے رام کی ہڈیاں گنگا میں پڑے دو برس گزر گئے۔ کشمیر یاترا کو تقریباً ایک برس ہو چکا ہے؛

کسی شخص کو معلوم ہو جائے کہ یہ سراب ہے۔ پھر وہاں پانی بھرنے کیوں جائے گا؛ اگر کسی کے مارے باندھے چلا بھی جائے۔ تو اس کا قدم شوق سے نہیں اُٹھے گا؛

سنسار کے پشیوں کی حقیقت کُھل گئی۔ دنیا کی اشیاء کی قلعی اتر گئی۔ تو ان میں جی کیسے لگے؟۔

جو کمہار اپنے چکر کو چلاتے چلاتے چھوڑ کر الگ اپنی گدی پر جا بیٹھا ہو۔ وہ چکر پچھلے دھکے (inertia.) کے باعث کچھ دیر ضرور چلتا رہتا ہے۔ آخر تا بہ کے۔ اس کی سرعت سست پڑتی جائے گی۔ اور رفتہ رفتہ مالک کے ہاتھوں بغیر وہ چکر جلدی تھم جائے گا؛

جس جسم کا کرتا بھوگتا جیو اپنی حقیقی گدی پر نشست اختیار کر چکا ہو۔ وہ جسم کب تک کمہار کے چکر کی طرح گھومے گا؛ دُنیوی تعلقات ڈھیلے پڑتے جائیں گے۔ اور آہستہ آہستہ بدیہہ

کب تنک روش رہے قیدئی زندانِ وطن
بوئے گل پھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو

اکبر کا باپ ہمایوں بادشاہ مر گیا۔ لیکن کئی روز تک لوگ مُلا شکیبی شاعر کو (جو ہمایوں کا ہمشکل تھا، تخت پر بیٹھا ہوا پا کر یہی سمجھتے رہے کہ ہمایوں زندہ ہے اور راج کر رہا ہے؛ پر کہاں تک چھپے۔ معلوم ہو ہی گیا؛ گیان ہوتے ہی عارت تو شریر چھوڑ بیٹھا۔ مر گیا۔ لیکن دنیا داروں کی نگاہ میں کام کاج کرتا معلوم ہوتا ہے۔ نبھے گی

کہاں تک ؟

کئی تارے آسمان پر ٹوٹ پڑنے کے بعد بھی اس زمین کے باشندوں کو بباعث دوری سیکڑوں بلکہ ہزاروں برسوں تک نظر پڑے آتے ہیں پر ایک دِن ٹوٹتے نظر آہی جاتے ہیں ؛ جو روٹی ایک دفعہ کھا لی جائے پھر ہاتھ میں کیسے رہ سکتی ہے ؛ اہنکار کو جب شِو وہم نے کھا لیا تو پھر کیا کام دے گا ؟

لہ من ازاں حُسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

سہ میں جو شوق سے قدم بڑھا کے چلا ؛ لگی رستے میں کہنے یہ بادِ صبا
تجھے زندہ نہ چھوڑے گی نازوادا ؛ مجھے اس گُلِ ہوش رُبا کی قسم
آخر آیا وہ دِن کہ کام کاج چھُٹ گئے ؛

سلہ دلبرا چوں رُخ نمودی شُد نمازِ من قضا
آفتابے چوں برآید۔ سجدہ کے باشد روا

سہ عشق کے مکتب میں میری آج بسم اللہ ہے
مُنھ سے کہتا ہوں الف۔ دِل سے نکلتی آہ ہے۔

لہ مجھ کو یوسف کے دِن بدن بڑھنے والے حُسن سے اس بات کا یقین کامل ہو گیا کہ سچا عشق زلیخا (معشوق) کو پردہ سے باہر کھینچ لاتا ہے ؛

سلہ اے دلبر جب تو نے منھ دکھلایا تو میری نماز قضا ہو گئی۔ جب آفتاب نکل آیا۔ تو پھر سجدہ کب واجب ہے ؛

لہ بیخودی فارغ از مسیحم کرد ٭ درد ما بُود خود دوا سے ما

جس طرح مُردے کو اس دُنیا سے پریت جان کر لوگ کیرتن کرتے ہوئے گھر سے باہر چھوڑ آتے ہیں۔ سب عزیز و اقارب مارو گاتے ہوئے رامؔ کو گنگا کی جانب روانہ کر آئے ٭

راگ مال کونس۔تال جھپ

منا! مَیں نے رامؔ نہ جانیا رے۔ رامؔ نہ جانیا رے

منا! مَیں نے رامؔ نہ جانیا رے

(۱) جیسے موتی اوس کا رے تیسے یہ سنسار

دیکھت ہی کو چھلا رے۔ جات نہ لاگی بار

منا! مَیں نے رامؔ نہ جانیا رے

(۲) سونے کا گڑھ لنک بنایا۔ سونے کا در بار

رتی اِک سونا نہ ملا رے۔ راون مرتی وار

منا! مَیں نے رامؔ نہ جانیا رے

(۳) دِن گنوایا کھیل میں رے۔ رین گنوائی سوئے

سُورداس بھجو بھگونتا۔ ہونی ہو سو ہوئے

منا! مَیں نے رامؔ نہ جانیا رے

رامؔ نہ جانیا رے۔ منا! مَیں نے رامؔ نہ جانیا رے

ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پریم بھرے اِشٹ مِتر رو رہے ہیں اور گا رہے ہیں ٭

لہ میری بیخودی نے مجھے طبیب سے بھی بے پروا کر دیا۔ اِس طرح سے میرا درد ہی میری دوا ہو گیا۔

راگ بھیرو ۔ تال شول

الوداع میری ریاضی ! الوداع	الوداع ای پیاری راوی ! الوداع
الوداع اے اہل خانہ ! الوداع	الوداع معصوم ناداں ! الوداع
الوداع ای دوست دشمن ! الوداع	الوداع ای شیت اُوشن ! الوداع
الوداع ای کُتب و مدرسیں ! الوداع	الوداع ای خُبث و تقدیس ! الوداع
الوداع ای دل ۔ خُدا ای ! الوداع	الوداع رام ! الوداع ای الوداع

سے کیسا چالاکی میں تو یکتا ہو ای دستِ جنوں

دَس تو کیا اِک تار بھی باقی نہیں دستار میں

سے دیوانگی سے دوش پہ زُنار بھی نہیں

یعنی ہمارے جیب میں اک تار بھی نہیں

جب جیب ہی نہیں تو تار کیسا ؟

سے یارو وطن سے ہم گئے ہم سے وطن گیا

نقشہ ہمارے رہنے کا جنگل میں بن گیا ۔

سلہ پیرہن می بدرم دمبدم از غایتِ شوق

کہ وجودم ہمہ اوگشت و من ایں پیرہنم

مجھے اس درد میں لذت ہو ۔ ای جوشِ جنوں اچھا

مرے زخمِ جگر کے ہر گھڑی ٹانکے اُدھیڑے جا

سلہ شوق کی زیادتی سے مَیں اپنے لباس کو دم بدم پھاڑتا ہُوں کیونکہ وہ پیارا (یار، خدا) میرا وجود ہو گیا ہو ۔ اور مَیں اس کا لباس ہو گیا ہوں (تاکہ یہ دوئی خودی مِٹ کر میرا اصلی وصل اس سے ہو جائے) ۔

رہا ہو ہوش کچھ باقی اُسے بھی اب نبیڑے جا
یہی آہنگ ای مُطرب پسر تک اور چھیڑے جا

ؔلہ در دِلم عشق زلیلیٰ کافی ست + خواہش وصل زمانا انصافی ست
ؔلہ پیش آمدم شہ بندہ را گفتم شہا کم کن بلا
گفتا برو۔ گر عاشقی۔ ہر دم بلا افزوں کنم

راگ جوگ۔ تال دھمار

جینے کا نہ اندوہ نہ مرنے کا ذرا غم
یکساں ہی اُنھیں زندگی اور موت کا عالم
واقف نہ برس سے نہ مہینے سے وہ اِکدم
شب کی نہ مصیبت نہ کہیں روز کا ماتم
دِن رات گھری پہر مہ وسال میں خوش ہیں
پُورے ہیں وُہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

کچھ اُن کو طلب گھر کی نہ باہر سے اُنہیں کام
تکیہ کی نہ خواہش ہی نہ بستر سے اُنہیں کام
استقل کی ہوس دِل میں نہ مندر سے اُنہیں کام
مفلس سے نہ مطلب نہ تونگر سے اُنہیں کام

ؔلہ میرے دل کے لئے لیلیٰ کا عشق کافی ہی + اور میرے لئے وصل کی خواہش رکھنا نا انصافی ہی +

ؔلہ شاہ حقیقی کے سامنے آکر میں نے کہا کہ اے بادشاہ! بلاؤں جو تکلیفوں کو کم کر۔ اُس نے کہا اب جا۔ اگر تُو عاشق ہو تو میں دم بدم مصیبتوں اور بلاؤں کو بڑھاؤں گا تاکہ تمھارے عشق کا امتحان ہو۔ +

میدان میں بازار میں چوپال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں
اُن کے لئے تو

(راگ پیلو۔ تال چلنت)

گر نعمتیں کھاتا رہا دولت کے دسترخوان پر
میوے مٹھائی دُودھ۔ گھی حلوا و ترشی اور شکر
یا بادھر جھولی بھیک کی ٹکڑے کے اوپر دھر نظر
ہو کر گدا پھرنے لگا۔ کوچہ بکوچہ در بدر
گر یُوں ہُوا تو کیا ہُوا اور وُوں ہُوا تو کیا ہُوا

تھا ایک دن وہ دھوم کا نکلے تھا جب اسوار ہو
ہر دم پکارے تھا نقیب۔ آگے بڑھو پیچھے ہٹو۔
یا ایک دن دیکھا اُسے تنہا پڑا پھرتا ہے وہ
پس کیا خوشی کیا نہ خوشی۔ یکساں ہے سب اے دوستو
گر یُوں ہُوا تو کیا ہُوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

یا مشرقوں کے ٹھاٹھ تھے یا عیش کے اسباب تھے
ساقی صُراحی گلبدن جام و شراب ناب تھے۔
یا بیکسی کی درد سے بے حال تھے بیتاب تھے
کچھ رہ نہیں جاتا میاں! آخر کو نقش آب تھے
گر یُوں ہُوا تو کیا ہُوا اور وُوں ہُو تو کیا ہُوا

ایک وُہ دن تھا کہ ٹھنڈے لمبے سانس کھینچتا۔ پیلی رنگت کے ساتھ۔ چھپ چھپ کر زار و قطار روتا دھوتا گنگا میں ڈوبنے کی نیت

ست رام یہاں آیا تھا۔

لہ وجہِ زر از روے دارد چشمِ تو تو یارِ من
قلبِ من نقدِ رواں زاں رُوے در بازارِ من
پیش زانکہ بیضۂ زرّیں فتد بر طشتِ زر
در خروش آید خروس از نالہائے زارِ من

"گنگا! تیتھوں صد بلہارے جاؤں۔ گنگا! تیتھوں صد بلہارے جاؤں"

آج وُہ سمے ہے کہ اسی گولی گنگی (یعنی شری گنگا جی) میں کپڑا لتا بلکہ بدن کا ہر سرِمو ڈال پرم آنند کے ساتھ موج میں لہرالہرا کر گا رہا ہے۔

"صد بلہارے جا گنگے! میتھوں صد بلہارے جا"

سے حاجی بسُوئے کعبہ بعد از برائے حج ۔ الحمد گو کہ کعبہ بیاید بسُوئے ما

(راگ سورٹھ۔ تال مُغلئی)

سے باز آمدم باز آمدم تا وقت رامیموں کُنم
باز آمدم باز آمدم تا دردِ دل افزوں کُنم

لہ میری موتی برسانے والی آنکھ روپیہ کی شکل کے مانند ہے اور اس لئے میرے بازار میں میرا قلب نقدِ رواں (چلنے والا سکہ) ہے۔ پیشتر اس کے کہ آفتاب آسمان میں نکلے۔ میرے رونے کے شور سے مُرغِ سحر قبل از وقت بانگ دینے لگ جاتا ہے۔

سے حاجی حج کرنے کو کعبہ جاتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ کعبہ خود ہماری طرف آتا ہے۔

سے میں پھر واپس آیا ہوں۔ میں پھر واپس آیا ہوں تاکہ وقت کو مبارک بناؤں۔ میں پھر واپس آیا ہوں۔ میں واپس آیا ہوں تاکہ دل کا درد بڑھاؤں۔

۱؎ باز آمدم باز آمدم تا بہرِ بیمارانِ دل
از اشکِ چشم و آہ و شب وز خونِ جگر معجوں کنم

۲؎ باز آمدم باز آمدم تا دل برآں دلبر نہم
از ہر چہ جز دلبر بُوَد از شہرِ دل بیروں کنم

۳؎ باز آمدم باز آمدم چیزے ندارم جُز الف
قدِ الف پیدا شود۔ چوں راست پُشتِ نُوں کنم

۴؎ باز آمدم باز آمدم دل دادۂ شوریدۂ
خود را اگر لیلیٰ کناں۔ آں یار را مجنوں کنم

۵؎ گفتم شہا در ہجرِ تو بس قطرہ ہا باریدہ ام
گفتا چہ غم ہر قطرہ را من لُولُوے مکنوں کنم

---

(۱) میں پھر پھر واپس آیا ہوں تاکہ دل کے بیماروں کے لیئے اپنی آنکھ کے آنسو راتکی آہ و زاری اور جگر کے خون سے معجون بناؤں ؛

(۲) میں بار بار واپس آیا ہوں تاکہ دل کو اُس دلبر (پیارے) سے لگاؤں۔ اور جو کچھ ماسوائے دلبر ہو اُس کو دل کے شہر سے باہر نکال دوں ؛

(۳) میں بار بار واپس آیا ہوں تاکہ سوائے الف (وحدت) کے اور کوئی چیز نہ رکھوں اور جب میں نُون (انانیت) کی پیٹھ کو سیدھا کروں تو الف جیسا سیدھا قد پیدا ہو جائے یعنی وحدت ہی ہو جائے۔

(۴) میں بار بار واپس آیا ہوں کیونکہ میں عاشق اور پریشان حال ہوں مگر اپنے آپ کو لیلیٰ بنائے ہوئے ہوں تاکہ اُس یار (پیارے) کو مجنوں بناؤں ؛

(۵) میں نے کہا اے بادشاہ! تیری جُدائی میں میں نے بہت سے آنسو گرائے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کچھ فکر نہ کر۔ میں تیرے (آنسو) کے ہر ایک قطرے کو پوشیدہ موتی (دُرِ ناسفتہ) بنا دوں گا ؛

۱؎ گفتم شہا چوں حاضری فردا چہ حاجت وعدہ را
گفتا برو خود را ببیں تا وعدہ را اکنوں کنم

۲؎ گفتم شہا در پردہ ہا خود را چرا داری نہاں
گفتا کہ گر بیروں شوم۔ سیصد چو تو مجنوں کنم

بادلوں کی گرج کے جواب میں گونجنے والے پہاڑ۔ جاوداں شادی میں پاکوبان آبشار۔ اور راحت فشاں گنگا کی آواز یہ گیت گا رہے ہیں

(راگ آسا۔ تال دادرا)

(۱) گنگا کا ہی کنار۔ عجب سبزہ زار ہی
بادل کی ہی۔ بہار ہوا خوشگوار ہی
کیا خوشنما پہاڑ پہ وہ چشمہ سار ہی
گنگا دُھنی سُریلی ہی کیا کُلفت دار ہی
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہی

(۲) وقتِ صباحِ عید تماشا تیار ہی
گلگونہ منہ پہ مل کے کھڑا گلعذار ہی
شاہِ فلک سے یاں جو ہوئی آنکھ چار ہی

---

(۱) میں نے کہا کہ اے بادشاہ! جبکہ تو حاضر ہی تو کل کا وعدہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہی؟ اُس نے جواب دیا کہ جا اپنے تئیں دیکھ تاکہ میں ابھی وعدہ (دیدار) پورا کروں۔

(۲) میں نے کہا کہ اے بادشاہ تو اپنے تئیں پردوں میں کیوں پوشیدہ رکھتا ہی؟۔ اُس نے جواب دیا کہ اگر میں پردہ سے باہر آؤں تو تجھ جیسے ہزاروں کو مجنوں بناؤں۔

مارے شرم کے چہرہ بنا سُرخ نار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے۔

(۳) قطرے ہیں اوس کے کہ دُرّوں کی قطار ہے
کرنوں کی اُن میں۔ یل بے نزاکت اپنا رہے
مُرغانِ خوش نوا اتھیں کاہے کی عار ہے
گاؤ بجاؤ۔ شب کا پٹا دل سے یار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۴) معشوق قد درختوں پہ بیلوں کا ہار ہے
ڈَ ڈَ غلط ہے۔ زلف کا پیچاں پہ مار ہے
واہ واہ سجے سجائے ہیں کیسا سنگار ہے
اشجار میں چمکتا ہے۔ خوش آبشار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۵) اشجار سر ہلاتے ہیں کیا مست وار ہیں
ہر رنگ کے گلوں سے چمن لالہ زار ہیں
بھونرے جو گونجتے ہیں پڑے زنگار ہیں
آنند سے بھری یہ صدا اونگ کار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۶) گنگا کے رُو صفا سے پھسلتی نہ گر نظر
لہروں پہ عکس مہر کا کیوں بیقرار ہے
وشنو کے بشنو کے گھر کا اساسہ یہ گنگ ہے
یاں موسم خزاں میں بھی فصلِ بہار ہے۔

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۷) ساقی وہ مے پلاتا ہے ترشی کو مار ہے
دلدار خوش ادا تو سدا ہمکنار ہے
واہ کیا مزے سے کھانے کو غم کا شکار ہے
درشن شراب ناب سخن دل کے پار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۸) باہر نگاہ کیجیے تو گلزار ہے کھلا
اندر سرور کی تو بھلا حد کہاں ملا
کالج قدیم کا یہ میرا مُو نہیں ہلا
پڑھاتا معرفت کا سبق میرا یار ہے
تام
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۹) اے جان بیا بیا کہ ایں دنیائے دیگرست
آبے دگر ہوائے دگر جائے دیگرست
خوباں زخویش دُور و در جہل افگند
خوب است جہل دُور کند جاے دیگر است
سادھو فقیر کا تو اسی پر مدار ہے آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۱۰) مستی مدام کار ہی روزگار ہے
گُل بیں نگاہ پڑتے ہی پھر کس کا خار ہے
کیوں غم سے تُو نزار ہے کیوں دِل فگار ہے
جب رام قلب میں ترے خود یار غار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

گنگوتری کا رستہ

صرف کمر پر کپڑا اوڑھے رامؔ چلا جا رہا ہے اور گا رہا ہے کیا ؟ "اوم"۔
ایک موقع پر نو دس میل تک نہایت بلند دیواروں کی طرح ایک دوسرے کے متوازی پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ ان کے بیچ میں ایک جانب پہاڑ سے ٹکراتی جھکولے کھاتی گنگا بہے جاتی ہے۔ دوسری طرف کے عمود وار (STEEP) پہاڑ میں ایک باریک پگڈنڈی کھدی ہوئی ہے؛ رات کے دو یا تین بجے کا عمل ہوگا۔ سناٹے کا عالم ہے۔ ابر چھایا ہوا ہے پرندہ پر نہیں مارتا۔ یہ لو۔ بجلی کوندی۔ بادل کڑکا۔ بارش پہاڑوں سے زور آزمائی کرنے لگی۔ راستہ پر پتھر اور درخت گرنے لگے۔ اڑا اڑا دھم۔ اڑا دھم؛ رامؔ کے سر پر چھاتا نہیں۔ پاؤں بالکل ننگے ہیں۔ ہاتھ میں چھڑی بھی نہیں۔ گرم کپڑے کا سہارا نہیں؛

(۱) بفسردنم ہمہ تن الم بہ تردد آبلہ در قدم
چو غبارِ نالہ فسردنم چو سرشکِ ننگ روانیم
(۲) نہ نشیمنے کہ کنم مکاں نہ پرے کہ بر پرم زمیاں
ستمی بہ عشوۂ امتحاں بستم آشیاں رہانیم

(۱) ٹھٹھر جانے سے سارا بدن تکلیف میں ہے۔ چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ رونے کے غبار کی طرح میرا ٹھٹھرنا ہے۔ اور شرم کے آنسوؤں کی طرح میرا چلنا ہے۔
(۲) نہ کوئی گھونسلا (گھر) ہے کہ جہاں ٹھہر جاؤں۔ اور نہ پر ہی ہیں کہ جس سے اُڑ جاؤں۔ اے ہے۔ ظلم ہے کہ تو ناز و نخرہ سے میرا امتحان لے رہا ہے اور میری رہائی کی صورت نہیں بننے دیتا۔

۵ وحشتِ پیمائی سے ہی اپنے بیاباں نازاں
اپنے پابوس سے ہی خارِ مغیلاں نازاں

یہ وہ مقام ہی کہ جہاں دن دوپہر کو بھی آدمی کا گزر کم ہوتا ہی۔ یہاں ایسی شبِ تار میں کون چل رہا ہی؟ اُس کے سوا اور کون ہوگا جو خوابِ گراں (۱) (سُشپتی) کی شبِ یلدا میں بھی جاگتا ہی؛

(सदोदितोऽहं सदोदितोऽहं) (۲)

اسی حالت میں چلتے چلتے ٹوٹی ہوئی سڑک سامنے ملتی ہی۔ راستہ بند ہی۔ مگر وہ کون سی مزاحمت ہی جو رآم کو روک سکتی ہی؟ کانٹے دار جھاڑیوں کو پکڑ پکڑ کر پتھروں کو ٹٹول ٹٹول کر رآم پہاڑ کے اوپر چڑھ رہا ہی۔ جہاں بکری (अजा) کا گذرنا دشوار ہی رآم موجود ہی؛

(۳) بہ جہانِ جلوہ رسیدہ ام سہ ہزار پردہ دریدہ ام
ثمرِ نہالِ حقیقتم۔ چمنِ بہارِ خدائیم؛

(۴) سیرِ کعبہ گرمِ فسونِ من۔ دلِ دیر جوششِ خونِ من

---

(۱) تاریک۔

(۲) سدا جاگتا ہی ہمیشہ بیدار ہی۔

(۳) اُڈو ہو (انکشافِ ذات) کے جہان میں مَیں پہنچ گیا ہوں۔ اور تین ہزار پردے پھاڑ کے ہیں۔ اب حقیقت کے درخت کا پھل مَیں ہوں اور خدائی بہار کا باغ مَیں ہُوں؛

(۴) میرا دھیان کرتے ہی (میرا منتر جپتے ہی) کعبہ کا سر جلنے لگتا ہی۔ اور بتخانے کا دل میرے خون کا اُبال ہی۔ یعنی دیوتاؤں کے دلوں میں میرا خون جوش مارتا ہی۔ میرے جنون کی سیر سے الگ مست ہو۔ کیونکہ میں تمام جگہ کی قیامت ہوں۔ یعنی میرے دیکھنے سے تمام جگہ ہل چل مچ جاتی ہی۔

گر نزد زیر جنون من کہ قیامت ہمہ جائیم۔

پہاڑ کی چوٹی پر کس زور سے "اوم" "اوم" "اوم" کا نعرہ سنائی دے رہا ہے۔ ارے پچھلی رات کے سونے والوں! کیا یہ کوک تمھارے کانوں تک ابھی نہیں پہنچی؟ تمھاری نیند ابھی تک نہیں کھلی؟ یاد لو! جاؤ۔ دنیا بھر میں ڈھنڈورا پھیر دو۔ "اوم" ॐ بجلی دوڑو۔ روشنی کے حروف میں لکھ کر دکھا دو۔ "اوم" ॐ

جواب میں بادل گرج گرج کر پتھروں کو جگاتے ہیں۔ بجلی درختوں اور جانوروں کو روشنی سے جگمگا دیتی ہے۔ رام کے فرمان کو پرکاش نے آنکھوں پر قبول کیا۔ آسمان نے سر پر منظور کیا۔

ہند جاگا۔ جاگا۔ جاگا

ع فلک[1] گفت احسن۔ ملک گفت زہ اوم۔ اوم۔ اوم۔

ای غلامی! ارے داس پن! ارے کمزوری! اب وقت ہے۔ باندھو بستر اُٹھاؤ لتا پتا۔ بھاگو۔ چھوڑو مکت پرشوں کے دیش کو

ابر تمھارے ماتم میں رو بھی رہے ہیں۔ بہہ جاؤ گنگا میں۔ ڈوب مرو سمندر میں۔ گل جاؤ ہمالیہ میں

اس مہیب اور پُر خطر موقع پر رام لا دھڑک موت کو تنبیہ کر رہا ہے۔ کیا اُسے جان کا ڈر نہیں ہے؟ جس سے کوئی مقام خالی ہی نہیں اُس کو خوف کہاں موت کی ہی طاقت ہے رام کے حکم بغیر دم مارنے کی؟ رام کا یہ جسم نہیں گرے گا۔ جب تک بھارت بحال نہ ہو لے گا

---

[1] آسمان نے کہا بہت خوب اور فرشتوں نے کہا شاباش۔

یہ بدن قتل بھی ہو جائے گا۔ تو بھی اس کی ہڈیاں دوھیچ کی ہڈیوں کی طرح کسی دکسی اِندر کا بجر بن کر دَوَیت کے راکشش کو چکنا چور کرہی دیں گی؛ یہ شریر مرجائے گا تو بھی اس کا برہم بان نہیں خطا کرنے کا؛

اشوتھاما کے "برہم شستر" کی طرح رام کا برہم بان دو بینی وِدوانی کی نسل کا تخم باقی نہیں چھوڑے گا۔ حمل میں جو بھید روپی بچے بچے ہیں ان کو بھی اُڑا دے گا؛

اس شُدھ پھُرنا کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہو؟۔ یہ گیان گولا (star-shell.) خالی جانے والا نہیں؛ گدھے کے سروالے اہنکار روپی راون کا بند بند جُدا؛

؎ پڑا نفس کو کہ راون ہی ہم سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کردوں تو رام نام نہیں

؎[1] بیا ای سبز خنگ من بنہ برآسمانہا سُم
بخیز اَے مُردہ دُنیا قُم۔ باذنی قُم۔ باذنی قُم؛

صبح کا وقت ہو۔ خودمستی میں جھومتا ہُوا رام جا رہا ہو۔ کسی وقت موج میں ناچنے لگ پڑتا ہو؛

چاروں طرف پہاڑیوں کو سفید برف کی ساڑھیاں اوڑھے دیکھ کر مارے غصے کے چہرہ تمتانے لگا؛

"تُم نے بدھوا کا لباس کیوں پہن رکھا ہو؟ دیکھتی نہیں ہو

---

(۱) اے میرے سبز گھوڑے! آ اور آسمان کے اُوپر پاؤں (سُم) رکھ اَی مردہ دُنیا میرے حکم سے تو اُٹھ۔ میرے حکم سے اُٹھ؛

کون آ رہا ہے؟

پہاڑیوں سے (ٹھنڈی ہوا) آہ سرد نکلتی ہے۔
"ہائے رنگریز چل گیا۔ آج ابھی تک نہیں آیا"۔
رام کے اُدھر نظر اٹھاتے ہی کا پتا کا پتا لال رنگریز آتا ہے آناً فاناً پہاڑیوں کے دو پتے بھگوے ہو گئے۔

(راگ بھیروی۔ تال تین)

رنگدے رے رنگریز! چُنریا رنگدے ۱
ماہی کی چدریا ہمری چُنریا دونوں کو جو گیا رنگ دے
مَیں پیا تورے رنگ میں سمائے رہی
اور رنگ موہے کاہے پریہ ہوئے مَیں پیا تورے رنگ میں سمائے رہی
رنگ وہی رنگریز وہی میں چُنک چُنریا بچھا رہی مَیں پیا تورے رنگ میں سمائے رہی
ہمرے پیا ہم پیا کے ری سجنی پیا پر جیورا گنوائے رہی
مَیں پیا تورے رنگ میں سمائے رہی

ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ

RAMA TIRTHA SWAMI

(نوٹ) یہ مذکورۂ بالا حالاتِ قلب و جواباتِ خطوط گسائیں تیرتھ رام جی سے قلمبند ہوکر ۱۹۰۱ء میں جلوۂ کہسار کے عنوان میں شائع ہوئے تھے۔ لیکن پورے دو برس پہلے یعنی ۱۸۹۸ء میں خطوط مذکورہ کے جو جوابات گسائیں جی نے براہ راست اپنے قابلِ تعظیم گورو جی مہاراج کو لکھ کر بھیجے تھے وہ رام کے اصلی خطوط بھی یہاں برائے ملاحظہ ناظرین دئے جاتے ہیں۔ جس سے رام پیاروں کو واضح ہوجاوے کہ رام کی قلبی و دماغی حالت کیسی اعلیٰ و بہترین تھی کہ واقعہ کے دو برس بعد بھی اپنے خطوں کے مضمون کو اُن کی عدم موجودگی میں ہو بہو قلمبند کر سکے ؛

گھر آنے کی درخواست پر جواب

نزد رشی کیش

۲۲ر اگست ۱۸۹۸ء اوم شری

القاب مذکورۂ بالا.....

ایک نوازشنامہ صادر ہوا۔ جس میں گھر آنے کی بابت ترغیب تھی۔ اس خط کو لیکر میں نے فوراً پرم دھام کو روانہ کردیا۔ یعنی شری گنگا جی میں پرواہ دیا۔ اگر کسی خانگی معاملہ کے افسوس کی بابت پوچھو تو آپ کی اتینت کرپا ہے۔ [1]

अव्यक्तादीनि भूतानि व्यक्त मध्यानि भारत ।
अव्यक्त निधनान्येव तत्र का परिदेवना ॥

رہا لوگوں کے گلے اُلاہنے۔ اُن کی بابت یہ عرض ہے:۔

---

(۱) بھارت یعنی بھرت کی اولاد سنتان ــ بھوتوں یعنی وجودوں کے پہلے کی گتی اَوّیکت نامعلوم ــ بیچ کی گت ویکت یا معلوم مرنے کے بعد کی بھی گت اَوّیکت ــ اس میں کیا چنتا فکر کیوں ہووے

کفن باندھے ہُوئے سر پہ ترے کُوچے میں آ بیٹھے
ہزاروں طعنے اب ہم پر لگا لے جس کا جی چاہے

ہے۔ بھگوان! آپ ہی کی آگیا پالن کر رہا ہوں۔ اپنے گھر دیئج دھام) کو جا رہا ہوں۔ آپ کے اصل سَروپ سے مِل رہا ہوں ؛ پنجاب جو پانچ ندّیوں (رکت۔ ویریہ۔ مُوتر۔ سوید۔ رال) سے ملکر بنا ہُوا ہمارا شریر ہے اُسکے ادھیاس کو تیاگ کر ہی اپنے اصل دھام ہری دوار کی پراپتی ہوتی ہے۔
اِس وقت رات کے دس بج چکے ہیں۔ نہ آدمی ہے۔ نہ آدمی کی ذات ہے۔ اندر سے انہد کی گھنگھور ہے اور باہر سے شری گنگاجی نے انہد کی گرج لگا رکھی ہے۔ اندر سے ٹھنڈ ہے۔ اور باہر سے آنند ہے۔ یار سے ملنے والی شبِ ظلمات (اندھیری رات) نے رُخِ عالم پر سیاہی پھیر رکھی ہے۔ اوقات جگت کو اندر سے اور باہر سے دونوں طرح نیست کر دیا ہُوا ہے۔ اس شب میلاد میں کیا اندر اور کیا باہر۔ (سامنے) ڈھلکتے ہُوئے آبحیات (امرت) کے دریا بہہ رہے ہیں۔ ایسے موقع پر دُنیا کی یاد دِلانا۔ ہائے!

؎ اَی سکندر نہ رہی تیری بھی عالمگیری ؛ کتنے دِن آپ جیا جس لیئے دارا مارا
ایسے موقع پر سکندر کو حیاتِ ابدی ایک طرف تھی۔ اور جوانا مرگ دوسری طرف
ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

گھر والوں کو کہدو کہ ملنا مرکز ہی پر مناسب ہے۔ جہاں پر ملنے سے پھر جُدائی نہ ہو ؛

(اوم)

स्फुरत्स्फार ज्योत्स्ना भवति तमेको क्वापि पुलिने ।
सुखासीनाः शान्तं ध्वनिषु चरितः ॥

....

ترجمہ:۔ جہاں پر روشن اور پھیلی ہوئی چاندنی کی مثال جل ہو۔ ایسے گنگا کے کنارے پر آرام سے بیٹھا رہوں۔ جب تمام آوازیں بند ہوں تب رات میں شیو شیو شیو (پرنو روپ) پُرسوز آواز سے کہتے ہوئے دُنیوی رنج وغم سے آزاد ہو کر آنند کے آنسوؤں سے آنکھوں کا ہونا سپھل کروں۔ ایسے میرے دِن کب آئیں گے؟ (از بھرتری ہری)

راجا لوگ۔ راج پاٹ کا تیاگ کر ایسے آنند کی اچھا کرتے تھے۔ دیوتا لوگ سُرگ بیکنٹھ کا خیال چھوڑ اس گنگا تیرتھ کی کامنا رکھتے تھے۔ تو میری ہی کیا قسمت پھوٹ گئی کہ اس پراپت ہُوئے ہُوئے آنند کو چھوڑ کر جھوٹے پدارتھوں کے پیچھے دوڑوں؟

لوگ تیرتھوں پر آیا کرتے ہیں۔ تیرتھ کبھی لوگوں کے پاس چلکر نہیں جاتے گھر والوں کو کہدو کہ تیرتھوں میں رمن کرنے والا جو تیرتھ رام پرما تما ہو۔ اُس کے چرنوں میں چلیں۔ تب تیرتھ رام گسائیں کا ملاپ ہو سکتا ہو۔ ورنہ نہیں۔ جب تک ہمارے گھر میں ست سنگ رُوپی گنگا نہ بہے گی۔ میرا وہاں جی نہ لگے گا۔ ایک منٹ نہیں ٹھہر سکوں گا۔

مرے ہُوؤں کو ملنے کے لیے لوگ اُن کو پیغام بھیجکر اپنے پاس نہیں بُلا سکتے البتہ آپ مر کر اُن سے مِل سکتے ہیں۔ ہم تو مر چکے۔ جیتے ہی مر چکے۔ گھر والے ہم کو بُلانے کی کوشش نہ کریں۔ ہم جیسے ہو جائیں گے۔ تب تو میل بہت آسانی سے ہو سکتا ہو۔

مُرالیوالہ اگر مُراری والہ ہو کر تیرتھ بن جائے تب تو تیرتھوں کو بھینک بنانے والا تیرتھ رام وہاں آسکتا ہو۔ ستوگن کی گنگا جہاں نہ ہو ہمارا وہاں ہونا کٹھن ہو۔ جب سب ہی نے آخر کار سوکھے پھول (ہڈیاں) بنکر گنگا میں

آتا ہے تو کیوں نہیں اپنے ہرے پھول کی نیائیں شریر کو گیان گنگا میں شوق سے پرواہ دیتے۔ اتھوا اپنے ہڈوں کو ایندھن (لکڑی) بناکر مجھاڑوپی گھی ڈالکر پران روپی بایو (پون) سے گیان اگنی میں سواہا کر دیتے اور اس پرکار نرمیدہ کا پُن لیتے ؛

یہاں آٹھ پہر میں صرف راتری کو سنتوں کے درشن کے لئے کبھی باہر نکلنا ہوتا ہے۔ ورنہ کوئی آنا جانا نہیں ۔ اور آٹھ دن میں صرف اتوار کو برہمنوں اور سنیاسیوں کی سبھا میں وکھیان دینے کے لئے جانا پڑتا ہے۔ اور کہیں نہیں ؛

پانچ چھ دن ہوئے کوئی سو کے قریب مہاتماؤں کا بھوجن کرایا تھا۔ از حد آنند ہوا۔ یہاں ستوگن کا پربھاؤ تھا۔ ان دنوں الکنند اور بھاگیرتی دونوں کو روانہ کردیا ہوا ہے ؛ آپکا اپنا آپ - تیرتھ رام

کیا ہم اکیلے ہیں؟

برہم پوری ٹہری
نزد لچھمن جھولا
۳۰ اگست ۱۸۹۵ء

اوم

पूर्णमदः पूर्णमिदं पूर्णात् पूर्णमुदच्यते ।
पूर्णस्य पूर्णमादाय पूर्णमेवावशिष्यते ॥

کیا ہم اکیلے ہیں!

تنہا ستم تنہا ستم در بحر و بر یکتا ستم ؛ جز من نباشد ہیچ شے من جان من تن ماستم

سلہ یہ بھی پورن وہ بھی پورن — نکلے پورن سے ہی پورن
پورن سے گر لیوے پورن — شیش یا باقی رہوے پورن

کوئی دوست یار ساتھ نہیں۔ نوکر پاس نہیں۔ گاؤں بہت دور ہے۔ آدمی کا نام کافور ہے۔ بیاباں ہے۔ سنسان ہے۔ تاروں بھری رات۔ آدمی ادھر آدمی اُدھر ہے۔ پر کیا ہم اکیلے ہیں؟

اکیلی ہماری بلا! ابھی برشا لونڈی سنان کرا کر گئی ہے۔ ہَوا باندی چاروں طرف دوڑ رہی ہے۔ وہ کسی رفیق نے درختوں میں آواز دی "حاضر جناب" (معلوم ہوتا ہے شیر کا نعرہ ہے یا ہاتھی کی چنگھاڑ ہے) سیکڑوں خادم ہمارے جھاڑیوں میں دبے بیٹھے ہیں۔ بلوں میں آرام کر رہے ہیں۔

ہم اکیلے کیوں؟

ہے ہاں ہم اکیلے ہیں۔ یہ خادم وادم کوئی نہیں ہیں۔ ہم ہی ہیں۔ یہ درخت نہیں ہیں۔ ہم ہی ہیں۔ ہَوا نہیں ہم ہی ہیں۔ گنگا کہاں؟ ہم ہیں۔ یہ چاند نہیں۔ ہم ہیں۔ خدا نہیں۔ ہم ہیں۔ معشوق کون؟ ہم ہیں — وصل کیا؟ ہم ہیں۔ ارے "اکیلے" کا لفظ بھی ہم سے بھاگ گیا ہے۔

ایں نعرۂ وایں نعرہ زن وتیز ایں صحرا اشجار و گلستاں وشب و روز نگارا
ایں یار و معشوق۔ وصال و دوم ہجراں یاد۔ انجم۔ گنگا جل وابر و مہ تاباں
کاغذ قلم چشمت و مضمون دتو خود جاں ایں جلگی رام است۔ مرا داں بطواں

ہمارا پتہ پوچھو تو یہ ہے

نشانم بے نشاں میداں مکانم در قلب میخواں
جہاں در دیدہ ام پنہاں مرا جوئید گستاخاں

کیا ہم بیکار رہیں؟

من کا مانسروور امرت سے لبالب ہو رہا ہے۔ اور آنند کی ندی ہر شے میں سے بہہ رہی ہے۔ ہر ایک روم کرت کرت ہے۔ وشنو کے اندر

ستوگُن اتنا بھرپور ہُوا کہ سما نہ سکا۔ اُس چشمۂ ستوگُن سے پیروں کی راہ گنگا جل بن کر ستوگُن بہہ نکلا۔ ٹھیک اسی طور پر اس وقت نارا (جل یا ستوگُن) میں شَین کرنے والا}........نارائن تیرتھ (جل روپ۔ ستوگُنی) میں رمن کرنے والا}........تیرتھ رام نارائن یا تیرتھوں کو رمنیہ (شوبھا والا) بنانے والا} تیرتھ رام نارائن ستوگُن یا آنند سے بھرپُور ہو رہا ہے۔ اُس کا برہمانند سینے سے سمٹتا نہیں۔ پرم آنند کا منبع یا سوتا بنکر یہ تیرتھ رام ساکشات وِشنو پُورن آنند کی دَھارا (ندی) جگت کو کِرتارتھ کرنے کے لیے بھیج رہا ہے۔ خوشحالی اور فارغ البالی کی بادِ نسیم سنسار کو روانہ کر رہا ہے۔ کون کہتا ہے وہ بیکار بیٹھا ہے؟ مَیں سچ کہتا ہوں اس تیرتھ رام کے درشنوں سے کلیان ہوتا ہے۔ وُہ گنگا ہے۔ وہ ہَر یا رَام ہے۔ وہ رَام ہے۔

دَھن بھومی۔ دھن کال دیش وہ دَھن ماتا۔ دھن کُل۔ دھن سَمی وَھن دَھن لوچن کرہیں درس جو رام تہارو۔ سربگ سَم دھی

میری

بانکی ادائیں دیکھو! چندر کا سا مُکھڑا پیکھو!

وایو میں بہتے جل میں۔ بادل میں میری لٹکیں

تاروں میں۔ نازنیں میں۔ موروں میں میری مٹکیں

بانکی ادائیں دیکھو! چندر کا سا مُکھڑا پیکھو!

چلنا ٹُھمک ٹُھمک کر۔ بالک روپ دھر کر

گھونگھٹ ابر اُلٹ کر۔ ہنستا یہ بجلی بن کر

باںکی ادائیں دیکھو! چند کا سا مکھڑا پیکھو!

شبنم - گل - اور سورج چاکر ہیں تیرے پد کے

یہ آن بان سچ دھج! اے رام تیرے صدقے

باںکی ادائیں دیکھو! چند کا سا مکھڑا پیکھو!

جگت سارا وار ڈاروں رام تیرے نام پہ

اندر برہما وار ڈاروں رام تیرے دھام پہ

میں کیسا خوبصورت ہوں! میری سوہنی صورت - میری موہنی مورت میری جھلک - میری ڈلک - میرا حسن - میرا جان! - اسکو میری آنکھ کے سوا کسی کی آنکھ دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی -

راقم رام

آجکل لچھمن جھولے سے پرے گنگا تیر پر پہاڑوں میں نواس ہے - گنگا کیا ہے - ویراٹ بھگوان (پرماتما) کا ہردا - پرماتما کے ہردیہ یا چھاتی پہ پرماتما کا آتما بن کر بسرام کرتا ہوں ٭

از ہردوار -

۱۹ ستمبر ۱۸۹۹ء

भिद्यते हृदयं ग्रन्थिश्छिद्यन्ते सर्व संशयाः ।

क्षीयन्ते चास्य कर्माणि तस्मिन् दृष्टे परावरे ॥

ترجمہ - اس سچ سروپ پربرہم (ذات) کے دیدار (انکشاف) ہونے پہ دل کی سب گھنڈیاں کھل جاتی ہیں - سب شک و شبہہ دور ہو جاتے اور ملیا میٹ ہو جاتے ہیں - اور اس کے سب کے سب کرم نشٹ ہو جاتے ہیں ٭

باہر جس طرف دھیان کرتا ہوں ہر ذرّے سے اس جھنکارے کی گونج اٹھتی ہی، तत्त्वमसि, तत्त्वमसि (تو ہی ہی۔ تو ہی ہی)۔ اندر کی طرف منھ کرتا ہوں تو یہ ڈھول (نقارہ) کچھ اور سُننے نہیں دیتا अहं ब्रह्मास्मि, अहं ब्रह्मास्मि। (میں برہم ہوں میں برہم ہوں)، میرے محلوں میں کون۔ کب کیا۔ وغیرہ چوں و چرا کو دخل نہیں۔ من کو بندروں نے چھین لیا۔ بُدھ گنگا میں بہہ گئی۔ چِت کو چیلیں چاپ گئیں۔ اہنکار مچھلیوں کی بھینٹ ہُوا۔ پاپوں کو ہَوا اُڑا لے گئی۔ سارا سنسار جیت لیا ہی۔ میرا اٹل راج بڑے بڑے پرتاپ ؛

नास्ति ब्रह्म सदानन्दमिति मे दुर्मतिः स्थिता ।
गलिता सा न जानामि क्वाहं तद्वपुः स्थितः ॥

ترجمہ:۔ "میں برہم نہیں ہُوں۔ ایسی میری گدھے کی عقل تھی۔ وہ خیال اب کہاں غائب ہوگیا۔ اُڑ گیا۔ کہیں نظر نہیں آتا۔"

چشمِ لیلیٰ ہوں دلِ قیس و دستِ فرہاد
بوسہ دینا ہو تو دے لے۔ ہی لبِ جام مرا

(نوٹ:۔) اس طرح امسال یعنی ۱۸۹۸ء میں ہردوار۔ رشی کیش۔ تپوبن و برہم پوری میں گرمیوں کی چھٹیاں کاٹ کر اور اُن چھٹیوں میں انکشافِ ذات کا لُطف اُٹھا کر گُسائیں تیرتھ رام جی جب واپس لاہور آئے تو عالمِ مستی نے اُن کے اندر جیسا اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا وہ اُن کے ذیل کے متواتر خطوں سے (جو اُنھوں نے اُن دنوں اپنی قلم سے اپنے قابلِ تعظیم گورُو جی مہاراج کو لکھے) بخوبی مترشح ہو رہا ہی ؛

از لاہور

۲۸ر ستمبر ۱۸۹۸ء

آ میرے بھنگیا! تو آ بھنگ پی جا

آ میرے بھنگیا! نشنگ بھنگ پی جا

بھر بھر دنیاں میں بھنگ دے پیالے

نشنگ بھنگ پی جا۔ نہنگ بھنگ پی جا

دُنیا نہیں پاورتی ہی بھنگ ہر وقت گھوٹ رہی ہی۔ شو کی آنکھ کُھلی پیالہ جھٹ حاضر ہُوا۔ بلکہ اس کو بھنگ یا شراب کہنا بھی درست نہیں۔ یہ تو شراب کا نشہ ہی۔ یا تو بھنگ کی مستی ہی۔ آپ کو میری قسم۔ سچ کہو۔ اس مستی اور آنند کے بنا جگت تین کال میں کبھی کچھ اور بھی ہُوا ہی؟ ہرگز نہیں ؛

مَیں یہ نشہ۔ یہ مستی۔ شو۔ بھلا کیا سوچوں۔ کیا سمجھوں؟ رام کیا سوچے سمجھے؟

(۱) سوچنا نامعلوم اشیاء کے واسطے ہوتا ہی۔ اُسے سب معلوم ہی۔

(۲) سوچنا غائب چیزوں کے لیے ہوتا ہی۔ اُسکے لیئے سب حاضر ہی۔

(۳) سوچنا کسی مراد کے حصول کی خاطر ہوتا ہی۔ اُس کی کُل مُرادیں ہر وقت حاصل ہیں۔ جس کو دُنیا میں سوچ سمجھ اور عقل کہتے ہیں یہی کمال درجے کی بیوقوفی ہی؛

[1] چت دیکھوں ترپتی بھرا جام	پی پی مستی آٹھوں یام ؛
نتیہ ترپت سکھ ساگر نام	تَرسے بنے ہم تو آرام
دیکھا سُنا کھپانا کام ؛	تین لوک میں ہی بسرام

[1] چدھر دیکھو اُدھر۔

کیا سوچے - کیا سمجھے رام تین کال جس کو بخ دھام

دوہا پاک دکلامِ عظیم

(۱) گھنڈ کڈھ کے کیوں چن مُنہ - اُٹّے اوہلے رہیوں کھلوئے - فقیرا! آپے اللہ ہو
(۲) تیرے گھٹ وچ رام وسیندا - کیوں پیا بھرنائیں توہ - فقیرا! آپے اللہ ہو
(۳) رام رحیم سب بندے تیرے - (مَیتا) تینوں کیہدا بھو - فقیرا! آپے اللہ ہو
(۴) توں مولا - نہیں بندا چندا - جھوٹ دی چھڈدے خوہ - فقیرا! آپے اللہ ہو
(۵) چھڈ موہرا - سُن رام دوہائی - اپنا آپ (دی) نہ کوہ - فقیرا! آپے اللہ ہو

رام

رام کا ناچ

یکم اکتوبر ۱۸۹۷ء

راقم[1] شری دھنا رام از لامکاں

[2] مارا نکنید یاد ہرگز + ما خود ہستیم یادِ بے ما

روکے جو التماس کی دل سے نہ بھولیو کبھی

دوئی مٹا احد بنا - اُس نے بُھلا دیا کہ یوں

(پردہ ہٹا - دوئی مٹا)

(نوٹ مد[1]) یہ خط گسائیں جی نے بھگت دھنا رام جی کو ایسی محویت کے عالم میں لکھا ہے کہ بجائے اپنے آپ کو راقم کہنے کے بھگت دھنا رام جی کو ہی راقم تحریر فرمایا ہے +

[2] میری یاد ہرگز مت کرنا - میں خود یاد کی ہستی ہوں جس میں خودی کا نام و نشان نہیں + ترجمہ منہ کے اوپر چادر کا گھونگھٹ کاڑھ کے کیوں چھپ کے کھڑے ہو -

آج تو ناچنے کو جی چاہتا ہے

ناچوں میں نٹ راج رے۔ ناچوں میں مہاراج

(۱) سورج ناچوں۔ تارے ناچوں (شیو یا کرشن)۔ ناچوں بن مہتاب رے۔ ناچوں میں نٹ راج

(۲) ذرّہ ناچوں۔ سمندر ناچوں۔ ناچوں سو گھر کاج رے۔ ناچوں میں نٹ راج

(۳) تن تیرے میں دم ہو ناچوں۔ ناچوں ناڑی ناڑ رے۔ ناچوں میں نٹ راج

(۴) باد ر ناچوں۔ بایو ناچوں۔ ناچوں ندی اور ناب رے۔ ناچوں میں نٹ راج

(۵) گیت راگ سب ہو وت ہردم۔ ناچوں پورا ساج رے۔ ناچوں میں نٹ راج

(۶) گھر لاگو رنگ۔ رنگِ گھر لاگو۔ ناچوں پایا داج رے۔ ناچوں میں نٹ راج

(۷) مدھوا لب۔ بدمستی والا۔ ناچوں پی پی آج رے۔ ناچوں میں نٹ راج

(۸) رام ہی ناچت۔ رام ہی باجت۔ ناچوں ہو نہ لاج رے۔ ناچوں میں نٹ راج

امراض روپی بھانڈوں کا مجرا

از لاہور

۶ر نومبر ۱۸۹۸ء		اوم شری

ستیم گیان منتم برہم۔ آنند آمرت۔ شانتی نکیتن

منگل مئے شو رو پم۔ شدھم۔ اپاپ وِدھم

ہمارے شریر روپی محل میں تندرستی روپی کنجری کو اپنا راگ رنگ سناتے اور تماشا دکھاتے بہت دیر ہو گئی تھی۔ اب بخار۔ دردِ معدہ۔ سانس کی نہایت سرعت اور کھانسی روپی بھانڈوں کے مجرے کی باری تھی۔ سو انھوں نے ایک پورا ہفتہ اپنی شور و غل والی نقلوں سے دھوم مچائے رکھی۔ کالج کا جانا بند رہا۔ آج بھائی گورو داس اور بابا بوٹا مل

بھی یہ تماشا دیکھ کر مُراریوالہ کو رخصت ہُوئے ہیں۔ امرت شر جاتا ہو تو دیدار سے پہلے چلے جانا

اوم

از

۲۸ نومبر ۱۸۹۵ء   اوم شری

القاب مذکورہ بالا........

شریر میں ریشہ ابھی ہے۔ مشن کی نوکری میں شاید کوئی تبدیلی (اُتھل پتھل) جلدی پڑ جائے۔ اندرونی (اصلی) آنند دن بدن زیادہ ہی زیادہ ہے۔

مے نہ مَرے نہ جَیے ہرے تم   پرمانند بسو پایئو
منگل مود بھر شِو گھٹ بھیتر   گورو شرتی برہم لومیو بتایئو
سُکھ مین سب یگیہ رہا تی   باسدیو سوہنگ کر جاکی
ٹوٹی گرنتھی اودیا ناشی   ٹھاکر ست رام ابناشی

بناکوڑی رام بادشاہ

اوم

۱۱ دسمبر ۱۸۹۵ء

القاب مذکورہ بالا........

کرپا پتر ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ "پتہ نہیں آپ کیا خیال کرتے رہتے ہیں" یقین جانو کہ جس طرح آپ کے گوجرانوالہ شریر کو پتہ نہیں کہ یہ تمہ رام کیا خیال کرتا ہے۔ ٹھیک اُسی طرح آپ کے لاہور والے شریر کو بھی کچھ پتہ نہیں کہ رام کیا خیال کرتا رہتا ہے۔ رام میں کوئی خیال نظر نہیں آتا۔ کوئی خیال ہو تو دکھائی دے۔ لاریب ذات اور نرمل

چد آکاش میں خیال روپی دُھول کہاں ؟
رام چد آکاش نرمل گگن مانہ + پھرنا دُھول کدا چت نا نہ ہ
خط لکھنے میں دیر کی ایک یہ وجہ ہی کہ کوئی کارڈ لفافہ پاس نہیں تھا اور کوئی پیسہ وغیرہ بھی پلّے نہ تھا۔ آج ایک کتاب میں سے ٹکٹ مل گئے۔ اور آپ کا جواب طلب کارڈ بھی سامنے موجود پایا۔ خط لکھا گیا ہی۔
یہی حال کھانے پینے کے متعلق کی اشیاء (مثل آٹا۔ گھی۔ وغیرہ) کے بارے میں رہتا ہی۔ آج لیمپ میں تیل نہیں ہی۔ اس لیئے آج رات گھر نہیں ٹھہریں گے۔ شہر کے ارد گرد سیر کی جاوے گی۔ دونوں ہاتھوں میں لڈو ہیں۔
اُوپر کے حالات سے یہ نہ نتیجہ نکال لینا کہ ہائے ہائے رام بڑا تنگدست اور دُکھی رہتا ہی ہرگز نہیں۔ اس بیرونی تنگدستی اور غریبی ہی کی وجہ سے لا انتہا درجہ کی امیری اور بادشاہی کر رہا ہی۔ یہ سبق پک گیا ہی کہ جب کسی حاجت کو رفع کرنے کے سامان موجود نہ ہوں تو وہ حاجت ہی محسوس نہیں ہوتی (اور واقع میں جب سامان موجود نہ ہوں تو حاجت کا محسوس ہونا کاذب محض ہوتا ہی)۔ پہلے تو بڑے فکر کے ساتھ ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش ہوا کرتی تھی اب ضروریات بیچاری خود بخود پوری ہو کر سامنے آجائیں تو اُن پر آنکھ پڑ جاتی ہی۔ ورنہ اُن کے نصیب میں رام کی توجہ کہاں ؟ بلکہ بدھ کرم اور کال بدبی خادموں کو سو دفعہ ضرورت ہو تو آن کر رام بادشاہی کی قدمبوسی کریں ورنہ اُس شاہنشاہ کو کیا پروا ہی اس بات کی کہ فلاں غلام

گُزرا کر گیا ہی کہ نہیں ؟

رام:۔تجھ و بار عرض ہوئے تو دھو دھو پئیں قدم
کیوں چرخ و مہر و ماہ پہ مائل ہُوا ہی تو
خنجر کی کیا مجال کہ اک زخم کر سکے
تیرا ہی ہی خیال کہ گھائل ہُوا ہی تو

اوم۔اوم۔اوم

۹ر دسمبر ۱۸۹۸ء

القاب مذکورۂ بالا......

آنند۔آنند۔آنند۔بہت آنند ہی
رات اور دن صرف زمین ہی کے واسطے ہیں۔سورج میں نہ رات ہی نہ دن ہی۔وہاں پرکاش ہی پرکاش ہی۔سُکھ دُکھ۔ترشنا اور سنتوش زمین کے لوگوں کے لیئے ہیں۔آپ تو پرمانند گھن ہو۔پرکاش ہی پرکاش ہو؟

رام:۔ ایہ نیش[1] کا سورج میں ناش ؟ اہم پرکاش۔پرکاش۔پرکاش
اگنی کو ٹھنڈک لگے جل کو لگے پیاس ؟ آنند گھن ہم رام سے کیا آشا کو آس
اکائی ذات میں میری انکھوں رنگ دیکھیں ہیں
مزے کرتا ہُوں میں کیا کیا۔آہاہاہا۔آہاہاہا
رام

---

[1] دن رات۔

اوم

۲۵ر دسمبر ۱۸۹۸ء .... القاب مذکورۂ بالا

چھٹیوں میں ابھی تک تو کہیں شہر کے جانے کی اُمید نہیں۔ کچھ پتہ بھی نہیں ؞

तदेजति तन्नैजति तद्दूरे तद्वन्तिके।
तदन्तरस्य सर्वस्य तदु सर्वस्यास्य बाह्यतः ॥

(ترجمہ) ہم چلیں ہم پلیں نا ہیں۔ ہم نیڑے ہم دُور
اندر سب کے چانن ہم ہی۔ باہر ہیں۔ ہم نُور

رام

اس عرصہ کے بعد کے حالات گسائیں تیرتھ رام جی سے خود قلمبند نہیں ہو سکے۔ اور اُن کی باقیماندہ زندگی میں یعنی ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۶ء تک تقریباً لگاتار شری مان نارائن سوامی جی (جو تب نراین داس کہلاتے تھے) اُن کے ہمراہ رہے۔ اس لیئے اُتنے عرصہ کے حالات اُن ہی کی قلم سے تیسرے باب میں دیئے جاتے ہیں ؞

(مولف)

باب سوم

سُرورِ ذات و عالمِ تیاگ

(از قلم شریمان نارائن سوامی شاگرد رشید پرم ہنس سوامی رام تیرتھ جی مہاراج)

جب سے رام اُتراکھنڈ سے واپس آئے۔ مستی نے اُن کی زندگی کا رُخ بالکل پلٹ دیا۔ سُرورِ ذات کے بار بار اُمنڈتے رہنے سے عالم محویت اُن میں دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی پانے لگا۔ اور دُنیوی کاموں میں ہمہ تن مصروفیت سے دل مُنھ موڑنے لگا۔ اور چت میں تیاگ وسنیاس کی اُمنگیں اُٹھنے لگیں۔ یوں تو وہ پہلے ہی سے تنہائی پسند تھے۔ لیکن آتم ساکھشات کار (انکشافِ ذات) کے بعد تو دُنیوی دھندوں سے جو بھی وقت بچتا گوشۂ تنہائی اختیار کرتے۔

مشن کالج سے علیحدگی اور اورنٹیل کالج میں ملازمت

اس سُرورِ ذات کے لطف نے گوشۂ تنہائی کا شوق رام میں اتنا بڑھا دیا کہ سوائے ویدانت چرچا و آتم چنتن کے اور کسی بھی کام کو کرنے کے لیے اُن کا چت تیار نہ ہوتا تھا۔ اس لیے مشن کالج کی چھ گھنٹہ کی ملازمت اب کچھ دُوبھر معلوم دینے لگی۔ اِدھر تو دل اس زیادہ وقت لینے والی ملازمت سے اُچاٹ ہوگیا۔ اُدھر قدرت نے ایسا اتفاق بنا دیا کہ اُن کو مجبوراً ملازمت

چھوڑنی پڑی ✤

مشن کالج میں دیگر پروفیسروں کے مقابلہ میں علمی لیاقت کے علاوہ رام کو ایک خاص فضیلت یہ بھی حاصل تھی کہ جہاں مشنری لوگ طلباء کو بائبل کے اصول سکھاتے اور حضرت عیسیٰ کے گیت سناتے تھے۔ وہاں رام بورڈ پر ریاضی کے سوال سمجھاتے وقت ریاضی سے ویدانت کے اصول بھی ثابت کرتے تھے۔ اور موقع پانے پر تصوّف کے عُقدوں کو اپنی انگریزی و اُردو نظم میں۔ یا پنجابی بُلّھے شاہ و فارسی مولانا روم کے اشعار کو پڑھ پڑھ کر وجد میں آتے اور طلباء کو اپنا والا و شیدا بنائے رہتے تھے۔ اور یہ صاف ظاہر ہے کہ جو عالم و فاضل ہو اور ساتھ ہی عشقِ الٰہی میں رنگا ہُوا بھی ہو اُس کے کلام کا اثر طالب علموں پر کیسا نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ کالج کے طلباء گوسائیں جی کی علمی لیاقت اور عملی زندگی سے ایسے خوش رہتے تھے کہ دوسرے کالجوں کے لڑکے بھی اُن کی ہستی کا حسد کر کے جوق در جوق مشن کالج میں داخل ہونے کو آتے اور کہتے کہ جس سیکشن (فریق) میں گسائیں تیرتھ رام جی پڑھاتے ہیں اُس سیکشن میں داخل ہونے ہم آئے ہیں۔ ایشور جانے دُوسرے پروفیسروں یعنی مشنریوں کو اُس پر حسد کیوں آیا۔ اُنھوں نے گسائیں جی کو مشورہ کے طور پر یوں صلاح دی کہ "جن کی جگہ پر آپ قائم مقام تھے وہ پروفیسر صاحب اب ولایت سے آنے والے ہیں۔ اس لیئے آپ کو چاہیئے کہ جہاں کہیں کسی کالج میں جگہ خالی ہو اُس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ چند ہفتہ کے بعد خالی بیٹھنا ہوگا وغیرہ" اتنا سُننا تھا کہ گسائیں جی کا دِل بہت خوش ہُوا۔ کیونکہ پہلے ہی سے

وہ اس لمبی ملازمت کو چھوڑنے کا خیال کر رہے تھے۔ اُس وقت گورنمنٹ اورنٹیل کالج لاہور میں اتفاق سے ریڈری کی جگہ خالی تھی۔ اور وہ محض دو گھنٹے کی ملازمت تھی جو گسائیں جی کے حسب منشاو تھی۔ اُن کو وُہ مِل گئی۔ اب محض دو گھنٹے وہاں کام کر کے باقی کُل وقت ویدانت چرچا اور آتم وچار میں صرف ہونے لگا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو ویدانت و ریاضی پڑھانے کا کام اُسی کالج میں سپرد ہوا۔ اُس کام سے دل پر اور بھی خوب اثر پڑا۔ گویا سونے پر سہاگہ چڑھ گیا۔ اور اُس کام یعنی ڈیوٹی نے گوسائیں جی کے دل کو پہلے سے بھی زیادہ اُدار اور مست کر دیا۔

سمندر میں ایک اور ندی آن پڑی

اس مستی کے زمانے میں گوسائیں جی کے گھر لڑکا تولد ہُوا۔ جس کا نام بعد ازاں برہمانند رکھا گیا۔ چونکہ یہ لڑکا اُن کے گاؤں مراری والا میں پیدا ہُوا تھا۔ وہاں سے بھگت دھنّا رام جی نے اس خوشخبری کی اطلاع دی۔ جس کا جواب گسائیں جی ۲۵ر فروری ۱۸۹۹ء میں یوں دیتے ہیں۔

"آپ کے ایک خط سے جو غالباً سردار صاحب سنگھ جی کے ہاتھ کا لکھا ہُوا تھا معلوم ہُوا کہ لڑکا تولد ہُوا ہے۔ سمندر میں ایک ندی آن پڑے تو کچھ زیادتی نہیں ہو جاتی اور ندی کوئی نہ گرے تو کچھ کمی واقع نہیں ہوتی۔ سُورج کا جہاں پرکاش ہو وہاں ایک دیپک رکھا گیا تو کیا اور نہ رکھا گیا تو کیا؟ جو عین مناسب ہے وہ خود بخود پڑا ہوگا۔ کسی قسم کا فکر سوچ ہم کیوں کریں؟ یہ سوچ یا فکر کرنا ہی نامناسب ہے۔ ہم گیانی نہیں گیان ہیں۔ دیہ سے واسطہ ہی کچھ نہیں۔ دیہ

اور اُس کے سمبندھی جانیں اور اُن کی پرار بدھ جانے۔ ہیں کیا؟

मनो बुद्ध्यहंकार चित्तानि नाहं, न च श्रोत्र जिह्वे न च घ्राण नेत्रे।
न च व्योम भूमिर्न तेजो न वायुश्चिदानन्द रूपः शिवोऽहं शिवोऽहं ॥

نہ من ہوں نہ بُدھی نہ ہوں چت ہنکار
نہیں کرن جیبھا نہ چکشو نہ آکار ہے
نہ ہوں پرتھوی۔ اپ۔ تیج۔ ناکاش او ہوں
چد آنند ہوں رُوپ شنکر ہُوں شِو ہُوں

نوٹ:۔ لڑکے سے مُراد یہاں گسائیں تیرتھ رام جی کے دوسرے لڑکے گسائیں برہمانند جی سے ہے جو بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی پاس کرنے کے بعد کسی ریاست میں ملازم ہیں۔

اس سال گوسائیں جی موسم گرما کی چھٹیوں میں کشمیر کی سیر کو گئے اور شری نگر پہنچ کر امرناتھ کی یاترا کو چلدئے۔ کُل یاترا محض ایک دھوتی سے یعنی آدھی نیچے اور آدھی کاندھے پر کیئے اُنھوں نے کی۔ اس سیر و یاترا کا مختصر و دلچسپ حال گسائیں جی نے اپنی قلم سے خود تحریر فرمایا تھا جو باب دوم میں دیا جا چکا ہے۔ لیکن اس یاترا سے واپس لاہور آنے کے بعد گسائیں جی کے دل کی شانتی۔ پوترتا اور مستی کی شہرت شہر بھر میں پھیل گئی۔ اور طالبانِ حق کے گروہ آکر اُن کا ست سنگ کرنے لگے۔

نارائن کا رام سمرپن

اتفاق سے راقم (نارائن) بھی اُن دنوں باہر سے لاہور میں آگیا اور اپنے مہربان دوست لالہ ہرشعل[1] صاحب کا تھ

[1] اب ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ اڈیٹر۔

حال ناظر ضلع سے گسائیں جی کی مستی و شانتی کی تعریف سُنی اور جھٹ اُن کے ہمراہ اُن کے درشن کے لیئے جانے کو تیار ہوگیا۔ نارائن اگرچہ اُن دنوں نہ کسی سبھا کا ممبر تھا اور نہ ویدانت (تصوّف) کی تعلیم سے کچھ مس رکھتا تھا۔ صرف بھگتی تھا۔ اور سوامی دیانند جی کا ستیارتھ پرکاش پڑھ جانے سے ہر نو وارد پنڈت اور سوامی سے شاستر ارتھ چھیڑ لیا کرتا تھا اور اسی ڈر کے مارے کہ شاید نارائن گسائیں تیرتھ رام جی کے پاس پہنچ کر اُن سے بھی شاستر ارتھ چھیڑنے نہ لگ بیٹھے لالہ ہرلعل جی نارائن کو ہمراہ لیجانے کے لیئے جھجکنے لگے۔ لیکن جب لالہ صاحب کو معلوم ہوگیا کہ نارائن کے دل پر گسائیں جی کے (امرت سر والے) لیکچروں کا گہرا اثر پڑا ہوا ہے اور اُسی اثر کے باعث نارائن نے بھگوت گیتا کا مطالعہ کرنا جاری کر رکھا ہے۔ تو یہ بچن لیکر کہ "نارائن چپکے بیٹھ کر اُن کے درشن کرتا رہے گا۔ اور کسی طرح کی بحث اُن سے نہ چھیڑے گا" لالہ صاحب نے ہمراہ لیجانا منظور فرمایا۔ اور وہاں پہنچکر چند گھنٹے تک چپکے بیٹھا نارائن گسائیں جی کے درشن کرتا رہا۔ گسائیں جی کے مستی بھرے درشن سے جو گہری چوٹ نارائن کے دل پر لگی اُس کا بیان کرنا قلم کے احاطہ سے باہر ہے۔

نارائن کا دل اُن دنوں مذہبی معاملات میں شکوں سے بھرا ہوا سچائی کی تلاش میں بھٹکتا رہتا تھا۔ جب کسی پنڈت کے پاس وہ اپنے شبہوں کو مٹانے کے لیے جاتا۔ اُن سے یا تو کچھ ذرا سی تسلّی ملتی یا بالکل خالی ہاتھ آتا۔ کئی متعصب پنڈت صاحبان کے ہاں تو یہ گت ہوتی تھی کہ جب اُن کے جواب پر ذرا سی دلیل کے ساتھ پوچھا جاتا یا اُن کے جواب کو زیادہ صاف سمجھنے کے لیئے اُن سے کچھ دلیل کے ساتھ اور سوال کیا جاتا

تو جھٹ یہ جواب ملتا کہ "تو تو آریا سماجی نظر آتا ہو۔ تو کبھی نہیں سمجھ سکتا کیونکہ تُو دلیل و بحث زیادہ کرتا ہو۔ اس لیے جاؤ۔ چلے جاؤ۔ ہم تمہیں نہیں سمجھا سکتے وغیرہ وغیرہ"۔ یہ گسائیں جی کے قلب کی شانتی وستی تھی کہ جس نے نارائن جیسے مُشرک کے دل پر جادو بھرا اثر کیا۔ اور اپنے شانتی بھرے جوابوں سے نہ صرف اُس کے کُل شکوک کو مٹا دیا بلکہ اُسے اپنا ایسا شیدا و مفتوں کر دیا کہ وہ بعد ازاں کسی اور کام کا نہ رہا اور سارے کا سارا گسائیں جی کا ہی ہو لیا۔ جب دل کے سب شُبہے مٹ گئے اور اضطراب دُور ہُوا۔ تو باقاعدہ گسائیں جی سے دھارمک تعلیم پانے کا طریقہ اختیار کیا۔ روزمرہ ہر رات اُن سے اُپنشدیں و دیگر ویدانت فلاسفی کی کُتب پڑھی جائیں۔ اور فلسفہ کے ہر پہلو پر اُپدیش سُنا جاتا۔ اور نہایت باریک سے باریک شُبہوں کو بھی خوب بحث سے صاف کیا جاتا تھا۔ اس طرح نارائن کو خوش قسمتی سے دل بھر کر گسائیں جی کی (سنگت) صحبت کرنے کا موقع ملا۔ جب روزمرہ کے ست سنگ اور رام کے مستی بھرے اُپدیشوں سے نارائن کا دل خوب محظوظ و مسرور اور ہر طرح سے آزاد ہو گیا۔ تو خانہ داری کے زمانہ میں ہی نارائن نے اپنے آپ کو بالکل اُن کے اَرپن کر دیا۔

رسالہ الف کا جاری ہونا اس طرح سے جب نارائن سارے کا سارا رام کا ہو لیا تو اب دن رات اُن ہی کی سیوا و آگیا کا بجا لانا اُس کا شیوہ ہو گیا۔ رات دن زیادہ تر اُن ہی کے پاس رہنا ہوتا تھا۔ ۱۸۹۹ء کے آخر میں گسائیں جی کے جسم کو بخار نے گھیر لیا۔ پیٹ کے درد سے جسم بعض اوقات اسقدر بیتاب ہوتا تھا کہ غشی طاری ہو جاتی

تھی - ایک دفعہ آدھی رات کو ایسی غشی طاری ہوئی کہ دم کا واپس آنا اُمید کے احاطے سے باہر ہو گیا تھا - مگر قدرت نے ابھی رآم کے ہاتھ سے بہت کچھ کرانا تھا - اس لیے لمبی غشی طاری ہونے کے بعد ہوش بھی ایسا آیا کہ بیماری کا لعدم ہو گئی - جب جسم کامل صحت پا گیا - تو ایک رات گسائیں جی مہاراج نارآین سے یوں مخاطب ہوے کہ ....

"دیکھو نارائن! بھارت ورش کے نصیب شاید جاگنے والے ہیں جو رآم کے جسم کو پھر صحت نے مُنھ دکھایا ہے - دماغ میں بیشمار مضامین و خیالات بھرے پڑے ہیں - کیا معلوم صحت اس لیئے ہی ملی ہے کہ یہ خیالات و مضامین قلمبند ہو جائیں - اگر یہ خیالات قلمبند ہو کر پبلک تک نہ پہنچے تو ممکن ہے جسم پھر بستر پر لیٹ جائے اور بھارت ورش کے نوجوانوں کی سیوا کیئے بغیر ہی رحلت جاودانی کر جائے - اس لیئے بہتر یہ ہے - کہ کوئی ایسا انتظام کیا جائے جس سے یہ تمام خیالات قلمبند ہو کر لوگوں تک پہنچ جاویں" ۔

رآم کی ایسی قلبی آواز سُنکر اپنے دوست لالہ ہرلعل صاحب کو اطلاع دی - جس پر باہم مشورہ سے طے پایا کہ ایک رسالہ جاری کیا جاوے - جس میں سلسلہ وار رآم مہاراج اپنے کُل خیالات قلمبند کر کے طبع کراتے رہیں ایسا طے پانے پر گسائیں جی مہاراج کی خدمت میں صلاح پیش کی گئی - جو اُن کے ایسی مقبول خاطر ہوئی کہ فوراً رسالہ جاری کرنے کا حکم صادر کیا - چونکہ سال ختم ہونے والا تھا لہذا دوبارہ گسائیں جی مہاراج نے تاکید فرمائی کہ آیندہ سال سے ہی فوراً رسالہ جاری کیا جاوے اور اُس کا نام (عنوان) الف رکھا جاوے ۔ چونکہ گسائیں جی صفائی پسند

عمدہ درجے کے تھے اور اُن دنوں لاہور کے مطبعوں میں لکھائی چھپائی عمدہ نہیں ہوا کرتی تھی۔ اس لیے رسالہ کے لئے ایک نیا مطبع جاری کرنے کا حکم دیا۔ جس پہ ایک نیا مطبع محض اس رسالہ الف کی خاطر کھولا گیا۔ اور شروع سال ۱۹۰۰ء سے اس مطبع سے ہی رسالہ الف جاری کیا گیا۔ مطبع اور رسالہ ہر دو کا انتظام نارائن کے سپرد ہُوا۔ اور مالی مدد شروع شروع میں لالہ ہر لعل صاحب کے ذمہ تھی۔ اگرچہ سالانہ چندہ سے بھی اس میں مدد ملتی تھی۔ اس طرح سے رسالہ الف کا سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری رہا۔ اور شروع کے دو نمبر دوبارہ سہ بارہ شائع کر کے پبلک تک مفت پہنچائے گئے۔ پہلا نمبر رسالہ الف کا آنند کے مضمون پر تھا۔ اور غرض رسالہ ہذا کی لوگوں کو اپنے ذاتی آنند کا انکشاف کرانے کی تھی اس نئے مطبع کا نام بھی آنند پریس رکھا گیا۔

سمندر کی سیر

ابھی رسالہ کا ایک ہی نمبر شائع ہوا تھا کہ رام کے اندر سمندر کی سیر کی ترنگ اٹھی۔ اس مستی کے زمانہ میں جب کبھی کسی طرف سفر کرنے کا خیال اٹھتا تو فوراً بغیر کوڑی پیسہ ساتھ لئے رام چل پڑتے تھے۔ یعنی نہ کوئی نقدی اور نہ کوئی دیگر سامانِ سفر ساتھ لیا جاتا بلکہ تن تنہا محض اپنے یارِ غار پہ بھروسہ گلی رکھتے ہوئے روانہ ہو جایا کرتے تھے۔ اسی طرح سمندر کی سیر کا خیال آتے ہی شام کو ایک ٹکٹ ریل کا لیکر تن تنہا چلدیئے۔ اور اُن کے واپس آنے پر معلوم ہُوا کہ کراچی و سکھر میں خود بخود کئی ایشور بھگت اُن کی مستی پر شیدا ہوئے۔ اُن کو اپنے اپنے مقاموں پہ لے گئے اور رام کے حسب منشا سب مقامات دیکھے گئے۔ کراچی پہنچکر سمندر کی سیر کا جو لطف

اٹھایا اُس کا مفصل حال اپنی قلم سے گُسائیں جی نے خود قلمبند کر کے
رسالہ الف میں چھپوایا تھا۔ جو باب دوم میں دیا جا چکا ہے؛

رام اور ایک بھگت کی چرچا

رسالہ الف جاری ہونے پر رام اب دن رات طرح طرح کے مضامین لکھنے میں مشغول رہنے لگے۔ جو مستی اور آنند انہیں اس تحریر و تصنیف کے کام میں محسوس ہوتے وہ ہرگز کالج کے کام میں نہ ہوتے تھے۔ اگرچہ کالج میں دو گھنٹے کے لئے ہی جانا ہوتا تھا اور وہاں ویدانت و ریاضی ہی پڑھانی پڑتی تھی۔ تاہم ایک ہی کتاب یا مضمون کا بار بار پڑھانا اور یاد کرانا دِل کو زیادہ محظوظ نہیں کرتا تھا۔ اس لئے اس ملازمت کو بھی چھوڑنے کے لئے گھڑی گھڑی ترنگ دل سے اٹھتی تھی۔ اور جب ترنگ کی خبر ذرا رام پیاروں میں پھیل گئی تو ایک رام پیارا گُسائیں جی سے اس ترنگ کو روکنے کے لئے عرض کرنے آیا۔ جس پر باہم بہت دیر تک سوال و جواب ہوئے۔ اُس کل گفتگو کی نقل (جو اُن دنوں کسی اخبار میں چھپی تھی) برائے ملاحظہ نیچے دی جاتی ہے؛

بھگت:۔ آپ نوکری کیوں چھوڑتے ہیں؟ آپ کا گزارہ کیسے چلے گا؟ پیٹ کا پالنا دھرم ہے۔ اپنا اور سرمبندھیوں کی فکر رکھنا چاہیے۔ دوسرے کے در پر جانے اور بھگوا بھیس دھارن کرنے سے کرتار نہیں ملتا۔ گرہست میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اور گرہست کو تیاگ کرنا پاپ ہے؛

رام:۔ (۱) نوکری کرنا تو نوکروں کا کام ہے۔ میں واحد رام بادشاہ ہوں۔ نہ میں نوکر ہوں نہ میرا کوئی مالک ہے۔ میں خود اپنی ہستی میں قائم ہوں۔ شاہ و شہنشاہ میرے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ میں جسم نہیں ہوں

میں جسم و جان سے مبرا ہوں - یہ بڑی غلطی ہے کہ تم مجھ کو جسم خیال کر رہے ہو - میں تمہاری رُوح ہوں - تمہارا آتما ہوں - تمام کائنات کا میں آتما ہوں - پانچ عناصر میرے نوکر ہیں - زمین و آسمان میں ایسا کوٹ کوٹ کر بھرا ہُوا ہوں کہ ایک ذرّہ بھی میری ہستی سے خالی نہیں - کیا مَیں پیٹ پالُو ہوں؟ مَیں اپنے تختِ حقیقی پر جلوس کرتا ہُوا ہر بشر - حیوان وَرند پرند - نباتات و جمادات میں خیالات لازوال ہُوں - جب تک اپنے آپ کو جسم میں محدود گردانتا تھا یہ جسم نوکری کرتا تھا - اب رام نے اپنی چشم حقیقی سے دیکھا تو ہر جگہ اپنے آپ کو محیط پایا - آپ کہتے ہیں - نوکری؟ یہاں جسم ہی ندارد - دل ندارد - دماغ ندارد - جان و جہان ندارد - اب رام مالک اور نوکر واحد آتما دیکھتا ہے - پیٹ بھینٹ ہوگیا - دل دریا ہوگیا - دماغ دار بقا ہوگیا - ہاتھ پاؤں جھڑ گئے اور امرت کے چشمے رُوم رُوم سے جاری ہوئے - آسمان سلام کرتے کرتے کمر ٹیڑھی کر بیٹھا - سورج دیدار کرنے سے روشن ہوگیا - چاند چمکنے لگا ستارے دیوالی ہر شب مناتے ہیں - درخت، گلدستہ تیار کرکے رام کے پاس آتے ہیں - غرض یہ کہ جو کچھ نظر آتا ہے - یہ میرا جلوہ ہے - اے پیارے! رام میں جسم کو غرق کردے - تب تم کو اس نقطۂ حقیقی کی خبر ملے گی +

(۲) میں خود گذارہ ہوں میرا گذارہ کسی غیر چیز پر منحصر نہیں کیا مجھ کو بھی دنیاوی جنس کی اسٹاک بُک میں درج کرتے ہو؟ میں خود تمام کائنات کا گذارہ ہوں - ہر جسم و جان کو ذرّہ ذرّہ میں میری ہستی سے گذارہ ہے - خوراک اور پوشاک جس کو تم گذارہ خیال کرتے ہو وہ صرف تمہارا خیال ہی ہے - لباس - اور اشیائے خوردنی اصل میں کیا ہیں - اُن کا سُراغ تو لگاؤ -

ان کا حسب نسب کون ہی؟ اے پیارے! تمہارا آتما ہی بہ حیثیت لباس
اور خوراک موجود ہی۔ لباس کی اصلیت کپاس ہی۔ کپاس نباتات کی
شکل میں آدم اُدم کہتی ہُوئی زمین سے نکلی ہی۔ سورج کا نُور ہی
نباتات ہی۔ زمین کا حسب و نسب سُورج ہی۔ سُورج کا گذارہ
کیا ہی؟ اُس کی ہستی کس لباس اور خوراک پر منحصر ہی؟ اُسکی ہستی
اے پیارے! رام پر منحصر ہی۔ میں رام ہوں۔ جبکہ سُورج کا میں آتما
ہوں تو لباس اور خوراک کی کیا دال گلتی ہی۔ جب کہ شاہنشاہ
ہی مجھ سے روپیہ قرض لے رہا ہی اور میرے اشارہ سے کام کرتا ہی
تو رعیّت اور سپاہ کی چُوں چُوں سے کیا خوف؟

(۳) پیٹ کا پالنا بیشک دھرم ہی۔ لیکن دھرم کا پالنا پیٹ کے باپ
کا پالنا ہی۔ اے پیارے! بشواش کر۔ یہ صرف تیرا خیال ہی۔ میں یہ
نہیں کہتا کہ تو روٹی نہ کھا۔ لباس نہ پہن۔ روزی نہ کما۔ کام کاج
نہ کر۔ یہ میرا مُدعا ہی نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اصلی اور سچا کام
اپنے آپ کو جاننا ہی اور باقیماندہ فعل خود بخود ہو رہے ہیں۔ پیٹ
کے جال میں پھنس کر ہی تو بار بار پیٹ میں دورہ کر رہا ہی۔ اس
ناڑۂ جہالت کو برہم ودیا کی چھُری سے کاٹو کہ پیٹ کی فکر ہی جاتی ہی
یہ ناڑہ کسی اور ودیا کی چھُری سے کاٹا ہُوا پھر نکل آتا ہی۔ اگر چاہتا ہی
میں نے تمہارا پیٹ ہی بھرنے کے لئے یہ پیٹ بھینٹ کیا ہی۔ میں چاہتا
ہُوں کہ تم کو پیٹ سے پاس ہوکر جماعت روحانی میں تعلیم دی جائے۔
میں چاہتا ہوں کہ پارچہ باف کی کھڈی کی جگہ تم کل یعنی مشین کی کھڈی
سے کام لو۔ اب یکہ و بیل گاڑی کا زمانہ جاتا رہا ہی۔ اب ریل گاڑی ٹیلیگراف

جہاز۔ اور ورکشاپ تمہاری خدمت میں موجود ہیں اب تو پانی اور اگنی دیوتا تمہاری خاصی خدمت کرتا ہے۔ یہ سائنس کی ترقی صرف پیٹ کے واسطے ہے۔ جب دیوتا تمہاری خدمت کرتے ہیں تو تم کو اب پیٹ کے دھرم سے کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ تخت حقیقی پر تکیہ لگا کر بیٹھو۔ اور میٹھے بیٹھے پانچ عناصر سے کام لو۔ خدا تم ہو۔ تم ہی خدا ہو۔ صرف کمزوری سے چل نہیں سکتے۔ کیونکہ جہالت اور اس گمان نے کہ میں بندہ ہوں نہایت دُبلا کر دیا ہے۔ لیکن بولنے و پانی پینے اور چانول ہضم کرنے کی طاقت تم کو ہے۔ جب تم بیمار ہوتے ہو تو دُنیا وی بیوپار کی باتیں تمہارے دربار میں پیش رہتی ہیں۔ گو تمہاری صحت ٹھیک نہیں لیکن حساب کا لینا دینا۔ مقدمہ بازی کے خیالات۔ دوست و دشمن کی تمیز۔ نفع و نقصان۔ یہ میرا یہ تیرا۔ سب فعل ویسے ہی جاری ہیں۔ تم کو اپنی صحت کا خیال کہاں ؟ تم تو اشیاء بے بُنیاد (یعنی گھر کا سامان) کے بگڑ جانے سے ہر دم بگڑ رہے ہو۔ خبر ملی کہ مقدمہ ہارا گیا۔ بس تمہارا دم ہار گیا۔ پوسٹ کارڈ میں کیا لکھا ہے؟ "رام جی لکھتے ہیں چانول میں تین ہزار نفع ہُوا" بس پھر دم آگیا۔ اور مُنہ پر سُرخی نمایاں ہوئی۔ بھینس نے آج دودھ نہیں دیا۔ بدمعاش نوکر نکال دو اس کو۔ یہ حرامی ہے۔ نمک حرام ہے۔ اس کی مستی ہے۔ اس نے خیال نہیں رکھا۔ اور بچہ دُودھ پی گیا ہے۔ ذرا نیند آگئی۔ خواب میں نوکر کو گالی گلوج دے رہے ہیں۔ لاٹھی لے کر بھینس کو دے مارا۔ اور مضبوط رسّی لیکر بچے کے گلے میں باندھ دی۔ تاکہ پھر ایسا نقصان نہ ہو۔ بھگت جی کو مت جگاؤ۔ اب ذرا آنکھ لگ گئی ہے۔

اب آرام میں سو رہے ہیں۔ بھگت جی ادھر تو سو گئے۔ مگر خواب میں وہی بے آرامی وارنٹ لئے اُن کو پیش وپیش کر رہی ہے۔

تم نہ پیٹ۔ زبان پرارتھ ہو | تم آتم رام تیھارتھ ہو
کیوں شور مچاتے اکارتھ ہو | تم دین دیال پدارتھ ہو
رام تم کو خوب نچائے گا | خود مستی میں ہی لائے گا
بندہ سے خدا بنائے گا | پر دوئی جہالت مٹائے گا
پیٹ کو بھینٹ بنائے گا | تم کو اس کا ٹھیٹ بتائے گا
رام کرشن کو کیا یاد کرتے ہو | خود آتم دیو تم ہی ہو
کرو بشواش نج آتم پر | آتم دیو تم ہی ہو
مرض لگا ہے تم کو بھاری | دوائی اس کی کاری ہے
ہر ایک کو تم رام ہی جانو | نسخہ واحد باری ہے

(۴) اپنا اور سربندھیوں (رشتہ داروں) کی فکر رکھنا چاہیے۔ پیارے! بہت اچھا بھگوان! پہلے تو یہ جاننا لازمی ہے کہ اپنا کیا ہے۔ اور سربندھی اس کا کون ہے۔ کیا یہ جسم اپنا ہے؟ جسم بذات خود قائم ہے یا اُسکی ہستی کسی اور شے پر مبنی ہے؟ اگر جسم بذات خود قائم نہیں تو ہمارا اپنا کیا ہو سکتا ہے۔ جو آپ ہی لنگوا۔ گنجا۔ اندھا۔ بہرہ۔ گونگا ہے۔ وہ ہمارا اپنا کیسے؟ ایسے کو اپنا بنانے سے سر پر آفت برپا کرنا ہے۔

پیارے! یہ کس کے آسرے ہے؟ پیارے! یہ جسم اپنے آپ ہے یا اور کوئی اس کا اپنا آپ ہے؟ آتما اس کا اپنا آپ ہے۔ اُس کی شکتی سے یہ جسم قائم ہے۔ آتما بذات خود قائم ہے۔ اور جسم مثل سایہ کے

اپنے آپ کچھ نہیں۔ جب جسم خود قائم نہیں تو کوئی سربندھی (رشتہ دار) نہ نکلا۔ اصلی سربندھی تو آتما ہی نکلا۔ خواہ اِدھر دیکھو۔ خواہ اُدھر دیکھو۔ آتما ہی جلوہ کناں ہے۔ اب تو آپ کی زبانی ثابت ہو گیا کہ اصلی سربندھی آتم دیو ہے جو چاروں طرف مختلف نام و رُوپ میں موجزن ہے۔ یہ نام و روپ آپ کی طرف سے منسوب ہوتا ہے۔ ورنہ نام و رُوپ بھی کوئی نہیں۔ صرف آتما ہی آتما ہے۔ یا تم ہی تم ہو۔ اپنے آپ کو خدا کہنے سے مت ڈرو۔ تم کو شہنشاہ بناتے ہیں۔ خوف کرنا چہ معنی۔ جسم سے نگاہ اٹھا کر یہ خیال کرو۔ کہ جو رام اس جسم کے روم روم میں دیاپک ہے۔ وہی رام کُل کائنات کے روم روم میں دیاپک ہے۔ مگر چونکہ رام ایک ہے اس لئے میں اُس رام کی طرف سے کہہ سکتا ہوں کہ میں رام ہوں۔ اگر تم کو ڈر لگتا ہے تو میری طرف سے زور کے ساتھ کہا کرو کہ "میں رام ہوں" "میں رام ہوں" "میں رام ہوں" رام تم کو اجازت دیتا ہے۔ اور قانون پاس کرتا ہے کہ ہر ایک شخص کو رام کی طرف سے جبراً حکم ہے کہ وہ رام کا سکہ چلا وے۔ اور جعلی سکہ بند کرے۔ ورنہ گرفتارِ جیلِ جہالت ہوگا۔ ہر ایک جسمانی سکہ پر رام رام لکھا ہوا ہے ذرہ ذرہ پر رام کندہ ہے تمہاری زبان۔ آنکھ۔ ناک۔ کان تمام جسم کیا ہے؟ صرف رام کا سکہ ہے۔ اگر تم کو رام کہنے سے خوف آتا ہے تو یہ زبان تمہاری نہیں زبان رام کی ہے۔ پس رام کی زبان سے پکارو۔ "میں رام ہوں" "میں خدا ہوں" "میں آتم دیو ہوں" "میں شہنشاہِ جہاں ہوں" "میں سرب دیاپک ہوں" "میں کرتا رہوں" یہ کلمہ تمہاری طرف سے نہیں۔

جس کی زبان ہو اُسی کا کلمہ ہو۔ پس تم برہم ہی برہم ہو۔ ایک منٹ میں خدائی مل جائے تو اور کیا چاہیئے۔ ہر ایک شخص کہتا ہو کہ ہمارا کچھ نہیں۔ جسم رام کا ہو۔ رام ہی تو آپ کا ساتھی ہو۔ اور تم کو یہ حکم دیتا ہو کہ جس کا جسم ہو اُسی کی زبان ہو۔ پس اُس زبان سے ہمارا کیوں کلمہ نکلتا ہو۔ در رام کی زبان سے رام کہتا ہو کہ "میں رام ہوں" "میں خدا ہوں" دن رات ایسا کلمہ کہنا چاہیئے۔ یہی پاک کلمہ ہو۔ اور یہی سکّہ جاری ہونا چاہیئے (جعلی سکّہ اب بند کرو۔ کہ "میں بندہ ہوں" یہ سکّہ جن کے پاس ہو رام کے خزانہ میں روانہ کرتے جاؤ۔ اور نیا شاہی سکّہ (کہ میں رام ہوں) منگوالو۔ رام نے اب حکم جاری کر دیا ہو کہ جس کے پاس جعلی سکّہ ہو اُسکو رام کے پاس لے آؤ۔ رام بڑی محبت اور پریم کے ساتھ اُس سے جعلی سکّہ کو واپس لے کر اُسے اصلی سکّہ کی حالت میں تبدیل کردیگا۔ جیسے طفل نادان کے ہاتھ میں اگر چاقو یا دیگر اوزار نقصان دینے والا ہو تو مٹھائی وغیرہ نذرانہ پیش کرکے اُس سے چھینا جاتا ہو۔ مطلب صرف یہ ہو کہ چاقو اُسکے جسم پر لگ جائیگا۔ ایک لامحدود کو حد میں لانے والا کلمہ کہ "میں بندہ ہوں" جرم نہیں تو کیا ہو؟ تم کس کو بندہ کہتے ہو؟ جب جسم میں تمہارا کچھ نہیں اور تم اپنی زبان سے کہتے ہو کہ یہ رام کا ہو۔ اور واقعی روم روم میں رام ہو۔ تو میں کون ہو اور بندہ کون ہو؟ یہاں تو ایک ہی "میں" ہو جو دریا یک ہو۔ دریا یک رام ہو۔ بندہ نظر نہیں آتا۔ بندہ کہاں ہو؟ اگر کوئی بندہ ہو۔ اور اُسکا وہم و گمان دور نہیں ہوتا تو رام کے

پاس آسکتا ہی۔ اور رآم اس کو ایک نگاہ سے پار کر دیگا۔ چشمۂ آب حیات میں اُسکو غسل دے گا۔ اور کاگ سے ہنس بنا دے گا۔ اپنی اور سربندھی کی فکر ذاتِ الٰہی میں بدل دیگا۔ اور تم کو رآم بنادیگا بس اب تو چاندی ہی۔ قدرت تمہاری باندی ہی:

(۵) پیارے! رآم کو دوسرا کوئی نظر نہیں آتا۔ آپ کو دوسرا نظر آتا ہی۔ یہ چشم کا دوش ہی۔ جب رآم کو دوسرا نظر آیا۔ تو رآم کی سلطنت کون سنبھالے گا۔ رآم تو واحد ہی۔ جیسے کہ سورج کو کوئی لباس دھارن کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنی ذات میں پرکاش دان ہی۔ ویسے ہی رآم اپنی ذات میں مست۔ سُرورِ روحانی برساتا ہُوا اپنی ذات میں قائم ہی۔ لوگوں کو گھومتا ہوا نظر آتا ہی۔ کرتار میں ہی ہوں۔ اور کرتار کی ضرورت نہیں۔ گرہست آتم پد میں رہنے کا نام ہی۔ اپنی ذاتِ الٰہی میں ہمیشہ آنند رہنے کا نام گرہست ہی۔ جو آتم پد سے بے بہرہ ہی وہ جنگل کا حیوان ہی بلکہ مردہ ہی اگر گرہست کو تیاگ کرنا پاپ ہی تو میں اپنے گرہست آشرم یعنی نج آتم میں لین ہُوں۔ اور ایک منٹ مجھ کو سُرورِ روحانی۔ وحدت بینی سے فرصت نہیں۔ پیارے! میں اپنے گرہست میں قائم ہوں۔ اس لئے میں پاپ پُن سے مبرا ہوں۔ کھاتا رآم۔ پیتا رآم۔ دیکھتا رآم۔ سنتا رآم سونگھتا رآم۔ چلتا رآم۔ بجز ذات رآم دگر خیال کرنا حرام۔ اسکا نام اصلی گرہست ہی۔ میرے پیارے ہوش میں آؤ۔ رآم کو الزام نہ لگاؤ۔ اچھا۔ آپ کی مرضی۔ رآم اندر سے آپ کو چابی لگائیگا۔ اور چشم حقیقت کا پردہ دُور کرے گا۔ یہ تمہارا قصور نہیں۔ یہ صرف جہالت ہی۔ اوم رآم:

بن باس یعنی رام کا بان پرست آشرم

اس مستی مجسم رسالہ الف کے ابھی تین نمبر ہی نکلے تھے کہ گیان کی لالی رآم کے قلب کے اندر نہ سما سکی بلکہ پھوٹ پھوٹ کر باہر شعلہ زن ہوئی۔ یعنی رآم مہاراج کو محض دس گز زمین پر جم کر بیٹھنا یا خانہ داری کی چار دیواری کے اندر گھرنا اور قصبوں کے ہجوم میں گھومتے پھرنا اب مشکل بلکہ دوبھر سا ہو گیا۔ اِس لئے رنگے ہوئے دل سے بے بس ہوئے رآم جولائی سنہ ۱۹۰۰ء میں ملازمت وغیرہ چھوڑ کر جنگلوں کو پدھارے۔ بیوی بال بچے ساتھ ہو لئے۔ سوامی شوگن آچاریہ۔ لالہ تُلّا رام (بعد ازاں سوامی رامانند) لالہ گورو داس (بعد ازاں سوامی گوبند آنند) اور امرتسر نواسی نکے شاہ ہمراہ چلے۔ اور نارائن کو بھی الف کا جھنڈا ساتھ لیکر رآم کے ہمرکاب رہنے کا حکم نازل ہوا۔

جب رآم لاہور کے مکان واقع ہرچرن کی پوڑی دچھو والی سے باہر نکلے تو راستہ میں انکے آگے بھجن منڈلیاں۔ کالجوں کے طلبا ویراگ کے بھجن سچے پریم بھرے دل سے گاتے ریلوے اسٹیشن تک آئے۔ راستہ بھر رآم کے اوپر پھولوں کی برشا خوب ہوئی۔ ریلوے اسٹیشن پر رآم پیاروں کا ہجوم بیشمار تھا۔ ریل کے عین روانہ ہوتے وقت نارآئن نے ذیل کا بھجن (جو رآم سے گذشتہ رات لکھا گیا تھا) خوب گایا:-

(راگ بھیروں تال خول)

الوداع ای میری ریاضی! الوداع　　الوداع ای پیاری راوی! الوداع
الوداع ای اہلِ خانہ! الوداع　　الوداع معصومِ نادان! الوداع
الوداع ای دوست و دشمن! الوداع　　الوداع ای خشیت ادشن! الوداع

الوداع اے کتب و تدریس! الوداع | الوداع اے بحث و تقدیس الوداع
الوداع اے دل خدا! اے الوداع | الوداع رام! الوداع اے الوداع

اس بنواس کا کُل مفصل حال رام نے اپنی قلم سے تحریر فرماکر رسالہ الف میں خود شائع کرایا تھا۔ اور جو برائے ملاحظۂ ناظرین باب دوم کتاب ہذا میں دیا جا چکا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ جو قابل الذکر امور رام سے ظاہر کرنے رہ گئے۔ وہ بھی تھوڑے سے اپنے ذاتی تجربے سے دئیے جاتے ہیں:

لاہور سے ہم سب روانہ ہوکر سیدھے ہردوار پہنچے۔ لاہور سے چلتے وقت اپنی اپنی مالی مقدار کے مطابق ہر ایک نے کچھ نقدی برائے سفر خرچ نارائن کے سپرد کردی تھی۔ کیونکہ اس کُل رقم کا خزانچی وسفر کا منتظم نارائن مقرر کیا گیا تھا۔ کُل راستے میں نارائن ہی سب طرح کا خرچ اس فنڈ سے کرتا تھا۔ اور کسی کے پاس علحدہ رقم نہ تھی........

(رام مع ہمراہیوں کے) دیو پریاگ سے بطرف ٹہری چلدیے اور سوامی شوگن آچاریہ جی وہاں سے شری نگر اور شری نگر سے کاٹھگودام ہوتے ہوئے میدانوں میں پہنچ گئے۔ اور بعد ازاں متھرا میں جاکر برلبِ جمنا جاگزیں ہوئے۔

ہردوار سے دیو پریاگ پچاس میل کے قریب ہے اگرچہ ہردوار سے سیدھے مزدور تو بدری نارائن تک جانے کے لئے کیے گئے تھے۔ مگر ہم لوگ بطرف گنگوتری چلدیے۔ جب ٹہری پہنچے تو سب کا دل اُدھر ہی کسی بن میں ڈیرے جمانے کی ترغیب دینے لگا اور رام خود بھی گنگا کنارے پر کسی ایکانت استھان کی دریافت کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ

ایک نہایت سُندر عالی شان باغیچہ گنگا کے کنارے پر بالکل تنہائی میں ملا۔ یہ مقام ٹہری سے قریب دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس باغیچہ کا مالک سیٹھ مُرلی دھر تھا جس نے محض ایکانت ابھیاس کے لیئے قریبًا اُنیس ہزار روپیہ صرف کر کے اسے بنوایا تھا۔ اس کو محض سادھوؤں کے ایکانت ابھیاس کے لیئے سنکلپ کر چکا تھا۔ رآم کو یہ استھان نہایت ہی اعلی و ایکانت پسند آیا۔ اس لیئے ہم سب نے وہاں ڈیرے جا دیئے ؛ ڈیرہ جمانے کے ایک دن بعد جس قدر نقدی برائے سفرخرچ نارائن کے پاس باقی تھی وہ رآم نے سب گنگا میں پھکوا دی۔ اور فرمایا کہ "اب پرار بدھ یا بھگوت مرضی پر شریر کو چلاتا ہی اور روپیہ وغیرہ کے آسرے اسے نہیں رکھنا ہی۔ اس لیئے کچھ بھی نقدی اب پاس نہ رہنی چاہیئے۔"

دُوسرے دِن سب کو ایکانت استھان میں گنگا کنارے الگ الگ بیٹھ کر ابھنگرہ اُپاسنا کرنے کا حکم دیا اور یہ اعلانیہ کہدیا کہ "اب ایشور پر پختہ نشچے کر کے بے فکر ہو سب ابھیاس کرو۔ اگر ایشور کو سب کا خیال ہی۔ اور آپ سب کو اُس پر پکّا وشواس ہی۔ تو آپ کے پاس بیٹھے بٹھائے سب کچھ کھانے کا سامان موجود ہو جائے گا۔ اور اگر نشچے یا وشواس کی کمی سے بھوکا مرنا پڑا تو ایسی موت جینے سے ہزار درجہ بہتر ہی۔" اس طرح ہم لوگ بموجب حکم رآم چند گھنٹے برلب گنگ الگ الگ بیٹھے ابھیاس کر رہے تھے کہ رشی کیش کے کلکتہ کھیشتر کے منیجر بابا رام ناتھ جی ایک دوکاندار کے ہمراہ وہاں آنکلے۔ یہ اپنے کھیشتروں کے انتظام میں اُتر کاشی کا دورہ کر رہے تھے کہ راستہ میں اُن کو رآم کے جنگلوں آنے کی خبر ملی ؛ منیجر صاحب صرف درشن کے لیئے آئے تھے۔ مگر رآم کی

مست حالت کو دیکھ کر وہ بلا ایک دو بات پوچھے نہ رہ سکے۔ وہ بات چیت مختصراً یہ تھی:۔

منیجر:۔ مہاراج! آپ کب یہاں گنگا کنارے آگئے؟۔

رام:۔ کل۔ بس اتنا کہکر رام پھر خاموش ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد

منیجر:۔ مہاراج! بھوجن کا کیا پربندھ ہے؟۔

رام:۔ (اوپر آسمان کی طرف اشارہ کرکے) یہ اُس (بھگوان) سے پوچھو۔ اسکے بعد پھر چند منٹ خاموشی طاری ہوگئی۔ ذرا غور کے بعد۔

منیجر:۔ مہاراج! یہ شخص (لالہ بنواری لعل) اوپر راستہ میں دوکاندار ہے اُس کو حکم دیے جاتا ہوں کہ دس روپیہ ماہوار کا آٹا۔ دال۔ چاول وغیرہ یہاں آپ سب کے بھوجن کے لیئے پہنچا دیا کرے۔ براہ مہربانی اِسکو قبول فرماویں۔

رام:۔ اس بارہ میں اگر پوچھنا ہے۔ تو اُس برہمچاری (نارائن) سے جو دُور کنارے پر اکیلے بیٹھا ہے پوچھو۔

اس پر نارائن کو آدمی بھیج کر بلوایا گیا۔

منیجر:۔ (نارائن سے) مہاراج۔! آپ سب لوگوں کے بھوجن کے لیئے میں دس روپیہ ماہوار کی رسد کا انتظام اس دوکاندار سے کیا چاہتا ہوں۔ (تاکہ آپ کے بھجن میں جب تک آپ لوگ یہاں رہیں بھوجن کا خیال بگھن نہ ڈالنے پائے) اسے آپ قبول فرماویں۔

نارائن نے آجتک کبھی دوسرے کا دان کھایا نہیں تھا اور نہ وہ بھی مانگ کر کھانے کو تیار رہتا تھا۔ جھٹ انکار کر دیا۔ اور کہا سوائے

ایشور کے کسی دوسرے کا دیا ہوا ہیں قبول نہیں۔ اس پر
رام: "دیکھو نارائن! اگر رسد کا انتظام یہ خود کرتے ہیں تو بیشک نامنظور
کرو۔ اور اگر یہ انتظام بھگوان ان کے ہاتھ سے کرواتے ہیں تو منظوری
میں پس وپیش کی کوئی وجہ نہ ہونی چاہیے۔" جس پر
منیجر: "مہاراج! مَیں حقیقت میں کچھ بھی نہیں کر رہا ہوں۔ نہیں اس
انتظام کے خیال سے یہاں آیا تھا۔ بلکہ محض درشن کے لئے یہاں آیا تھا۔
آپ کے مست درشن سے ایشور نے میرے دل میں یہ پوچھنے کی امنگ
پیدا کردی۔ جس پر اُن کی ہی پریرنا (تحریک) سے مجھے ایسا انتظام کرنے
کی سوجھی۔ یہ سب بھگوان ہی کرا رہا ہے۔ میں حقیقت میں کچھ نہیں
کر رہا ہوں۔ اُسے آپ بخوشی قبول فرمائیے۔" اس پر یہ انتظام منظور
کر لیا گیا۔

اس طرح پر منیجر مذکور اپنے ہمراہی دوکاندار کو دس روپیہ ماہوار کا غلہ
بھیجنے کا حکم دے گئے۔ اور عین نو بجے صبح کو (جیسا کہ حسب معمول
ہم سب کے لئے کھانا پکانا شروع ہُوا کرتا تھا) کافی رسد پہنچ گئی۔ اور
اس عجیب واقعہ کو دیکھ سب حیران ہو گئے۔ اور آئندہ کے لئے دل
میں ایشور پر وشواش اور زیادہ زور پکڑ گیا۔ اس کے بعد کسی طرح کی
فکر و خیال پیٹ کی خاطر کسی کے دل میں نہ آنے پایا۔ اس طرح جب
ہم سب خُوب جم گئے اور باقاعدہ زندگی بسر کرنے لگے۔ تو ہر ایک کا
دل ابھیاس میں دن بدن خوب لگنے لگا۔ اور رام کی قلم بھی پہلے کی
نسبت نہایت زور و مستی کی ترنگ میں بہنے لگی۔ اس بن میں رہ کر
جو کچھ بھی مفصّل حال دربارۂ بن باس رام اور حالات متھان رام

کی قلم سے نکلا تھا - اُس کی نقل برائے ملاحظہ گزشتہ باب دوم میں دی جا چکی ہو لیکن چند خطوط جو اُن دنوں رام کی قلم سے اپنے کئی پیاروں کے پاس گئے تھے اور جن کو نارائن نے خود رسالہ الف میں شائع کرایا تھا اور جو تحفائے رام کی جلد اوّل کے (الف نمبر ۴ تا ۶ میں) صفحہ ۱۹۹ سے ۲۰۲ میں دئیے جا چکے ہیں - ان کا یہاں واضح کرنا بہت موزوں و ضروری ہو - اس لئے اُنھیں یہاں بھی دوبارہ دیا جاتا ہو -

---

خط نمبر (۱)

رات کا وقت ہو بیابان ہو
آسماں کا بتائیں کیا ہم حال
چاند ہو موتیوں میں لال دھرا
سر پہ اپنے اُٹھا کے ایسا تھال
باد کو کیا مزے کی سوجھی ہو
"پاس جو بہہ رہی ہو گنگا جی
لا رہی لپک کر ہو رام کے پاس
فخر خدمت سے یاد ہو خورسند
اب تو اٹکھیلیاں ہی کرتی ہو
لو اُڑایا وہ پردہ و رومال
شاد نیچر ہو - جگمگاتی ہو
کیا کہوں چاندنی میں گنگا ہو
واہ! جنگل میں آج ہو منگل

خوش وضع پر بتوں میں میداں ہو
موتیوں سے بھرا ہُوا ہو تھال
ابر ہو تھال پر رومال پڑا
رقص کرتی ہو نیچر خوش حال
رام کے دل کی بات بوجھی ہو
ق
اُبھرے اُس کے لذ لذاتے ہی
کیا ہی ٹھنڈک بھری ہو گنگا باس"
جا ملی بادلوں سے ہو کے بلند
دامن ابر کو اُلٹتی ہو
آسمان ہو دکھایا مالا مال
آنکھ ہر چار سو پھراتی ہو
دو دمہ ہیروں کے رنگ ننگا ہو!
سیر کر اس طرف کی چل چل چل

اٹھ جان بیا بیا کہ ایں دُنیائے دِگر ست
آبے دِگر ہوائے دِگر جائے دِگر ست

خط نمبر (۲)

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہی

گنگا کا ہی کنار عجب سبزہ زار ہی | بادل کی ہی بہار ہوا خوشگوار ہی
اور خوشنما پہاڑ پہ وہ چشمہ سار ہی | گنگا دھنی سُریلی ہی کیا لُطف دار ہی

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہی

باہر نگاہ کیجیے تو گلزار ہی کھلا | اندر سُرور کی تو بھلا حد کہاں ملا
کالج قدیم کا یہ سبز مُو نہیں ہلا | پڑھاتا معرفت کا سبق میرا یار ہی

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہی

وقتِ صباحِ عید تماشا تیار ہی | گلگونہ مُنھ پہ ملکے کھڑا گلعذار ہی
شاہِ فلک سے یاں جو ہوئی آنکھ چار ہی | مارے شرم کے چہرہ بنا سرخ نار ہی

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہی

قطرے ہیں اوس کے کہ موتیوں کی قطار ہی | کرنوں کی اُنمیں بل بے نزاکت پیتا ہی
مُرغانِ خوش نوا تمہیں کاہے کی عار ہی | گاؤ بجاؤ خُب کا میٹھا دل سے بار ہی

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہی

ساقی وہ مَے پلاتا ہی۔ تُرشی کو مار ہی | ہر وقت اپنا یار بھی اپنے کنار ہی
واہ کیا مزے سے کھاتیکو غم کا شکار ہی | در خن شرابِ ناب۔ سخن دل کے پار ہی

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہی

لے اے پیارے! اِدھر آ۔ اِدھر آ۔ یہاں دنیا ہی اور قسم کی ہی۔ کیونکہ یہاں کا پانی نرالا۔ ہوا نرالی اور مقام نرالا ہی ؞

مستی مدام کار یہی روزگار ہے | اُٹھ بین نگاہ پڑتے ہی بیرِ کسل کا غار ہے
کیوں غم سے تو نزار ہے کیوں دلفگار ہے | جب نام قلب میں ترے خود یار غار ہے
آ دیکھ اے بہار کہ کیسی بہار ہے

خط نمبر (۳)

دسواں گرہ ادھیاس ہے نو گرہ کا جڑ مُول ہے
جب لگ دِیہ ابھمان ہے۔ تب لگ مٹے ڈُول
تب لگ مٹے نہ شُول کرے کیتی چترائی
دیو جھے۔ جپ جپے۔ نہ سُکھ کوئی ہوت سہائی
کہے گردھر کوئی رامے گیان درشٹ دیوے دکھائیگا جسمہ
مُول اودیا ناش ہووے گرہ رہے نہ دسواں
دینی دمڑی ایک نہ۔ لینے کو نہ چھدام
گانٹھ باندھ نہیں جانتے۔ پھوٹا ایک بدام
پھوٹا ایک بدام نہ راکھیں دوسرے دن کو
پنا۔ اپنے آپ بھروسا اور نہ جن کو
کہے گردھر کوی رامے رہی نہ باقی لینی
کینو بھی حساب نہ کسی کوڑی دینی

ھ

In no way can the overflowing joy of Rama be described. Peace reigns supreme. here. Bliss fills the mind. There is heavenly

---

ھ رام کے اندر سے اُمڈتے ہوئے آنند کا بیان کسی طرح سے بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہاں مقام شانتی کا پارا وار رہا ہے۔ آنند من کو لبریز کر رہا ہے۔

له
cheerfulness, shedding its divine sun shine all the time. The mental horizon is growing more and more clear every day. This betokens something very good and grand for India, nay, for the world at large.

While seeing the theatrical performance, people are apt to be deluded by the drama and they would be inclined to weep with the actors and laugh with them while looking at the stage if they had not the firm ground of reality always beneath their feet reminding them of what they actually are. Just so while seeing the great tragedy of the world enacted, let the sublime Truth, on which you stand always, put you in mind of your High Self and not allow you to be deceived.

Rama.

له آسمانی بشاشت ربانی دھوپ (مسرت) کو ہر دم پھیلا رہی ہو۔ اور باطنی افق ہر روز صاف و شفاف ہوتا جاتا ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ ہندوستان کیلئے نہیں بلکہ سارے جہان کے لئے کوئی اچھی اور بڑی بات ہونے والی ہو۔ جو لوگ تھیٹر میں ناٹک کا تماشا دیکھتے وقت دھوکا کھا جاتے ہیں اور ناٹک کرنے والوں کے ساتھ ہنسنے اور رونے لگتے ہیں۔ اگر اصلیت کی پختہ زمین جو اُن کو اُن کی حقیقت کی یاد دلاتی رہتی ہو اُن کے پیروں تلے نہ رہے۔ ٹھیک اسی طرح دنیا کی مصیبت کے ناٹک کا تماشا دیکھتے وقت اس عظیم الشان صداقت کو جس کے سہارے تم ہمیشہ کھڑے (قائم) ہو۔ تم میں تمہاری ذات اعلیٰ کا خیال پیدا کرانے دو اور تمہیں دھوکے سے بچانے دو

(رام)

جامِ[1] زنئے باقی از دستِ خوش ساقی
باکثرتِ مشاقی مے جویم و مے رقصم
فاش[2] میگویم و از گفتۂ خود دل شادم
صاحب عشقم و از ہر دو جہاں آزادم
مست[3] و خراب مے روم فکرِ جہاں نمیخورم
بیم ندارم از بلا۔ تن تیلملا تلا ملا ؛

خط نمبر (۴)

سُرود و رقص و شادی دمبدم ہی
تفکر دُور ہی اور غم کو رَم ہی

غضب خُوبی ہی بیروں از رقم ہی
یقیناً جان۔ تیری ہی قسم ہی

مُبارک ہو طبیعت کا یہ کھِلنا
یہ رس بھینی اوستھا جامِ جم ہی

مُبارک دے رہا ہی چاند جُھک کر
سلاموں سے کمر میں اُسکی خم ہی

پیے جاؤ دمادم جام بھر کر
تمھارا آج لاکھوں پر قسَلم ہی

گُلوں سے پُر ہوا ہی دامنِ شوق
فلک خیمہ ہی کیواں پر عَلَم ہی

ترے دیدوں پہ بھُولے سے ہو شبنم
کبھی دیکھا سُنا سورج پہ نم ہی

رکھیں آگے کو کیا کیا ہم نہ اُمید
کہ مارا گرگِ غم۔ پہلا قدم ہی

[1] بقا کی شراب کا پیالہ ساقی (رہبر کامل) کے ہاتھ سے میں نہایت اشتیاق کے ساتھ پینے کا متلاشی ہوں اور اُس کے عشق میں ناچتا ہوں ؛

[2] کھلم کھلا میں یہ کہتا ہوں اور اپنے اس کہنے سے میں خوش ہوتا ہوں عاشق (بھگت) ہوں اور دونوں جہان (لوک پرلوک) سے آزاد ہوں" ؛

[3] بدمست مجذوب میں پھرتا ہوں اور جہاں کی فکر نہیں کرتا۔ اور مصیبت سے بالکل نہیں گھبراتا ہوں۔ اور یہ شعر "تن تیلملا تلا ملا" گاتا ہوں ؛

دکھایا پرکرتی نے ناچ پورا چلے میں اُڑ گئی۔ ای ہو! استم ہو
غلط گفتم۔ شکایت کی نہیں جا بلی ہو پرُش میں۔ عدل و کرم ہو
نہ کہتا تھا تمھیں کیا رام پہلے؟ صباح عید آئی! رات کم ہو
سالوگ کہتے ہیں میدانوں میں رہنا خوب ہو
کون جائے رام اب گنگا کی لہریں چھوڑ کر
ہرچہ در دنیاست بر آزادگاں آمد حرام[1]
خاطر جمع ست در زیر فلک سامان ما

گنگوتری کا راستہ کچھ عرصہ ٹیہری کے نزدیک سیٹھ مُرلی دھر کے باغیچہ میں رہنے کے بعد رام کے اندر ایک عجیب ترنگ اُٹھی کہ وہ آدھی رات ہم سب کو سویا چھوڑ کر چپکے تن تنہا ننگے سر ننگے پاؤں اُترکاشی کو چلدیے۔ یہ مقام ٹیہری سے قریب پچاس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور اس سے آگے گنگوتری بھی اُتنی ہی دُور ہے؛ مگر آپ مہربانی فرماکر اُترکاشی سے واپس لوٹ آئے اور آگے گنگوتری نہ گئے۔ اس راستے کے سفر وغیرہ کا مفصل حال تو خود رام کی قلم سے لکھا ہُوا باب دوم میں دیا جاچکا ہے لیکن رام کی اس اچانک جدائی نے اُن کی اردھنگی پر ایسا بُرا اثر ڈالا کہ وہ بیمار ہوگئیں؛

رام کی اردھنگی کا واپس گھر آنا اس طرح ہم لوگوں کو بالکل اکیلا چھوڑ کر چلے جانے سے رام کی اردھنگی ایسی سخت علیل ہوگئیں کہ رام اگرچہ چند دن کے بعد ہی واپس آگئے۔ لیکن اُن

---

[1] جو کچھ دُنیا میں ہے (یعنی دنیاوی شَے) آزادوں کے لئے حرام ہے۔ ہمارا سامان اس آسمان کے نیچے محض خاطر جمع (دل کی تسلی (شانتی)) ہے؛

کو صحت حاصل نہ ہوئی۔ جب آب و ہوا کے ناموافق ہونے سے اور کچھ جنگل کی ناقابل برداشت تکالیف کے سر پر پڑنے سے بیماری بڑھنے لگی اور صحت کی امید ٹوٹ گئی تو اُنہوں نے چھوٹے بچے (برہمانند) کو ساتھ لیکر واپس گھر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ جس پر رام کا حکم ناراین کے نام نازل ہوا اور ناراین اُنکو بارام پہاڑوں سے میدانوں میں لے آیا۔ اور گسائیں جی کے پتا گسائیں ہیرانند کے گھر مُرارّی والہ گاؤں میں چھوڑ آیا۔ بعد چند ماہ کے نارائن حسب ہدایت پھر ٹہری واپس پہنچا۔ اور اُن کی دل بھر کر خدمت و سنگت کرنے پایا ۔

رام کا سنیاس آشرم | اس طرح رام کو ایکانت نواس کرتے قریباً چھ ماہ گزرے ہوں گے کہ شروع سال سنہ ۱۹۰۱ء یعنی سوامی وویکانند جی کے رحلت جاودانی کرنے کے چند ہی دن پہلے رام کے اندر سنیاس آشرم میں داخل ہونیکی موج اُمڈنے لگی۔ دِل سے تارک الدُنیا تو وہ پہلے ہی سے تھے۔ جب قلبی مستی نے بہت گہرا رنگ جمایا۔ تو رام کو باہر کے کپڑوں کا رنگنا بھی خوب بھایا۔ چونکہ دُوارکا مٹھ کے گدّی نشین دوارکا دھیش شری ۱۱۰۸ سوامی شنکر آچاریہ جی مہاراج نے یہ آگیا (اجازت) پہلے ہی سے دے رکھی تھی کہ "جب قلبی مستی بہت زور سے پھوٹ آئے تو سنیاس آشرم گنگا تٹ پر لے لینا" اس لیئے رام بھی اس ہدایت کو یاد کر کے گھڑی گھڑی نارائن کو نائی و گیرو وغیرہ لانے کے لیئے حکم فرمانے لگے۔ آخرش نائی بُلایا گیا۔ کپڑے نارائن اور لالہ تُلا رام ہر دو نے حسب ہدایت اُن کے رنگے۔ شری گنگا جی کے عین بیچ میں کھڑے ہو کر یگیو پویت وغیرہ گنگا جی کی دھارا کے حوالے کیئے گئے۔ اور مستی مجسم ہو کر بہت دیر اوم اُچارن

کرتے کرتے رام نے گیروا لباس پہنا۔ اور گھنٹوں وہاں کنارے ہی پر مست بیٹھے رہے۔ اُس وقت دو ایک مہاتما جو آگے کاشی سے پیچھے آئے ہوئے تھے۔ وہاں موجود تھے۔ اُن کو بھوجن وغیرہ کھلایا گیا۔ اور سب جگہ گوسائیں تیرتھ رام جی کے سوامی رام تیرتھ ہوجانے کی اطلاع دی گئی۔ اولاً تو پرم گورو دوارکا ادھیش شری ۱۰۰۸ سوامی شنکر آچاریہ جی مہاراج تیرتھ پنتھی تھے۔ اس لیئے رام کے پیچھے تیرتھ سنگیا (لقب) رکھی گئی۔ دوم اُن کا پہلا نام بھی تیرتھ رام تھا۔ محض اُس کا اُلٹ رام تیرتھ ہوگیا۔ اس طرح وِدوَت سنیاس دھارن کرکے رام اب بالکل ایکانت اسی جنگل میں رہنے لگے اور وقت مقررہ کے بغیر ہم لوگوں کو بھی درشن نہ دیتے اور نہ گھڑی گھڑی اُن کے پاس کسی کو جانے کی اجازت ہوتی ؛

بمروگی گپھا میں نواس سنیاس آشرم دھارن کرنے کے چند ماہ ہی بعد نارائن کو حکم ہوا کہ اس عرصہ کے اندر اندر جسقدر مضمون بعنوان "گنگا ترنگ صلح کہ جنگ" رام کی قلم سے نکلا ہو اور جو نارائن سے صاف ترتیب وار لکھا جاچکا ہو۔ اُس سب کو لیکر نارائن نیچے میدانوں میں جاوے۔ آنند پریس لاہور میں جاکر رسالہ الف کے باقی نمبروں میں اُسے اپنی زیر نگرانی طبع کراوے۔ چنانچہ ویسا ہی کیا گیا۔ لیکن اس بیچ میں (بوجہ غیر حاضری نارائن) بہت سا ہجوم درشن کی خاطر رام کے پاس آنے لگ گیا۔ اور وہ مقام اس طرح سے ایکانت بالکل نہ رہا۔ اس ہجوم سے ایکانت بھنگ ہوتا دیکھکر رام ۲۸ جون سنہ ۱۹۰۱ء کو یہ استھان چھوڑ کر ایک دور ایکانت استھان جاکر ٹیہری سے تقریباً ۸ میل کے فاصلہ پر برلب گنگ بمروگی گپھا میں رہنے لگ گئے لیکن ہم میں سے کسی کو اس تبدیلی مقام کی اطلاع تک نہ دی۔ اگرچہ

مضمون لگاتار نارائن کے پاس لاہور میں ٹیہری ڈاک خانہ سے روانہ کرتے رہے۔ اس طرح کُل مضامین کو دو بڑی بڑی کتابوں ڈگنگا ترنگ صلح کر جنگ اور جلوۂ کہسار یا کیلاس کوک) میں شائع کرکے جب ماہ جولائی میں نارائن واپس ٹیہری پہنچا۔ تو رام کو سیٹھ مُرلی دھر کے باغیچہ میں یعنی پہلے مقام پر نہ پاکر بہت متعجب ہُوا۔ اِدھر اُدھر دریافت کرنے سے پتہ چلا کہ کچھ ہفتوں سے برو گی گپھا میں رام نے جا مقام کرلیا ہے۔ پھر نارائن وہاں پہونچا۔ رام کو برلب گنگ ریت پر لیٹے پایا۔ چہرہ پر مستی خود بخود بتلا رہی تھی کہ رام خوب مسرور و مدہوش پڑے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد خوب دُھوپ چڑھ آنے پر جب رام ہوش میں آگئے اور نارائن سے مسکراتے ہوئے مخاطب ہوئے کہ "رات سے رام یہاں ہی لیٹا ہے۔ علی الصباح ۴ بجے جب گنگا جی کنارے پر زیادہ چڑھ آئیں اور سوتے ہُوئے رام کے چرنوں کو چھونے لگیں تو رام کو جاگ آگئی۔ اُسی وقت صبا نے خوب وجد کا عالم پیدا کردیا۔ اور مست دِل طرح طرح کی غزلیات میں اُمڈ پڑا۔ اُن غزلیات کو لکھتے لکھتے جب دل و دماغ اپنے خیال کی حد کو پار کرگئے تو اِدھر قلم گر پڑی اور اُدھر جسم ریت پر لیٹ گیا۔ اُن غزلوں کو رام پڑھ کر سُنانے لگ گئے۔ جس کو بعد ازاں نارائن نے صاف نقل کرلیا۔ اگرچہ یہ غزلیں بعد کو رسالہ الف میں اور پھر رام برشا میں شائع کردی گئیں۔ لیکن موزوں موقع و مقام دیکھ کر اُنہیں یہاں بھی برائے ملاحظہ ناظرین دیا جاتا ہے:۔

مُبارک بادی

راگ بھاگ

(۱) چلنا صبا کا ٹُھم ٹُھمک لاتا پیام یار ہی
ٹُک آنکھ کب لگنے لگی۔ تیرِ نگہ[1] تیار ہی

(۲) ہوش و خرد سے اتفاقاً آنکھ گر دو چار ہی
بس یار کی چھیڑ خانی کا گرم بازار ہی

(۳) معلوم ہوتا ہی ہمیں مطلب کا ہم سے پیار ہی
سختی سے کیوں چھینے ہی دل۔ کیا یوں ہمیں انکار ہی

(۴) لکھنے کی نے پڑھنے کی فرصت کام کی نے کاج کی
ہم کو نکما کر دیا وہ آپ تو بیکار ہی

(۵) پہرہ محبت کا جو آئے ہم بغل ہوتا ہی وہ
غُصّہ طبیعت کا نکالیں۔ سامنے دلدار ہی

(۶) سونے پے حاضر خواب میں جاگے پہ خاک و آب میں
ہنسنے میں ہنس ملتا ہی مل۔ روتا ہی تو تو بار ہی

(۷) گہہ برقِ وش خنداں بنا۔ گہہ ابرِ تر گریاں بنا
ہر صورت و ہر رنگ میں پیدا اُسے عیاں ہی

(۸) دولت غنیمت جان دردِ عشق کی مت کھوئیے
مال و متاع گھر بار نذرِ صدقے۔ مبارک یہ تاجر

(۹) منظور نالائق کو ہوتا ہی علاجِ دردِ عشق

---

[1] غفلت سے جگانے کو سعی اکرتا ہے آنکھ۔

جب عشق ہی معشوق ہو۔ کیا صحت میں بیمار ہی

(۱۰) کیا انتظار و کیا مصیبت کیا بلا کیا خار و غث
شعلہ مبارک جب بھڑک اٹھا تو سب گلنار ہی

(۱۱) دولت نہیں۔ طاقت نہیں۔ تعلیم نے تکریم سنئے
شاہِ غنیؔ کو تو فقط عرفانِ حق درکار ہی

(۱۲) عمروں کی امیدیں اُڑا۔ چھوٹی بڑی سب خواہشیں
دیدار کا لیجے مزا جب اُڑ گئی دیوار ہی

(۱۳) منصور سے پوچھی کسی نے کوچۂ دلبر کی راہ
کھب صاف دل میں راہ بتلاتی زبانِ دارؔ ہی

(۱۴) اس جسم سے جان کو دکر دریائے وحدت میں پڑی
کرلیں ہو چھا جانور لو وہ پڑا مُردار ہی

(۱۵) تشریف لاتا ہی جنوں۔ چشم و سر و دل فرشِ راہ
پہلو میں مت رکھنا خرد کو۔ رانڈ۔ یہ بدکار ہی

(۱۶) بلا چھٹا اس جسم سے سر سے ٹلی اپنے بلا
ویلکم! ای تیغ خون چکاں۔ کیا مرگ لذت دار ہی

(۱۷) یہ جسم و جان نوکر کو دے ٹھیکہ سدا کا بھر دیا
تو جان تیرا کام رے۔ کیا ہم کو اس سے کار ہی

(۱۸) خوش ہو کے کرتا کام ہی نوکر مرا چاکر مرا
ہو رام بیٹھا بادشہ۔ ہشیار خدمت گار ہی

لہ بےپرواہ ہونے کیلئے ٹہ سولی کی نوک ٹہ سادھو کی موت کے بعد کا بھنڈارا ٹکہ خون پینے والی شہ گوکل چند جیسے سخت غلطی کے باعث پرکرتی نام دیا جاتا ہی (رام) ٹہ جسم۔

(۱۹) سوتا نہیں یہ رات دن۔ کیا اُڑ گئی دیدوں سے نیند
غفلت نہیں دم بھر اسے۔ یہ ہر گھڑی بیدار ہی

(۲۰) نوکر مرا یہ کون ہی۔ آقا ہوں اس کا کون رام
خادم ہوں میں یا بادشہ؟ یہ کیا عجب اسرار ہی

(۲۱) واحد مجرد لاشریک و غیر ثانی بے بدل
آقا کہاں خادم کہاں؟ کیا لغو یہ گفتار ہی

(۲۲) تنہا ستم تنہا ستم در بحر و بر یکتا ستم
نطق و زباں کا رام تک آ پہنچنا دشوار ہی

(۲۳) اے بادشاہانِ جہاں۔ دے انجم ہفت آسماں!
تم سب پہ ہُوں میں حکمراں۔ سب سے بڑی سرکار ہی

(۲۴) جادو نگاہِ یار ہوں۔ نشہ لبِ میگوں ہوں میں
آبِ حیاتِ رُخ ہُوں میں۔ اَبرو مری تلوار ہی

(۲۵) یہ کاکُلِ[1] ظلماتِ مایا پیچ پیچاں ہی وَے
سیدھے کو جلوۂ رام ہی۔ اُلٹے[2] کو ڈستا مار ہی

اماوس کی رات ایک بجے گُپھا کے سامنے گنگی نے نرم نرم بستر (ریگ کا) بچھا دیا ہی۔ رام بادشاہ لیٹ رہا ہی۔ گنگی چرنوں کو چھوتی ہوئی بہہ رہی ہی۔

---

[1] کالی زلفیں

[2] رام اُلٹنے سے مار ہو جاتا ہی۔ اسی پرکار برہم اُلٹنے پر مایا دکھ پڑتا ہی جب کسی شخص کا مناسب استعمال نہیں ہوتا ہی تو وہ بجائے رحمت کے زحمت ہو جاتی ہی۔

ع چٹھانے چڑھن سکھا لڑا ہی۔ گھٹ ساہ اِکو چھال مار دینی
نرد پریم دی کھیلنی کھری اوکھی۔ جرّں بازی جان ہار دینی
سدا چاڑھ پیالا لڑے مست رہنا۔ دینی دُنیا دی مرض وسار دینی

راگ اساوری۔ تال جھپ

(۱) بچھڑتی دُلھن وطن سے ہی جب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہی
کہ پھر نہ آنے کی ہی کوئی ڈھب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہی

(۲) یہ دین و دنیا تمھیں مبارک۔ ہمارا دُلہا ہمیں سلامت
پہ یاد رکھنا یہ آخری چھب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہی

(۳) ہی موت دُنیا میں بس غنیمت۔ خرید و راحت کو موت کے بھاؤ
نہ کرنا چُوں تک۔ یہی ہی مذہب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہی

(۴) جسے ہو سمجھے کہ جاگرت ہی۔ یہ خواب غفلت ہی سخت ایجال
کلوؔرو فارم ہیں سب مطالب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہی

(۵) ٹھگوں کو کپڑے اتار دیدو۔ لُٹا دو اسباب و مال و زر سب
خوشی سے گردن پہ تیغ دھر تب کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہی

(۶) جو آرزو کو ہیں دِلمیں رکھتے ہیں بوسہ دیوانہ سگ کو دیتے
یہ پھُوٹی قسمت کو دیکھ جب کب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہی

(۷) کہا جو اُس نے "اُڑا دو ٹکڑے جگر کے ٹکڑوں کے پیارے ارجن"
یہ سُن کے ناداں کے خشک ہیں لب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہی

(۸) لہُو کا دریا ہیں چیرتے جو۔ ہیں تخت پاتے وہی حقیقی
تعلقوں کو جلا بھی دو سب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہی

لہ خواب آور۔

(۹) ہے رات کالی ۔ گھٹا بھیانک ۔ غضب درندے ہیں۔ وائے جنگل
اکیلا روتا ہے طفل ۔ یا رب! کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۰) گُلوں کے بستر پہ خواب ایسا کہ دِل میں دیدوں میں خار بھر دے
ہے سینہ کیونکر ہاتھ سے گیا دَب ۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۱) "نہ باقی چھوڑیں گے علم کوئی" تھے اس ارادے سے جم کے بیٹھے
ہے پچھلا لکھا پڑھا بھی غائب ۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۲) ہے بیٹھا پٹھوں میں کیا پارہ رہی نہ ہلنے کی تاب و طاقت
نہ اثر کرتا ہے نیش عقرب ۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۳) پیے نگاہوں سے جام رنج کر نہ سر کی سُدھ بُدھ رہی نہ تن کی
نہ دِن ہی سوجھے ہے اب نہ شب ۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۴) حواسِ خمسہ کے بند تھے دَر ۔ کدھر سے قابض ہُوا ہے آ کر
بلا کا نشہ ستم تعجب ۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۵) یہ کیسی آندھی ہے جوشِ مستی کی ۔ کیسا طوفاں سُرور کا ہے
رہی زمیں مہ نہ مہر و کوکب ۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۶) تھیں مَن کے مندر میں رقص کرتی طرح طرح کی سی خواہشیں پِل
چراغ خانہ سے جَل گیا سب ۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

(۱۷) ہے چوڑ چوپٹ یہ کھیل دُنیا ۔ لپیٹ گنگا میں اس کو پھینکا
مَرا ہے فیلہ ۔ اُڑا ہے اشہب ۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہے

---

[۱] جیسا مندرجہ شعر ۹ میں ہے۔

[۲] ڈراؤنے خواب کا باعث ۔

[۳] جس کی بدولت اُچھلنا تڑپنا بہت ہوتا ہے۔ [۴] شوق سے۔ [۵] وہم۔ [۶] گھوڑا۔

(۱۸) پڑا ہی چھاتی پہ دھرکے چھاتی۔ کہاں کی دُوئی کہاں کی وحدت
ہی کس کو طاقت بیاں کی اب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہی
(۱۹) کلیجے ٹھنڈک ہی جی میں فرحت۔ بھرا ہی شادی سے سینۂ رام
ہیں نین امرت سے پُر لبالب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہی
(۲۰) یہ جسم فرضی کی مَوت کا ہی مزا سیمیٹے نہیں سمٹتا
اُٹھانا دُوبھر ہی وہم قالب۔ کھڑے ہیں روم اور گلا رُکے ہی

خط رام بادشاہ

روانؔ شد سُوے ماکو فرکر گنجاں نیست اندر ظرف
بدرّاں مشکِ سقّا را بزن سنگے و بشکن خُم

(راگ کو نسیہ۔ تال تین)

(۱) جب اُمڈا دریا اُلفت کا ہر چار طرف آبادی ہی
ہر رات نئی اک شادی ہی ہر روز مُبارکبادی ہی
خوش خندہ ہی رنگیں گُل کا خوش شادی شادمُرادی ہی
بَن سُورج آپ درخشاں ہی خود جنگل ہی خود وادی ہی
نت راحت ہی نت فرحت ہی۔ نت رنگ نئے آزادی ہی

سلہ گچھے ہیں +

سلہ پیارے کے دل میں آبِ حیات کا چشمہ سما نہ سکا جس سے (اُچھل کر) میری طرف بہنکلا' اب تُو سقّے کی مشک کو پھاڑ دے پتھر مار اور پیالے کو توڑ دے۔ یعنی شریعت کی حد سے باہر ہو۔ آزاد ہو۔

(۲) ہر رگ ریشے میں ہر مُو میں امرت بھر بھر پُور ہُوا
سب کُلفت دُوری دُور ہوئی تن شادی مرگ سے چُور ہُوا
ہر برگ بدھائیاں دیتا ہی۔ ہر ذرّہ ذرّہ طور ہُوا
جو ہی سو ہی اپنا مظہر خواہ آبی ناری بادی ہی
کیا ٹھنڈک ہی کیا راحت ہی کیا شادی ہی آزادی ہی

(۳) رِم جھم رِم جھم آنسو برسیں یہ ابر بہاریں دیتا ہی
کیا خوب مزے کی بارش میں وہ لُطف وصل کا لیتا ہی
کشتی موجوں میں ڈوبے ہی۔ بدمست اُسے کب کھیتا ہی
یہ غرقابی ہی جی اُٹھنا۔ مت جھجکو۔ اُف بربادی ہی
کیا ٹھنڈک ہی کیا راحت ہی کیا شادی ہی کیا آزادی ہی

(۴) ماتم رنجوری بیماری ۔ غلطی ۔ کمزوری ۔ ناداری
ٹھوکر اونچا نیچا محنت ۔ جاتی ہی اِن پہ جاں واری
اِن سب کی مددوں کے باعث چشمہ مستی کا ہی جاری
گم شیر کے شیریں طوفاں میں کوہ اور تیشہ فرہادی ہی
کیا ٹھنڈک ہی کیا راحت ہی کیا شادی ہی آزادی ہی

(۵) اِس مرنے میں کیا لذّت ہی جس مُنھ کو چاٹ لگے اِسکی
ٹھوکے ہی شاہنشاہی پر۔ سب نعمت دولت ہو پھیکی
مو چاہیے؟ دل بیرتے پھونکو اور آگ جلاؤ بھٹی کی
کیا سستا بادہ بِکتا ہی لوٹے لو! کا شور منادی ہی
کیا راحت ہی۔ کیا ٹھنڈک ہی کیا شادی کیا آزادی ہی

(۶) علّت معلول میں مست ڈوبو سب کارن کاج تم ہی ہو

تم ہی دفتر سے خارج ہو اور لیتے چارج تم ہی ہو
تم ہی مصروف بنے بیٹھے ہو۔ ہوتے بارج تم ہی ہو
تُو داور ہے تو وکلا ہے تُو پاپی تُو فریادی ہے
نت راحت ہے نت فرحت ہے نت رنگ نئے آزادی ہے

(۷) دن شب کا جھگڑا نہ دیکھا گو سورج کا چٹا سِر ہے
جب کھلتی دیدۂ روشن ہے ہنگامۂ خواب کہاں پھر ہے
آنند سُرور سمندر ہے جس کا آغاز نہ آخر ہے
سب رام پیارا دُنیا کا جادُو گر کی استادی ہے
نت راحت ہے نت فرحت ہے نت رنگ نئے آزادی ہے

سُمیرو کی یاترا اس طرح اس برمدگی گپھا میں چند ماہ رہنے کے بعد یکم بھادوں سمبت ۱۹۵۸ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۰۱ء رام بادشاہ مع نارائن و لالہ تلا رام کے یمنوتری۔ گنگوتری۔ ترجگی نارائن کیدارناتھ و بدری نارائن کی یاترا کے خیال سے روانہ ہوئے۔ پہلے پہل ۸ بھادوں برت جنم اشٹمی سمبت ۱۹۵۸ مطابق ۵ ستمبر ۱۹۰۱ء کو ہم یمنوتری مندر پہنچے۔ وہاں کا دلکش نظارہ سب کو ایسا بھایا۔ کہ کوئی بھی وہاں سے جلد چلنے کو تیار نہ ہُوا۔ اس لئے رام بادشاہ نے وہاں ہی قیام کرنے کا حکم فرمایا۔ جس پر ہم سب وہیں مقیم ہو گئے۔ رام مہاراج نے تو ایک گرم گپھا میں رہنا پسند کیا۔ اور ہمیں دہرد و کو، وہاں ایک لکڑی کے مکان میں (جس کو کُٹھار کہتے ہیں) رہنے کا حکم ملا۔ قریب دو ہفتہ ہم سب وہاں رہے۔ بعد ازاں رام کو یمنوتری کے اوپر سُمیرو پربت (برفستان) جو بندر پونچھ کے نام سے مشہور ہے۔ اسکی سیر کی اُمنگ

ہوئی۔ اور وہاں کی خُوب سیر کی۔ یمنوتری پہنچنے پر جو اثر وہاں کے دلکش نظارہ نے رام کے دِل پر ڈالا تھا۔ وہ اُنکے مفصلۂ ذیل خط سے مُترشح ہو رہا ہے؛

یمنوتری

اس بلندی پر ماش کی دال نہیں گلتی۔ نہ دُنیا کی دال ہی گلتی ہے۔ نہایت گرم گرم چشمہ سار۔ قُدرتی لالہ زار۔ آبشاروں کی بہار چکیلا چاندنی کو شرمانے والے سفید دوپٹے (جھاگ۔ پھین) اور ان کے نیچے آکاش کی رنگت کو لجانے والا۔ جمنا رانی کا گات۔ بات بات میں کشمیر کو مات کرتے ہیں۔ آبشار تو ترنگِ بیخودی میں نرتیہ (ناچ) کرتے ہیں۔ جمنا رانی ساز بجا رہی ہے۔ رام شہنشاہ گا رہا ہے؛

(غزل تال قوالی)

ہِپ ہِپ ہُرّے۔ ہِپ ہِپ ہُرّے (ٹیک)
اب دیوّن کے گھر شادی ہے۔ لو رام کا درشن پایا ہے
پاکو یاں ناچتے آتے ہیں۔ ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے
خوش خورم بلبل گاتے ہیں۔ ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے
ہو خنگل ساز بجاتے ہیں۔ ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے
سب خواہش مطلب حاصل ہیں سب خُوبوں سے میں واصل ہوں
کیوں ہم سے بھید چُھپاتے ہیں۔ ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے
سب آنکھوں میں دیکھوں ہوں۔ سب کانوں میں میں سُنتا ہُوں
دِل برکت مجھ سے پاتے ہیں۔ ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے

گہ عشوۂ سیمیں بر کا ہوں۔ گہہ نعرہ شیرِ ببر کا ہوں
ہم کیا کیا سوانگ بناتے ہیں۔ ہپ ہپ ہرّے ہپ ہپ ہرّے
مَیں کرشن بنا۔ میں کنس بنا۔ مَیں رام بنا۔ میں راون تھا
ہاں! وید اب قسمیں کھاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہرّے ہپ ہپ ہرّے
میں انتریامی ساکن ہوں۔ ہر پُتلی ناچ نچاتا ہوں
ہم سُوتر تار ہلاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہرّے۔ ہپ ہپ ہرّے
سب رشیوں کے آئینۂ دِل میں میرا نور درخشاں تھا
مجھ ہی سے شاعر لاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہرّے ہپ ہپ ہرّے
ہر اِک کا انتر آتم ہوں۔ مَیں سب کا آقا صاحب ہوں
مجھ پا کے دُکھ رے جاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہرّے ہپ ہپ ہرّے
مَیں خالق۔ مالک داتا ہوں چشمک سے دہر بناتا ہوں
کیا نقشے رنگ جماتے ہیں ہپ ہپ ہرّے۔ ہپ ہپ ہرّے
اِک کُن سے دُنیا پیدا کر۔ اس مندر میں خود رہتا ہوں
ہم تنہا شہر بساتے ہیں۔ ہپ ہپ ہرّے۔ ہپ ہپ ہرّے
وہ مصری ہوں جس کے باعث دُنیا کی عشرت شیریں ہے
گُل مجھ سے رنگ سجاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہرّے ہپ ہپ ہرّے
مسجود ہوں قبلہ کعبہ ہوں۔ معبود اذاں ناقوس کا ہوں
سب مجھ کو کوک بلاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہرّے۔ ہپ ہپ ہرّے

لے چاندنی جیسی خوبصورت نازنین کا نخرہ۔

سے حکم یعنی وہ حکم جو پیدائش دُنیا سے پہلے دیا گیا تھا۔ کُن فیکون ....
اوم یا ایکو ہم بہو شیام۔ ایک ہوں بہت ہو جاؤں

کُل عالم میرا سایا ہو۔ ہر آن بدلتا آیا ہو؎
ظلّ قامت گرد گھماتے ہیں۔ ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے
یہ جگت ہماری کرنیں ہیں۔ پھیلیں ہر سُو مجھ مرکز سے
شان بوقلموں دکھاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے
میں ہستی سب اشیا کی ہوں۔ میں جان ملائک کُل کی ہوں
مجھ بن بے بُود کہاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے
جادُوگر ہوں۔ جادُو ہوں خود۔ اور آپ تماشا بیں میں ہوں
ہم جادو کھیل رچاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے
بے جانوں میں ہم سوتے ہیں۔ حیوان میں چلتے پھرتے ہیں
انسان میں نیند جگاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے
سنسار تجلّی ہو میری۔ سب اندر باہر میں ہی ہوں
ہم کیا شُعلے بھڑکاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے
ہو مست پڑا مہماں میں اپنی کچھ بھی غیر از رام نہیں
سب کلپت دھوم مچاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے[1]

دیوانگی کو دن دونی رات چوگنی ترقی ہو۔ دیوانہ را ہوشے بس ست۔ والا حال ہو۔ قالب عنصری کا کچھ پتہ نہیں؎

خوراک:۔ پہلا بار جو جمنا رانی اپنے ہاتھ سے پکا دیتی ہو۔ یہی گرم کنڈ میں خود بخود تیار کر دیتی ہو؎

سنان:۔ کبھی کبھی سَو سَو فیٹ کی بلندی سے گرنے والے آبشاروں

---

[1] نوٹ:۔ گنگوتری مندر میں یہ نظم لکھی گئی تھی۔ اس لیے پہلے اس مقام کا ذکر کیا گیا۔ پھر اپنی انتشی حالت کو بذریعہ نظم ظاہر کیا گیا ہو۔ اب رام وہاں اپنا طرز رہائش بیان فرمانے لگے ہیں؎

کے نیچے سنان کی موج لوٹی جاتی ہے۔ کبھی صدیوں کی جمی ہوئی برف سے تازہ تازہ نکل کر جو جمنا جی آتی ہے اس میں نہانے کا لطف اٹھایا جاتا ہے۔ اور کبھی کنڈوں کے تتے پانی میں شہنشاہ سلامت غسل فرماتے ہیں؛

چلنا پھرنا۔ سب جگہ بالکل ننگے بدن سے ہوتا ہے؛

رام شہنشاہ کا گنگوتری آگمن

اسمیرو (بندر پوچھ برفستان) کی سیر کے بعد رام یمنوتری مندر آئے۔ یمنوتری سے نیچے قریب دس بارہ میل کے فاصلہ پر کھرسالی گاؤں ہے۔ وہاں ہم سب پہنچے۔ اس گاؤں سے گنگوتری کو دو راستے چلتے ہیں۔ ایک اوپر برفستان کے ساتھ ساتھ۔ جس کا نام چھایاں یا مسرو راستہ ہے۔ اور محض پگ ڈنڈی ہے۔ بغیر واقف کار کے کوئی اس راستہ سے چل نہیں سکتا۔ اور دوسرا راستہ اُترکاشی کی طرف سے ہے۔ یہ خاصی چوڑی سڑک ہے اور جمنا ندی کے کنارے کنارے چلتا ہے اس راستے سے یاتری قریباً دس بارہ روز میں گنگوتری پہنچ سکتا ہے۔ اور برفستان کے راستے سے محض دو تین دن کے اندر اندر۔ ہم لوگ بجائے اترکاشی والے سہل راستے سے جانے کے اوپر برفستان کے نزدیک والے راستے سے بتاریخ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۱ء گنگوتری کو روانہ ہوئے۔ اور دو دن کے بعد یعنی ۱۴ ستمبر ۱۹۰۱ء دھرالی گاؤں میں پہنچے۔ اس گاؤں سے قریب بارہ میل کے فاصلے پر گنگوتری ہے۔ جہاں ہم ۱۵ ستمبر کو پہنچ گئے اس دشوار گذار راستے اور بندر پوچھ کے برفستان کی سیر کا مفصل بیان رام نے انگریزی میں اپنی قلم سے ایک رسالہ کی شکل میں دیا ہے

جس کا مفصل ترجمہ کلیاتِ رام کی دیگر جلد میں دیا جائے گا۔

کیدار ناتھ اور بدری ناتھ کی یاترا

انگوتری کے نزدیک دھرالی گاؤں میں پورا ایک ماہ رہنے کے بعد ہم لوگ بتاریخ ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۱ء بوڑھے کیدار اور تری جگی نارائن کے راستہ سے کیدار ناتھ گئے اور وہاں سے بدری نارائن کی یاترا کی۔ بدری نارائن ہم سب ٹھیک دیوالی سے ایک ہفتہ پہلے یعنی ۳ نومبر ۱۹۰۱ء پہنچے۔ اُن دنوں سُورج و چندر گرہن ہر دو اکٹھے آئے تھے۔ سُورج گرہن کے دن سنان (غسل) کے بعد جو نظم رام کی قلم سے نکلی وہ ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔

عشق کا طوفاں بپا ہے جا جتِ میخانہ نیست
خون شراب و دل کباب و فرصتِ پیمانہ نیست

سخت مجبوری ہے طاری۔ خواہ کوئی کیا کچھ کہے
پست ہے عالم نظر میں وحشتِ دیوانہ نیست

الوداع اے مرضِ دُنیا۔ الوداع اے جسم و جاں
اے علش اے جوع چلو! اینجا کبوتر خانہ نیست

کیا تجلی ہے یہ نارِ حُسن شعلہ خیز ہے
مارے پَر ہی یہاں پر طاقتِ پروانہ نیست

مہر ہو۔ ماہ ہو۔ دبستاں ہو۔ گلستاں کہسار (کوہسار)
موجزن اپنی ہے خوبی صورتِ بیگانہ نیست

لوگ بولے گرہن نے پکڑا ہے سُورج کو غلط
خود ہیں تاریکی میں برمن سایہ محجوبانہ نیست

اُٹھ مری جان جسم سے ہو غرق ذاتِ رام میں

جسم بر رکیشور کی مورت حرکت فرزانہ نیست

رام متھرا میں جب بدری ناراین سے رام واپس لوٹنے لگے تو متھرا سے خط ملا کہ سوامی شوگن آچاریہ جی نے وہاں یمنا ندی کے کنارے ایک شانتی آشرم قائم کیا ہے۔ اور سال ہذا کے آخر میں یعنی بڑے دنوں کی چھٹیوں میں ایک دھرم مہوتسو بطور ریلیجس کانفرنس کے کیا چاہتے ہیں۔ اور رام کو انہوں نے اس مذہبی مہاسبھا کا سبھاپتی (پریزیڈنٹ) چنا ہے۔ رام چونکہ بدری ناراین سے میدانوں کی طرف واپس لوٹ ہی رہے تھے۔ اس بلاوے کی درخواست کو منظور فرمایا۔ اور براہ المورڑہ ۲۵ دسمبر ۱۹۰۱ء وہ متھرا پہنچے۔ ناراین اور تُلا رام معروف بہ سوامی راما نند جی بھی ہر دو رام کے ہمرکاب تھے۔ وہاں پہنچنے کے تھوڑے ہی دن بعد ریلیجس کانفرنس (دھرم مہوتسو) کا جلسہ شروع ہُوا۔ اور سوامی جی نے صدارت کی کرسی کو زینت دی۔ اس موقع پر متھرا نواسی اور دیگر اصحاب جو جلسہ میں حاضر تھے۔ سوامی رام تیرتھ کا جلال دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اس مقدس مورتی کا رنگ اس وقت ٹھیک اُن کے بھگوے کپڑوں کے مشابہ تھا۔ گویا گیان کی لالی اور سچا تیاگ وسنیاس اُن کے اندر سے پھوٹ پھوٹ کر باہر نکل رہے تھے۔ اس دھرم مہوتسو میں سوامی رام جی کے متعلق ایک رشی شرون ناتھ جی یوں لکھتے ہیں:

"متھرا دھرم مہوتسو کے پہلے جلسہ میں سوامی رام پدھارے تھے۔ اہاہا! کیا شوبھا تھی۔ چہرے سے جلال برستا تھا اور بھی بہت سے مہاتما سادھو موجود تھے۔ لیکن آپ کے جلال (کرانتی) کے آگے ایسے معلوم ہوتے تھے

جیسے ماہتاب کے آگے ستارے ۔ کرشن بھگوان کی بابت میرے دل میں یہ شنکا تھی کہ اُن پر گوپیوں کا موہت ہونا ۔ بنسری کے بس ہو کر سُدھ بدھ نہ رکھنا بسا اوقات آدھی رات کو کرشن کرشن پکارتی ہوئی کرشن کے پاس پہنچنا وغیرہ ۔ یہ سب شاعرانہ بندش ہے ۔ عقل انسانی قبول نہیں کرتی ۔ بلکہ یہ سب گپ نظر آتی تھی ۔ لیکن سوامی رام تیرتھ کے درشن نے یہ بڑی بھاری شنکا (شک) دل سے دُور کر دی ۔ آپ ہی اس بڑے جلسہ کے میر مجلس تھے ۔ اور جب سبھا یا جلسہ کا کام ختم ہو گیا اور پریمیوں کی بھوک رام کے منوہر بچن سُننے کے لئے اور بھی بڑھ گئی تو رام نے کہا " اب اُستو کا کام ختم ہو گیا ہے ۔ اب رام کا ویاکھیان اس چھوٹے سے تنبو کے نیچے نہ ہوگا ۔ بلکہ وہاں ہوگا جہاں قدرت نے آکاش کا بڑا خیمہ ایستادہ کر رکھا ہے ۔ اور جہاں شری یمنا (جمنا) جی نے نرم و باریک ریت کا ملائم بستر بچھا رکھا ہے ۔ یہ کہکر رام نے وہ پنڈال چھوڑ دیا ۔ اور ایک طرف کو روانہ ہوئے ۔ اور تمام حاضرین پیچھے پیچھے چلے ۔ جیسا کہ ہونا چاہیے تھا ۔ رام دریا کی جانب نہ گئے بلکہ اُس کے خلاف روانہ ہوئے ۔ اور تمام خلق خُدا بھی بلا سوچے سمجھے کہ رام کہاں جا رہے ہیں جنگل کی طرف اُن کے پیچھے روانہ ہوئی ۔ اور جب رام نے دیکھا کہ یہ لوگ مارے پریم کے پاگل ہوئے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں تو ٹھہر کر کہا :-

"پیارو! رام لگھو شنکا (پیشاب) کرنے جاتا ہے اور وہاں سے لوٹ کر جمنا کنارے اگر ویاکھیان دیگا" یہ سُن کر سب کے سب جیسے تھے ویسے ہی کھڑے رہے ۔ اور جب رام واپس ہوئے تو پھر اُنکے پیچھے سب کے سب

ہو لیے۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ کرشن کے ساتھ رہنے کو ہر ایک گوپی اِچھا (تمنا) کرتی تھی۔ یہی حال یہاں دیکھا کہ رام کے ساتھ چلنے کو لوگ بیاکل ہیں۔ میں خود دو مرتبہ جھاڑیوں میں اُلجھ کر گرا۔ مگر کچھ خیال نہ ہوا۔ میرے ایک رشتہ دار مجھ سے پیچھے رہ گئے لیکن کچھ پروا نہیں۔ خیال ہے تو یہ کہ رام آنکھوں سے اوجھل نہ ہوں ؛

جب رام جی کنارے پہنچے۔ شام کا وقت تھا اور جاڑے کا موسم۔ لیکن جلسہ چونکہ دن بھر رہتا تھا بدیں وجہ تمام اشخاص دوپہر کی گرمی محسوس کر کے بہت کم گرم سامان ساتھ لائے تھے۔ لیکن تاہم ایسے بیخود تھے کہ جب رام نے کہا کہ آپ بیٹھ جائیے تو وہ سب اپنے قیمتی دوشالے اُس ریت کے فرش پر بچھا کر بیٹھ گئے۔ اور پریم کے ساتھ رات کے ۸ بجے تک رام کا منوہر بچن سُنتے رہے۔ سردی کی پروا تک نہ کی۔ ان میں تھے کون کون ؟ گنوار۔ ان پڑھ۔ جاہل اور بے عقل ہی نہ تھے بلکہ گریجویٹ۔ وکیل۔ ڈاکٹر۔ انجینئر۔ ڈپٹی کلکٹر۔ منصف اور بڑے بڑے عہدہ دار اور شہر کے رئیس بھی تھے۔ اہا ہا ! جب رام کے منوہر بچنوں میں یہ شکتی ہے کہ جو عقل و فہم کا بھنڈار خیال کیے جاتے ہیں اُن کو مدہوش کر دیتی ہے۔ تو ناقص العقل گوپیاں اور پشو وَرت گوال اگر شری کرشن چندر کے منوہر بچن = منوہر بانسری اور سُندر سروپ پر مائل ہو گئے۔ سُدھ بُدھ کھو دی۔ یا اُس کے حقیقی عشق میں لُٹ گئے تو کیا اچنبھا ہے۔ پس یہی نظارہ تھا۔ جس نے میرے دل سے وہ بھاری شنکا رفع کر دی ؛

بابو سرجن لال پانڈے عرف شانتی پرکاش سکریٹری سادھارن دھرم سبھا

فیض آباد لکھتے ہیں کہ "سوامی جی کی عالمگیر محبت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ
جو اُن کو دیکھتا اُن کا والہ و شیدا ہو جاتا۔ جب سوامی جی فروری ۱۹۰۲ء
میں سادھارن دھرم سبھا کے دوسرے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے
تھے۔ تو اس وقت اُسی ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر ہندو مسلمان
عیسائی و دیگر مذاہب کے پیرو کاروں نے اپنے اپنے خیالات
کا اظہار کیا تھا۔ اس جلسہ میں اہل اسلام کی جانب سے مولوی محمد
مرتضیٰ علی خاں صاحب سوامی جی سے ایک مسئلہ پر بحث کرنے نہیں
نہیں لڑنے کے لیئے آئے تھے۔ مگر جونہی نظر دو چار ہوئی۔ معلوم نہیں
وہ لڑائی کی اسپرٹ کہاں بے واؤ ہو گئی۔ مولوی صاحب کی آنکھوں سے
اُسی وقت پریم کے آنسو بہنے لگے اور سوامی جی سے ہاتھ جوڑ کر بولے
کہ "اے رام! میں تجھ کو ایسا نہیں جانتا تھا۔ اب میرے قصور معاف کرو"

سلہ یہ واقعہ نارائن کا چشم دید ہے۔ اس موقعہ پر نارائن رام کے ہمرکاب تھا۔ اور
گاہے بگاہے حکم پانے پر پبلک پلیٹ فارم پر خود بھی کچھ بولا کرتا تھا۔ سبھا کا جلسہ تھا۔ جلسہ کے شروع دن
رام کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی۔ اپنے مقررہ وقت پر اس روز نارائن کو بولنے کے لیے (یعنی لیکچر دینے کے
لئے) حکم فرمایا جس پر نارائن آتما کے مضمون پر کچھ بولا۔ اسکے ختم ہونے پر مولوی صاحب نے مضمون ہذا
پر بہت سے اعتراضات پیش کرنے کیلئے وقت مانگا۔ رام نے جواب دیا کہ دوسرے دن تشریف لائیے
اور اپنے شکوک رفع کر جائیے اس طرح وہ دوسرے آئے اور مذکورہ بالا نتیجہ حاصل ہوا۔ (نارائن
اس کے علاوہ سوامی رام نے اپنی زبردست اپیل میں یہ فرمایا تھا "بھاگ کلجگ تو بھاگ جا کلجگ۔
رام کا حکم ہے" یہی ناطق مولوی صاحب اس رام کے لفظ پر بگڑے تھے اور لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو کر
چلے گئے تھے۔ حالانکہ سوامی رام نے یہ کہہ دیا تھا کہ رام سے مراد ہاڑ اور ماس سے نہیں بلکہ اس رام سے ہے
جو سرو ویاپک ہو رہا ہے۔ شانتی پرکاش

بعد ازاں مولوی صاحب مئے معرفت (اپنے ذاتی آنند) میں ہر وقت مخمور و مست نظر آنے لگے۔

آگے چل کر شانتی پرکاش جی لکھتے ہیں کہ:۔ "میں نے معتبر ذریعوں سے سُنا ہے کہ جس وقت شری رام تیرتھ جی ہردوار کے پہاڑوں پر تپ کرتے تھے تو اُن کو یہ قدرت حاصل تھی کہ وایو (ہوا)، جل (پانی)، تک اُنکے حکم پر چلتے تھے۔ جیسا کہ گنگوتری و جمنوتری کے سفر کا بیان جو رام کی قلم سے لکھا ہوا ہے اس امر کو بخوبی روشن کرتا ہے۔

.........گزشتہ سال کا ایک واقعہ میرا چشم دید ہے کہ جن دنوں سوامی جی (رام بادشاہ) یہاں (فیض آباد) تشریف لائے تھے۔ قریب قریب ہر روز بارش ہوتی تھی۔ جب میں نے مہاراج کی خدمت میں عرض کی کہ "the atmosphere is gloomy. (مطلع غمگین ہے یعنی بادل سے آسمان گھرا ہوا ہے)" تو رام بادشاہ ہنسے اور فرمایا کہ "Rama has now come, nothing can remain gloomy. Let the atmosphere also be cheerful. (اب رام آگیا ہے بادلوں کی آلودگی اور غمگینی نہیں رہ سکتی۔ اب مطلع کو بھی خوش و بشاش یعنی صاف رہنا چاہیئے۔ یہ فرمانا تھا کہ فوراً بادل جو گھرا تھا پھٹ گیا۔ اور سورج کا پرکاش ہوگیا۔ اور پھر جب تک سوامی جی اپنے اُپدیشوں سے فیض آباد کو فیضیاب کرتے رہے۔ ابر کا نام و نشان تک نہ تھا۔

ممکن ہے کہ بعض اصحاب کو رام کے ان معجزوں یعنی تعجب خیز وقوعات میں شک معلوم دے۔ مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ بہم نشٹھ (عارف کامل)، مہاتما کی طاقت لا انتہا ہو جاتی ہے۔ اُس کا ہر ایک کام دُنیا سے

نرالا ہوتا ہے۔ قدرت اُس کی خدمت کے لئے ہوشیار رہتی ہے اور ایسے عارف کا حکم ناطق نازل ہوتے ہی فی الفور مکمل ہو جاتا ہے۔ اور جب تک انسان زندگی کے وہ تمام کٹھن مرحلے جو ایک مہا پُرش کو طے کرنے پڑتے ہیں طے نہ کرے وہ مہاپُرش کے کارہائے نمایاں کا اندازہ لگا ہی نہیں سکتا۔ اور جب کوئی انسان قدرتی اُصولوں پر چلتا ہو۔ تو کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی کہ قدرت اُس کی آواز کے مطابق نہ چلے۔ شری گورُو نانک دیو جی لکھتے ہیں:۔

سہ "جے توُں اُس کا ہو رہیں ‌‌٭ سب جگ تیرا ہو"

یہاں معاملہ ہی صاف ہے۔ جن کا دل پاک ہے تمام عالم اور قدرت اُن ہی کے ساتھ ہے۔"

سوامی رام جی نے اپنے بھگتوں سے ایک دفعہ بمقام لال بھون فیض آباد اپنی گفتگو میں فرمایا تھا کہ:۔ "رام صبح کے ایک دن جنگل چلا جا رہا تھا۔ کہ ایک ادویت مورتی (وحدانیت مجسم) مہاتما سے آنکھیں دوچار ہو گئیں۔ اُن کے پاس محض ایک لنگوٹی تھی۔ اور وہ بھی کچھ پھٹی ہوئی۔ ایک سیٹھ بدری ناتھ کو جا رہا تھا۔ اس سنت مہاتما نے اُس سیٹھ سے اپنی لنگوٹی (جو کھُلی تھی) کی طرف اشارہ کر کے کہا:۔ ارے بدری ناتھ تو یہ دیکھ بے۔" ان مہاتما کا نام ہری ہردیو تھا۔ ان سے جب رام کی آنکھیں دوچار ہوئیں۔ دونوں ہنس پڑے بارتالاپ ہوئی۔ حالت بدل گئی۔ وہاں سے رام پہاڑ پر چلا۔ یہاں جنگل کے کنارے ایک برہم پوری مندر ہے۔ رام نے وہاں اُپنشدوں کا مطالعہ کیا۔ پھر ایسی سمادھی لگی کہ کچھ نہ پوچھو۔ اگر رام چٹان پر لیٹا ہے

تو گویا پتھر کا ٹکڑا پڑا ہی۔ اگر دھوپ میں بیٹھا ہی تو دھوپ ہو رہا ہی۔
اس وقت رام کی ایسی حالت ہو گئی کہ اگر وایُو کو حکم دے کہ چل۔ تو ہوا
فوراً چل پڑتی تھی۔ عناصر اُس کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ اگر رام
کو کسی پُستک کی ضرورت ہوتی تو کوئی شخص وہی کتاب سیلئے
اُس کے پاس چلا آتا ہی۔

نارائن کا سنیاس آشرم

فروری ۱۹۰۲ء میں ساودھارن دھرم سبھا فیض آباد
کے سالانہ جلسہ پر رام کے حکم سے نارائن جو کچھ
بولا وہ مدلل اور واضح ہونے کے سبب بہت سے سامعین کے

لـه (صفحہ ۲۴۹) برہم پوری مندر کے نزدیک گنگا کنارے رام نے اپنا آسن کئی دنوں
تک جمایا تھا اُسی مقام پر جب کچھ دن اُپنشدوں کے لگاتار مطالع اور ابھیاس سے آتم
ساکشات کار نہ ہوا تو رام نے (جیسا کہ اُن کی زبان مبارک سے سُنا گیا)، اپنا جسم
گنگا کے حوالہ کر دیا تھا۔ بوجہ موسم برسات کے گنگا طغیانی پر تھی اور زور و شور سے
بہہ رہی تھی یعنی خونخوار اور تُند لہروں سے بہتی ہوئی گنگا میں گرنا تھا اور تن بدن کا
خاتمہ ہوا ہی چاہتا تھا کہ مات گنگا نے اپنے پیارے دُلارے کو چوم چاٹ جھٹ
ایک شِلا پر ڈھکیل کر بٹھا دیا۔ اس موت کے پنجہ سے بچنا تھا کہ دِل خوب عبرت
پکڑ کر خاموش و ساکن ہو گیا۔ اور تب چند ہی گھنٹوں کے بعد انکشافِ ذات ہو گیا۔
جس کا مفصل بیان رام کی اپنی قلم سے صفحہ ۹۷ جلد ۱/۲ پر دیا گیا
ہی۔

تھوڑے عرصہ بعد طغیانی کم ہو گئی۔ اور جل پہلے کی نسبت بہت زیادہ اُتر
گیا جس سے رام گنگا کے کنارے پر پہنچ گئے۔ پھر تو کئی راتیں مستی میں اُسی
جگہ گزریں۔

دل پر اثر کرتا ہُوا رآم کو محسوس ہُوا۔ اتنا ہونا تھا کہ رآم کے دل میں یہ ترنگ جوش مارنے لگی کہ "بس اب نارائن کو اپنے ہمراہ رکھنا گویا نارائن کی اپنی ترقی اور لوگوں کی بھلائی کو بند کرتا ہے۔ اور اگر نارائن سنیاس آشرم دھارن کر کے اکیلا پھرنے لگ پڑے گا۔ اور جا بجا اُپدیش دیتا رہیگا تو بیشمار لوگوں کی خدمت کرنے سے اور جابجا اپنے پر اعتقاد رکھ کر پھرنے سے اسکا دِل دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا جائیگا۔ اس لیئے اسکا فوراً الگ کرنا اور دُور مقامات پر اُپدیش کے لیئے بھیجنا از حد ضروری و لازمی ہے" اس ترنگ کے اُٹھتے ہی سالانہ جلسہ کے ختم ہونے پر رآم سے حکم نازل ہُوا کہ "اب نارائن کو جلد سنیاس آشرم دھارن کر کے فوراً بیدرھ دیش میں پھرنا چاہیئے"۔ یہ حکم سُننا تھا کہ نارائن کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ رآم کے ساتھ دلی عشق کچھ ایسا زور پکڑ گیا تھا کہ رآم کی جُدائی ایک لمحہ بھر کے لیئے گوارا نہ ہوتی تھی۔ محض اس عشق رآم نے گھر بار تو اول ہی چھُڑا رکھا تھا۔ اور سب تعلقات وغیرہ بھی چھوڑنے آسان ہو گئے تھے۔ مگر رآم کے فرحت بخش سایہ سے دُور ہونا بھلا کس کا دل گوارا کر سکتا تھا۔ اس لیئے یہ خبر سُنتے ہی نارائن کے دل پر سکتہ کا سا عالم چھا گیا۔ اور آنکھوں سے زار زار آنسو ٹپک پڑے۔ نارائن کے دل کی یہ افسردہ حالت دیکھ کر بہت پیاروں نے رام کو سمجھایا بجھایا۔ اور التجا کی کہ ابھی نارائن اس قابل نہیں کہ اُسے اپنے سے الگ کیا جائے ابھی اسے اپنے ہمراہ رکھیئے اور تربیت پانے دیجیئے۔ جب ہر طرح سے خوب مضبوط ہو جائیگا تو خود بخود الگ پھرنے کی درخواست کریگا۔ اور تب وہ خوب ترقی پا سکیگا۔ ایسے گھائل ہوئے دل کے ساتھ اُسے

بھیجنا شاید اُس کے لیے بہت مضر پڑے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر رام بادشاہ کس کی سنتے تھے۔گو اتنا ضرور ہوگیا کہ نارائن کو فیض آباد سے ہی علیحدہ نہ کیا گیا۔ لیکن لکھنؤ پہنچتے ہی سنیاس لینے اور علاقۂ سندھ جانے کا حکم ناطق بڑے پریم بھرے لہجہ میں رام نے دُہرایا۔ جس کو دل پر پتھر رکھ کر منظور کرنا پڑا۔ لکھنؤ سے ہردو اکٹھے ایک گاڑی میں سوار ہُوے۔ رام نے نارائن کو اپنے پاس بٹھلا کر اُس کی طرح طرح سے حوصلہ افزائی کرنی شروع کی۔ اگرچہ حوصلہ افزائی و دلجمعی نارائن کی بہت کی گئی۔ لیکن جُدائی کا لفظ دِل کو اسقدر چوٹ لگا رہا تھا کہ بے تحاشا آنسوؤں کا دریا بہنے لگا۔ اور اس دلی چوٹ و محبت نے رام کے دل کو بھی خُوب ہلا دیا۔ اور اُن کی مست آنکھیں بھی آنسو برسانے سے رُک نہ سکیں۔ اس طرح دونوں طرف سے آنسوؤں کا سما بندھا ہُوا تھا کہ جنکشن اسٹیشن جہاں سے نارائن کو بدلنا تھا اور رام کو اسی گاڑی میں آگے جانا تھا آ پہنچا۔ وہاں پہنچکر نارائن کے دِل کی کچھ اور ہی حالت ہوگئی۔ اور اس قدر صدمہ لگا کہ آنکھیں آنسو برسانے سے تھمتی ہی نہ تھیں۔ رام نے خود نارائن کو بغلگیر کیا اور از حد پریم بھرے لہجہ میں سمجھا بجھا کر ٹھیک کیا اور گاڑی بدلنے کے لیے نارائن کی گٹھڑی بھی قلیوں کے حوالے کردی۔ خود بھی رام اُتر کر نارائن کے ہمراہ ہولیے اور پژمردہ دِل نارائن کو بآرام گاڑی میں بٹھلا آئے۔ اور الگ ہوتے وقت جو ادوم کی سُریلی دھنی رام نے اچارن کی اُس کا اثر جو ہُوا وہ نارائن کا دِل ہی جانتا ہے۔ قلم بیان نہیں کرسکتی ؎

اس طرح فروری ۱۹۰۲ء میں نارائن کو سنیاس ملا۔ اور رام سے

الگ ہو کر بطبابیں سنیاس دیش دشانتر بچرنے لگا ۔

رام سے الگ ہو کر وہ بموجب حکم پہلے سندھ دیش میں آیا۔ وہاں کچھ عرصہ خوب ست سنگ کا سلسلہ جاکر ملتان شہر گیا۔ وہاں سے ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور پنڈ دادنخاں ہوتا ہوا کٹاس راج پہنچا۔ اتنے میں رام مہاراج کا نوازشنامہ موصول ہوا۔ جس میں اُنہوں نے تحریر فرمایا کہ پہلی دفعہ نارائن کو چار ماہ تک ہی الگ بچرنا چاہیئے۔ چار ماہ کے ختم ہونے پر نارائن کو فوراً پہاڑوں میں رام کے پاس آجانا چاہیئے۔ مئی ۱۹۰۲ء میں رام ریاست ٹہری کے پہاڑ میں دوبارہ واپس چلے گئے۔ اور وہاں اپنا ایک جگہ آسن جما کر نارائن کو اُنہوں نے اطلاع دیدی۔ نارائن بھی فرمان رام پاتے ہی جون ۱۹۰۲ء میں بطرف اُترکھنڈ روانہ ہوگیا۔ اور ماہ جون کے آخر میں رام کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ پھر جو دل کو مسرت اور تقویت ملی وہ دل ہی جانتا ہے۔ نارائن کے پہنچنے پر رام نے اپنی تیار کردہ غزل جو سنائی وہ آج تک نہیں بھولتی۔ اگرچہ وہ رام برشا میں دی گئی ہے مگر اس موقع پر بھی اس کا درج کرنا غیر مناسب نہیں ہے۔ اس لیئے نیچے دی جاتی ہے ۔

اُڑا رہا ہوں میں رنگ بھر بھر طرح طرح کی یہ ساری دُنیا
یہ خوب ہولی مچا رکھی تھی پہ اب تو ہولی یہ ساری دُنیا
میں سانس لیتا ہوں۔ رنگ کھلتے ہیں۔ چاہوں دم میں ابھی اُڑا دوں
عجب تماشا ہے رنگ رلیاں ہیں کھیل جادو ہے ساری دُنیا
پڑا ہوں مستی میں غرق وجود نہ غیر آیا چلا نہ ٹھہرا
نشے میں خراٹا سا لیا تھا جو شور برپا ہے۔ ساری دُنیا

بھری ہے خوبی ہر ایک خرابی میں ذرہ ذرہ ہے مہر آسا
لڑائی شکوے میں بھی مزے ہیں یہ خواب چوکھا ہے ساری دُنیا
لفافہ دیکھا جو لمبا چوڑا۔ ہوا تحیر کہ کیا ہی ہوگا!
جو پھاڑ دیکھا اد ہو! کہوں کیا ؟ ہوئی ہی کب تھی یہ ساری دُنیا
یہ رام سُنیے گا کیا کہانی شروع نہ اُس کا ختم نہ ہو یہ
جو سچ پوچھو ہے رام ہی رام یہ محض دھوکا ہے ساری دُنیا

مہاراجہ صاحب ٹیہری کو رام کے درشن

مئی ۱۹۰۶ء میں جب رام دوبارہ ٹیہری پہاڑ پر گئے۔ تو رائے بہادر لالہ بجناتھ صاحب بی۔ اے ریٹائرڈ جج آگرہ بھی ہمرکاب تھے۔ ٹیہری کے راستے میں مختلف مقاموں پر جو دلکش و دلچسپ نظاروں سے آراستہ تھے کچھ کچھ دن مقام کرتے گئے۔ ٹیہری سے قریباً گیارہ میل کے فاصلہ پر ڈیرہ دون کی طرف ایک پڑاؤ گوڑیا چٹی کہلاتا ہے۔ اس پڑاؤ پہ ایک پرانا محل مانند قلعہ کے کئی سالوں سے ٹوٹا پڑا ہے۔ اس کے گرد وسیع میدان اور گھنا جنگل مختلف قسم کے گلوں سے شگفتہ ہے۔ اس مقام کا نظارہ نہایت دلکش اور فرحت بخش دیکھ کر رام نے وہیں آسن جمالیا۔ اور رائے بہادر بھی رام کے ساتھ اس مقام سے نیچے پڑاؤ کے بنگلہ میں رہے۔ تاکہ رام کے پاس کچھ ایکانت ابھیاس کریں۔ مگر شاید جنگل کی تکالیف نہ برداشت کرکے یا کسی اور وجہ سے رائے بہادر چند ہی دنوں کے بعد واپس میدانوں میں آگئے۔ اور رام بادشاہ تن تنہا اُس بھیانک اور گھنے جنگل میں ایکانت سیون کرتے رہے۔ ان ہی دنوں میں مہاراجہ صاحب ٹیہری کسی ضروری امر کے لیے واشنگٹن

صاحب بہادر سے ملنے کو مقام ڈیرہ دون آرہے تھے۔ راستے میں اُنھوں نے اسی کوڑیا پڑاؤ پر مقام کیا۔ جب مہاراجہ صاحب ٹیہری اس پڑاؤ پر پہونچے اور وہاں رام بادشاہ کی رہائش کی خبر پائی۔ تو رام کے درشن کا شوق اُن کے دِل میں جوش مارنے لگا۔ اس مقام پر یہ ذکر کرنا ناواجب نہ ہوگا۔ کہ مہاراجہ صاحب ٹیہری اگرچہ علم و ہنر میں ہر طرح سے لائق تھے مگر کئی ناستکوں کی تصنیفات کے مُطالعہ سے اُن کے دل میں ایشور کی ہستی پر اعتقاد اور سناتن دھرم کے اصولوں پر شردھا ہر دو بہت کم تھے۔ زیادہ تر وہ ہربرٹ سپنسر (H Spencer) کے پیرو کار تھے۔ لہذا اگنوسٹک (Agnostic.) کہلاتے تھے اور ہندو مذہب کی رسُومات وغیرہ کو دِل سے نہیں بلکہ برہمنوں اور اہل محل کی مجبوری سے ادا کرتے تھے۔ لیکن اس قدر پکّے ناستک نہ تھے کہ علانیہ اپنے یقین کو عوام میں ظاہر کریں۔ اس یقین میں گاہے بگاہے بیشمار شکوک بھی اُن کے دل میں اُٹھا کرتے تھے۔ جن کے دُور کرنے کے لئے وے خود بہت مطالعہ و سَنگت بھی کیا کرتے تھے۔ جب کسی امر میں خوب تسلی نہ پائی تو مذہب کے اصول و نتیجوں کی تحقیقات کے لئے آپ نے آریہ سماج اور سناتن دھرم کے بڑے بڑے لیڈروں کو ریاست کے خرچ سے بُلایا اور باہم کئی دنوں تک مباحثے کرائے قریب آٹھ روز تک یہ مباحثے ہوتے رہے مگر کسی کے اپدیش یا دلائل سے بھی مہاراجہ صاحب کو تشفی نہ ہوئی۔ آخرش مُباحثہ بند کیا گیا۔ اور دِل پہلے سے بھی زیادہ مُضطرب ہوگیا۔ اُس وقت بھی مہاراجہ صاحب نے سوامی رام کو اُس مُباحثے میں بُلوانے کی بہت کوشش کی تھی۔

مگر چونکہ رام ایکانت ابھیاس میں تھے اور ایک جگہ سے نہ ہلنے کے ارادے سے اپنے مطالعہ و ابھیاس میں جم کر بیٹھے تھے۔ لہذا وہ کوشش رائگاں گئی۔ اب اتفاق سے جس پڑاؤ پر مہاراجہ صاحب نے مقام کیا اُسی کے نزدیک رام قیام رکھتے تھے۔ اور دل پہلے سے ہی دھرم کے اصولوں و نتیجوں سے شکی تھا۔ اور مذہبی مسائل کے ٹھیک نہ سمجھنے سے ہر وقت مضطرب بھی رہتا تھا۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مہاراجہ صاحب نے اپنے وزیر صاحب کو سوامی جی کی خدمت میں اس عاجزانہ درخواست سے بھیجا کہ "ہے ساری سرشٹی کے مالک و آزاد سوامی جی! اپنی کرپا درشٹی ہمارے پر بھی کیجیے اور درشن دیکر ہمیں بھی کرتارتھ کیجیے۔ آپ کی بڑی ہی کرپا ہوگی جو یہاں درشن دیکر ہم بھولے بھٹکوں کو بھی راہ راست پر لاوینگے" یہ سندیسہ وزیر صاحب کی زبان مبارک سے سنتے ہی شہنشاہِ رام اُٹھ کھڑے ہوئے اور وزیر صاحب کے ساتھ مہاراجہ صاحب کی طرف چلدیے۔ رام کی آمد کی خبر پاتے ہی مہاراجہ صاحب راستہ میں استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ درشن پاتے ہی اپنے آپ کو دھنیہ بھاگ کہتے ہوئے پرنام کیا۔ اور بڑے محظوظ دل سے سوامی جی کا سواگت کر کے اپنے مقام پر لائے۔ سوامی جی کا مقام پر پہنچنا تھا کہ وہاں دربار عظیم لگ گیا جو شک دربارہ ہستی ایشور پدماتما مہاراجہ صاحب کے دل میں مدت سے رڑک رہا تھا اور آجتک حل نہ ہونے کے سبب اُنہیں مضطرب چت بنائے رکھتا تھا وہ اتفاق سے مہاراجہ صاحب پُوچھ بیٹھے۔ قریب دو بجے کے یہ سوال پوچھا گیا اور قریب ۵ بجے شام تک رام مہاراج اسی مسئلہ کو مختلف دلائل اور اظہار امور واقعی سے خوب واضح کر کے سمجھاتے گئے۔ جب یہ مسئلہ ہر پہلو سے

خوب واضح طور پر ثابت کیا گیا تو مہاراجہ صاحب نے اشارۃً اتنا عرض کیا کہ روپیہ میں بارہ آنے بالکل سمجھ میں آگیا ہے۔ اب ذرا سی کسر باقی ہے۔ سو اگر آپ کچھ مدت تک ہمارے پاس ٹیہری قیام فرمائیں گے تو آپ کی اتینت (نہایت درجے کی) کرپا ہوگی۔ اور مجھے امید قوی ہے کہ آپ کی اس کرپا سے اور روزمرہ کی سنگت سے میرے دل کے دیگر شبہے بھی کالعدم ہو جائیں گے اور مضطرب دل شانتی پکڑنے لگ جائے گا۔ مہاراجہ صاحب کی اس استدعا کو رام نے آنند سے قبول فرمایا۔ اس تھوڑے سے ہی عرصہ بعد پھر دہ ٹیہری پدھارے اور اُن کے ٹیہری پہنچنے کے چند روز ہی بعد نارائن میدانوں سے وہاں پہنچ گیا۔ اور پھر کئی ماہ تک اُنکے ہمرکاب رہا۔

سفرِ ممالکِ غیر ٹیہری میں تھوڑے عرصہ رہنے کے بعد سوامی جی پرتاپ نگر گئے۔ یہ مقام پربت کی چوٹی پر ہے۔ موسمِ گرما کاٹنے کے لئے مہاراجہ صاحب مرحوم کے والد بزرگوار شری پرتاپ شاہ جی نے اپنے لئے بنوایا تھا۔ اس لئے اُن ہی کے نام سے موسوم ہے۔ موجودہ مہاراجہ صاحب ٹیہری بھی اُن ایام میں وہاں رونق افروز تھے۔ قریباً ہر ہفتہ مہاراجہ صاحب سوامی جی مہاراج کے پاس آتے تھے اور عزیز دل بھر کر ستسنگ کرتے تھے۔ اُن دنوں یعنی جولائی ۱۹۰۲ء کے اخباروں میں یہ خبر چھپی کہ "چکاگو کی طرح جاپان میں بھی دُنیا بھر کے تمام مذہب کی تھیوسوفی کانفرنس منعقد ہوگی۔ اور ہندوستان کے سب فرقوں و مذاہب کے لیڈروں کو مدعو کیا گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ" مہاراجہ صاحب اخبار میں یہ خبر پڑھتے ہی خود اخبار ہاتھ میں لئے فوراً سوامی جی کے پاس

گئے اور اس خبر کو پڑھ کر سُنایا۔ بعد سُنانے کے تھوڑی دیر بعد مہاراجہ صاحب نے یوں عرض کی کہ اگر آپ جیسے مہاپرش (مہاتما) اس جلسہ میں براجمان ہوں تو ہندوستان کا بھی نام رہ جائے گا۔ ویدانت کا تو بھی جابجا خوب پھیلے گا۔ اور اس کانفرنس کی شُہرت بھی آپ جیسے مہاتماؤں کے رونق افروز ہونے پر بہت زیادہ ہو جائے گی۔" مہاراجہ صاحب کی اس استدعا پر سوامی جی جاپان جانے کے لئے فوراً تیار ہو گئے۔ چونکہ سوامی جی کوڑی تک کبھی پاس رکھتے نہیں تھے۔ پاس رکھنا تو درکنار سونے روپے کے ان دنوں کسی اور دھاتو کو چھوتے بھی نہ تھے۔ اس لئے مہاراجہ صاحب نے بذریعہ تار تھامس کک اینڈ کمپنی کی معرفت جہاز کے کرایہ وغیرہ کا کُل انتظام اپنے آپ کر لیا۔ اور سوامی رام اور نارائن ہر دو کے لئے ایک کمرہ ریزرو کروا دیا۔ قریب ایک ہزار روپیہ کے کرایہ لگا تھا۔ ایسا انتظام ہونے پر سوامی جی ٹہری سے بطرف کلکتہ چلدیئے اگرچہ مہاراجہ صاحب نے ہر دو کے لئے کمرہ ریزرو کروا دیا تھا۔ مگر رام بادشاہ یہ اشارہ کرکے کہ نارائن کے ہمراہ چلنے سے اولاً تو اس کی اپنی ترقی میں فرق آجائے گا دوم بھارت ورش میں ان کے پیچھے ان کی جگہ پر کوئی کام کرنے والا نہیں رہے گا، اس لئے آپ اکیلے چلدیئے۔ اور نارائن کو فرمایا کہ کچھ عرصہ تک تم ایکانت ابھیاس کرنے کے لئے ٹہری ہی میں رہنا اور بعد ازاں ویدانت پرچار اپنے دیش میں جا جا کر کرنا ایسا حکم دینے کے بعد نارائن کو بھی ڈیرہ دون تک ساتھ لے گئے۔ تاکہ رام کو ریل میں سوار کر آگے اور آخری اپدیش لے کر واپس آجائے۔ اس طرح سے نارائن صرف ڈیرہ دون تک گیا۔ اور انہیں گاڑی میں سوار

کراکر اور کئی امور میں ہدایت لے کر واپس ٹہری آیا ۔

ٹہری سے روانہ ہونے کے ایک دن پیشتر رام بادشاہ کی خدمت میں اگرچہ مہاراجہ صاحب ٹہری نے دوبارہ سہ بارہ یہ عرض واضح طور پر کردی تھی کہ "آپ اکیلے جاپان ہرگز تشریف نہ لیجائیے گا۔ نارائن جی کو ضرور ساتھ لیجائیے گا۔ تاکہ راستے کی تکالیف کے دور کرنے میں وہ بہت مددگار ہو سکے۔ میں خود ولایت ہو آیا ہوں۔ مجھے سمندر کے سفر کا پورا پورا تجربہ ہو چکا ہے۔ اکیلے مسافر کی جان پر جو بن آتی ہے وہ وہی جانتا ہے۔ دوسرا کبھی ٹھیک اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اور شروع شروع کے سفر بحری میں تو اکیلے ہرگز جانا نہیں چاہیے۔ کیونکہ راستے میں دکھ بہت ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ" مگر سوامی جی کے دل میں یہ عرض گذاشت کچھ بھی سما نہ سکی۔ لہذا اس امر پر بلا کوئی توجہ دیے اکیلے بطرف کلکتہ چلدیے۔ راستہ میں جہاں جہاں اترے سب نے رام کی اس کارروائی اور عدم توجہی پر زور شور سے اعتراض کیا۔ یہاں تک کہ لکھنؤ میں جب اترے تو سب ولایت کے سفر کرنے والے اصحاب نے بڑی عاجزی سے انکی خدمت میں عرض کی کہ ایک ہمراہی اپنے ساتھ ضرور لیجائیے۔ اکیلے ہرگز نہ جائیے جب بیچ میں آپ آگرہ پہنچے تو رائے بہادر لالہ بیجناتھ صاحب نے اُن کی اس ضد پر بہت اصرار کیا۔ اور بحری سفر کے کئی پہلو پر غور کراکر سوامی جی کو مجبور کیا کہ ایک نہ ایک ساتھی ضرور وہ ساتھ لیجائیں ۔

جب ساتھیوں کا انتخاب ہونے لگا۔ تو سب نے نارائن جی کی طرف اشارہ کیا۔ اس طرح باہم مشورہ سے فیصلہ پانے پر رام مہاراج نے نارائن کے نام ایک ارجنٹ تار ٹہری کے پتہ پر بدیں مضمون بھیج دی۔ کہ

۲۰۔ماہ اگست تک کلکتہ میں جلد حاضر ہو جاؤ۔ رام نے تم کو ساتھ لیجانا ہے"
۲۰۔ماہ اگست میں بہت تھوڑے دن رہ گئے تھے۔ مگر تار کے موصول ہوتے ہی نارائن ایک شبیہ نوجوان طاقتور قلی کو ساتھ لے کر بطرف ڈیرہ دون روانہ ہوگیا۔ شام کے دو بجے ٹیہری سے چلا تھا۔ لیکن رات کے آٹھ بجے تک اس نے قریباً ۲۲ میل کا سفر طے کر لیا یعنی راستے کے عین درمیان میں جو کُدّوکھال نام کی چوٹی آتی ہے (اور ٹیہری سے وہاں تک متواتر چڑھائی ہی ہے) اس مقام پر نارائن مع اپنے ہمراہی کے رات کے آٹھ بجے پہنچ گیا۔ اور دوسرے دن علی الصباح اٹھ کر گیارہ بجے کے قریب ڈیرہ دون پہنچ گیا۔ اور ایک بجے والی ریل گاڑی پکڑ لی۔ اس طرح بجائے ۲۰۔ ماہ اگست کے نارائن جلدی کے مارے ۱۹ کو پہنچ گیا۔ تاکہ نارائن کی طرف سے حکم کی پیروی میں کوئی کمی نہ ثابت ہو۔ نارائن کی خوش قسمتی سے جہاز کے چلنے کی تاریخ بھی بدل گئی تھی۔ یعنی بجائے ۲۰ یا ۲۲۔ اگست کے قریب ۲۸۔ اگست ہو گئی تھی اور نارائن کو اس طرح کلکتہ میں سفر کی تکان سے بھی آرام مل گیا۔

اس طرح نارائن کو اپنے ہمرکاب لئے ہوئے رام بادشاہ ۲۸۔ اگست ۱۹۰۲ء کو جاپان کی طرف روانہ ہوئے۔ ہانگ کانگ تک ہم لوگوں نے جاپانی کمپنی کے ایک کیسین نامی جہاز میں سفر کیا۔ وہاں پہنچکر ہفتہ بھر رہنے کے بعد ایک امریکن کمپنی کے چلنے بھاری جہاز میں سوار ہوئے۔ جس سے دس بارہ دن کے بعد ہم یوکوہامہ تک پہنچ گئے۔ کچھ تو جہازوں کے مقام مقام پر ٹھہرتے رہنے کی بندرگاہ پر راستہ میں تھوڑی دیر کے لئے اترنا پڑا۔ اور کچھ تبدیلی جہاز کی وجہ سے کئی کئی دن راستہ میں

رکنا پڑا۔ اس لئے ہم جلد جاپان نہ پہونچ سکے۔ بلکہ ماہ اکتوبر کے شروع ہفتہ میں یوکوہامہ (جاپان کے بڑے بندرگاہ پر) پہنچے۔ کلکتہ سے روانہ ہونے کے چند روز پیشتر جو نظم وہاں کے نظارہ سے متاثر ہو کر رام کی قلم سے لکھی گئی تھی۔ اس کی نقل اگرچہ رام برشا میں چھپی ہوئی ہے لیکن اسے یہاں بھی موزوں مقام سمجھ کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ رام بادشاہ کے چلنے کے وقت جو اُن کی قلبی حالت تھی وہ ناظرین کو واضح ہو جائے:

گیانی کی سیر

راگ کلیان ۔ تال تین

یہ سیر کیا ہے عجب انوکھا کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں
بغیر صورت عجب ہے جلوہ کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں
مرقعۂ حسن و عشق بتوں میں مجھی میں ناز و نیاز سب ہیں
ہوں اپنی صورت پہ آپ شیدا کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں
زمانہ آئینہ رام کا ہے۔ ہر ایک صورت سے ہے وہ پیدا
جو چشم حق بیں کھلی تو دیکھا کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں
وہ مجھ سے ہر رنگ میں ملا ہے کہ گل سے بو بھی کبھی جدا ہے
حباب و دریا کا ہے تماشا کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں
سبب بتاؤں میں وجد کا کیا؟ ہے یکیا جو در پہ وہ دیکھتا ہوں
صدا یہ ہر ساز سے ہے پیدا کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں
بسا ہے دل میں مرے وہ دلبر۔ ہے آئینہ میں خود آئینہ گر
عجب تحیر ہوا یہ کیسا؟ کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں

مقام پوچھو تو لامکاں تھا۔ نہ رآم ہی تھا نہ میں وہاں تھا۔

لیا جو کروٹ تو ہوش آیا کہ رآم مجھ میں میں رآم میں ہوں
علی التواتر ہے پاک جلوہ کہ دل بنا طورِ برق سینا
تڑپ کے دل یوں پکار اٹھا کہ رآم مجھ میں میں رآم میں ہوں
جہاز دریا میں اور دریا جہاز میں بھی تو دیکھیے آ
ہو جسم کشتی بحر رآم دریا ہے رآم مجھ میں میں رآم میں[1] ہوں

کلکتہ سے ہانگ کانگ تک راستے کی کل بندرگاہوں پر علاقہ سندھ کے سیٹھ لوگوں کے فرم ہیں۔ اُن دنوں دو سیٹھوں کے فرم بہت مشہور تھے۔ ایک سیٹھ ونیامل آسومل۔ اور دوسرے سیٹھ پوچومل برادرس۔ اتفاق سے ایک بندرگاہ پر ہیں ہر دو فرموں میں تھوڑی تھوڑی دیر تک رہنے کا موقع ملا۔ اور سب بندرگاہوں پر گورو مہاراج کے سکھ سردار بہت تپاک سے ملے۔ اور سب جگہ گوردوارے (مندر) پائے۔ خاصکر پینانگ اور ہانگ کانگ کا گوردوارہ بہت عالیشان اور قیمتی تھا۔ ان گوردواروں کی موجودگی سے سکھ لوگوں کی گورو بھگتی خوب واضح طور پر مترشح ہوتی ہے۔ اِن گورو کے سکھ لوگوں کی بھگتی سے متاثر ہو کر رآم مہاراج نے ہانگ کانگ کے گوردوارہ میں بڑے زور شور سے

---

[1] نوٹ۔ بجائے "رآم مجھ میں میں رآم میں ہوں" کے "یار مجھ میں میں یار میں ہوں" بھی کہیں کہیں سوامی جی نے یار کر کے تحریر فرمایا ہے۔ سو دونوں طرح سے پڑھا جاسکتا ہے۔ اور اسے پڑھنے والے کے اوپر سوامی جی نے چھوڑ رکھا ہے۔ یہاں سہولیت کے لئے صرف ایک طرز دی گئی ہے۔

(ناراین)

گورو سنگھی پر لیکچر دیئے۔ اور سب فرقوں کے اصحاب رام کے اپدیش سننے کے لئے وہاں رونق افروز ہوئے۔ اور وہاں کے تبدیلی لوگ بھی سوامی جی کے درشن اور اپدیش سے اسقدر محظوظ ہوئے۔ کہ انہیں ایک ہفتہ بھر انہوں نے روک رکھا۔ اور بعد دس دن کے وہاں سے جاپان کو چلنے دیا۔

ہانگ کانگ سے چلکر ہم شنگھی پہنچے۔ اگرچہ رام مہاراج وہاں نہیں اُترے۔ اکیلا نارائن ہی تھوڑے عرصہ کے لئے اُترا تھا۔ لیکن وہاں بھی گرنتھ صاحب کی مہما چاروں طرف واضح نظر آتی تھی۔ جو بھی گورو کا سکھ نارائن کو دیکھتا بڑے تپاک سے ملتا۔ اور ہر طرح سے سیوا کرنے پر تیار ہوتا۔ شنگھی کے بعد ہمارا جہاز جاپان کے پہلے بندرگاہ ناگاساکی پر پہونچا۔ وہاں اُتر کر جاپان کی سرزمین اور اہل جاپان کی بود و باش اور اطوار کو بغور ملاحظہ کیا۔ کئی مندروں میں طرزِ پرستش دیکھی۔ کئی طرح کے لباس و طرزِ رہایش کی عمدگی کو دیکھکر دل بہت محظوظ ہوا۔ وہاں سے پھر ہمارا جہاز جاپان کے دوسرے بندرگاہ کوبی میں پہنچا۔ غیر ممالک میں یہ رواج ہے کہ جو بڑا جہاز کسی بندرگاہ میں نو وارد ہونے والا ہو اس کے پہنچنے سے ایک دن پیشتر ہی اول و دوم درجہ کے سب مسافروں کے نام اس بندرگاہ میں شائع ہو جاتے ہیں اس طرح کوبی پہنچنے سے پیشتر وہاں کے اخباروں میں ہمارے نام شائع ہو گئے تھے۔ اور اس بندرگاہ میں چند گجراتی بھائیوں کے بھی فرم تھے۔ وہ اِن ناموں کو پڑھ کر خود برائے درشن جہاز پر آگئے اور ہم لوگوں کو اپنے مکانوں میں لے گئے۔ اُن پیاروں نے ہر طرح سے

ہماری خاطر تواضع کرکے اُس شہر کی خوب سیر کرائی اور وہاں کی مختلف رسومات اور فیکٹریاں وغیرہ دکھائیں۔ وہاں سے سوار ہوکر پھر ہم جاپان کے مشہور اور آخری بندرگاہ یوکوہامہ پر پہنچے۔ وہاں اترتے ہی سیٹھ دیتابل اسوّل سندھی مرچنٹ کے ایک دو نوکر بندرگاہ پر برائے استقبال تشریف لائے ہوئے تھے۔ اُن کے ہمراہ ہم لوگ اُن کے فرم پر پہنچے۔ اور قریب ایک ہفتہ وہاں رہے۔ اُن لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم تمام مذاہب کی کانفرنس دیکھنے کے لئے آئے ہیں۔ تو وہ یہ خبر سُن کر بڑے متعجب ہوئے۔ کیونکہ اس قسم کی کوئی خبر اُن کو جاپان میں سُنائی نہ دی تھی۔ اور نہ وہاں کے کسی اخبار میں تا حال چھپی تھی۔ اور کچھ شکر ائے بھی۔ کیونکہ اُن کی نگاہ میں یہ خبر بالکل غلط و جھوٹ تھی؛

اس طرح جب کوئی نشان و پتہ اس "ریلیجس کانفرنس" کا یوکوہامہ میں نہ سُنائی دیا۔ تو واجب سمجھا گیا کہ اس کی تحقیقات جاپان کے دارالخلافہ "ٹوکیو" میں کی جائے۔ وہاں پہنچکر خود خبر لگ جائے گی۔ ٹوکیو میں چند طلباء ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آئے تعلیم پا رہے تھے۔ اُن کے مفصّل پتے یوکوہامہ کے سیٹھ جی سے معلوم ہوگئے اور اس فرم کا ملازم بھی ہمارے ہمراہ ہولیا۔ ہم لوگ ٹوکیو پہنچکر سب سے پہلے مسٹر پورن سنگھ کے مکان پر پہنچے۔ یہ پیارے ہم لوگوں کو دیکھتے ہی ایسے محظوظ ہوئے کہ اُن کے چہرے پر باچھیں کھل گئیں۔ بے شک پیارے پورن سنگھ جی کو ہمارے درشن ماتر سے اپنا وطن یاد آگیا۔ اور دل میں وہ پہلے نقشہ سے یوں سمجھنے لگے کہ "بھگوان یا قدرت نے اُن کے دل کے تمام شک و شبہہ مٹانے کے لیئے ہی یہ سنیاسی بلا بھیجے

یہاں بھیجے ہیں۔ میری مُراد ضرور بالضرور کچھ نہ کچھ اب بر آئے گی"۔
وہاں پہنچ کر چند منٹ سستانے کے بعد جب ریلیجس کانفرنس کے بارہ میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل غلط اور لغو ہے کسی مسخرے پیارے نے محض مذاق کے طور پر جھوٹ موٹ ہندوستان کے اخباروں میں چھپائی ہے۔ جس سے لوگوں کو مفت میں دھوکا ملا ہے۔ ایسا معلوم ہونے پر فوراً ایک تار ہندوستان میں اس غلط خبر کے متعلق دیدی تاکہ لوگ غلط افواہ مذکورہ سے گمراہ ہوکر ہندوستان کو نہ چھوڑ بیٹھیں اور یہاں پہنچکر مفت تکلیف نہ اٹھائیں*
ہمارے جاپان پہنچنے سے کچھ عرصہ پہلے پروفیسر چھترے کا سرکس (گھوڑوں وغیرہ کا) بھی آیا ہُوا تھا اور ٹوکیو میں ہر رات تماشا کرتا تھا ہماری آمد کی خبر پاتے ہی وہ سب پیارے ہم لوگوں کو ملے۔ مہاراجہ صاحب بہادر نیپال نے اپنے کچھ طلباء برائے تعلیم و صنعت و حرفت جاپان میں ایک سوامی جی مہاراج کی زیر نگرانی بھیجے ہوئے تھے۔ وہ سب طُلباء بھی ملے۔ احاطۂ پنجاب و ممالک متحدہ کے بہت سے طُلباء ملے۔ جب ہندوستان کی سرزمین کے اتنے بھائی جاپان میں نظر آئے تو دل بہت متعجب ہُوا۔ اور اپنے ہم وطنوں کو وہاں ملکر ایک دوسرے کو اس قدر حظ آیا جو قلم کے احاطہ سے باہر ہے۔
ہمارے پہنچنے سے پہلے بھارت ورش کے یہ نوجوان طلباء پروفیسر چھترے وغیرہ کی تحریک پر ایک کلب بنا رہے تھے۔ جس میں ہندوستان کے خیر خواہ چند جاپانی بھی شامل تھے۔ جب رام نے مسٹر پورن کے مکان میں

قدم رکھا۔ تو اس کلب کی بنیاد پختہ کی جا رہی تھی۔اس کا نام "انڈو جاپان کلب" قرار پایا۔اس کے دو سکریٹری۔ ایک ہندوستانی بھائی مسٹر پورن۔اور ایک جاپانی بھائی مسٹر جی میکورٹے تھے۔کلب کا مدعا ہندوستانی نوجوانوں کو جاپان میں بُلوا کر تعلیم دلوانا اور باہم ایک دوسرے ہموطنی کی مدد کرنا تھا۔

تھوڑے عرصہ کے اندر اندر اس کا سرمایہ بھی کافی جمع ہوگیا جب جاپان کی "ریلیجس کانفرنس" کی افواہ وہاں پہنچکر غلط پائی تو اس کلب میں ہی رام پہلے اُپدیش دیتے رہے۔بعد ازاں اُن کے ٹوکیو کالج میں ایک دو مدلل لیکچر ہوئے۔ ٹوکیو کالج کا لیکچر رازِ ترقی — (Secret of Success) پر تھا۔جس نے بہت جاپانی طلباء اور پروفیسروں کے دلوں پر وجد کا سا عالم پیدا کر دیا تھا۔اس لیکچر کے بعد سوامی جی پروفیسر چھترے کی درخواست پر ان کے ہمراہ امریکہ چلدیے۔

مسٹر پورن سنگھ کا سنیاس

مسٹر پورن سنگھ کے ہاں جب سوامی رام پہنچے تو بارہا تبادلہ (یا باہم بات چیت) سے معلوم ہوا کہ وہ ایک سچے۔ ابدی کے متلاشی اور ہربرٹ سپنسر کے مقلد ہیں۔اتفاق سے ناواقفی اُن کے شہر وغیرہ کا نام پوچھ بیٹھا۔ تو آپ جواب دیتے ہیں کہ کُل دُنیا میرا گھر یا ملک ہے (The wide world is my home.) اس جواب کو سُنتے ہی رام نے دُوسرا فقرہ اسکے ساتھ یہ سُنایا and to do good is my religion اور بھلا کرنا میرا دھرم ہے۔اس سوال وجواب سے انکی ہونہاری مترشح ہو رہی تھی۔اور اہل قلم بھی وہ اسقدر پائے گئے

کہ جب سوامی رام نے "راز کامیابی" پر لیکچر دیا اور نارائن اُس لیکچر کے نوٹ اپنے ہمراہ کاغذ پر لکھ کر لایا۔ تو انہوں نے دو گھنٹہ کے اندر اندر اُن کُل نوٹوں کو مفصل اور ہُو بہو رام کی زبان ہی میں ادا کر دیا۔ اُن کی اس واضح اور دل چسپ تحریر کو دیکھ کر رام خود بھی بڑے متعجب اور خوش ہُوئے۔ اور اُن کو خوب تھاپی (شاباشی) دی بسٹر پُورن کی یہ تحریر ہی اِدھر اُدھر سے دُرست کر کے رام کا پہلا لیکچر شائع ہُوا تھا۔ اب تو پُورن جی رام میں اور رام پُورن میں تپاک سے بسنے لگے جب پُورن کے ہر طرح کے دِلی شک و شبہے کافور ہُوئے اور رام کی سنگت سے قلب تسکین پا گیا تو وہ سب طلبا کے سامنے رام سے پوچھنے لگے کہ "اب مجھے کیا کرنا چاہیے"۔ رام نے جواب دیا کہ "اپنی ضمیر سے یہ سوال پوچھو اور اُسکی پیروی کرو"۔ پھر دوبارہ پُوچھا۔ تب بھی رام نے یہی جواب دیا۔ تھوڑی مدت بعد سہ بارہ یہی سوال پیارے پُورن نے رام سے کیا تو رام نے سب طلباء کی طرف اشارہ کر کے کہ "کہیں آپ لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ رام مسٹر پُورن کے لیئے جو تجویز کہے گا وہ آپ کے لئے بھی مُفید اور کارآمد ہوگی۔ ہرگز نہیں۔ آپ کی زندگی کا راستہ ایک دوسرے کے ساتھ اور خاصکر مسٹر پُورن کی زندگی کے ساتھ تعلق نہیں پا سکتا۔ پھر مسٹر پُورن کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ (Take up Sannyas and serve humanity.) "سنیاس آشرم دھارن کرو اور انسان کی سیوا کرو"۔ یہی "راستہ زندگی آپ کے لئے از حد مفید اور بہتر ہوگا"۔ اتنا سُننا تھا کہ مسٹر پُورن کا دل و جان پیچ و تاب کھانے لگا۔ اور قلب کی تہہ تک رام کے جواب کا اثر پہنچا۔ اس جواب کے تھوڑے دن بعد سوامی

رام پروفیسر چیٹرجے کے ہمراہ امریکہ کی طرف چلدیے اور مسٹر پورن جن کا دل رام کے عشق میں گھائل ہوا تھا رام کی مفارقت کے چند ماہ بعد ہی انہوں نے وہاں جاپان میں ہی سنیاس لے لیا۔ اور وہاں کے سادھو لوگوں (یوگیوں) کی طرح سال بھر زندگی بسر کی۔ اسی سنیاسی لباس میں وہ جاپان کے شہر شہر میں پھرے اور ویدانت کا پرچار کرتے رہے۔ اور ویدانت کا اثر ہر ایک تعلیم یافتہ کے اندر پھونکنے کے لیے ایک رسالہ بھی انھوں نے جاری کیا۔ جسکا نام تھنڈرنگ ڈان (Thundering Dawn.) یعنی گرجتی ہوئی صباح تھا۔ ایک سال کے بعد جب وہ مست و مسرور دل سے ہندوستان میں پہنچے تو والدین انکی آمد کی خبر پاکر اُن کو لینے کے لئے کلکتہ آئے ہوئے تھے۔ اپنے لخت جگر کو سادھو لباس میں دیکھکر سب روئے دھوئے۔ اور اپنے ہمراہ انہیں اپنے گھر پنجاب میں لے آئے۔ چند عرصہ تک لگاتار سمجھانے بجھانے کے بعد والدین نے اُن کا سنیاسی لباس اُتروا دیا۔ اور حسب درخواست والدین وُہ دنیا داری میں پھر داخل ہوگئے۔ بعد ازاں یہی پورن سنگھ جی ڈیرہ دُون میں امپیریل فارسٹ کالج کے کیمیکل ایڈوائزر کے عہدے پر ممتاز ہوئے تھے۔ آجکل پنشن یافتہ ہوئے خانہ داری کر رہے ہیں۔ اور اب اُن کی گود میں چار بچے (تین لڑکے ایک لڑکی) کھیل رہے ہیں۔ یعنی چار بچّوں کے والد شریف ہیں۔ اب کئی برس سے اپنے پیدائشی سکھ مت میں پھر داخل ہو گئے ہیں اور اب بجائے مسٹر پورن کے سردار پورن سنگھ کہلاتے ہیں[1]۔

نارائن کا ممالک غیر میں تنہا سفر (امریکہ چلنے سے ایک دن پہلے)

[1] اب ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ شانتی پرکاش۔

رام مہاراج نارائن سے یوں فرمانے لگے کہ "دیکھو نارائن دھرم کے جلسوں پر تو اکٹھے آنا ہم دونوں کے لیئے مفید و بہتر تھا۔ مگر جا بجا سفر اکٹھے کرنا یا دھرم پرچار کے لئے اکٹھے وچرنا ہم دونوں کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ کیونکہ اس طرح دل ایک دوسرے کے آشرے رہنے لگ جائے گا۔ اور ایشور پر کلی بھروسہ رکھنے کے بجائے باہم ایک دوسرے کی مدد کا محتاج ہو جائے گا۔ جس سے ایشور پر وشواش کے تنزل ہونے کا احتمال ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم اب الگ الگ علاقے سفر کے لئے مقرر کر لیں۔ ہم تو پروفیسر ٹیچر کے ساتھ امریکہ کی طرف وچرتے ہیں۔ تم یورپ۔ افریقہ۔ لنکا۔ برہما وغیرہ تمام علاقوں میں وچرو۔ مگر دیکھنا۔ کہیں باہر کی تکالیف سے تنگ آکر ہمارے سے پہلے فوراً بھارت ورش میں نہ چلے جانا۔ اور جب تک ہم نہ لکھیں تب تک بھارت ورش میں واپس داخل مت ہونا۔ وغیرہ وغیرہ" یہ آخری حکم فرماکر رام تو دوسرے دن امریکہ چلدیے اور نارائن کو وہاں اکیلا جاپان ہی میں چھوڑ گئے۔ کچھ عرصہ تک تو نارائن وہاں "انڈو جاپان کلب" کے لئے کام کرتا رہا۔ اور جاپان کے مشہور و معروف شہروں کا سفر کیا۔ قریباً تمام قابلِ دید مقامات دیکھ کر نارائن جاپان سے واپس ہانگ کانگ آیا۔ وہاں قریب ایک ماہ تک ست سنگ جاری رکھنے کے بعد سنگاپور آیا۔ وہاں سے پینانگ ہوتا ہوا برہما پہنچا۔ برہما میں چند ماہ گھومنے کے بعد لنکا (Ceylone) کا رُخ کیا۔ وہاں سوامی دویکانند کی سوسائٹی میں کئی لیکچر دیے۔ اور قریب تین ماہ تک لنکا کے مشہور مقامات دیکھنے کے بعد نارائن افریقہ آیا۔ پورٹ سعید۔ قاہرہ (مصر)۔ الگزینڈریا گھومتا ہوا

گو تمدو مالٹا جزائر میں پہنچا۔ وہاں سے افریقہ کی شمالی حد کا سفر کرتا ہوا یعنی ٹیونس۔ اوران۔ الجیریا ٹینجیر (مراکو) کے شہروں کی سیر کرتا ہوا جبرالٹر پہنچا۔ وہاں قریب ایک ماہ تک ست سنگ جاری رکھنے کے بعد لندن کا سفر کیا اور شروع ستمبر ۱۹۰۳ء میں لندن پہنچا۔

رام امریکہ میں سوامی جی کے تمام خطوں میں جو اُنہوں نے امریکہ پہنچکر ارسال کئے صریحًا واضح ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگوں کو سوامی جی کی موجودگی سے نہایت فائدہ پہنچا۔ امریکہ جیسے ملک میں جہاں بلا فیس ادا کیے کسی قسم کا اعلیٰ اُپدیش سُننا نہیں ملتا وہاں رام نے بلا کسی قسم کا ٹکٹ لگائے نہایت اعلیٰ و مفید مضامین پر لگاتار ویاکھیان (لیکچر) دیے۔ قریبًا ہر روز کئی ماہ تک لگاتار لیکچر ہوتے رہے۔ سُننے والے اسقدر اشتیاق سے سُنتے تھے کہ وہ ہر ایک لیکچر کا لفظ بلفظ نوٹ شارٹ ہینڈ رائٹنگ سے لیتے تھے۔ بعد ازاں اس کی چار۔ پانچ مُفصل و واضح نقلیں بذریعہ ٹائپ رائٹر تیار کر لیتے تھے۔ اُن نقلوں کی ایک یا دو کاپی وہ سوامی جی کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے اور باقی ماندہ وہ اپنے پاس اپنے استعمال کے لئے رکھ لیتے تھے۔ ممکن ہے کہ کئی لیکچروں کے نوٹ نہ لئے گئے ہوں۔ مگر جتنے لیکچروں کے نوٹ قلمبند ہوئے اور رام کی خدمت میں پیش کیے گئے وہ تمام کے تمام رام مہاراج ہندوستان آتے وقت اپنے ہمراہ لیتے آئے سچ پوچھو تو یہ رام کے لیکچروں کی غیر صاف شدہ نقلیں ہی تھیں جو پورے چار سال تک چار جلدوں میں شائع ہو سکیں۔ یہ اُن سُننے والوں کے اشتیاق اور محنت کا ثمرہ ہے کہ جو آج ہندوستان کو رام کے کلام و اُپدیشوں سے حظ اُٹھانا نصیب ہو رہا ہے۔ اگر امریکہ کے لوگوں میں

رام کی محبت۔ اُن کی تعلیم سے عشق۔ اُن کے اصولوں کی پیروی اور رام کے سُننے کا اشتیاق نہ ہوتا اور بدیں وجہ وہ کسی لیکچر کے نوٹ قلم بند کر کے مفصل نقل نہ کرتے۔ تو آج جو رام کی کلیات سات[1] جلدوں میں منقسم ہوکر شائع شدہ مل رہی ہیں ہرگز نصیب نہ ہوتیں۔ اور نہ ہندوستان کے بھائیوں کو یہ معلوم ہوتا کہ رام کا اثر امریکہ میں کیا اور کیسا ہُوا۔ امریکہ والوں کا رام کی خاطر اس قدر محبت اُٹھانا۔ اپنی گرہ سے سیکڑوں رُوپے خرچ کر کے رام کے لیکچر کے لئے ہال کرایہ پر لینا۔ اور پھر کسی لیکچر پر کسی سے فیس وغیرہ وصُول نہ کرنا صاف واضح کر رہا ہے کہ رام کی تعلیم و محبت کا اثر اُن پر کیا اور کیسا ہُوا۔ اگر اس مقام پر اس اثر اور رام کے کام کا مفصل ذکر کیا جائے تو سیکڑوں ورقے محض اس بیان کے لئے چاہئیں۔ اس لئے مختصرًا واضح کیا جاتا ہے کہ جس جس شہر میں رام امریکہ میں گھومے۔ وہاں کے لوگ ابھی تک رام کو نہیں بھُولے۔ سیاٹل واش تک تو وہ پروفیسر جیترسے کے ہمراہ تھے بعد ازاں امریکہ کے لوگوں نے اُن کو پروفیسر صاحب سے چھین لیا۔ اور بہت عرصہ وہ ایک نیک دِل ڈاکٹر "البرٹ ہلر" کے پاس سین فرانسسکو میں رہے۔ یہ شہر کیلی فورنیا کا مشہور قصبہ و بندرگاہ ہے۔ ڈاکٹر ممدوح نے سوامی جی کی خدمت بڑے شوق سے یعنی تن من دھن سے کی۔ پُورے ۱/۲ ۱ برس تک اُنھوں نے رام کو اپنے پاس رکھا اور اپنا بنگلہ علیحدہ محض ان کے لئے مخصوص کر دیا۔ وہاں کے لوگوں نے سوامی جی کی

---

[1] اب آٹھ جلدوں میں منقسم ہوکر شائع ہوئی ہیں۔ شانتی پرکاش۔

تحریک پر چند سوسائٹیاں بھی بنائیں جن کا مدعا غریب ہندوستانیوں کو برائے تعلیم امریکہ میں ہر طرح کی مدد کرنا تھا۔سوامی جی کے روز مرہ ست سنگ سے لابھ اٹھانے کے لئے ایک ہرمٹک برادرہڈ (Hermitic Brotherhood. یعنی سادھوں کی برادری) قائم کی گئی تھی۔ اسی سوسائٹی میں زیادہ تر اُپدیش سوامی جی کے ہوتے تھے جو سننے والوں نے لفظ بلفظ قلمبند کرکے سوامی جی کی بھینٹ کیے تھے۔سوامی جی کی مستی نے یہاں تک شہرت پکڑی کہ کئی اخبار نویسوں نے سوامی جی کی عیسٰی مسیح کی طرح فوٹو لیکر اُسے (Living Christ has come to America.) زندہ عیسٰی مسیح امریکہ میں آیا ہُوا ہی" کے عنوان سے چھاپ کر سوامی جی کی تعریف میں یکے بعد دیگرے کئی آرٹیکل لکھے اور اُن کی مستی سے حظ اُٹھانے کے لئے امریکہ کے پریذیڈنٹ نے بھی اُن کے درشن کئے۔اور جو کوئی بھی رآم کو ملا وہ اُن کے درشن ماتر سے گھائل ہوگیا۔کئی پیارے تو رآم کی نہ رُکنے والی ہنسی اور بھینی مُسکراہٹ پر شیدا اور مفتوں ہوئے رہتے تھے؛

نیویارک کا ایک اخبار لکھتا ہی۔(یہ مضمون لاہور کے ٹربیون اخبار سے نقل کیا تھا) کہ" امریکہ میں ایک عجیب ہندوستانی سادھو آیا ہُوا ہی۔ جو کسی دھاتو کو سوائے اپنی عینک کے نہیں چھوتا۔اپنے ساتھ اسباب خوردنی بھی نہیں رکھتا۔جب سیر کرنے نکلتا ہی۔ تو ایک معمولی کپڑے میں کئی روز از حد سرد مقاموں میں گھومتا رہتا ہی۔جب لیکچر دیتا ہی۔ تو دن میں کئی دفعہ اور ایک دفعہ تین تین گھنٹہ متواتر بولتا رہتا ہی۔اُسکی صُورت و شکل بڑی دلکش ہی"

"کلیات رام جلد دویم"

آر - ایس نارائن سوامی -

"کلیات رام جلد دویم"

شری سوامی رام تیرتھہ — امریکہ — ۱۹۰۳

گریٹ پیسیفک آئیل روڈ کمپنی امریکہ کا مینیجر لکھتا ہے کہ "سوامی رام ایک ہندوستانی فلاسفر کی نہ رُکنے والی ہنسی اور بھینی مُسکراہٹ دل کو موہ لیتی ہے"

سینٹ لوئیس کی نمائش میں مذہبی کانفرنس[1] کے متعلق وہاں کے ایک لوکل اخبار نے لکھا ہے کہ "اِس جلسہ میں اکیلا شگفتہ چہرہ سوامی رام کا تھا۔ ہندوستانی فلاسفر ہم کو سکھانے آیا ہے" اِس عنوان سے بیشمار مضامین امریکن اہل قلم کی طرف سے اخبارات میں اُن دنوں شائع ہوئے۔ کس کس کا ذکر کیا جائے۔ سوامی جی کی تصویر ہر طرح سے دلکش تھی اور نعرۂ اسم اعظم (اوم کا وِرد) جو ہر وقت رام کے مُنہ سے نکلتا رہتا تھا ہر ایک پر جڑیہ تخیل کا اثر ڈالتا تھا ؏

آج کل کے لوگ جنھوں نے مذہب کو محض بحث مباحثے تک محدود سمجھا ہے اور عمل نام کو نہیں۔ اُن سے بیشک دُنیا تنگ ہے۔ ایسے لوگ نہ تو آپ دل کی شانتی پاتے ہیں اور نہ دوسروں کو دیتے ہیں۔ نہ آپ عملی آستک ہوتے ہیں اور نہ اسی وجہ سے دوسرے ناستکوں کو آستک بنا سکتے ہیں۔ لیکن رام جیسے عامل شخص کے پاس جاکر زمانہ کے عالموں اور فاضلوں کی زبانیں گُنگ ہو جاتی ہیں، دماغ چکرا جاتے ہیں۔ امریکہ کا ایک واقعہ ہے جو رام کی عملی زندگی کے اثر پر روشنی ڈالتا ہے ؏

امریکہ میں ناستک (خُدا کی ہستی نہ ماننے والی) سوسائٹی کی ایک لیڈی رام کے پاس بحث کرنے کی غرض سے آئی۔ امریکہ کا ایک اخبار لکھتا ہے کہ "رام بادشاہ اُس وقت سمادھی میں تھے اور اُس سمادھی کی حالت کی فوٹو بھی اخبار نویس نے اُس اخبار میں چھپوا دی تھی۔

[1] اس کانفرنس کے رام پریسیڈنٹ تھے۔ فانی پرکاش

ناستک لیڈی جب تک رام سمادھی کی حالت میں تھے خاموش بیٹھی رہی۔ سمادھی کھلنے کے بعد بحث کی دلدادہ لیڈی صاحبہ نے سکوت توڑا اور گویا ہوئی تو یوں کہ "مائی لارڈ میں ناستک نہیں ہوں۔ آپ کے درشن سے میرا شک دور ہو گیا"۔ سچ ہے جو عارف ایشور کی ہستی کو دل سے قبول کرتے ہیں اور پریم کی جلتی ہوئی جوت کو اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔ کیوں نہ انکی آہٹ سے ناستکتا دور ہو۔ اور غرور چکنا چور ہو۔ شری رام چندر جی کے چرن چھو جانے سے شلا اہلیا بن جاتی ہے۔ سوامی وویکانند پہلے ناستک تھا۔ شری رام کرشن پرم ہنس سے وہ پوچھتا ہے۔ "مہاراج ایشور کی ہستی کا کیا ثبوت ہے؟ کیا آپ نے کبھی ایشور دیکھا ہے؟"۔ پرم ہنس جی جواب دیتے ہیں۔ "ہاں، میں جیسے یہاں تم کو پاس دیکھتا ہوں ویسے ہی ایشور کو دیکھتا ہوں"۔ اتنا جواب ملنا تھا کہ وویکانند جی کا ناستک پن کافور ہو گیا۔ وہ کوٹ پتلون اتار پرم ہنس جی کا چیلہ بن گیا۔ اور یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ سوامی جی ممدوح نے دنیا میں پھر کیا کیا کام کیا؟

مسز ویلمین امریکہ کی ایک نہایت محبت بھری لیڈی تھیں۔ رام کے اوم کے نغموں کو سن کر ایسی فریفتہ ہوئیں کہ مغربی لباس اتار کر سنیاسن بن گئیں۔ یعنی بھارت ورش کے سنیاسیوں کی طرح وہ بھی بغیر نقدی وغیرہ ساتھ لئے محض ایشور پر تمام طرح کا بھروسہ رکھتی ہوئی ملک بہ ملک بچرنے لگیں اور رام کے عشق میں متوالی ہوکر امریکہ سے بھارت ورش میں آئیں۔ رام کی ولادت گاہ کی زیارت کرنے کے لئے گاؤں مراریوالا ضلع گوجرانوالہ میں گئیں۔ اور اس چھوٹے سے قصبہ کی زیارت سے باغ باغ ہوئیں؟

اُس محبت کی پتلی مسز ویلمین کے علاوہ دو تین اور لیڈیاں بھی رام کے عشق میں امریکہ سے بھارت ورش میں آئیں اور کئی ابھی تک رام کی ولادت گاہ دیکھنے کے عشق میں وہاں سے آنے کو تُل رہی ہیں اور رام کے نام پر وارے نیارے جا رہی ہیں ؛

رام مصر میں امریکہ میں لاکھوں کے پاک دل میں ویدانت کا جذبہ پیدا کر کے جبرالٹر کے راستے سے رام مصر میں پہنچے۔ وہاں اہل اسلام کے اندر ایک مضمون پر اُنہوں نے فارسی زبان میں جادو بھری تقریر کی، جس سے بہت سُننے والے وجد میں آ گئے۔ سُنا جاتا ہے کہ اِس تقریر کے نوٹ وہاں کے مشہور عربی اخبار "الوہاب" نے "ہندی فلاسفر" کے عنوان سے لئے تھے۔ غرضیکہ اہل جاپان نے رام کو جاپانی، اہل مصر رام کو مصری، اور اہل امریکہ رام کو زندہ عیسیٰ مسیح اور اپنا آپ سمجھتے تھے ؛

رام کی واپسی قریباً اڑھائی برس غیر ممالک میں ویدانت پرچار کرنے کے بعد رام بھارت ورش کو واپس آئے۔ اور مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۰۴ء کو بمبئی میں قدم رکھا۔ گو امریکہ جانے سے پہلے بھی رام کی ہستی و نام ہر دو کافی شہرت پکڑ چکے تھے۔ تاہم امریکہ میں آپ کے کام و نام کی اِس قدر شہرت پھیلی کہ تمام بھارت نواسی اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آپ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ کی واپسی پر تمام مذاہب کے اخبارات نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ علی گڈھ گزٹ کے نائب ایڈیٹر بھی اُس وقت بمبئی کے بندرگاہ پر تھے۔ آپ نے سوامی جی کی گزٹ میں بڑی تعریف کی۔ لکھنؤ کے ایڈووکیٹ نے سوامی جی کا ذیل کے الفاظ میں خیر مقدم کیا

سوامی رام تیرتھ مہاراج کی واپسی

"ہم نہایت خوشی سے لکھتے ہیں کہ سوامی جی مہاراج ۸ دسمبر کے جہاز میں امریکہ سے ہندوستان واپس آئے۔ ہم آپ کا بر واپسیٔ وطن تہ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور آپ کی خدمات عظیمہ کے لئے جو آپ سے چند سال کے قیام غیر ممالک میں ظہور میں آئی ہیں، دلی شکریہ و احسان مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ سوامی جی مہاراج کی ہر تحریر و تقریر اور تمام کارروائی نہایت ذوق و شوق سے تمام شمالی ہند میں دیکھی گئی ہو۔ جہاں آپ کی آمد کا بہت عرصہ سے انتظار تھا۔ بمبئی میں ایک ہفتہ تک آپ کا قیام رہا۔ جہاں اُس طرف کے سوداگروں اور سندھی کوٹھی والوں نے آپ کا بہت ہی شوق سے خیر مقدم کیا۔ ناسک اور ہوشنگ آباد میں قیام کے بعد آپ متھرا میں تشریف لا رہے ہیں۔ یہاں ایک ہفتہ قیام ہوگا۔ سوامی شوگن چند مہاراج آپ کے استقبال کو بمبئی میں پہنچے تھے۔ جہاں سے آپ کو متھرا لا رہے ہیں۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ سوامی جی مہاراج چند دن اِس طرف قیام کرینگے۔ قبل اس کے کہ وہ ہمالیہ میں جاکر گوشۂ تنہائی اختیار کریں۔ اڑھائی سال باہر قیام کے بعد وطن کی واپسی پر جہاں ہزارہا لوگ آپ کے مدّاح ہیں اُن کو بھی اپنے درشنوں سے کامیاب کرینگے۔ اور جہاں کہیں تشریف لے جاوینگے وہاں پُرجوش احباب کا مجمع منتظر پاوینگے۔ جن کی توجہ ہم کو اُمید ہو کہ کسی عملی و مفید تحریک کی جانب مبذول کی جاویگی۔"

سوامی جی کا پہلا لیکچر بمبئی میں ہُوا۔ بمبئی سے آپ آگرہ، متھرا اور لکھنؤ میں اپنے تجربات بتلاتے اور اپنی جادو بیانی سے عوام النّاس

کی پیاس بجھاتے پُشکر راج پہنچے - ان مقامات پر سوامی جی کا استقبال نہایت دُھوم دھام سے ہوتا رہا - آریہ سماجی ، سناتن دھرمی ، برہمو، سکھ بلکہ عیسائی اور مسلمان تک آپ کے استقبال میں شامل رہے -
آپ کی وسیع خیالی اور دیگر قومی اصلاح کا اندازہ ذیل کی زرّیں سطور سے ہوتا ہے - " امریکہ سے واپس آنے کے بعد متھرا میں آپ کے چند بھگتوں نے آپ کو یہ مشورہ دینا چاہا کہ سوامی جی آپ اب ایک نئے نام کی سوسائٹی قائم کریں - اُس وقت زندہ جاوید اور حقیقی معنوں میں سب سے ابھید (واحد) روپ رام نے محبت کی ترنگوں میں جھوم کر جواب دیا کہ " ہندوستان میں جس قدر سوسائٹیاں (مجلسیں، سبھائیں اور سماجیں) ہیں وہ تمام رام کی ہیں - رام اُن میں کام کریگا" ...
(آنکھیں بند کرکے ہاتھ پھیلا کر پریم بھرے آنسو بہاتے ہوئے) عیسائی، آریہ، سکھ، ہندو، پارسی، مسلمان ، تمام وہ لوگ جن کے اعضاء ، ہڈیاں، خون اور دماغ میرے اشٹ دیو بھارت بھومی کے اناج اور نمک سے بنے ہیں، میرے بھائی ہیں - ہاں ! میرے اپنا آپ ہیں "
" جاؤ انکو کہدو کہ رام اُن کا ہے - میں اُن سب کے ساتھ بغلگیر ہوتا ہوں - اور کسی کو بھی اپنی آغوشِ محبت سے باہر نہیں سمجھتا "
" میں دُنیا پر محبت کی بارش برساؤنگا اور دُنیا کو خوشی میں نہلاؤنگا - اگر کوئی مجھ سے مخالفت ظاہر کریگا تو میں اُسے خوش آمدید کہونگا " کیونکہ " میں محبت کی پرشاد کرتا ہوں - تمام سوسائٹیاں میری ہیں - کیونکہ میں محبت کی سیلاب لاؤنگا - ہر ایک طاقت بیشک طاقت ہو خواہ وہ اعلیٰ ہو، یا ادنیٰ - او ہو ! میں محبت کی برشا کرونگا "

یہ الفاظ ہیں کہ موتی، اِن سے رام کا دِل جو واقعی شاہنشاہوں کا سا تھا - بخوبی واضح ہوتا ہے - رام اپنے آپ کو " رام بادشاہ " کہا کرتے تھے - ایک جگہ لکھتے ہیں :-

" میں شہنشاہِ رام ہوں - میرا تخت تمہارے دل میں ہے - جب میں نے ویدوں میں اُپدیش دیا - جب کورو کھیشتر میں گیتا سُنائی - جب مکہ اور یوروشلم میں پیغام پڑھا - مجھے لوگوں نے غلط سمجھا تھا - اب میں اپنی آواز پھر بلند کرتا ہوں - میری آواز میں تمہاری آواز ہے - تتوم اسی! تتوم اسی!! تو ہی ہے وہ - تو ہی وہ ہے - کوئی طاقت اُس کو روک نہیں سکتی - کوہ، شاہ، شیطان یا دیو اُسکے مقابلہ میں نہیں آ سکتا - کلام حق نا قابل روک ہے - پژمردہ مت ہوجئے - رام کا سر تمہارا سر ہے - اگر تمہاری مرضی ہو تو اُسکو کاٹ ڈالو - مگر اُسکی جگہ ہزاروں اور ایسے سر پیدا ہو جائینگے "

دیش بھگتی | اکثر اصحاب کا خیال ہے کہ سوامی رام حب الوطنی اور دیش بھگتی سے مس نہیں رکھتے تھے - ہم حیران ہیں کہ وہ لوگ دیش بھگتی کہتے کس کو ہیں یا کیا معنے ہوئے ہیں - اِس میں شک نہیں کہ یوں تو رام کو مُحِبِّ دُنیا سمجھنا چاہیئے - مگر خود بقولِ رام جس نے پہلے مدارج " جاتی بھگتی " اور " دیش بھگتی " طے نہیں کئے وہ سارے سنسار کا بھگت نہیں کہلا سکتا - رام کے دل میں چونکہ ہمدردی عام کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اِس لئے حب الوطنی بھی خود بخود شعلہ زن ہو جاتی تھی - آپ کا خیال ہے کہ ہندوستان کے وہ لوگ جو نانِ شبینہ کے محتاج رہتے ہیں سچے نارائن ہیں - سادھو ہیں - اُنکو روٹی دینا دیوتا کا آرادھن یا ایشور بھگتی

ہو۔ رام کا وہ پیغام جو اُنھوں نے قومی دھرم کے عنوان سے باہر سے بھیجا تھا اُسے پڑھنے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ دیش اور جاتی کی نہ مٹنے والی لامحدود اُلفت نے اِس فرشتہ سیرت انسان کے دِل کو بھی تارتار کر دیا تھا۔ آپ لکھتے ہیں "سورج غروب ہونے کا وقت ہو۔ ٹھنڈی سانس بھر بھر کر میں گنگنا رہا ہُوں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی قطار جاری ہو۔ اے غروب ہونے والے سورج! تو بھارت بھومی میں طلوع ہونے کو جا رہا ہو۔ کیا تو رام کا یہ پیغام اُس تیج والی ماتا کی خدمت میں پہنچا دیگا؟ کیا ہی عمدہ ہو اگر یہ میرے محبت بھرے آنسو بھارت کے سرسبز کھیتوں میں شبنم کے قطرے بن جائیں"۔ اِن الفاظ سے رام کی محبُ الوطنی کا اندازہ ہو سکتا ہو۔ کہ دل کے کِس اتھاہ (لامحدود) سمندر سے یہ الفاظ نکلے ہیں؟ ایک اور مضمون میں لکھتے ہیں۔ "اے ہندوالو! کیا تم بھی محبِ وطن بننا چاہتے ہو تو پھر اپنے آپ کو مُلک اور اُسکے باشندوں کی محبت میں صرف کرو۔ یکتائی کا مادہ پیدا کرو۔ سچے روحانی سپاہی اور مردِ میدان بن کر اپنے تن من دھن کو مُلک کے فائدے پر قربان کردو۔ مُلک کی تکلیفات محسوس کرو۔ مُلک تمہاری تکلیفات محسوس کریگا"۔ پھر آنکھیں میچ کر پریم کی ترنگوں میں مُلک کی ہستی میں اپنے کو مٹا کر لکھتے ہیں "میں مجسم ہندوستان ہُوں۔ تمام ہندوستان میرا جسم ہو۔ راس کماری میرا پیر اور ہمالہ میرا سر ہو۔ میرے بالوں کی جٹاؤں سے گنگا بہ رہی ہو۔ میرے سر سے برہم پتر اور اٹک (دریاے سندھ) نکلے ہیں۔ بندھیا چل میرا لنگوٹ ہو۔ کورو منڈل میرا دایاں اور مالابار میرا بایاں پاؤں ہو۔ میں مکمل ہندوستان ہُوں۔ مشرق و مغرب میرے دونوں بازو ہیں۔ جن کو پھیلا کر میں اپنے ہموطنوں کو

گلے لگانا چاہتا ہوں۔ ہاں! میں ہندوستان مجسم ہوں۔ یہ میرے جسم کا ڈھانچہ ہے۔ اور میری روح تمام ہندوستان کی روح ہو۔ جس وقت میں چلتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ تمام ہندوستان چل رہا ہو۔ جب میں بولتا ہوں تو تمام ہندوستان بولتا ہو"۔ ان تمام تحریروں سے صاف واضح ہوتا ہے کہ رام انارکسٹ لوگوں کی طرح محبِ وطن نہیں تھے۔ بلکہ دُوسروں میں اپنی انانیت فنا کرنے کی وجہ سے محبت کے پتلے تھے۔ اور ویدانت مجسم ہونے کی وجہ سے اپنی محبت کے بازو اتنے پھیلائے ہوئے تھے کہ آغوش میں ہندوستان کو بھی زور سے گھیرے ہوئے تھے۔

متھرا میں چند پریمیوں کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ "بس! اب دس برس کے اندر اندر ہندوستان میں عملی ویدانت آجائے گا۔ جہاں باہم نفرت ڈنک مار رہی ہو، وہاں ہمیں ہی پریم برسے گا۔ رام کا حکم ناطق ضرور پورا ہوگا اور رام کے دلی پریم کا لگاتار بہاؤ سب نفرت کو بہالے جائے گا۔ رام کی سچی حُب الوطنی کی حالت اُن کے اپنے ہی ذیل کے اشعار سے خوب صاف ظاہر ہو رہی ہو۔ ؎

ہم ننگے عمر بتائیں گے ۔ بھارت پر وارے جائینگے
سوکھے چنے چبائیں گے ۔ بھائیوں کو پار کرائینگے
روکھی روٹی کھائیں گے ۔ مست پڑے رہ جائینگے
گالی طعنہ کھائیں گے ۔ آنند کی جھلک دکھائینگے
سولوں پر ننگے جائینگے ۔ پر ایکو برہم کھائیں گے

اگر سوامی رام کی قلبی زندگی کے حالات پر خوب غور سے ایک نظر ڈالی جائے تو اس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ رام نے صفرِ ہستی

پر زور الفاظ میں کیسے عملاً ایکو برہم دکھلا دیا۔ صرف بھارت کو ہی نہیں
بلکہ جاپانیوں، امریکہ والوں، انگریزوں اور مصریوں بلکہ ہر ایک ملک کے
باشندے کو اپنا آپ کر کے جانا۔ بیشک رام کو اِس برتے پر ناز ہونا چاہیئے
اور اسی ویدانت مجسم حالت سے آپ سب دُنیا میں گھومے۔ اِس لئے
اگرچہ رام کے پاس ایک پھوٹی کوڑی نہ رہتی تھی تاہم ہر جگہ "زر" غلام
ہُوا اُن کے آگے حاضر خدمت ہو جایا کرتا تھا۔ جلوۂ کہسار میں سوامی جی
مہاراج نے کیسے وجد میں آکر لکھا ہے کہ "اے غلامی! ارے داس پن!
ارے کمزوری! اب وقت ہو۔ باندھو بستر، اُٹھاؤ لتا پتا، بھاگو، چھوڑ دو
مُکت پُرشوں کے دیش کو، سونے والو! ابر بھی تمہارے ماتم میں رو
رہے ہیں۔ بہ جاؤ گنگا میں، ڈوب مرو سمندر میں، گل جاؤ ہمالیہ میں۔
موت کی ہے طاقت رام کے حکم بغیر دم مارنے کی؟ رام کا یہ جسم نہیں گرے گا
جب تک بھارت بحال نہ ہولے گا۔ یہ بدن قتل بھی ہو جائیگا، تو بھی اسکی
ہڈیاں ددھیچ کی ہڈیوں کی مانند کسی نہ کسی طرح اِندر کا بجر بن کر دویت
(دوئی) کے راکھشش کو چکنا چور کر ہی دینگی۔ یہ شریر مر جائیگا تو بھی
اِس کا برہم بان خطا نہیں کرنے کا"۔ اِن زوردار الفاظ سے انسان
کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کہ ویدانت کا کیسا زبردست شیر
Rama Truth بنوں میں۔ نہیں نہیں، انسانوں کے سینوں میں
گرج رہا ہے۔ جب تک دوئی نہیں مٹے گی۔ مُنش ماتر آپس میں پیار۔
ہاں پیار مجسم نظر نہیں آوینگے۔ اُس وقت تک رام (یعنی **Rama**
Truth) کھڑا گرجتا رہیگا؟

نارائن کو رام کے دوبارہ درشن | قریب پانچ ماہ لنڈن میں قیام

کرنے کے بعد موسم سرما یعنی ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء میں بہ سبب سخت سردی کے نارائن کا جسم سخت علیل ہو گیا اور دوست ڈاکٹروں نے لندن کو جلد چھوڑنے کی ہدایت کی۔ جس سے وہاں سے جلد واپس ہونا پڑا۔ رام مہاراج کو جب اپنے پیارے نارائن کی علالت جسمانی کی بابت معلوم ہُوا تو امریکہ سے اُنھوں نے فوراً بھارت ورش کو واپس جانے کی ہدایت فرمائی جس کے نازل ہونے پر ہندوستان کا رُخ کیا گیا۔ اور رام مہاراج کے بھارت ورش میں وارد ہونے کے چھ ماہ پہلے یعنی جولائی سنہ ۱۹۰۴ء میں نارائن بمبئی پہنچا۔ برائے تبدیلی آب و ہوا نارائن بمبئی سے مدراس اور کوہ نیلگری گیا۔ وہاں چند ماہ خوب صحت و طاقت پانے کے بعد مدراس کا دورہ کیا۔ نارائن ابھی راس کنیا کماری (CAPECOMORIN) میں پہنچا ہی تھا جبکہ رام کے بمبئی میں وارد ہونے کی خوشخبری موصول ہُوئی۔ جب سوامی رام بمبئی و متھرا وغیرہ چند مقامات کا دورہ کرنے کے بعد برائے ایکانت پشکرراج تیرتھ ضلع اجمیر میں پہنچے، تو نارائن بموجب فرمانِ رام وہاں اُنکے مقیم ہونے کی اطلاع پاتے ہی اُن کی خدمت میں جنوری سنہ ۱۹۰۵ء میں جا حاضر ہُوا اور محظوظ دِل رام کے دوبارہ درشن نصیب ہُوئے۔ چند ماہ تک وہاں اُنکی صحبت (ست سنگ) سے خوب حظ اُٹھایا۔ بعد ازاں ہردوار اجمیر و جیپور تک ماہ مارچ میں آئے اور ان دونوں مقاموں میں خوب لیکچر و اُپدیش ہُوئے۔ جے پور سے رام مہاراج نے کوہ دارجلنگ کا رُخ کیا اور نارائن کو سندھ و افغانستان میں دورہ کرنے کو بھیجدیا۔

رام کی جسمانی علالت | بنگال اور ممالک متحدہ کا دورہ کرنے کے

بعد اکتوبر ۱۹۰۵ء میں جب سوامی رام ہردوار تشریف لائے تو وہاں چند روز ہی ٹھہرنے کے بعد اُن کا جسم اِسقدر بیمار ہو گیا کہ آٹھ روز تک لگاتار بستر سے نہ اُٹھ سکا۔ نارائن اُن دنوں حیدر آباد سندھ میں مقیم تھا۔ تار آئی کہ "جسم رام سخت بیمار ہے۔ فوراً آؤ" تار پاتے ہی نارائن ہردوار آ پہنچا۔ جسم رام کو ازحد لاغر و کمزور پاکر متعجب ہُوا۔ معلوم ہُوا کہ آٹھ دِن سے بہ سبب لگاتار سخت بخار کے رام نے کچھ کھایا تک نہیں لہذا نقاہت اسقدر ہو گئی کہ کھڑا ہونا محال تھا۔ نارائن چونکہ زمانۂ حال کے نئے نئے طریقۂ علاج سے بخوبی واقف تھا۔ زہریلی ادویات کے استعمال کے بالکل خلاف تھا، اور رام خود بھی اس (MODERN - MEDICAL SYSTEM) نئے طریقۂ علاج کی چند کتب دیکھ چکے تھے اِس لئے نارائن کے پہنچنے پر رام نے سب ادویات و بوٹیوں کے علاج ترک کر دیئے۔ اور نئے طریقۂ علاج کو نارائن سے کروانا منظور فرمایا۔ اِس نئے طریقۂ علاج سے چند دِن کے اندر ہی اندر صحت نے مُنہ دکھایا۔ اور رام طاقت و صحت پاتے ہی برائے تبدیلئ آب و ہوا مظفر نگر چل دیئے۔ اور نارائن کو برائے پبلک خدمت لکھنؤ میں بھیج دیا۔

رام کا ویاس آشرم میں نواس

صحت و طاقت پانے کے بعد رام کے اندر ایکانت سیوں کی اور اپنے تمام امریکہ کے لیکچروں کو چھت کی کلا (DYNAMICS OF MIND) کے عنوان سے ایک کتاب کی شکل میں مرتب کرنے کی ترنگ زور سے جوش مارنے لگی۔ چند ہی دنوں کے بعد نارائن کو رام نے فوراً لکھنؤ سے واپس بلا لیا۔ اور جنگلوں میں ہمراہ چلنے کے لئے حکم دیا۔ اِس طرح ہم ہر دو مظفر نگر سے اُترا کھنڈ کے

جنگلوں میں جانے کے لئے ہردوار پہنچے - وہاں ایک میانہ قد کے سوامی جو اپنا نام یوگانند بتلاتے تھے (اور آج کل اپنے آپ کو آنند سوامی کہتے پھرتے ہیں) رام سے ملاقی ہوئے اور رام کے ساتھ اُنہوں نے ایکانت بن میں رہنے کا اشتیاق بڑے زور سے ظاہر کیا ؛

یہ سوامی اگرچہ قد کے میانہ باہر سے بھولے بھالے اور عمر میں چھوٹے سے تھے - مگر بعد ازاں کئی پہلو میں بڑے چتر و ہوشیار پائے گئے - مداری گری (مثلاً ناٹک وغیرہ) میں یہ خوب ماہر ثابت ہوئے - ناٹک کی کئی کھیلوں کے پارٹوں سے بخوبی واقف نکلے - بُلبُل کی سُریلی آواز سے موقعہ بموقعہ ناٹک کی کئی ایک طرزوں سے دن بھر غزلیں گاتے رہتے تھے - غرضیکہ دُنیا کے کئی پاپڑ بیلے ہوئے ثابت ہوئے - رام کے جنگلوں میں جانے کی خبر سُن کر اپنا شوقِ خلوت نشینی ظاہر کر بھگتی بھرے دل سے جھٹ رام کے ساتھ ہو لئے - مگر بعد ازاں قلعی کھلنے پر تھوڑے ہی عرصہ میں الگ کر دیئے گئے ؛

اِس طرح سے سوامی رام ہمراہ سوامی یوگانند مذکور و نارائن سوامی نومبر ۱۹۰۰ء یعنی کارتک بکرمی سمت ۱۹۵۷ کو دیوالی کے قریب ہردوار سے رکھی کیش کو روانہ ہوئے - اور وہاں سے آگے کسی ایکانت مقام کی تلاش میں سوامی رام معہ سوامی یوگانند کے بدری نارائن کی طرف چل دیئے - نارائن کو پیچھے چھوڑ گئے کہ وہ قلیوں کا انتظام کر کے ساتھ ضروری سامان کے آہستہ آہستہ آوے - رکھی کیش سے قریب تیس میل کے فاصلے پر ایک ویاس چٹی آتی ہے اُس پڑاؤ پر ویاس گنگا آکر بڑی گنگا سے ملتی ہے - اِس پڑاؤ کے عین سامنے ریاست ٹہری کی حد

میں ایک بڑا بھیانک اور گھنا جنگل ہو جو بیاؔ جنگل کے نام سے مشہور ہو۔ اِس جنگل میں وید ویاس جی نے تپ کیا مانا جاتا ہو۔ اِس لئے اِس میں ایک جگہ ویاس آشرم کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اِس مقام پر بڑے بڑے بھاری اور پرانے درخت ہیں۔ جس کے تلے وید ویاس جی نے تپ کیا کہا جاتا ہو۔ اِس جنگل میں پہنچنا بڑا دشوار تھا۔ کیونکہ معمولی رسّوں کے کچے پل سے ایک تنگ بھنگورے کے ذریعہ دوسرے آدمی کی مدد سے گنگا پار کر کے وہاں جانا پڑتا تھا۔ اور ویسے جنگل بھی اتنا بھاری اور بھیانک تھا کہ دن کے وقت بھی مارے خوف کے انسان کا گذر مشکل تھا۔ اِس لئے رام نے اِس جنگل کو ایکانت سیون کے لئے پسند فرمایا۔ اور وہاں ہی ڈیرے لگا دیئے۔ جنگل کا رقبہ کئی میلوں میں تھا اس لئے ایک دوسرے سے قریب قریب آدھ میل کے فاصلہ پر کٹیاں (پھوس کی جھونپڑی) بنوائی گئیں تاکہ ایک دوسرے کے ایکانت میں کوئی کسی طرح ہارج (مخل) نہ ہو سکے۔ اور رسوئی خانہ سب کا سانجھا ایک مقام پر تھا تاکہ کھانے کے وقت سب ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں اور اس طرح دن بھر میں ضروری بات چیت کا کچھ موقع ایک دوسرے کو مل جائے ؛

اِس طرح ویاس آشرم میں ڈیرے جما دیئے گئے۔ اور ہر ایک اپنے ایکانت ابھیاس و مطالعہ میں مشغول ہو گیا۔ سوامی رام بھی اپنی ترنگوں کے پورا کرنے کے لئے کمر بستہ ہوئے۔ گو جنگلوں میں آنے سے پہلے ہردوار میں ایک پرانے خیال کے مہاتما جی نے رام جی کے آگے ایسا صرف گوش گزار ہی نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ یہ دل میں جما دیا تھا کہ بغیر وید اور ویدانگ

کے حوالہ جات دیئے کسی انگریزی کتاب کا مرتب کرنا بھارت ورش کے نوجوانوں کے لئے مفید ثابت نہ ہوگا۔ اِس لئے پیشتر کسی بڑی تصنیف کے لکھنے یا مرتب کرنے کے سوامی رام ویدوں کے مسلسل مطالعہ کی طرف جھکے۔ چند ماہ کے اندر اندر آپ نے مروّجہ بھاشیہ اور نِرکُت (دیاکرن کے گرنتھ) خوب غور سے دوبارہ پڑھ ڈالے پھر سام وید کا مطالعہ شروع سے آخر تک کیا۔ اتنے میں ماہ فروری ۱۹۰۶ء آدھا ختم ہوگیا اور موسم سرما نے مُنہ چھپانا شروع کر دیا اور رام کے اندر یہاں سے بھی زیادہ ایکانت و سرد مقام پر جانے کی ترنگ اُٹھی۔ اِس لئے ہم لوگ ماہ فروری میں یہاں سے چل دیئے ؛

باسِشٹ آشرم میں نواس ستھان۔ ہم سب یہاں سے چل کر دیو پریاگ پہنچے۔ وہاں چند واقف پیاروں سے معلوم ہُوا کہ موسم گرما کاٹنے کے لئے بالکل ایکانت اور سرد مقام و سشٹ آشرم ہے۔ جہاں ویاس آشرم کی طرح بہت گھنا جنگل ہے اور اِس سے بھی زیادہ ایکانت ہے، بلکہ جہاں کسی آدمی کا آسانی سے گذر بھی نہیں۔ چونکہ یہ مقام ٹیہری شہر سے قریباً پچاس میل کے فاصلے پر تخمیناً بارہ یا تیرہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھا، اس لئے ہم لوگ پہلے دیو پریاگ سے ٹیہری پہنچے۔ یہاں مہاراجہ صاحب ٹیہری نے سوامی جی کا بڑے تپاک و ستکار سے سواگت کیا اور اپنے سِملاشو نام کے خوبصورت باغ میں اُنہیں اُتارا ؛

ماہ نومبر ۱۹۰۵ء سے لیکر یعنی جب سے ویاس آشرم میں ڈیرے لگے تب سے اب تک ہمارے سب کے بھوجن وغیرہ کا بندوبست کالی کملی والے بابا رام ناتھ جی مینجر کلکتہ چھیتر رشی کیش کرتے رہے ؛ اور اُنہوں نے اپنا نوکر (رسوئیا) بھی ہمراہ بھیج کر ایسا عمل انتظام کر رکھا تھا کہ ہم میں

سے کسی کو بھی کسی طرح کی تکلیف ہونے نہیں پائی تھی۔ بلکہ علاوہ بھکشا کے آرام کے اور کئی طرح کے ضروری آرام بھی اُنہوں نے اِس جنگل میں مُہیّا کر دیئے تھے ؛ مگر جب سوامی جی مہاراجہ صاحب ٹیہری کے مہمان ہُوئے تو وُہ پہلا انتظام سب چھوٹ گیا۔ کیونکہ مہاراجہ صاحب بہادر نے یہ کُل انتظام اپنے اوپر لے لیا تھا۔ اگرچہ وہ سابقہ رسوئیا یعنی بابا رام ناتھ جی کا نوکر برائے خدمت سوامی جی کے ہمراہ ہی رہا ؛ ٹیہری سے واسشٹ آشرم کو چلنے سے کچھ دن پہلے سوامی جی کو دھرم سبھاؤں کے سالانہ جلسوں پر درشن دینے کی ایک دو تاریں موصول ہُوئیں مگر ایکانت ابھیاس (خلوت نشینی) کی لٹک و لطف نے سوامی جی کو اپنا ایسا والہ و شیدا بنا لیا تھا کہ اب اُنہیں جنگل چھوڑ کر بستی میں رہنا یا شہروں میں آنا بالکل گوارا نہیں ہوتا تھا۔ اِس لئے تنہائی پسند رام نے اپنی جگہ پر نارائن کو اُن جلسوں میں بھیج دیا۔ اور آپ تن تنہا وہی سابقہ رسوئیا ہمراہ لیکر ماہ مارچ ۱۹۰۶ء میں واشِشٹ آشرم کو چل دیئے اور وہاں پہنچکر شری واسشٹ مُنی جی کی گپھا میں آسن جما دیئے ؛

بھکشا میں بدانتظامی بھارت ورش کی بدقسمتی سے سوامی جی کی بھکشا (بھوجن) کا انتظام وہاں واسشٹ آشرم میں کسی نہ کسی سبب سے کچھ ایسا بُرا ہُوا کہ وہاں پہنچنے کے تھوڑے ہی دن بعد جسم رام سخت بیمار ہو گیا اور غریب رسوئیا بھی اُسی بدانتظامی کا شکار ہوکر بیماری کے بستر پر لیٹ گیا۔ نارائن کو میدانوں میں آئے ابھی ایک ماہ ہی گذرا تھا، کہ خط مِلا کہ "سوامی رام سخت بیمار ہیں اور اُن سے (بھوجن) بھکشا کا بندوبست بدقسمتی سے بہت خراب ہے۔ وغیرہ وغیرہ"

اِس خط کو پانے کے بعد سوامی جی کے بارہ میں اور بہت سی افواہیں بابت رپورٹ ہائے خفیہ پولیس مختلف ریاستوں سے سُننے میں آئیں۔ جس سے نارائن کو جھٹ واپس جنگلوں میں جانا پڑا اور تمام جلسوں سے جلد فارغ ہو ماہ مئی ۱۹۰۶ء کے شروع میں نارائن وہاں واسِشٹ آشرم میں پہنچ گیا۔ پہنچتے ہی اُس نے اگرچہ سوامی جی کو ایک پتھر کی شِلا پر تندرست بیٹھے پایا مگر جسم اِس قدر کمزور و لاغر تھا کہ دُور سے پہچانا نہیں جاتا تھا۔ اِس پہاڑ میں علاوہ گیہوں کے اور کئی طرح کے اناج بھی پیدا ہوتے ہیں جو پہاڑی لوگوں کے تو مزاج کے موافق ہوتے ہیں مگر میدانوں کے لوگوں کے غیر موافق۔ اور بھکشا (خوراک) میں اِس قسم کا مِلا جُلا آٹا آتا تھا کہ جو بھی ہم میں سے اُسے کھاتا بستر پر لیٹ جاتا۔ اُسی خوراک کے کھانے سے نارائن بھی وہاں پہنچنے کے دو روز بعد چت لیٹ گیا اور بخار سے خوب مُٹھ بھیڑ ہوتی رہی۔ جب ہوش آیا تو ہم سب نے یہ سمجھ کر کہ شاید یہاں کی آب و ہوا ہی ہمیں موافق نہ آتی ہو اور بھوجن میں کچھ نقص نہ ہو، وہ مقام ہی چھوڑ دیا اور وہاں سے بہت دُور جا کر آپس میں چھ یا سات میل کے فاصلے پر بطور تجربے کے رہنے لگے۔ نارائن نے تو اِس بلندی سے نیچے اُتر کر شری بھرگو گنگا کے کنارے یعنی وہاں سے پانچ میل کے فاصلے پر ڈیرے جا دیئے۔ اور رام نے اُس بلندی سے بھی چند میل اور اوپر جا کر ایک غار (گپھا) میں اپنا دربار لگایا۔ اسی مقام کو سوامی جی نے اپنے چند ایک خطوں میں (GARDEN OF FAIRIES) پریوں کا باغ یا سیرگاہِ حوران لکھا ہے۔

مقام کی تبدیلی کے بعد نارائن نے تو اپنا علیحدہ انتظام خوراک بھی کرلیا تھا جس سے صاف وشستہ اناج مہیا ہونے لگا۔ مگر رام مہاراج نے انتظام کو بدلنا منظور نہ فرمایا اور اسی قسم کا ملا جلا ناموافق اناج انکو مہیا ہوتا رہا۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ نارائن تو بالکل تندرست وطاقتور ہوگیا۔ مگر رام باوجود تبدیلی مقام (آب وہوا) جسم کی پوری صحت وطاقت دیکھنے نہ پائے۔ جب اس خوراک سے جسم روز بروز لاغر وناتواں ہوتا شروع ہوا تو رام نے اناج کھانا بالکل چھوڑدیا اور محض دودھ پر ہی دن کاٹنے شروع کردیے۔ جس کا ثمرہ یہ ملا کہ جسم بیمار ہونا تو بیشک بند ہوگیا مگر لاغر ویسے کا ویسا ہی رہا۔ اپنی پہلی طاقت پر آنے نہ پایا۔

مسٹر پورن کا واسشٹ آشرم میں پہنچنا۔ جس گپھا میں سوامی جی مہاراج رہتے تھے وہ قریبًا بارہ سو فیٹ کی بلندی پر تھی۔ اس گپھا کے اوپر ایک اور غار تھی جس میں ایک بڑا اژدہا رہتا تھا اور سوامی جی کی گپھا کے آگے ایک گھاٹی پڑتی تھی اور گھاٹی گزر کر عین مقابل بلندی پر ایک دوسری گپھا تھی۔ جس میں شیر نر براجمان تھے جو گاہے گاہے اپنے گھر میں رام کے درشن کرلیتے تھے اور کبھی رام کی گپھا کے آگے سے بھی اپنی تیزی میں گھوم جاتے تھے۔ گپھا کا منہ بہت فراخ تھا۔ نہ کسی جانور سے وہ محفوظ ہوسکتی تھی۔ اور نہ بارش سے۔ خیر جنگل کے جانور تو رام کے بہت پیارے بلکہ رام روپ تھے اُن سے محفوظ ہونے کی رام کو چنداں ضرورت نہیں تھی اور نہ رام کی خلاف مرضی وہ کچھ کرسکتے تھے۔ البتہ جب بارش زور سے

ہوتی اور اُسکی بوچھار سے تمام کپڑے وکتب کے صندوق گپھا کے اندر بھیگ جاتے۔ تب کتابوں کے خراب ہونے اور اُنکے درست کرنے میں وقت کے ضائع ہونے کا خیال رام کو بیشک کبھی کبھی آجایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب لگاتار بارش کئی روز تک ہوتی اور گپھا کے اندر بہت پانی آجانے سے تمام صندوق وکپڑے تر بتر ہو گئے۔ جس سے انکو ایک لمحہ بھر بھی اُن دنوں سونے کا موقعہ نہ ملا۔ تو رام کو لاچار وہ کٹیا چھوڑنی پڑی اور اُس بلندی سے چند میل نیچے اُتر کر بڑے فراخ میدان میں آڈیرے جاتے۔ اب تو اُدھر کے گوالہ لوگ جو گاہے گاہے رام کے درشن کے لیئے اُس بلندی پر آجایا کرتے تھے۔ اور رام کے بڑے بھگت اور عاشق ہو گئے تھے۔ رام کو میدان میں اُترا دیکھ کر اُنکے آرام کا تردد کرنے لگے۔ اور رام کی منشاء وہاں ہی رہنے کی سُنکر اُنکے آرام کے لیے ایک محفوظ کٹیا چند گھنٹوں کے اندر اندر سب نے مل کر تیار کر دی۔ اس کٹیا میں رام کو داخل ہُوئے چند دن ہی گذرے تھے کہ پیارے پُورن جی مع ایک دو ہمراہی (پنڈت جگت رام جی اور ہری شرماجی) کے رام کے درشن کے لئے آپہنچے۔ پنڈت جگت رام جی تو پُورن جی کے ساتھ ہی وارد ہُوے تھے۔ پنڈت ہری شرما ندی کے خوف سے راستہ ہی میں پیچھے رہ گئے تھے اسلیے ایک روز بعد وہاں آئے۔ ان دنوں رام نے اناج کھانا چھوڑا ہوا تھا۔ اور جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے وہ صرف دودھ پر گذارا کرتے تھے مگر ان نو وارد پیاروں کو اس کا علم نہ تھا۔ جب کھانا کھانے کا وقت آیا تو اتفاق سے مارے محبت کے اُنہوں نے یہ اصرار کیا کہ پہلے رام بھکشا کرلیں تو بعد ازاں ہم بھوجن کرینگے۔ ورنہ نہیں۔ اس محبت بھرے اصرار پر تھوڑا سا اناج رام نے بھی کھالیا اور اسی طرح پندرہ دن تک وہ اُن نووارد پیاروں

کی خاطر تھوڑا تھوڑا اناج کھاتے رہے۔ جس سے تھوڑے دن بعد پھر رآم کو بدہضمی و بخار نے آگھیرا۔ اور جب ان پیاروں کو اس بدہضمی و بخار کا سبب معلوم ہُوا تو پھر اُنہوں نے رآم کو اناج کھانے کے لئے مجبور نہ کیا اور رآم اپنا وہی دُگدھ آہار (دُودھ پان) ہی کرتے رہے ؛

نارائن جس مقام پر اُن دنوں رہتا تھا وہ رآم کی کُٹیا سے تقریبًا پانچ میل کے فاصلہ پر تھا اور بموجب حکم وہ کبھی کبھی اتوار کو اُنکے پاس آیا کرتا تھا۔ مگر جب پُورن جی اُنکے پاس آگئے تو رآم نے فورًا آدمی بھیجکر نارائن کو بُلوالیا اور تاقیام اِن نو وارد پیاروں کے نارائن کو وہیں اپنے پاس ٹھہرنے کا حکم دیا ؛

پیارے پُورن جی کا قیام اور ہری شرما کی روانگی

پنڈت ہری شرما اپنی بدنصیبی سے اوّل تو راستے ہی میں پست ہمتی کا شکار ہوکر دو دفعہ واپس لوٹ گئے تھے صرف مسٹر پُورن کی حوصلہ افزائی۔ مدد اور گرفتِ محبت سے بمشکل تمام اتنی دور تک پہنچے تھے۔ مگر ابھی آئے اُنہیں ایک دن مشکل سے گذرا ہوگا کہ گھر کے تفکرات نے اُنکے دل کو ایسا سخت گھیر لیا کہ سب کے سامنے اپنے خانگی تفکرات کا ہی تذکرہ کرنے لگ پڑے۔ اور جب اپنے کمزور دل سے مجبور ہو کر ان فکروں کی کہانی رآم کو بھی اُنہوں نے سُنائی تو رآم نے اُنکو جھٹ واپس جانے کی صلاح دی۔ جس سے وہ فورًا (یعنی وہاں آنے کے دو روز بعد ہی) گھر کو چلدیئے۔ اور پیارے پُورن جی معہ اپنے ہمراہی پنڈت جگت رام کے قریبًا ایک ماہ تک وہاں رآم کے پاس رہے ؛

رآم کی وسِشٹ آشرم سے واپسی

اُس پربت میں اناج کچھ ایسی قسم

کا چیتا ہوتا تھا کہ ہر نو وارد پر اپنا اثر پہنچائے بغیر نہ رہتا تھا۔ پیارے پُورن جی اور اُنکے ہمراہی بھی اس اثر کا شکار ہو کر بستر پر لیٹ گئے۔ اور کئی دن تک بخار سے مُٹ بھیڑ کرتے رہے۔ اس طرح جب ہم سب لوگ بوجہ عجیب خوراک کے وہاں یکے بعد دیگرے بیمار ہونے لگے اور سوامی جی کا جسم بھی ٹھیک طاقتور اور تندرست نہ ہونے پایا تو ہم سب نے سوامی جی سے باادب یوں التجا کی کہ "یا تو اس غیر موافق خوراک کا آنا بند کر دیا جائے اور نارائن کو اجازت دی جائے کہ وہ دور گاؤں سے شدھ (صاف) اناج کی بھکشا سب کے لئے مانگ لایا کرے۔ یا آپ نیچے ٹہری یا کسی اور شہر میں چلیں جس سے غیر موافق خوراک کا آنا خود بخود بند ہو جائے۔ ورنہ ہمیں اجازت دیں کہ ہم کسی اور لائق و محبت بھرے رام بھگت کے ذریعے موافق خوراک کے یہاں بہم پہنچانے کا انتظام کریں"۔ اس التجا پر سوامی جی نے نیچے ٹہری قصبہ تک تو اُترنا منظور فرمایا اور اس سے آگے کسی دُوسرے شہر میں جانا پسند نہ کیا۔ سوامی جی کی اس منظوری پر نارائن خود سوامی جی کے کُل اسباب کو نیچے لیجانے کا بندوبست کرنے کے لئے ٹہری جانے کو تیار ہُوا۔ پیارے پورن جی کی چھٹی بھی ختم ہونے والی تھی۔ اُنہوں نے ویسے بھی جلد واپس ہونا تھا۔ مگر اس موقعہ کو پاکر نارائن کے ہمراہ واپس ہونا مناسب سمجھا اور رام جی نے بھی اُنہیں ایسی ہی صلاح دی جس پر وہ بھی ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے۔ اس طرح ہم سب رام مہاراج کی اجازت سے ماہ ستمبر ۱۹۰۶ء کو وہاں سے رخصت ہُوئے۔

پیارے پُورن کی واپسی۔ جب اس طرح اجازت پاکر ہم سب لوگ وسشٹ آشرم سے کوچ کرنے لگے تو سوامی رام بھی پُورن جی

کو آخری الوداع کہنے کے خیال سے ہمارے ساتھ ساتھ ہو لئے۔ اور قریب ایک میل تک ہمراہ آہستہ آہستہ چلتے گئے۔ راستے میں رآم بہت پریم بھرے اور میٹھے مگر دل کو ہلانے والے شبدوں سے پُورن جی کو یُوں مخاطب ہُوئے۔ کہ "پیارے! رآم کی حالت تو تم دیکھ ہی رہے ہو۔ اس کی تو اب قلم بند اور زبان گنگ شاید جلد ہو جائیگی۔ کیا معلوم رآم کا شاید دوبارہ ملنا اور میدانوں میں بھی آنا نہ ہو سکے اب آپ لوگ خود ہی رآم بنیں اور رآم میں غرق ہو کر لکھیں۔ پڑھیں اور سب کام کریں۔ رآم سے آئندہ اب کچھ توقع مت رکھیں"۔ اتنا سُننا تھا کہ پُورن جی کے چشم پریم آنسوؤں سے تر بتر ہو گئے اور آنسو روپی موتی ایک دو گر کے ابھی نیچے ٹپکنے ہی لگے تھے کہ رآم فوراً پچھلے پاؤں واپس لوٹ گئے۔ اور آن کی آن میں ہماری نظروں سے غائب ہو گئے۔

اس پر پورن جی کا چہرہ آنسوؤں سے دُھل گیا۔ اور آنسوؤں کا تار ایسے زور سے بندھا کہ کئی گھڑیوں تک ٹوٹنے نہ پایا۔ بلکہ بہت سا راستہ اُن ہی آنسوؤں کی برشا میں طے ہُوا۔ اور بہت بڑے وقفہ کے بعد اُن کے دل نے حوصلہ پکڑا۔

جُملۂ معترضہ قُدرت نے اس وقت یہ دلسوز نظارہ شاید اسی لئے پیدا کیا ہوگا کہ پُورن جی کی یہ آخری ملاقات ہونی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد جیتے جی رآم کے درشن اُن کو ہونے نہیں پائے۔ یا شاید اس لئے یہ پاکیا ہوگا کہ پُورن جی کے دِلی عشق کی یہاں تک ہی انتہا ہونی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد رآم کے ساتھ پُورن جی کے عشق کا پارہ بجائے چڑھنے کے کچھ اُترتا سا دکھائی دینے لگا۔ بلکہ یہاں تک اُترا دکھائی

دیا کہ جو آنکھیں آج رام سے جدا ہوتے وقت آنسوؤں کی طغیانی سے آئیں ایسی پُرنم پھر رام کی یاد میں دیکھنے میں نہ آئیں۔ اور جو زبان رام کی یادگار اور حمد و ثنا میں تر بتر رہتی تھی وہ بعد ازاں ویسے شوق سے تر بتر ہوتی نہ دیکھی گئی۔ تاہم ناظرین یہ پڑھ کر متعجب و خوش ضرور ہونگے کہ رام کا پریم اُن کے دل میں ایسا گھر کر گیا تھا کہ باوجود حالات کے بدلنے کے رام اُنکو بھولنے نہ پائے اور نہ رام کی محبت ہی ٹوٹنے پائی۔ اگرچہ وہ کسی نہ کسی وجہ سے اپنے پیدائشی پنتھ میں پھر واپس ہوگئے تھے۔ گذشتہ ماہ مارچ میں نارائن کو جب سردار پورن سنگھ جی سے اُنکی علالت میں ملنے کا اتفاق ہُوا تو سردار صاحب نے فرمایا کہ نارائن کے پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصہ پہلے اُنکو رام کے درشن ایسے زور سے ہوئے اور دل اُس ملاقات سے اتنا محظوظ ہوا کہ اُسکا بیان کرنا قلم کے احاطہ سے باہر ہے؛ اور اس وصل کا دور ہونا ناگوار

ٹہری میں پورن جی کا لیکچر

خیر جب ہم اس دل میر آنے والے نظارہ سے رخصت ہوکر آگے بڑھے اور دو دن کے لگاتار سفر کے بعد ٹہری پہنچے تو وہاں کے ہائی اسکول میں پورن جی کا بڑا مؤثر لیکچر ہُوا۔ لیکچر کے دوسرے دن پورن جی واپس منصوری روانہ ہوئے اور نارائن وسشٹ آشرم سے رام کا اسباب اُٹھوانے کے بند و بست میں مشغول ہوگیا۔ سب طرح سے انتظام کرنے کے بعد نارائن واپس وسشٹ آشرم پہنچا؛ اور سوامی جی مہاراج کو وہاں سے روانہ کرکے اُنکے پیچھے اُن کا اسباب (یعنی کتابوں کے بہت سے صندوق) بھیجتا رہا اسی طرح شروع ماہ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں سوامی جی مہاراج ہفتہ کے اندر اندر ٹہری آگئے اور نارائن کُل سامان و صندوق کتب و دیگر

اسباب) قلیوں پر روانہ کرنے کے بعد وہاں سے چلا۔ اس لیے سوامی جی سے پانچ دن پیچھے پہنچا۔ اور سوامی جی مہاراج مہاراجہ صاحب بہادر ٹیہری کے سیملاسُو باغیچہ میں جہاں کہ وے واسشٹ آشرم کو جاتے وقت اُتارے گئے تھے اُسی میں وے پھر اُتارے گئے۔ اور وہیں نارائن بھی اُنکی خدمت میں قریبًا دو ہفتہ تک رہا۔

ٹیہری شہر کے قرب و جوار میں رام کا ایکانت ستھان چُننا

واسشٹ آشرم سے واپس آئے قریبًا دو ہفتے ہی گذرے ہونگے کہ رام کے دل میں پھر زور سے ایکانت نواس (خلوت نشینی) کی ترنگ اُٹھی۔ اِس ترنگ پر رام کو ایسا مقام چُننے کی سُوجھی کہ جو ہر موسم میں قابلِ رہایش ہو اور ٹیہری قصبہ کے گرد و نواح میں ہوتے ہوئے بھی از حد ایکانت (خلوت گاہ) ہو تاکہ گھڑی گھڑی مقام بدلنا نہ پڑے۔ سوامی جی کے قلب کی حالت چونکہ اب بہت بڑھی چڑھی یعنی معراج پر تھی۔ اس لئے ایسا مقام وہ چُننا چاہتے تھے کہ جہاں سے پھر اُنکو تادم آخریں ہلنا نہ پڑے۔ ساتھ اسکے گنگا کا کنارا اُن کو از حد پیارا تھا اور گنگا رانی سے عشق اسقدر بے انتہا تھا کہ چند ماہ سے زیادہ اُن کا دل اُسکی فرقت گوارا نہ کرتا تھا۔ اسلیے گنگا کے کنارے پر بہت سے ایکانت استھان (خلوت گاہیں) اُنھوں نے ملاحظہ فرمائے آخرکار مالیدیول گاؤں کے نزدیک ایک مقام پسند آیا جو بالکل خلوت گاہ تھا اور گنگا سے تینوں طرف سے گھرا ہوا تھا۔ یہ مقام قریبًا ایک سو برس سے بڑے بڑے مشہور مہاتماؤں کی خلوت گاہ بنا ہُوا تھا۔ اس جگہ ایک مشہور سنیاسی مہاتما کیشو آشرم جی نے قریبًا پچاس برس تک لگاتار ایکانت

نواس کیا اور اسی مقام پہ ایک سو برس سے زیادہ عمر ہوگئے کے بعد
اُنھوں سے شریر تیاگا تھا- بعد ازاں اُنکے لائق شِشش وگورو بھائی میں
بیس برس کے قریب یہاں ایکانت ابھیاس کرکے شریر چھوڑتے گئے اِس طرح
قریب ایک سو برس سے یہ ایکانت استھان پہلے ہی سے بڑے بڑے
مشہور اُدار چِت اور ایکانت نواسی مہاتماؤں کے استعمال میں ہوتا چلا آیا
تھا- اور اُنکی کُٹیاؤں کے نشان بھی ابھی تک موجود تھے- بلکہ ایک کُٹیا
قابل رہائش ابھی تک تھی- یہ سب دیکھکر سوامی رآم کا دِل بھی یہاں
رہنے کو بھر آیا- علاوہ مذکورۂ بالا خوبیوں کے اور جن پہلوؤں سے یہ مقام
رام کے پسند آیا تھا وہ یہ ہیں؛
کہ "یہاں گنگا رانی بجائے جنوب کے شمال کو بہتی ہے جس سے وہ
اُتر وہنی کہلاتی ہے- دوسرے برلب گنگ اتنا فراخ و ہموار میدان ہے
کہ جو پہاڑوں میں ملنا از حد دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکنات سے خیال ہوتا
ہے- تیسرے عام سڑک اور گاؤں سے قریب ایک میل کے فاصلہ پر ہے-
چوتھے یہ مقام ایک کنارے پر تینوں اطراف سے گنگا سے گھر جانے کے
باعث بصورت جزیرہ نما واقع ہے- ان تمام خوبیوں سے رآم کا دل متاثر
ہونے سے رآم نے اپنے ہمراہیوں کو ایک چھوٹی سی کُٹیا اپنے لئے
بنوانے کا ارشاد فرمایا- اور اُس کُٹیا کا نقشہ بھی اپنی قلم سے کھینچکر
اُن کے حوالے کر دیا؛

ایکانت ستھان میں مہاراجہ صاحب بہادر ٹیہری کا رام کے لئے کُٹیا بنوانا

جب ایکانت ستھان کے انتخاب و پسندیدگی کی خبر اور اُس پر ایک کُٹیا بنوانے کے لئے ارشاد

رآم کی اطلاع مہاراجہ صاحب بہادر کے کان تک پہنچی تو اُنہوں نے فوراً سوامی جی کے ہمراہیوں کو اپنی طرف سے کُٹیا بنوانے کے لئے روک دیا اور اپنے ملازم (پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کے سپرنٹنڈنٹ صاحب) کو بھیجکر سوامی جی کے نقشہ کے مطابق کُٹیا جلد بنوانے کا پختہ انتظام کر دیا۔ بلکہ دوسرے ہی دن سے ریاست کی زیر نگرانی کُٹیا بننی شروع ہو گئی۔ مہاراجہ صاحب بہادر کی اس قابل تعریف بھگتی کو دیکھ کر رآم کا دل ایسا بھر آیا کہ مارے پریم کے یوں لہرانے لگ پڑا کہ "بس اب رآم ایسے پریم و بھگتی مجسم راجہ صاحب کی ریاست چھوڑکر کہیں نہیں جائے گا۔ بلکہ تادمِ آخریں اسی مقام پر ایکانت نواس کرے گا"

نارائن کے لئے رآم مہاراج کا ایکانت ستھان چُننا

جب رآم نے اپنے لئے ستھان پسند کر لیا اور وہاں کُٹیا بھی بننی شروع ہو گئی۔ تو نارائن کے لئے الگ ایکانت ستھان چُننے کا اُنہیں پھر خیال آیا۔ منتخب مقام ہذا سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر پرلنگ ایک بڑی گپھا برو گی نام سے ہے جہاں سوامی جی مہاراج کی خدمت میں نارائن پہلے ۱۹۰۱ء میں کچھ ماہ رہ چکا تھا۔ جب نارائن کے لئے تنہا مقام کے انتخاب پر سوچا جا رہا تھا تو تھوڑی دیر کی غور کے بعد رآم کو اس گپھا کا خیال پھر آیا اور نارائن کے نام جھٹ یہ حکم نازل کر دیا کہ "برو گی گپھا نارائن کے ایکانت کے لئے نہایت موزوں خلوت گاہ ہے۔ اس لئے جب تک رآم ادھر (مالیدیول گاؤں کے قریب) رہے تب تک نارائن وہاں برو گی گپھا میں۔ ایکانت ابھیاس کرتا رہے۔ اگر رآم کو نارائن کی خدمت کی اچانک ضرورت پڑے گی تو خود وہ بُلا لیا

کریگا ور نہ نارائن صرف اتوار کے اتوار خود حاضر ہو کر بھی دریافت کرسکتا ہی اور ہفتہ وار ست سنگ سے بھی لابھ اٹھا سکتا ہی"

ایکانت ستھان کے لئے نارائن کی روانگی

یہ حکم نازل ہوا ہی تھا کہ نارائن کو جھٹ اُس گپھا میں پہنچنے اور اُسکو اپنے رہنے کے قابل درست کروانے کی تاکید ہوئی۔ جس پر نارائن دوسرے دن ہی جھٹ اپنا بستر باندھ گپھا کی طرف جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ اور جب مہاراج رام سے رخصت ہونے کی اجازت مانگنے گیا تو بجائے رخصت دینے کے آپ خود (اگرچہ اُس وقت وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں تھے) سیر کا ارادہ ہی ظاہر کرکے نارائن کے ساتھ ساتھ ہو لئے۔ اور تقریباً ایک میل تک چلتے گئے۔ سملاسو باغ سے دُور نکل جانے کے بعد راستے میں سڑک پر ہی رام مہاراج نارائن سے یوں مخاطب ہوئے کہ:" دیکھو بیٹا! شاید جلد ہی رام کی زبان گنگ اور قلم تنگ ہو جائے یعنی لکھنا پڑھنا اور بولنا رام کا شاید جلد ہی اب بند پڑ جائے۔ جسم تو تم دیکھتے ہی ہو لاغر اور کمزور ہوگیا ہی بلکہ دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہی۔ اور چت برتی بھی دنیا سے اب اتنی اُپرام (کنارہ کش) ہوگئی ہی کہ کسی دنیوی کام کو ہاتھ لگانے تک کو جی نہیں چاہتا۔ ایسا محسوس ہو رہا ہی کہ اب رام شاید کبھی بھی میدانوں میں نہ اُترے۔ قلم اور زبان تو بند ہونے لگ ہی پڑے ہیں۔ مگر معلوم ایسا بھی ہو رہا ہی کہ جسم رام اب جلد ہی بے حس و حرکت (جڑھ موک آسن) شاید ہو جائیگا۔ اور گنگا رانی کا کنارا اب کبھی نہیں چھوٹے گا۔ جہاں کہیں سے رام کو بُلاوا آویگا وہاں سب جگہ بجائے رام کے اب تم ہی بھیجے جاؤ گے۔

اس لیئے اے پیارے جاؤ۔ گپھا میں خوب ایکانت ابھیاس (تخلیہ نشینی) کرو۔ روز بروز اصل رام میں غوطے لگا کر ویدانت مجسم ہو کر نکلو۔ کسی قسم کا غم۔ فکر مت کرو۔ ہمیشہ اپنے میں اور ہر جگہ رام کو اپنے ساتھ سمجھو۔ اپنا تن من دھن کُل کا کُل رام کا جانو۔ اور رام کو اپنا عین تن من بنا لو۔ اور اس طرح رام مجسم ہو کر باہر آؤ۔" ایسا پُر اثر اور دلسوز اُپدیش سُنتے ہی نارائن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور پُر نم آنکھوں سے رخصت ہونے کے لیئے قدموں پر گرنے ہی لگا تھا کہ رام کی بھی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ نارائن کو اوپر اُٹھا کر گھُٹ کر بغلگیر ہوئے اور کہا: "بیٹا! گھبراتا نہیں۔ گپھا میں ایکانت (تنہا) رہکر ابھیاس و مطالعہ خوب کرنا۔ وِردِ ذات (آتم چنتن) میں خوب مشغول رہنا۔ اور ہر وقت برتی کا قیام اپنے سُوروپ (ذات) میں رکھنا۔ مضمون (خودمستی و تمسک عروج) جو ابھی لکھا جا رہا ہے جب مکمل ختم ہوگا۔ برائے نقل فوراً آپ کو بلا لیا جائیگا۔ اور جب کُٹیا کے تیار ہونے پر رام مالیدیول گاؤں کے نزدیک آ جائیگا تو تم بیشک ہفتہ وار اتوار کے دن رام کے پاس آتے رہنا۔ رام کی جسمانی فرقت کا زیادہ خیال دل میں مت بھڑکنے دینا۔ رام کا جسم تو اب بجیں و حرکت جلد ہونے والا ہے۔ تم اس جسم کی خدمت کا خیال اپنے دل میں غالب مت ہونے دینا۔ محض اپنی ذاتی ترقی کا خیال ہر وقت مدنظر رکھنا۔ اب کسی کا بھی سہارا مت لو۔ اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہونا سیکھو۔ ہر طرح سے خود ویدانت مجسم بنو اور اپنی ذات پر وثوق و شواش (حق الیقین) سے مقیم ہوئے رہو۔"

برو گی گپھا میں نارائن کی رہایش برو گی گپھا (غار) میں نارائن کو

آئے ابھی محض پانچ دن ہی ہوئے ہونگے کہ سوامی جی سے اُن کا رسویا شکروار کو یہ سندیشہ (رقعہ) لے کر آیا کہ: "یہ جو مضمون رسالۂ زمانہ کے لئے "خودمستی وتمسک عروج" کے عنوان سے لکھا جا رہا تھا وہ بہت جلدی ختم ہونے والا ہو۔ اس لئے آپ اتوار کے دن ضرور آجانا۔ اور اس کی صاف نقل کرکے رسالہ زمانہ کو یا جس دوسرے رسالہ کو تم بھیجنا بہتر سمجھو اُس کے نام ارسال کر جانا۔"

جسم رام کے گنگا میں بہنے کی اطلاع مذکورۂ بالا پیام کے پانے پر نارائن نے بموجب ارشاد رام اتوار کو اُنکی خدمت میں خود حاضر ہونا ہی تھا لیکن اس سے ایک دن پہلے یعنی سنیچر وار کی شام کو مہاراجہ صاحب بہادر کے چپراسی نے آکر یہ اطلاع دی کہ سوامی جی کا شریر گنگا میں اچانک آج بہہ گیا ہو۔ اور سب لوگوں نے اس حادثہ کی اطلاع دینے کے لئے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہو۔ اتنا سُننا تھا کہ نارائن اپنے سب کام بند کرکے جھٹ اُسی دم ٹیہری کی جانب دوڑا اور رات کے آٹھ بجے سے پہلے پہلے ٹیہری قصبہ میں جا پہنچا۔ سب رام پیارے اس اچانک حادثہ کا تہِ دل سے افسوس و غم کر رہے تھے۔ نارائن کے دل پر بھی اُن کے اظہار افسوس سے سخت ٹھیس لگی۔ آخر ہوش آنے پر سوامی جی کے رسوئیا (بھولادت) کو بُلایا جو ایک نوجوان لڑکا تھا اور پہلے نارائن کے پاس کھانا بنانے کا کام کیا کرتا تھا۔ اُس کے ملنے پر مفصلۂ ذیل حالات معلوم ہوئے:

رسوئیا کا بیان دربارۂ بہہ جانے جسم رام سوامی جی اور میں (رسوئیا) ہردو اکٹھے گنگا سنان کرنے گئے تھے۔ میں تو اُنکے سنان

سے پہلے جھٹ سنان کر کے گنگا کے کنارے بیٹھ گیا اور سوامی جی ورزش کرتے رہے۔ اور قریبًا دس پندرہ منٹ تک پتھروں سے خوب ورزش کرنے کے بعد سوامی جی گنگا میں اسنان (غسل) کے لئے داخل ہوئے۔ بڑے تیز بہاؤ کی جگہ پر جاکر نہانے لگے جل سوامی جی کی گردن سے کچھ نیچے تک تھا۔ میں نے عرض کی "مہاراج! آگے تیز بہاؤ ہے۔ وہاں مت جائیے۔" مجھے جواب دیا پیارے! کچھ ڈر نہیں۔ ہم تیرنا جانتے ہیں؛ سوامی جی اُسی تیز بہاؤ کی جگہ پر جل میں خوب جمے کھڑے رہے۔ ہاتھ پاؤں خوب ملنے کے بعد وہاں ایک ڈبکی لگائی۔ اسی طرح قریبًا پانچ منٹ وہاں ہی کھڑے رہے ہونگے کہ دوسری ڈبکی لگائی۔ اتنے میں پاؤں کے نیچے سے ایک بڑا پتھر بسبب تیز بہاؤ کے نکل گیا۔ پتھر نکلتے ہی پاؤں پھسل گیا۔ پاؤں پھسلنے سے جب اُس تیز بہاؤ میں پھر برقرار کھڑے نہ ہو سکے تو بہاؤ اُن کو بہا لے گیا۔ بہاؤ کے زور سے بہہ جانے پر آگے جاکر ان کا جسم ایک بھنور میں پھنس گیا۔ میں اس ماجرے کو دیکھ کر گھبرایا اور چلّایا۔ سوامی جی مہاراج نے بھنور میں سے آواز دی کہ "پیارے گھبراؤ نہیں۔ ہم ابھی تیر کر آتے ہیں"۔ میں اُنکو بھنور سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے کچھ منٹ تک دیکھتا رہا۔ جب وہ کوشش سے کامیاب ہوتے نظر نہ آئے۔ بلکہ بار بار (جب بھنور سے باہر نکلنے کے لئے کشمکش کرتے تو بہاؤ کا رخ اُنکو بار بار بھنور میں لیجاتا) جوں جوں وہ ناکامیاب ہوتے گئے۔ میرے حواس باختہ ہوتے گئے۔ میں گھبرایا گھبرایا کنارے کے اِدھر اُدھر اوپر نیچے بھاگا۔ اور مدد کے لئے لوگوں کو بڑے زور سے پکارا۔ مگر بدقسمتی سے باغ میں اُس وقت کوئی آدمی نہ تھا۔

کیونکہ سب لوگ مہاراجہ صاحب بہادر ٹہری کے استقبال کے لیئے گئے ہوئے تھے۔ (اتفاق سے مہاراجہ صاحب اُسی روز عین دوپہر کے وقت اپنے گنگوتری کے سفر سے واپس ٹہری راجدھانی میں آ رہے تھے)، اس طرح بہت چلانے پر بھی کوئی مدد کے لیئے نظر نہ آیا۔ سوامی جی نے اتنے میں بڑے زور سے اس بھنور میں غوطہ لگایا۔ اُس غوطہ لگانے سے اُس بھنور سے تو وہ نکل گئے۔ مگر عین بیچ منجدھار میں آ پڑے۔ اتنی دیر تک کشمکش کرتے رہنے سے انکا جسم شاید تھک گیا۔ کیونکہ لاغر اور کمزور تو وہ بہت ہو چکا تھا۔ اسلیئے بھنور سے باہر نکلتے ہی عین منجدھار میں اُن کا دم ٹوٹنے لگا۔ اور مُنہ میں تھوڑا تھوڑا پانی بھرنے لگ گیا۔ جب رآم نے دیکھا کہ جسم اب پانی کے قابو ہو کر چلنے لگا ہے۔ تو لا پروا ہو کر یوں زور سے بولے کہ "چل۔ پھر ماں کو یاد کر۔ اگر تیری قسمت اسی طرح چلنے کی ہے تو چلا چل"۔ اس طرح کہکر ایک دو دفعہ زور سے اوم اُچارن کیا اوم اُچارن کرنا تھا کہ مُنہ میں پانی زور سے بھر گیا پھر آہستہ آہستہ لمحہ لمحہ کے بعد اوم کی آہستہ آہستہ آواز سنائی دی۔ اور جسم منجدھار میں زور سے بہنا شروع ہو گیا۔ جُوں جُوں جسم بہتا گیا۔ رآم تُوں تُوں اپنے ہاتھ پاؤں کو سمیٹتے گئے اور برتی کو دھیان میں لیں (محو) کرتے گئے۔ آخرکار کوئی دو سو فٹ کے فاصلے پر پربت کی ایک گپھا میں جہاں منجدھارا کے تیز بہاؤ سے سخت بھنور بنا ہوا تھا۔ پانی نے وہاں جسم کو ڈبا دیا۔ جونہیں کہ جسم رآم گپھا میں داخل ہو کر جل کے تلے بیٹھا تھا فوراً توپیں داغنی سنائی دیں۔ یہ توپیں ویسے تو مہاراجہ صاحب بہادر ٹہری کے لیئے اپنی راجدھانی میں قدم رکھنے کی سلامی میں دغی تھیں لیکن عین اُسیوقت

اتفاق سے سوامی جی کے جسم نے جہانِ فانی سے کوچ کیا۔ اس لیے عین جسم رام کے دائمی کوچ پر توپوں کا دھنا دوہرا مطلب بار ی کر گیا۔ اس طرح جسم رام بھارت ورش بلکہ کل دنیا سے ہمیشہ کے لئے آن کی آن میں غائب ہوگیا اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کو اپنی فرقت کے غم میں رُلا گیا:

جسم رام کے غائب ہونے پر نارائن کے قلب کی حالت

رسوئیا کے اس درد انگیز بیان کو سننے سے نہ صرف چیت پر سخت چوٹ لگی۔ بلکہ کئی خیالوں کے غالب آنے سے وہ اُتالا باؤلا سا بھی ہوگیا:
اول تو سب ماجرا نارائن کی غیر حاضری میں وقوع میں آیا۔ جس سے دل بہت پشیمانی (پشچاتاپ) کر رہا تھا۔ دوم یہ بیان کہ "رام کی مرضی کے خلاف جسمِ رام پانی کی لہروں کے قابو میں آکر بہہ گیا" دل کو نہایت سخت دُکھ دے رہا تھا۔ کیونکہ رام کا یہ دعویٰ تھا کہ اُنکا جسم بغیر اُنکی اجازت (حکم ناطق) کے رحلت جا و دانی نہیں کریگا۔ اس طرح مختلف قسم کے خیال اُمنڈ اُمنڈ کر دل کو گھائل کرتے تھے۔ اور نارائن پاگلوں کیطرح گھومتا ہوا کبھی کبھی اپنے دل سے یوں پوچھتا کہ رام کی اپنی مرضی کے بغیر تو جسم موت کے قابو میں آ نہیں سکتا تھا۔ بھلا مُردہ جل کی لہروں کے قابو میں کیسے آگیا؟ "کیا رام کا حکم زبردست ہے یا مُردہ جل کا بہاؤ؟ رام تو ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ "موت کو موت آ نہ جائیگی۔ رام کا قصد کر جو آئیگی"۔ "رام کا جسم کبھی نہیں چھوٹے گا۔ جب تک بھارت بحال نہ ہو گیا"۔ "موت کی ہو طاقت رام کے حکم بغیر دم مارنے کی"۔ پر ہائے! یہ سب برعکس ہی دکھائی دیا۔ "کیا رام کا سب کہنا بے سُود ہی نکلا"؟ اس قسم کے خیالات کے غالب ہونے پر کبھی کبھی دل

ویدانت پر نکتہ چینی کرنے لگ پڑتا ۔ کبھی رام پر ۔ اور کبھی اپنے پاگل پن پر ۔ دن رات انہی توہمات و خیالات میں ایسا مستغرق و مغلوب رہتا کہ سوامی جی کے مقام رہایش پر بھی قدم نہ رکھتا ۔ اگر پاگلوں کی طرح گھومتے گھومتے ادھر آ بھی نکلتا تو سوامی جی کے رہنے کے کمرے کو کبھی نہ کھولتا ۔ اور اگر کسی سخت ضرورت کے آپڑنے پر کمرہ کھولا بھی جاتا تو رام کے صندوق وغیرہ کھولکر دیکھنا تو درکنار ، بلکہ جو قلمی کاغذات رام کی میز پر پڑے تھے ان کو کھول کر دیکھنے کو بھی دل تیار نہ ہوتا تھا صرف صندوقوں اور کاغذوں کی شکل دیکھ کر ہی دل پرنم آنکھوں سے رو کر یوں پکار اٹھتا کہ "ہائے یہ سب نوٹ اور قلمی نسخہ جات ویسے کے ویسے ادھورے رہ گئے ۔ اب کون رام کی جگہ ان کو آکر مست و مسرورچت سے ملاحظہ فرماکر عمدہ شکل میں مرتب کرے گا ۔ "چت نہ تو سوامی جی کے کمرے کی طرف جانے دیتا ۔ نہ انکی کسی پستک ۔ نوٹ ۔ یا قلمی کاغذ کو دیکھنے یا پڑھنے کے لیئے تیار ہوتا ۔ اگر بستی میں جاتا تو رام بھگت غم و افسوس کی چرچا لے بیٹھتے ۔ جس سے وہ خواہ مخواہ دل اور زیادہ چوٹ کھاتا ۔ اگر جنگل میں گھومتا تو ہزارہا قسم کے خیالات امنڈ امنڈ کر دل کا شکار کر لیتے ۔ غرضیکہ کسی طرح سے دل کو چین نہ ملتا ۔ اسی طرح کئی دن تک سوامی جی کے مقام رہایش سے باہر گنگا کے کنارے پاگلوں کی طرح نارائن گھومتا رہا ۔ نارائن کو رام کے جسم چھوڑنے سے اتنا دکھ یا غم نہیں ہوتا تھا جتنا کہ انکی ناگہانی رحلت جاودانی سے اور انکے کلام کی ناپائداری و ناراستی کے نظر آنے میں ہوتا تھا ۔ کیونکہ جب سے نارائن کو رام کی قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا تھا رام ہمیشہ یہی کہتے چلے

پورن سنگھہ بحالت سنیاسی - ۱۹۰۲

سوامی رام کا موت کے نام پیغام

آ رہے تھے کہ "جب تک رام خود نہیں چاہے گا۔ جسم رام ہرگز نہیں چھوٹے گا۔ وغیرہ وغیرہ"

رام کا آخری مضمون معہ پیغام بنام موت پاتا

جب ایسے پاگل۔ مغموم اور افسردہ دل سے گھومتے گھومتے نارائن ایک دن قصبہ ٹیہری میں آنکلا تو اتفاق سے پیارے پورن جی وہاں آ پہنچے اور نارائن سے بھی زیادہ پژمردہ دل ہُوئے ملے۔ ملنے کے چند لمحہ بعد کہنے لگے کہ "جسم رام کا اس طرح سے ایک چھوٹی سی ندّی کے قابو مجبور ہوکر رحلت کرجانا رام کے اپنے کئی کلاموں و تحریروں کو جھوٹا و غلط ثابت کررہا ہو۔ اس لئے دل اب ایسا پست و مشکوک ہوگیا ہو کہ رام کی تحریروں و باتوں پر بھی یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ بلکہ رہا سہا نتیجہ بھی ملیامیٹ ہوئے جا رہا ہو۔ نارائن نے بھی اپنی حالت سے اُن کو آگاہ کیا۔ اس طرح باہم بات چیت ہوتے ہوتے جب پورن جی کو یہ معلوم ہُوا کہ نارائن نے مارے چوٹ اور دیوانگی کے ابھی تک رام کی پستکوں اور کاغذوں کو چھُوا تک نہیں اور نہ اُس آخری مضمون کو کہ جس کی صاف نقل کرنے کے لئے رام مہاراج نے نارائن کو دو دن پہلے بُلا رکھا تھا ابھی تک وہ نظر بھرکر دیکھ سکا۔ تو انہوں نے نارائن کو رام کے مقام رہائش پر جانے کے لئے اکسایا اور رام کی پستکوں اور کاغذا کو دیکھنے و سنبھالنے کی سخت تاکید کی بلکہ اسی رات کو وہ نارائن کو وہاں لے گئے اور رات بھر ہم ہردو وہیں رام کے مقام رہائش پر سوئے۔ صبح اُٹھتے ہی ہم رام کے کمرہ میں داخل ہو کر

صندوقوں کا بغور ملاحظہ کرنے لگے۔ میز پر کی ایک دو کتب و کُھلے کاغذات دیکھنے کے بعد وہ آخری مضمون "بعنوان خودمستی و تمسک بِعروج" جس کو نقل کرنے کی خاطر تار اُن کو بُلا بھیجا تھا ہمارے ہاتھ میں پڑ گیا۔ یہ قلمی مضمون ابھی تک بالکل ناصاف و بے ترتیب تھا۔ اس لئے کسی ورقے پر صفحے نہیں دیے گئے تھے۔ تاہم جو بھی ورقہ ہمارے ہاتھ پڑا اُسی کو پڑھنا شروع کر دیا۔ اس طرح دو تین ورقوں کے پڑھنے کے بعد ایک ورقہ قدرے جلی قلم سے صاف لکھا ہوا نظر میں پڑ گیا۔ اُس ورقہ پر مفصلۂ ذیل عبارت ذرا کٹی ہوئی تاہم صاف پائی گئی :

"اندر۔ رُدر۔ مُرت۔ برہما۔ وِشنو۔ شِو۔ گنگا۔ etc۔ بھارت!
او موت! بیشک اُڑا دے اس ایک جسم کو۔ میرے اور اجسام ہی مجھے کم نہیں۔ صرف چاندی کی کرنیں چاندی کی تاریں پہن کر چین سے کاٹ سکتا ہوں۔ پہاڑی ندی نالوں کے بھیس میں گیت گاتا پھروں گا۔ بحرِ مّواج کے لباس میں لہراتا پھروں گا۔ مَیں ہی بادِ خوشخرام۔ نسیم مستانہ گام ہوں۔ میری یہ صورتِ سیلانی ہر وقت روانی میں رہتی ہے۔ اس روپ میں پہاڑوں سے اُترا۔ مُرجھاتے پودوں کو تازہ کیا۔ گُلوں کو ہنسایا۔ بُلبُل کو رُلایا۔ دروازوں کو کھڑکھڑایا۔ سوتوں کو جگایا۔ کسی کا آنسو پونچھا۔ کسی کا گھونگھٹ اُڑایا۔ اس کو چھیڑ۔ اُس کو چھیڑ۔ تجھ کو چھیڑ۔ وہ گیا۔ وہ گیا۔ نہ کچھ ساتھ رکھا۔ نہ کسی کے ہاتھ آیا۔" (آخری سطر پنسل سے لکھی ہوئی تھی)۔

مذکورۂ بالا الفاظ بنام موت پڑھتے ہی ہر ایک کے دل میں رام کے اس نوٹ کی اصل کاپی پڑھنے کی اُمنگ خود بخود اُٹھ آتی ہے۔ اس لئے

ہم ناظرین کی خاطر رام کے مذکورۂ بالا دستی نوٹ کی اصل کاپی کی فوٹو یہاں درج کر دیتے ہیں اور جس آخری مضمون (خود مستی ۔ تمسک عروج) میں یہ نوٹ دیا گیا تھا اُسے بھی یہاں موزوں موقعہ سمجھ کر دئے دیتے ہیں۔

خود مستی۔ تمسکِ عروج

آج سٹ ۱؎ ایڈیشن کے ایک پرچہ کو گویا ہوا اُڑا لائی ۔ اٹھایا تو اُس میں ایک مضمون بدیں عنوان تھا "رام بادشاہ کے نام خط" واہ۔

۲؎ ای کبوتری پری یہ کوے بام آں پری
نامۂ بر گردنت بندم گر آنجا بگزری ۔

از حد ہنسی آئی۔

اب آتے ہیں اُن اعتراضوں کے جواب

(۱) کیا بھگوے کپڑوں سے سادھو ہوتا ہے؟

کہیں کہیں رنگے کپڑوں میں رنگا دل بھی پایا جاتا ہے۔ رام کا دیوانہ مستانہ بھی جلوہ دکھا جاتا ہے۔ لیکن ہرکس و ناکس پہ روشن ہے کہ روشنضمیری لباس فقیری میں اسیر نہیں۔ وہ حقیقی آزادی کسی طرح کی راہ و رسمیت اور ڈھنگ ۔ فیشن کی عادی نہیں ہے۔ جہاں جاتے ہوئے پیر تھرا جائیں اور سر چکرا جائیں۔ وہاں بھی یہ بجلی چمک جاتی ہے۔ یہ بتی جھلک جاتی ہے۔ یہ آفتاب اونچے ہمالیہ کے بلند تر برفستان کے اندر صاف شفاف نیلی جھیلوں میں جھانکتا ہوا پایا۔ اور

۲؎ ای کبوتر اڑ اور اس پیارے کی گلی کے کوٹھے پہ اگر تیرا جانا ہو تو تیری گردن میں یہ چٹھی باندھے دیتا ہوں ۔ ۱؎ شانتی آشرم گجرات (پنجاب) کا آرگن۔

گہری کھائی کے گدلے پانی میں باآں ہمہ شان درخشاں نظر آیا۔
قید خانہ میں وہ آجاتا ہے۔ اور فولاد کی کڑی زنجیریں پڑی رہجاتی
ہیں۔ بلکہ اُن سے زیادہ سنگین ہاتھ۔ پیر۔ جسم و اسم کی بیڑیاں بھی دھری
رہ جاتی ہیں۔ اندھیری کوٹھری میں بند قیدی پنجہ در پنجۂ خدا ڈالے
شش جہت عالم میں آزاد ٹہلتا ہے۔ یا آٹھویں عرش پہ اس اکیلے
کی نیلی گھوڑی کے سُم کی ٹاپ سُنائی دیتی ہے۔ نیچے بازار میں لوگ
چل رہے ہوں۔ اُوپر چھت پر گھر والے کام کاج میں لگ رہے ہوں۔
ایک کونے میں بیٹھا کوئی پڑھ رہا ہو۔ ای لو۔ پڑھتے پڑھتے وہ حرف
پڑھا گیا جو لکھنے ہی میں نہیں آسکتا۔

ع وہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی یوں ہی دھری رہی۔
خلوت در انجمن ہوگئی۔ منگل ہی میں جنگل کا مزا آگیا۔

سیر کو نکلے خوش قسمتی سے کوئی ساتھی ہمراہ نہ ہُوا۔ چاندنی کھیل رہی
تھی۔ یا شفق پھیل رہی تھی۔ ہوا سرسرانے لگی۔ سڑک پر چلتے یک
بیک یہ کون آ شریک ہُوا۔ وہی جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ اُدھر شفق
کی لالی آئی اِدھر نرالی شراب رگ و ریشہ میں سمائی۔

[1] آں مے کہ ز دل خیزد با روح درآمیزد
مخمور کند جوشش مر چشم خدا بیں را

"ریل گاڑی میں بیٹھے تھے۔ پہیوں کی کھٹ کھٹ کا لگاتار کھٹ راگ
جاری تھا۔ کمرہ میں بات کرنے والا کوئی تھا نہیں۔ کھڑکی کا پردہ جو

---

[1] وہ شراب جو دل سے پیدا ہوتی ہے روح کے ساتھ مل جاتی ہے اور اُس کا جوش
خاصکر اس آنکھ میں جو خدا کو دیکھ رہی ہے خمار پیدا کر دیتا ہے۔

گرایا۔ تو یکایک دل و جان میں دُلہا اُتر آیا۔ ریل میں بیٹھے بیٹھے کے جسم و جان (جسم و جان) جانے کہاں کا ٹکٹ لے گئے۔ روحانی تیاگ (ترکِ دنیا و مافیہا) طاری ہو گیا۔ سچی فقیری نے بہار دکھائی۔

۵ کہے گردھر کوی راے چڑھی جن خود کی مستی
تن گیان گنگ میں دینی بہا سے فقیری گرہستی

(۲) کیا اگنی کے رنگ دا اے (بھگوے) کپڑوں سے سادھو ہو جاتا ہے؟۔ سادھو وہ ہے جس کے اندر گیان اگنی ایسی بھڑک رہی ہو کہ دیہہ ابھمان یا سادھو ہونے کا ابھمان یا ریل تار وغیرہ سے نفرت یا پرانے ڈھنگ سے محبت مطلقاً جل جائے۔ ساری دنیا کو اس کے نُورِ معرفت کے شعلہ سے اُجالا پڑا ہو اور آگے چلنے کا راستہ نظر پڑا آے۔ اگر یہ نہیں تو گیلا ایندھن ہے جو دُھواں ہی دُھواں کر رہا ہے جس سے سب لوگوں کا ناک میں دَم ہو رہا ہے۔ جب تک سوکھے گا نہیں۔ نہ آپ روشن ہوگا نہ کسی کو اُجالا کرے گا۔ دل نہیں رنگا تو کپڑے رنگنے سے اپنا یا پرایا دُکھ کہاں دُور ہو سکتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں گیان اگنی (نورِ معرفت) کا شُعلہ بھڑکانے کے لیئے ایندھن کو پہلے دھوپ میں سُکھا لو یعنی کرم آپاسنا (شریعت اور طریقت) کے ذریعہ ادھکاری (قابل) بنا لو۔ رام کہتا ہے۔ جو لکڑی کٹ چکی (جو آدمی سادھو ہو چکا) اُس کے لئے اس آگ کے پاس پڑے رہنا ہی بہت جلدی سُکھا کر ادھکاری بنا دے گا۔ البتہ جو ابھی نیچے پودے ہیں اُن کو اُگنے تو دو۔ اُگیں گے نہیں تو لکڑی ایندھن کے لیئے کہاں سے آئیگی۔ کیونکہ کی اُون اُتارنے سے ہی اُونی کپڑے بنتے ہیں۔ پر اُون بڑھنے تو دو۔ آگے ہی آگی

نہیں تو تم کہاں سے لاؤگے۔

اسی طرح جن لوگوں کے خیالات (انتہ کرن) ابھی کچے پودوں کی مانند ہیں۔ وہ نہالِ اُمید تو نہ کاٹنے کے لائق ہیں نہ جلنے کے لائق۔ جن پر اون آئی ہی نہیں اُتاریں گے کیا۔ وہ مونڈ مونڈا میں گے کیا۔ ایسے لوگوں کے لئے کرم مارگ (جادۂ اعمال) قدیم زمانہ سے مقرر چلا آتا ہے۔ کہ وہ اُمیدوں کے کھٹے میٹھے پھل تھوڑی مُدت ذرا چکھیں اور کرم (اعمال) کی بھول بُھلیاں میں ٹھوکریں اور ٹکریں کھا کھا کر گیان اور تیاگ کے جادۂ مستقیم کو خود بخود ہوئیں۔

ذرا آپ غور کیجیے۔ پودا اسی صورت پر بڑھے گا۔ جس قسم کا بیج ہوگا کرشن نے دیکھا کہ ارجن کے اندر بیج تو ہے انتقام (بدلا) لینے کا اور اوپر سے اس وقت باتیں بنا رہا ہے دیالو پرہیچاری کی سی۔ بیج تو بویا کانٹے دار ببول (کیکر) کا اور پکایا چاہتا ہے آم۔ ناچار اُسے دیالو (رحم) کی طرف سے ہٹا کر جنگ و جدل پر آمادہ کیا۔ پیاسے کھاتو لیا جال گوشت (چیتھوتا) اور اب جنگل جانے میں عار مانتے ہو۔

کرم کانڈ (جادۂ اعمال) کے متعلق یہی کیفیت زمانہ حال کے ہندوستان کی ہے:

بیج یعنی خواہشیں تو سرزمینِ دل میں بوئے بیٹھے ہیں بیسوی صدی والی۔ اور باتیں بناتے ہیں بیسویں صدی قبل مسیح والی۔

متعلقہ کرم کانڈ جیسی چاہ (خواہش) ہوگی ویسا ہی "چاہیے" فرض سر پر سوار رہے گا۔

اگر راجسویہ۔ اشومیدھ۔ درش پورن ماس۔ اگنی۔ شٹوم وغیرہ یگیوں

والی چاہ اب دلوں میں نہیں تو ان مگیوں کا "کرنا چاہیئے" بھی آج ہم پر حاوی نہیں ہوگا۔ آج چاہ ہی یورپ۔امریکہ۔جاپان۔اسٹریلیا وغیرہ کے مُقابلہ میں جُوں توں کرکے جان بچانے کی۔پس آج "چاہیئے" ہندستان کو اس قسم کی تعلیم پانا اور صنعت و حرفت کو عمل میں لانا جس سے روز افروں بے سروسامانی کے عذاب سے بچ سکیں۔

کرم کانڈ زمانہ اور مُلک کے ساتھ ہمیشہ پیچھے بدلتا چلا آیا۔اور آیندہ بدلتا رہے گا۔ پر آتما (حقیقت) تبدیلی سے بری ہے۔اور اس کا گیان (علمِ حقیقت) ہمیشہ ایک رہے گا۔جو لوگ اپنے سودھرم کو (یعنی اپنے متعلق کے کرم کانڈ کو) اپنی موجودہ ڈیوٹی (فرض) کو نشکام ہو کر (نتیجہ کے خیال کو نظر انداز کرکے) پوری ہمت سے۔دل و جان سے۔محنت اور دھیان سے بناتے ہیں وہ ہی ایک آتم گیان (نورِ معرفت) کے جلال سے درخشاں ہوتے ہیں (دیکھو بھگوت گیتا)۔

آتم گیان وِشنو ہے جو ہمت اور شیرمردی کے گرڑ (شاہین) پر بیٹھا اور سواری کرتا ہے۔ یہ آتم گیان اپنے گرڑ (ہُمائے ہمت) پر سوار جب ہندوستان کی ہَوا پر لہراتا تھا تو اس خاوندِ حقیقی کی نگاہ ناز کا شکار ہونے کے لئے لکشمی (دولت) چاروں طرف ناچتی تھی۔بلکہ کوہ و صحرا میں لوٹتی پھرتی تھی۔زمین نے چھپے چھپائے خزانے اور جواہرات قدموں میں پیش کئے۔کوہ نُور اُگل دیے۔چرنوں پر نثار کئے۔شگفتہ بہار نے کفِ پا (ننگے تلووں) کے بوسے لئے۔

ع دولت غلامِ من شد و اقبال چاکرم

جہاں سروشمشاد ہوں گے قُمری آبیٹھے گی۔گُل و لالہ ہوں گے بُلبُل

آ چھائے گی۔ تم ہند میں علم و عرفت کی خوراک کھلا کر شاہین ہمت دگرش تو پالو۔ وہ ہی عملی گیان (حقیقی معرفت)، روپی وشنو پھر یہاں موجود پاؤ گے۔

او عین عرفان (گیان سروپ)۔ آنند روپ اگر ہندوستان کے باون لاکھ سادھو سنتوں میں ایک ہزار بھی ایسے ہوں جن کے سینوں میں آپ کی گیان گنگا کی ایک ذرا جتنی نہر لہریں مار رہی ہو۔ تو ہندوستان تو کیا تمام دُنیا نہال ہو جائے گی۔

سے ایہ جگ دُرتہ دا جاند استان نوں خبر کرد

سنت نہ ہوندے جگت میں جل مرداسنسار

جن لوگوں کو علم سیاست مدن (علم الاقتصاد۔ پولیٹکل ایکانومی) کے نام سے برہم نشٹھ مہاتماؤں کی موجودگی گراں گزرتی ہے۔ وہ اپنا ہی بُرا چاہتے ہیں۔

ع سنگے[1] زنی بر آئینہ بر خود ہمی زنی

جو فقیر اپنے رنگ میں رنگا ہُوا نشۂ عرفاں میں متوالہ مستانہ ہو رہا ہے۔ وہ تو شاہوں کا بھی شاہ ہے۔ خُدا کا بھی خُدا ہے۔ کس کو مجال ہے اس رنگیلے سجیلے شاہِ حقیقت کے آگے چوں بھی کر جائے۔ ماہِ تو اُسی کے قدموں میں سجدہ کرتا ہُوا دنیا میں عید لاتا ہے۔ آفتاب اسی کی نگاہ نور بخش سے منور ہو کر چمکتا پھرتا ہے۔ سمندر کا طوفان اُسی کا ایک ادنیٰ ولولہ ہے کس کو مجال ہے اس طوفانِ جلال کی طرف آنکھ بھر کے تک جائے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ایک آنکھ نہیں تھی۔

---

[1] اگر آئینہ پر پتھر مارتے ہو تو اپنی ہی اوپر مارتے ہو۔

:تو برباد ہوتا جاتا ہے۔

پر کہتے ہیں۔ فقیر نے بردیا کہ کسی میں یہ ساہس نہ پڑے گا کہ تیرے چہرے کی طرف نگاہ اُٹھا سکے۔ چہ جائیکہ عیب جوئی کرے جب راجا رنجیت سنگھ کی پیشانی کے عیب وصواب کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ تو مہاتما سادھو سچے بادشاہ کی طرف نگاہ عیب بیں تکتے وقت کیا اندھی نہ ہو جائیگی:

لہ سحر خورشید لرزاں بر در کوئے تو می آید
دلِ آئینہ را نازم کہ بر روئے تو می آید

سچے سادھو۔ فقیر (گیانی مہاتما) کے برخلاف اگر کسی کی زبان بولنے لگے گی تو گُنگ ہو جائے گی۔ ہاتھ چلنے لگے گا۔ تو سوکھ جائیگا۔ دماغ سوچنے لگے گا تو جنون آجائیگا۔ کوئی شک شبہ والی بات تو رآم کہتا ہی نہیں۔ چشم دید حقیقت بیان کرتا ہے۔ سچے سادھو کی توہین ہو۔ اور رآم سے؟ ہر ہر ہر ہر ہر۔ خواب میں بھی ممکن نہیں۔ کیا کرم کانڈ کے قیدی اور کیا سچ مچ آزاد سادھو سب کو پرنام رام۔ رام۔ سلام۔

سادھو فقیر کو یہ مشورہ دینا کہ وہ توحید کا آبِ حیات پینے پلانے کے بجائے ریل۔ تار۔ جہاز بندوق وغیرہ بنانے کی فکر میں ڈوب مریں۔ یہ صلاح ومشورہ رآم کے دل و زبان سے تو نہ نکلا۔ نہ نکلتا ہے۔ نہ نکلے گا۔

ہاں جب سادھو لوگ اپنے سروپ کو بھول کر اپنی حقیقی سلطنت (اصلی راجگدی) سے نیچے اُتر آتے ہیں۔ تو اُن کو کتے بھی پھاڑ کھانے

لہ سویرے کا سورج کانپتا ہوا تیری گلی کے دروازہ پر آتا ہے۔ آئینہ کے دل پہ مجھے فخر ہے کہ وہ تیرے چہرہ کے سامنے تو آتا ہے۔

دوڑیں گے۔ اس حالت میں اپنی توہین وہ خود کراتے ہیں۔ بے حُرمتی اور دُکھ کو ایک گونہ لالچ دے کر بلاتے ہیں۔

اندر جب خواب میں سوکر (خوک) بن گیا تو باقی دیوتا اپنے راجا کی یہ گت (دُشا) دیکھ کر نادم ہوئے اور اُس کو جگانے کی فکر میں پڑے۔ لہذا اندر کو خواب بد میں کھلی۔ بھوک۔ مار پیٹ۔ وغیرہ طرح طرح کے درد و رنج کا شکار ہونا پڑا۔

سُورج گرہن کے موقعہ پر سورج کے شبیہ الوان (سپیکٹرام) میں کالی دھاریاں دکھیں جائیں تو سفید نظر آتی ہیں۔

جانتے ہو یہ دھاریاں کیا بتاتی ہیں۔ اُن سے یہ پتہ لگتا ہے۔ کہ سورج میں کون کون سی دھات وغیرہ عناصر ہیں۔ سورج کی جائداد کا کھوج ملتا ہے۔ گرہن کے اندر جو جائداد روشن معلوم دیتی تھی۔ سایہ اُترا تو وہ تاریک خسوف میں کالا کلنک (سیاہ الزام) نظر آنے لگی۔ یہی حال ہر ایک "میں۔ میری" (یعنی قبضہ۔ تصرف) کا ہے اگیان کا تاریک خسوف جو بذات خود بڑے سے بڑا کلنک ہے لگا ہے تو یہ چھوٹے چھوٹے کلنک یعنی ہمارے دعوی اور تصرفات (خواہ مال و دولت کے متعلق ہوں۔ خواہ علم و عقل کے اور خواہ سنیاس وغیرہ آشرم کے) روشن اور پیارے سے لگتے ہیں۔ لیکن وہ بڑا عیب (اگیان۔ جہل ذات) جب اُڑا۔ دعوے قبضے میٹھے نہیں لگ سکتے۔

سیاہ دھاریوں کا درشانت تو خواہ غلط بھی ہو جائے۔ لیکن یہ امر بہر حال دائم و قائم ہے کہ دلی تعلقات و تصرفات۔ اندرونی دعوے و امساک۔ سخت ظلمت کے جگنو ہیں۔ شاستر اور عرفان کی بات تو

دور رہی معمولی تجربہ کی روشنی میں اُن کا داغ سیاہی (کلنک) ہونا بلکہ یاس و حرمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔

توجہ:۔ ذیل کی تحریر کو پڑھتے ہوئے یہ دھیان رہے کہ دعویٰ قبضہ تصرف۔ امساک وغیرہ کا حقیقی واسطہ صرف دل (قلب) سے ہے جسم سے نہیں۔ بیرونی افلاس اور چیز ہے اور دل کی فقیری اور چیز۔ کپڑا رنگنا اور بات ہے اور حقیقی سنیاس اور بات ہے۔

دعوے اور سیاہی | جہاں دعوی (پکڑ جکڑ) ہے وہیں سیاہ رُوئی ہے تباہی ہے۔ یاس و حرماں ہے۔ ناکامی ہے۔ نامرادی ہے۔ خرابی ہے بربادی ہے۔ دِل کی اوستھا تغیر پذیر ہے۔ اور باہر کے سامان بھی متغیرہ ہیں۔ اتنا تو ہر کوئی جانتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ آیا باہر کی تبدیلیاں اور اندرونی تغیر آپس میں کچھ تعلق بھی رکھتے ہیں کہ نہیں۔ اگر رکھتے ہیں تو کیا۔

اتنا تو ہر کوئی مان لے گا کہ بیرونی موسم۔ مکان۔ صحبت۔ خوراک کے بدلنے سے من (باطن) میں تبدیلی واقعہ ہوتی ہے۔ اور بُری یا بھلی خبر سے دل شاد یا مغموم ہو جاتا ہے۔ پر ایک بات اور بھی ہے جسکا پورے طور پر عملی یقین آنا ہی چشم باطن کا کھلا ہونا ہے۔ جس کی بجری سے "نانک دُکھیا سب سنسار ہو رہا ہے" وہ بات کیا ہے۔

اٹل قانون روحانی | جب تک۔ دِل سے پکڑ جکڑ ہے۔ باہر اگڑ جھگڑ ہے
دِل سے چھوڑی آس۔ مُرادیں آئیں پاس
لہ گزشتم از سر مطلب۔ تمام شُد مطلب۔

لہ مطلب کا خیال دور ہوتے ہی مطلب تمام ہوا یعنی امیدیں بر آئیں ۔

لہ مطلب ۔ مَطلَب

سہ مانگا کریں گے ہم بھی دُعا ہجرِ یار کی
آخر تو دشمنی ہی دُعا کو اثر کے ساتھ

یہ قانون عمل سائنس والے قیاس ۔ استقرار ۔ تجربہ ۔ مشاہدہ اور طریقہ نفی اثبات سے بلا امکان استثناء ثابت ہوتا ہی ۔ الزام اور دل کے سر جڑنے کی ۔ جوا بدہی اوروں کے سر منڈھنے کی عادت کو چھوڑکر اگر ہم بے رُوء رعایت اپنی زندگی کے رنج و راحت آمیز تجربوں کی پیچ و خم پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ دل کا دُنیا کی کسی شے میں اُلجھنا (یعنی اُسے عملاً ستیہ یا حقیقی ماننا) ۔ ضرورت میں پڑنا ۔ کدورت میں آڑتا یا کسی طرح کی بھی اسم و شکل سے دل بستگی کا نتیجہ بلا ناغہ سرگشتگی اور دل خستگی ہوتا ہی ۔ اور ہاں جب بھلے بُرے عوارض اور حوادث اِردگِرد کے حالات اور اسباب شفاف شیشہ کی طرح نگاہِ حق بیں کو نہیں روکتے ۔

دنیا کے سب بکھیڑے | جھگڑے فساد جھیڑے
دل میں نہیں رڑکتے | نہ نگاہ کو بدل سکتے
گویا گُلال ہیں یہ | سُرمہ مثال ہیں یہ

جب یہ جلالِ ذات سحابِ حاجات کو اُڑاتا ہی ۔ جب مہر و ماہ میں اپنا ہی نور نظر آتا ہی ۔ جب اس بات کا حق الیقین آتا ہی کہ ماضی ۔ حال اور مستقبل کے عارفان و کاملان میں میرا ہی پرتوِ ذات جگمگاتا ہی جب قلب اس معاملہ کو سچ پاتا ہی ۔ کہ

لہ نہ مانگنا ہی مطلب ہی

سه مجه بحرِ خوشی کی لہروں پر دُنیا کی کشتی بہتی ہی

ازسیلِ سُرور دھڑکتی ہی چھاتی اور کشتی بہتی ہی

جب جسم و اسم کی محدود حیثیت سے آزاد ہوکر برتر از بیاں ۔سُرور روحانی میں طبیعت محو ہو جاتی ہی۔ جب وہ شراب حقیقی رنگ لاتی ہی۔

ع کاش[1] می شود بے دست ولب از کامِ جاناں ریختہ

جب سامان ظاہری اور اسباب دُنیوی کو بے اعتنائی اور لاپروائی کی ترنگ بحرِ استغنا میں بہائے جاتی ہی اور قہقہاتی ہی۔

ع ایں[2] دفترِ بے معنی غرقِ مےِ ناب اولیٰ

یعنی جب بخو سادھی آتی ہی۔ تب دُنیا کے متاع و مال۔ فتح و اقبال بھوت پریت۔ گھنوں کی طرح اسماء و اشکال کی شمشان بھومی (قبرستان) میں۔ شیو رُوپ مہاتما (صاحبدل) کے اِرد گرد جمگھٹ مچاتے ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔ جمگھٹ کرتے ہیں۔ دھما چوکڑی مچاتے ہیں۔

کیا شک وشبہہ کی گنجایش ہی؟

او ہت کڑی کے کنگن پہنے ہوئے مُجرم۔ اگر اس وقت بھی تو ایک لمحہ بھر کے لئے یادِ حقیقت میں جسم و جہاں کو سچ مُچ بھول جائے۔ اپنی بیخود ذات میں جاگ پڑے۔ تو سزا کا فتویٰ دینے والا جج کا دماغ رُک جائے۔ اظہار لکھنے والے مسلخواں کا قلم رُک جائے۔ پکڑنے والے کوتوال کا ہاتھ رُک جائے۔ جرح کرنے والے وکیل کی زبان رُک جائے۔

---

[1] یعنی جب بغیر ہاتھ اور ہونٹ کے جان کے تالو سے گرنے لگتی ہی۔

[2] یہ بے معنی دفتر شرابِ صاف میں ڈوب جاتا ہی یعنی دنیا ذاتِ پاک میں لین ہو جاتی ہی۔

کون دماغ ہو۔ جو تیرے بغیر سوچ سکتا ہو۔ کون زبان ہو۔ جو تیری مدد
بغیر بول سکتی ہو۔ کون ہاتھ ہو جو تیری قوت بغیر چل سکتا ہو! میری
جان۔ سب قصوروں کا قصور (سب پاپوں کی جڑ) اپنی ذاتِ
پاک کو عملاً یا علماً بھولنا ہی تھا۔ در اصل قصور اگر ہو تو فقط اتنا
ہی ہو۔ باقی سب جُرم اور قصور اُسی کے مختلف بھیس ہیں۔

؎ کیوں ہو مجرم اہلکاروں کی خوشامد میں پڑے
یہ کچہری وہ نہیں تجھ کو رہائی دے سکے

لکھا ہو۔ بھرگو نے وشنو کے بام انگ میں (بائیں پہلو میں یعنی لکشمی
(دولتِ دنیا) کو) بڑے زور سے لات جڑ دی۔ وشنو نے اُٹھ کر
بھرگو کے چرنوں کو پریم کے آنسوؤں سے دھویا۔ سر کے کیشوں
(بالوں) سے پونچھا۔ اور چشم و سر و دل میں جگہ دی۔ اور اُس چوٹ
کے نشاں کو سرٹیفکٹ (سندِ فاخرہ) جان کر تا ابد پہلو میں اختیار کیا۔
واہ۔ جو برہم نشٹھ (محو فی الذات) لات مارتا ہو دولت دنیا کو۔ اُسکے
چرن (قدومِ محبت بسر و چشم) خدا کے بھی سر پر کیوں نہ ہوں گے۔ اور جو
بھی کوئی دولتِ دنیا (لکشمی) سے لپٹ کر خوابِ غفلت میں لوٹتا ہو وہ
بھکاری (گدا) سے بھی لاتیں کھائیگا۔ شہنشاہِ عالم اور خدا ہی کیوں
نہ ہو۔ بس یہی قانون ہو۔ یہی ویدانت کی عملی تعلیم کا لُب لباب ہو۔ اس
میں سنیاسی فقیروں کا ٹھیکہ نہیں۔ اس روشنی کی تو سب کو ضرورت
ہو۔ کیا ہندو کیا مسلمان کیا عیسائی۔ کیا موسائی۔ سکھ۔ پارسی۔ عورت۔
مرد۔ چھوٹا۔ بڑا۔ ادنیٰ۔ اعلیٰ۔ ہر کوئی اس نورِ حق سے فیضیاب ہونے کا مستحق
ہو۔ اس آفتاب کی روشنی بغیر کسی کا جاڑا نہیں اُتریگا۔ اس دھوپ

بغیر کسی کا پالا نہیں دُور ہوگا۔ اس میں خالی ماننے کی تو بات نہیں۔
ٹھیک ٹھیک جاننے کا معاملہ ہے۔ یہاں بحث مباحثہ کی گنجائش ہی نہیں۔
ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے! اِتنے عِلم کی عملی واقفیت نہ ہونے سے
سب کا ناک میں دم ہوتا ہے۔

Ignorance of Law is no excuse.

"قانون کی لاعلمی عذر معقول قرار نہیں پا سکتی"

پس تیاگ۔ ویراگ (آتم گیان) کو لے لو۔ باقی سب کچھ خود آئیگا
اسی واسطے وید کہتا ہے۔

आत्मानं वा विजानीयात् अन्या वाचो विमुंचथ।

Know this Atman, give up all other vain words and hear no other.

آتما کو پورا پورا جان لو اور کسی چیز کی پرواہ مت کرو۔

[1] علم را و عقل را و قال و قیل — حیلہ ہا انداختم در آبِ نیل
اسم را و جسم را در باختم — تا کمالِ معرفت دریافتم

کالج میں ایم۔ اے پاس کرکے بعض نوجوان تو کالج میں پروفیسر
بن جاتے ہیں۔ جو کچھ پڑھا اُسی کو پڑھاتے رہنا اُنکا پیشہ ہو جاتا ہے
اور کالج سے ایم۔ اے پاس کرکے بعض نوجوان وکیل یا مجسٹریٹ وغیرہ
بن جاتے ہیں۔ اب وہ کالج کے مضامین (ریاضی وغیرہ) دوبارہ دیکھنے
کا شاید کبھی بھی موقع نہ پائیں۔

---

[1] علم۔ عقل اور دلیل بازی ان سب کو دریائے نیل میں ڈبو دیا ہے۔ اسم وجسم (نام اور روپ) کو ہار چکا ہوں تاکہ کمال معرفت (گیان کی سدھی) کو حاصل کروں۔

ایم۔ اے پاس کرنا سب نوجوانوں کے لیئے ضروری تھا۔ لیکن پروفیسر بننا لازمی نہیں۔ اسی طرح "آتما کو پورا پورا جان لینا اور کسی چیز کی دل سے پروا نہ کرنا" تو ہر فرد بشر کا فرض ہی۔ لیکن رات دن ادھیاتم بچار اور سمادھی میں لین رہنا۔ نجانند (شُردو یُزات) میں موجزن رہنا (لہریں مارنا) یہ خوش قسمتی ہر ایک کا حصّہ نہیں۔ یہ پروفیسری کام ہی سچّے سنیاسی فقیر لوگوں کا۔

وہ لوگ جو حسب اقتضائے فطرت ادھیاتم ودیا رُوپی (یعنی معرفت ذات کا) ایم۔ اے پاس کر کے اسی ودّیا کی تعلیم وتعلم اور علم کو پیشہ نہیں بنا سکتے اُن کے لئے وید کا فرمان ہی:

कुर्वन्नेवेह कर्म्माणि जिजीविषेच्छतं समाः।
एवं त्वयि नान्यथेतोऽस्तिन कर्म्म लिप्यते।

(ایشا واسیہ اُپنشد)

"اگر کام کاج (افعال) میں لگے ہوئے بھی تم زندگی کے سَو سال بسر کر دو۔ تو بدیں شرط (علم حقیقت اور فقیر دلی ہونے پر) تم عیب سے مُبرّا اور نقص سے مُعرّا ہو۔ لیکن کسی اور صورت سے نہیں:

کسی بڑے جاگیردار کا بیٹا کو مجبور نہیں کیا جاتا لیکن پھر بھی وہ عموماً ٹینس۔ کرکٹ۔ فٹ بال۔ یا شطرنج۔ گنجفہ وغیرہ کھیلوں میں مصروف پایا جاتا ہی۔ اور اس کھیل کود کے کام کاج میں لگنے سے وہ اپنے پیدائشی حق (امارت) سے گر کر مزدوروں کے زُمرے میں بھی نہیں گنا جاتا۔

اسی طرح جنہوں نے اپنے حقیقی پیدائشی حق (خدائی۔ شہنشاہی) کو لے لیا ہی۔ وہ اگر شغلاً ریل تار مشین وغیرہ کام کاج کی کھیل میں

بسٹ (چوٹ پر چوٹ) مارتے ہیں اور آسمان تک گیند کو اچھالتے ہیں۔ ان کی شاہزادگی سے کون منکر ہو سکتا ہے۔ اور کھیل میں بازی جیتنا بھی صرف خداشناس ہی کا حصّہ ہے۔ کیونکہ وہ بے فکر ہے۔ اور جس کا فکروں کے بوجھ سے دم نکل رہا ہے۔ وہ لذّتِ دُنیا کے کھیل کو کیا خاک کھیلےگا۔ کرم کا نشکام (بلا چشم صلہ) ہونا گیانی (عارف) سے خود بخود وقوع میں آتا ہے اور جہاں سو بھاوک (خود بخود) کرم نشکام ہے۔ کامیابی غلام ہے۔ اور یہی عارف جو نشکام کرم میں سرگرم ہیں یہی ہیں جن کو سنیاس کا وہ گاڑھا رنگ چڑھتا ہے کہ اندر سے پھوٹ کر باہر نکل آتا ہے۔ باہر رنگے کپڑوں سے اندر نہیں جاتا۔ جو لڑکے خوب کھیلتے ہیں۔ نیند بھی اُنہیں کی گاڑھی ہوتی ہے۔ اس چھوٹی سی دُنیا میں بے فکری سے کھیلنے والے بیفکری سے سوئیں گے۔ نشکرم ہونگے

مہاتما دیوسین (Devasen.) کی رائے تو ہے یوں کہ ادھیاتم ودّیا پیشتر اس کے کہ برہمن لوگوں میں آتے جو کرم کانڈ میں ازبس مصروف رہتے تھے۔ راجا لوگوں کے اندر پرگٹ ہوئی اور بعد میں برہمنوں نے اُسے سنبھالا۔ اس بات کو خاص وید کے کئی حوالے دیکر اور مختلف دلائل سے وہ اپنی طرف سے پایۂ ثبوت کو لیجاتے ہیں۔ اب گو رآم اُن سے اتفاق نہیں کرتا۔ اور اُن کے حوالہ جات کو کافی نہیں مانتا اور اُن کے دلائل کو ناقص ٹھانتا ہے۔ تاہم اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ راجہ اجات شترو۔ پرواہن جیبلی۔ اشوپتی۔ کیکیہ۔ پرتردن۔ جنک۔ کرشن۔ رام۔ سکھی دھوج الرک وغیرہ سیکڑوں راجے مہاراجے اس درجہ کے بے تعلق فقیر دل

ہو گزرے ہیں۔ کہ کوئی سنیاسی اُن کی کیا برابری کرے گا۔ افسوس رنجیت سنگھ۔ بابر۔ اکبر۔ کرام ویل۔ الزبتھ۔ واشنگٹن بلکہ چارلس اعظم جیسے نادان لوگ ناستک قرار دیتے ہیں۔ وغیرہ کی اندرونی زندگی پر جب غور کی نگاہ ڈالی جاتی ہے تو اُن کی باطنی بے تعلقی۔ فقیر دلی قلبی درویشی کو دیکھ کر بُدھ اور عیسیٰ یاد آتے ہیں۔

علم تاریخ کی جو کتاب اس قانون کو واضح نہیں کرتی۔ جو قوموں کے عروج و زوال۔ خاندانوں کی تباہی اور اقبال۔ شاہوں کی پستی اور کمال میں سبب حقیقی ہے۔ وہ کتاب فقط کانٹوں کی باڑ ہے جس کے اندر کھیتی نہیں۔ یا سچ دیکھ کر آئی ہوئی برات ہے جس میں دُلہا نہیں ۔

بات تھی جو اصل میں وہ نقل میں پائی نہیں
اس لیے تصویر جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں
ایک سے جب دو ہوئے تو لطفِ یکتائی نہیں
اس لیے تصویر جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں
ہم ہیں مشتاق سخن اور اُس میں گویائی نہیں
اس لیے تصویر جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں

لوگ کہتے ہیں۔ گو باقی علوم و فنون میں بھارت ورش کبھی سب ملکوں سے آگے رہ چکا ہو۔ لیکن ہندوستان میں اہلِ مغرب کی طرح صحیح تاریخ نویسی کا مادّہ نہیں تھا۔ ہوگا۔ مگر یہ جو سِنِ ولادت۔ سالِ فوت۔ خاکۂ جنگ۔ انقلابِ حکومت۔ شجرۂ نسب۔ خاندانِ شاہی۔

دوران شاہی ـ واقعات ملکی ـ غدر و سرکشی وغیرہ کی تشریح و تصریح سے دفتروں کے دفتر کالے کر دیے گئے ہیں کیا یہ صحیح علم تاریخ میں شامل ہو سکتے ہیں؟ علم تاریخ میں تو نہیں لیکن غلط تاریخ میں البتہ داخل ہیں ـ اہل مغرب کے قلبِ تہ کیے ہوئے اس قسم کے واردات اور حالات تاریخ کی خشک ہڈیاں کہلا سکتے ہیں ـ اور وہ بھی عموماً بے ترتیب اور بے محل ـ

سر آرتھر ہیلپس ایک جگہ لکھتا ہے "تاریخ میرے سامنے مت پڑھو ـ میں جانتا ہوں کہ سوائے غلط اور جھوٹ ہونے کے یہ اور کچھ نہیں ہوگی" ہنری تھورو "کا مقولہ ہے" میتھالوجی (علم دیومالا ـ قدیم فسانہ وغیرہ) میں زیادہ سچائی پائی جاتی ہے بہ نسبت تاریخ کے"

شاپن ہاور کا قول ہے "تاریخ زمانہ کے لئے اخبارات ـ منٹ بلکہ اکثر دفعہ سکینڈ کی سوئی کا کام دیتے ہیں ـ جس گھڑی کے منٹ ہی درست نہیں ـ گھنٹے کہاں ٹھیک ہوں گے"

ایمرسن "پیر کا حال وہ لکھے جو اسی درجہ کا پیر ہو" گھائل کی گت گھائل جانے ـ اور جگہ لکھا ہے "ملٹن کو وہ سمجھے جو خود ملٹن ہو"

ع ولی را ولی می شناسد +

جو بیانات پیش کیے جاتے ہیں ـ اگر صحیح ہوں تو عموماً ایسے بالائی سطح پر کے ہوتے ہیں جیسے کوئی گھڑی کی ڈایل ـ کیس اور سوئیوں کا تو حال لکھ دے لیکن اسکی اندر کی بناوٹ (کلاں) کا کچھ پتہ نہ دے ـ اتنے بیان سے کسی کی بگڑی گھڑی نہیں سنورتی ـ فقط اتنا علم عملی طور پر کچھ فائدہ نہیں دیگا ـ بلکہ دماغ پر بوجھ کی طرح پڑکر "نیم حکیم خطرۂ جان ـ نیم ملاّ خطرۂ ایمان" والی صورت لائیگا ـ میاں مورخ اگر

بتاتے ہو تو وہ بات بتاؤ جو میرے کام بھی آئے۔ اجنبی نام اور سنہ یاد کرنے سے میرا کچھ نہیں سدھرتا۔ بے روح تذکرے کوئی سبق نہیں دیتیں۔ علم بے خدا تاریخ تاریکی کو نہیں ہٹاتا۔ آدمی کا لکھا ہوا فسانہ پڑھنے کو بیٹھیں تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ کیا خدا کا ناٹک (دُنیا) ایک معمولی فسانہ کے برابر بھی لُطف نہیں رکھتا؟ بیشک رکھتا ہے اور اس لُطف اور دلچسپی کو دکھانا صحیح تاریخ نویس کا کام ہے۔

ایسی تاریخ کا مصنف وہ ہو سکتا ہے جو عالم کے مصنف کو سچ مچ پہچانتا ہو۔ قدرت کے قانون روحانی کو پُوری طور پر جانتا ہو۔ قدرت کے روحانی قانون کو کون جان سکتا ہے؟ جو اپنی ہی روز مرہ زندگی کے ہر و جزو پر غور کرتا کرتا اس قانون کو جان جائے۔ جس سے رنج و راحت خوش کامی۔ ناکامی وغیرہ وابستہ ہیں۔ عالم کے مصنّف کو کون پہچان سکتا ہے؟ - جو اپنی ہی ذاتِ حقیقی کو سچ مچ پہچان جائے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ[1]

جسے اپنی بھی خبر نہیں وہ غیر زمانہ والوں کا، غیر حیثیت والوں کا۔ غیر ملک اور قوم والوں کی خبر کیا خاک دے گا۔

کسی کتاب میں لطف اور دلچسپی کب ہوتی ہے جب اسمیں ہم اپنے دِل کی سُنیں اور اپنے ہی کسی خفیہ تجربہ کا پتہ پائیں۔ اور تاریخ عالم اگر راست راست لکھی جائے تو کیا ہے۔ تمہارے کسی نہ کسی وقت کے تجربوں کی جھلک۔

اپنے کارنامے کس کو پیارے نہیں لگتے؟ تاریخ عالم میں سرزد ہوئی

---

[1] جس نے جانا اپنے آپ کو اس نے جانا پرماتما کو۔

غلطیاں بھی خالی از عظمت نہیں - آج جو ابھی سے پلا بچا کر تم اُن سے سبق لے سکتے ہو۔ یہ نہ کہنا کہ وشنگٹن - چارلس اعظم - قیصر - ترو ا - نپولین وغیرہ کے تجربے بھلا میرے ساتھ کیا تعلق رکھ سکتے ہیں؟ چھپ کر رونے والی ہندوستان کی عورت کی آنکھ سے ٹپکتا ہوا آنسو کا موتی جو کسی نے بھی گرتے نہیں دیکھا - اُسی قانون (کشش ثقل) کا مظہر ہے - جیسا آسمان میں ٹوٹتا دوڑتا ہوا تارا سب کو نظر آنے والا شہاب ہے - شاہی قلعوں میں اور اندھی بڑھیا کے جھونپڑے میں دل کی خواہشیں تو ایک جیسی ہیں اور اندرونی رنج و راحت بھی ایک جیسے - اور قانون کامیابی بھی ایک ہی ہے - اس ایک قانون کو جان لیا تو تم گویا تاریخ عالم کو جان گئے ؛

اس لاء (قانون) کو عملی طور پر سب مذہبوں نے جانا - لیکن علمی بنیاد صرف ویدانت نے قائم کی ؛

علم کے خزانے میں کوئی تازہ خبر اسکے لئے نہیں - چھاندوگ اُپنشد میں قدیم بزرگوں نے اس عرفان کو پاکر یوں کہا -

"آج سے کوئی ہم کو ایسی بات نہیں بتا سکتا جو ہم پہلے سے نہ جانتے ہوں - ایسی خبر کوئی نہیں لا سکتا جو ہم کو پہلے سے معلوم نہ ہو - ایسی کوئی چیز نہیں دکھلا سکتا جو ہم نے پہلے نہ دیکھی ہوئی کیونکہ اس عرفان کے پانے سے سب ان دیکھا دیکھا گیا - سب بے سُنا سُنا گیا - سب نہ جانا ہوا - جانا گیا -

ایسے عارف کا ثانی (غیر) ہے ہی نہیں - تو اُس کے آگے دم کون مارے؟ سیاپا تو اُن کے لیے ہے جو اُس عرفان سے بے بہرہ ہیں - خود بدشوبہ

پارہ کی طرح بیقرار ہیں۔ ایسے لوگ خالی جلماً اور عقلاً ویدانت پڑھ کر دریائے معاصی اور قلزم غم کو عبور نہیں کر سکتے یہ شوک (غم و غصہ) کو آتم وِت (عارفِ حق) تیر جاتا ہے" یہ وید کی بتلائی ہوئی کسوٹی (محک) ان کو زرِ خالص نہیں ثابت کرتی۔ پس کامل صفائی کے لئے۔ اور پوری طرح میل اور ملاوٹ اتارنے کے لئے دھندوں کی آگ میں پڑنا اور کرم (افعال) کے تیزاب میں سے گزرنا بیجا نہیں ہے۔

ع قدر عافیت کسے داند کہ بہ مصیبتے گرفتار آید[1]

جس سے وید نکلے ہیں اسی سے دُنیا کا اظہار ہے۔ پس وید (شُرتی۔ ویدانت) کی تعلیم تو کچھ اور ہو اور زندگی کے کڑے تجربے کچھ اور سبق دیں یہ کبھی ممکن نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ جو کچھ علماً اور عقلاً شُرتی (ویدانت) کا اُپدیش ہے وہی عملاً مکتب زندگی میں سبق ملتا ہے۔

کیا تمہارا وشواس (اعتقاد) ویدانت تتو (تلقینِ حقیقت) ہر اتنا ہی کچا ہے کہ واقعاتِ زندگی سے اس کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہو گیا؟ ذرا سنبھل کر دیکھو۔ کوئی طاقت ویدانت کے مخالف نہیں ہے۔ کوئی مذہب ویدانت کا دُشمن نہیں۔ کوئی فلسفہ یا سائنس اسکا حریف نہیں۔ سب خادم ہیں خادم۔ البتہ بعض تو دانستہ خادم ہیں اور بعض نادانستہ۔ اگر عام لوگوں کو پہلے کی طرح وہ بیکنٹھ اور سورگ کے لالچ آج کھینچتے ہی نہیں اور نہ سورگ لوک کے حصول کے مناسب کرم (افعال) بلکہ جیتے جی فاقہ سے بچنے کی خواہش زیادہ غالب ہے۔ یا دُنیا کے آرام

[1] آرام کی قدر وہی جانتا ہے جو مصیبت میں پڑتا ہے۔

زیادہ دلکش ہیں یا اور سب طرح سے بھی اُنکے ارادے اور مطلوب بدل رہے ہیں تو کہیے کیا یہ نام روپ کے احاطہ کے موددی اشیاء ایک ہی (بریک حال) بھی رہ سکتی تھیں۔ ان کو قائم دائم رکھنے میں کوشش کرنا تو نمود بے بود میں دل لگانا ہی یعنی اسماء و اشکال کو آتما کی شان دینے کی جہد ہی۔

ع کوشش بیفائدہ است وسمہ برابروئے کور[1]

ہندو شاستر کی اصلی تلقین کرم کانڈ کی صورت کو ابدی بنانے میں نہیں ہی بلکہ ابدی آتما کو ہر صورت میں اور ہر کام میں۔ ہر موسم اور زمانہ (یُگ) میں انوبھو (حق الیقین) میں لانا ہی۔ بس آج پیلون تا ریلے جہازوں کلوں سے دویش (دشمنی) چھوڑ دو۔ اگر رات ہی تو رات کیساتھ مت لڑو۔ بلکہ اُسی رات میں دیپک جلادو! ادییا (شب ظلمت) کو دیوالی (دیپ مالا) کی رات کر دو۔ چراغاں کا عالم کر دو۔ جب دن آیا تو رات بھی آئے گی۔ اور یہ تو کہو۔ رات کس بات میں دن سے بُری ہی۔ دن میں اگر ایک قسم کی خوبی ہی تو رات میں دوسری قسم کا سُکھ۔ پر اس سے فائدہ اٹھانے والا چاہیے۔ کلجگ اگر بُرا ہی تو صرف اُسکے لئے جو اُسکو برہم دیکھنے (دیدارِ حق) کا ذریعہ نہیں بناتا۔

یہ آتما کو محدود بنانا یا بند اسم و شکل میں لانا نہیں ہی بلکہ جسم و اسم کی محدودیت کو اڑانا ہی۔ خواب میں بھیانک شیر وغیرہ کا مقابلہ ہو تو جاگ آجاتی ہی۔ خواب ہی کا شیر خواب کے سارے اشیاء کو کھا جاتا ہی۔ لوہے کو لوہا کاٹتا ہی۔ تن پرور جب ایک دفعہ بھی اپنا جسم

[1] کوشش بیفائدہ ہی۔ اندھے کی بھوں پہ سرمہ لگاتا ہی۔

سارا ہندوستان دیکھیگا۔ تو چھوٹے سے جسم کی قبر میں بھی نہ لگے گا۔ دائرہ وسیع ہو جائے گا اور رفتہ رفتہ خط مستقیم مدار بن جائے گا۔ بھومکا چڑھ جائے گی ؛

اچھا جی کچھ بھی کہو رام تو ہر رنگ میں رمتا رام ہی۔ ہر جسم میں پران ہی۔ ہر پران کی جان ہی۔ سب میں سب کچھ ہی۔ یہ اسوقت قلم بنکر لکھ رہا ہی۔ سورج بن کر چمک رہا ہی۔ گوبی گنگی (جس کو لوگ شری گنگا جی کہتے ہیں) بن کر گا رہا ہی۔ پربت بن کر سبزہ و شالے اوڑھے کمبھ کرن کی طرح پیر پسارے سشپتی (خواب غفلت) میں لیٹ رہا ہی۔ مگر اپنی ایک صورت بہت ہی زیادہ بھاری ہی۔ میں بڑا ہوں بے حس و حرکت بیجان (Everything is helpless besides me, I the only motive power, not a leaf can fall without my power.) (ستّا)

میری ستا (قوت) پائے بغیر پتا نہیں ہل سکتا مجھ بن سب کچھ دیپک (شمسری) کی طرح سو جاتا ہی۔ جلی ہوئی رسّی کی طرح ڈھے (گر) جاتا ہی کام بگڑنے لگا۔ میں کس کو الزام دوں۔ میرے بغیر اور کچھ ہو بھی نہ رہیا۔ وشنو...........................

او موت بیشک اڑا دے اس ایک جسم کو۔ میرے اور اجسام ہی مجھے کم نہیں۔ صرف چاند کی کرنیں۔ چاندنی کی تاریں پہنکر چین سے کاٹ سکتا ہوں۔ پہاڑی ندی نالوں کے بھیس میں گیت گاتا پھروں گا۔ بحر مواج کے لباس میں لہراتا پھروں گا۔ میں ہی باد خوش خرام نسیم مستانہ گام ہوں میری یہ صورت سیلانی ہروقت روانی میں رہتی ہی

اِس رُوپ میں پہاڑوں سے اُترا - مُرجھاتے پودوں کو تازہ کیا گُلوں کو ہنسایا - بُلبُل کو رُلایا - دروازوں کو کھڑکھڑایا - سوتوں کو جگایا - کسی کا آنسو پونچھا - کسی کا گھونگھٹ اُڑایا - اِس کو چھیڑ - اُس کو چھیڑ - تجھ کو چھیڑ - وہ گیا وہ گیا - نہ کچھ ساتھ رکھا نہ کسی کے ہاتھ آیا -

سوامی جی کے دیگر قلمی نسخے

ایسے ملک الموت کے نام مذکورۂ بالا لکھا ہوا حکم پڑھ کر ہم ہر دو کے کُل وہم و گمان کافور ہو گئے اور دل کے سب ٹکڑے ملیامیٹ ہو گئے - چِت ٹھکانہ پر آ گیا - بلکہ جسم رام کی رحلت کر جانے کا واقعہ بھی بھول گیا - اب عقل کا احول پن کہاں؟ جس قدر زور سے دل پژمردہ ہو کر ویدانت سے کچھ اُداس ہو رہا تھا اُس سے بھی دُگنے زور سے اب محظوظ ہو کر ویدانت کی سچائی کا مدّاح و عاشق ہونے لگ پڑا * اس طرح جب دل نے واقعی شانتی پکڑی - تو پھر سب صندوق سوامی جی کے یکے بعد دیگرے باغور دیکھنے کے لئے کھولے گئے - علاوہ بیسیوں مطالع شدہ اور نئی کتب کے اُن تمام انگریزی لیکچروں کی ٹائپ شدہ کاپیاں بھی نکلیں کہ جو سوامی جی ممدوح نے امریکہ میں اپنے عرصۂ قیام میں وہاں مختلف جگہوں میں دیئے تھے - اور تو سب کتب وغیرہ تاراگن ہی کے پاس محفوظ رہے مگر یہ تمام قلمی نسخہ جات یعنی انگریزی لیکچروں کی کاپیاں پیارے پورن جی برائے ترتیب و اشاعت تاراگن سے لیکر اپنے ہمراہ لاہور لے گئے - اور محض اُردو کا آخری قلمی نسخہ (یعنی مضمون خودمستی و تمسکِ عروج) برائے ترتیب و صاف نقل

* اس کُل مضمون کی اصل کاپی جو رام کی دستی لکھی ہوئی ہے - شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ کے دفتر میں موجود ہے - رام پیارے جو چاہیں آنند سے اُسکا دیدار کر سکتے ہیں -

ناراین کے پاس رہا۔ جو بعد ازاں زمانہ وغیرہ رسالہ جات کو بھیجا گیا ؛

قلمی نسخوں کے لئے تردّدِ اشاعت۔

اُن قلمی نسخوں کو لے کر پیارے پُورن جی جب لاہور پہنچے تو اُس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اُن کو ڈیرہ دون میں ایک صابن کے کارخانہ چلانے کی شراکت مل گئی۔ جس سے وہ ڈیرہ دون ہی میں رہنے لگ پڑے۔ سوامی جی کی انگریزی تقریروں کے مرتب وطبع کرنے کے لئے فنڈ کی اپیل پبلک میں کرنا پیارے پورن جی نے واجب نہیں سمجھا تھا۔ اور نہ وہ خود کسی پیارے کو زر کی مدد کے لئے تیار کر سکے۔ لہذا ناراین کی معرفت ڈیرہ دون میں روپیہ کا انتظام کیا گیا۔ لالہ بلدیو سنگھ صاحب رئیس و بابو جیوتی سروپ صاحب پلیڈر و پریذیڈنٹ آریہ سماج ڈیرہ دون و دیگر ایک دو اور بھگتوں نے ملکر اس پبلیکیشن کے لئے سب خرچ برداشت کرنے کا ذمہ اپنے اوپر لیلیا۔ اور پیارے پُورن جی نے ان تقریروں کو مرتب کرکے شائع کرنیکی ذمہ واری اپنے کندھے پر لے لی۔ مگر اس انتظام کے چند ماہ بعد ہی پُورن جی کی مذکورۂ بالا اصحاب میں سے ایک دو کے ساتھ کچھ اَن بَن سی ہوگئی۔ جس سے سب انتظام ڈھیلا پڑگیا۔ اور پُورن جی نے ایک برس ایسے ہی گزار دیا۔ جب بعد ایک برس ایکانت سیون کرنے کے ناراین نیچے میدانوں میں اُترا تو پُورن جی نے اپنی ناکامیابی کا حال سُنا کر وہ سب کام ناراین کے ذمہ سونپ دیا اور آپ بوجہ تنگی وقت و زر وغیرہ کے اس اہم وضروری کام سے دست بردار ہوگئے۔ اور اس طرح ۱۹۰۸ء کے شروع میں کُل نسخہ جات ناراین کے حوالہ واپس کردیے ؛ ناراین نے بھی کُل

تقریروں کو پُورن جی سے لیکر ان کی اشاعت وغیرہ کا کُل بوجھ قدرت پر پھینکدیا۔ اور بغیر کسی طرح کے فکر و خیال کے اُن قلمی نسخوں کو نارائن اپنے دَورہ میں برائے مطالعہ ساتھ ساتھ لئے پھرتا رہا۔ مئی ۱۹۰۸ء میں شملہ پہاڑ کو جانے کے خیال سے نارائن کو کالکا کے نزدیک مہاراجہ صاحب بہادر والی ریاست پٹیالہ کے پنجور باغ میں ایکانت رہنے کا اتفاق لگا۔ باغ نہایت ہی عمدہ تھا اور اس میں ایک مکان شیش محل کے نام سے مشہور ہے۔ جس کے اوپر نارائن کی رہائش ہوئی۔ اُن دنوں دہلی کے ماسٹر امیر چند جی ملنے اور ست سنگ کرنے کے خیال سے کچھ عرصہ تک وہاں آکر نارائن کے پاس ٹھہرے۔ درمیان ست سنگ کے اُنہیں سوامی رام کی کچھ قلمی تقریروں کے سُننے کا اتفاق لگا۔ آپ اُن ناصاف تقریروں سے ایسے محظوظ ہوئے کہ آپ نے اُن نسخہ جات کا کچھ حصّہ یعنی محض ۵۰۰ صفحے کی جلد کو چھاپنے کے لئے نہ صرف استدعاء و تاکید کی بلکہ اس جلد کے چھاپنے وغیرہ کُل خرچ کا بوجھ بلا کسی درخواست اپنے آپ اپنے اوپر لینے کی خواہش ظاہر کی اور قریب لاگت خرچ پر اُس جلد کو لوگوں میں بانٹنے کا ذمہ لیا۔ اس طرح جب اُنکی مدد اور حوصلہ افزائی سے جلد اوّل مکمل چھپ گئی۔ تو جلد اول کے مکمل ہونے پر ماسٹر صاحب نے یہ خواہش ظاہر کی کہ "مجھے رام کے کلام کے شائع ہونیکی از حد خوشی ہوئی ہے۔ اگر آپ جلد ہذا بہت جلد لوگوں میں محض لاگت خرچ پر فروخت کرا دیں گے تو میں وصول شدہ رقم کو ہرگز اپنے استعمال میں نہیں لاؤں گا۔ بلکہ فوراً کلام رام کی دوسری جلد کے شائع کرنے میں صرف کر دوں گا۔ اور اگر اسی طرح آپ (نارائن) کی مدد سے جلدوں

کے فروخت ہونے پر وصول شدہ رقم سے کُل کلام رام سلسلہ وار شائع ہوکر پبلک میں پہنچ جائیگا۔ تو میں اپنے آپ کو نہایت خوش قسمت سمجھوں گا۔ ماسٹر صاحب کی یہ دلی خواہش سنتے ہی نارائن کی طرف سے لوگوں کو بذریعۂ پرائیویٹ خطوط اطلاع دی گئی کہ وہ جلد اوّل کی کُل کاپیوں کو محض لاگت قیمت پر فوراً خرید لیں تاکہ رقم کے وصول ہونے پر دوسری جلد بھی اسی زر کی مدد سے مطبع میں دی جائے۔ اس اطلاع پر رام پیاروں نے محض دو ہفتوں کے اندر اندر قریباً ۷۰۰ جلدیں خرید کر کے ماسٹر صاحب کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ اور کلیاتِ رام کی دوسری جلد اس طرح چند ہفتوں کے اندر ہی اندر برائے اشاعت مطبع میں دیدی گئی۔ اس طرح تیسری جلد دوسری جلد کے شائع ہونے کے فوراً بعد حوالہ مطبع ہوئی۔ اور یہی کیفیت چوتھی جلد کے ساتھ گذری۔ اس طرح ماسٹر صاحب کی ہمت اور رام کی کرپا سے اس کُل اشاعت کا اہم کام تکمیل پاگیا۔ اور آج تک چار جلدوں میں یہ کُل تقریباً ست ویاد داشتیں رام امپیریل بکڈپو چاندنی چوک دہلی۔ فیض آباد وغیرہ مقاموں کے پتہ پر ملتی تھیں۔ اب یہ شری سوامی رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ کے پتہ پر براہِ راست ملتی ہیں۔ یہ لیگ سوامی رام کے پیاروں نے پبلک رجسٹرڈ باڈی کے رُوپ میں چلائی ہے۔ اس میں نہ صرف انگریزی بلکہ اُردو ہندی میں بھی سوامی رام تیرتھ مہاراج کی کلیات شائع ہوتی اور ملتی ہیں۔ اور اسی لیگ کی ایجنسیاں۔ اب لاہور۔ دہلی۔ بنارس۔ کلکتہ۔ مدراس میں کھلتی جا رہی ہیں۔

آخری مضمون کے ختم کرنے کا وقت

یہ خود مستی کا آخری مضمون - جس میں رام کی قلم سے بنام ملک الموت حکم صادر تھا۔ رام کی میز پر کھلے ورقوں میں بے ترتیب پایا تھا۔ جب اس کے بارہ میں رام کے رسوئیا سے دریافت کیا گیا تو اُس نے مفصلۂ ذیل جواب دیا:-

"گنگا کنارے جانے سے چند گھنٹے پیشتر سوامی جی ان کاغذوں پر کچھ لکھ رہے تھے۔ جس وقت یہ کاغذ سوامی جی کے ہاتھ میں تھے۔ اُنکا چہرہ مست و منور تھا۔ آنکھوں سے موتیوں کی لڑی کی طرح آنسو ٹپکتے تھے قلم و دست اس مضمون کے لکھنے میں ایسے مصروف تھے کہ ایکتار بنے ہوئے تھے۔ اور دل دھیان میں ایسا لین (محو و مستغرق) تھا کہ دین و دنیا سے پرے ہٹا ہوا نظر آتا تھا۔ میں کتنی دیر تک پاس کھڑا رہا مگر میری طرف نظر تک نہ کی۔ گیارہ بجنے والے تھے۔ میں اطلاع دینے آیا تھا کہ بھکشا (کھانا) تیار ہے۔ کچھ منٹ بعد آپ سمادھی (دھیان) میں ایسے محو و مدہوش ہو گئے کہ قلم بھی ہاتھ سے گر گئی۔ پھر کاغذ بھی چھوٹ گیا۔ جب بہت دیر تک میں کھڑا رہا اور اُنہوں نے میری طرف توجہ تک نہ کی تو دبی زبان سے میں نے عرض کی کہ "مہاراج! بھکشا تیار ہے" مگر کچھ جواب نہ ملا۔ چونکہ دوپہر کا وقت ہو رہا تھا۔ مجھے بھی بھوک نے ستایا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ تک تو میں صبر سے خاموش کھڑا رہا مگر بہت دیر تک مجھ سے چُپ نہ رہا گیا اسلئے چند منٹ کے بعد پھر عرض کی کہ کھانا تیار ہے (اس دفعہ پہلے کی نسبت ذرا زور سے بولا تھا)۔ سوامی جی نے میری آواز سُن کر آنکھیں کھولیں

اور پوچھا "پیارے! کیا کہتے ہو؟" بجواب عرض کی کہ "مہاراج گیارہ بج چکے ہیں۔ اور بھکشا دکھانا، آپ کی باٹ تاک رہی ہو۔ ارشاد فرمائیے کہ آپ کے نہانے کی خاطر جل نیں اوپرے آؤں۔ یا آپ خود گنگا تیر دکنارے، پرجاکر اشنان کیجیے گا" مسکراکر بولے کہ "تم نے ابھی تک کچھ کھایا ہی یا نہیں" بجواب عرض کیا کہ "مہاراج آج میں بھی اشنان کرکے کھانا کھاؤں گا۔ آپ کو اشنان کراکر میں نے نہانے کا خیال کیا تھا۔ اس لئے میں نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا" میرے اس جواب پر سوامی جی بہت ہنسے اور تعجب سے پوچھا کہ "پیارے! آج تمھارے اشنان کرنیکا کیا سبب ہو؟ میں نے عرض کی "مہاراج! پہلے تو آج دیپ مالا (دیوالی) ہو۔ دوسرے سنکرانت اور تیسرے اماوسیہ۔ اس لئے ایسے پُرب کے دن میں اسنان کرکے ہی بھوجن کروں گا" کچھ دن سے سوامی جی کے پاؤں پر ورزش کرتے وقت ایک پتھر سے چوٹ لگی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ اوپر گنگا جل منگواکر اشنان کرا کرتے تھے۔ مگر میرے اس جواب کے سُننے پر اُنھوں نے بھی اوپر کمرے میں جل منگوا کر اشنان کرنا نہ چاہا بلکہ مُسکراتے ہوئے کہا کہ "اوہو! آج ایسے بھاری پُرب کا دن ہو۔ تو چلو! آج رام بھی

---

* ٹیہری پہاڑ میں لوگ عموماً روزمرہ اشنان نہیں کرتے۔ خاصکر سردی کے موسم میں تو کئی کئی ہفتے لوگوں کو اشنان کئے ہو جاتے ہیں۔ اوروں کا تو بھلا کیا کہنا۔ خاص برہمن لوگ بھی گاؤں میں مقررہ دنوں یا تہوار دن پر ہی موسم سرما میں نہایا کرتے ہیں۔ قصبۂ ٹیہری سے دو میل کے فاصلہ پر ایک پنیار گاؤں ہو۔ جو متعلقہ مالدون کا ہو۔ یہ رسوئیا اس گاؤں کا برہمن تھا جس کی عادت اپنے گاؤں کے لوگوں کی طرح کئی کئی دنوں بعد نہانے کی تھی۔ اس لئے اسکے نہانے کی خبر سوامی جی کو ہنسانے اور تعجب کرنیکا باعث ہوئی۔

گنگا کنارے جا کر اشنان کریگا۔ آؤ ہم دونوں اکٹھے ہی چلیں" اس طرح ان کا غذات کو میز پر چھوڑ کر سوامی جی گنگا کنارے اشنان کرنے کو چلد یے۔ اور میں بھی بموجب حکم ہمرکاب ہولیا۔ جس کے چند منٹ بعد رآم کے بہہ جانے کا حادثہ ہُوا؛

باعث غرق در آب گنگ

رسوئیا کے بیان سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بوقت تحریر مضمون مذکور سوامی جی کے قلب کی عجیب حالت تھی۔ لیکن اس عجیب حالت کی صرف یہی وجوہات ہوسکتی ہیں وہ یہ۔کہ "یا تو نہایت کمزور لاغر بدن کو کسی کی خدمت کے کارآمد نہ دیکھ کر دل اُس سے ایسا منحرف ہوگیا تھا۔کہ اس کے ساتھ کسی طرح کا تعلق رکھنے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔ جس سے موت کو رآم نے خود بُلایا اور شریر کو اُڑا دینے کی اجازت دی۔ اور یا رآم کے اندر نجانند (ذاتی سُرور) کا بھر اتنا اُمڈا ہوا تھا کہ دنیوی آنند اُس کے سامنے ہیچ نظر آتا تھا۔ جس کے سبب رُجحانِ دِل دُنیا (دامنی) سے قطعی ہٹ گیا تھا۔ اور دُکھوں کی کان رُوپ جسم کے ساتھ اب تعلق رکھنا اُس کے لئے دوبھر سا ہوگیا۔ جس کے باعث رآم نے موت کو بُلوا کر جسم کو اُڑوانا چاہا اور یا جیسے شری سوامی شنکر آچاریہ جی نے واجب سمجھ کر اپنے جسم کو جانت بوجھ کر ارادتاً ہمالیہ کی برفوں میں گلا دیا تھا۔ اسی طرح سوامی رآم نے بھی اپنے جسم کو لاغر و ضعیف دیکھتے ہوے مناسب موقع پاکر اس کو ارادتاً حوالۂ گنگ کر دیا۔ اگرچہ لہروں کے قابو سے نکلنے کی کوشش کرنا اس آخری نتیجہ کو پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچاتا؛

خیر نتیجہ خواہ اب کچھ ہی نکالا جائے۔ رآم مہاراج کا یہ نہایت مفید

جسم عین دیوالی کے دن یعنی ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۶ء مطابق کاتک بدی اماوسیہ سمبت ۱۹۶۳ دوپہر کو مہاراجہ صاحب ٹہری کے سملا سُو" باغ کے تلے بھِلنگنا گنگا میں بہہ گیا۔ اور سب کو فرقت جاودانی دے گیا۔

سوامی رام جی کی نعش بوجہ سرد جل و موسم سرما کے سوامی جی کا جسم پانی میں جلد پھول کر باہر نہ نکل سکا۔ حالانکہ پانی بھِلنگنا گنگا کا اس بڑی گنگا بھاگیرتھی کے جل سے قدرے گرم تھا۔ تاہم نعش رام ایک ہفتہ کے بعد سطح آب پر تیر آئی اور بمشکل تمام ندی کے بیچ سے کنارے پر لائی گئی جسم بالکل حالتِ سمادھی میں تھا۔ ہر دو بازو ایک دوسرے پر آلتی پالتی لگائے ہوئے تھے آنکھیں بند۔ گردن کھڑی اور سیدھی منہ اوم بولتے بولتے کھُلا ہوا۔ ہُوبہُو ایسے کھُلا ہُوا جیسے دوران گفتگو یا لوگوں کے سامنے لیکچر میں اوم بولتے وقت کھُلا کرتا تھا۔ گویا اُس وقت بھی رام منہ سے اوم بولتے نظر آ رہے تھے۔ اور ٹانگیں ایک دوسرے پر ٹیڑھی کی ہوئی تھیں۔ باوجود آٹھ دن تک پانی میں غرق رہنے کے جسم آبی جانوروں سے بچا رہا۔ اس بھولی بھالی شو سمادھی کی حالت میں نعش کو پاکر سب لوگوں نے اوم کا نعرہ لگایا۔ اور پھر ایک بڑے صندوق میں بند کر کے اُسے بڑی گنگا (بھاگیرتھی) کے حوالے کر دیا۔

ریاست کے سب دفتر بند مہاراجہ صاحب بہادر ٹہری جی کو کہ سوامی جی مہاراج سے از حد محبت اور بھگتی تھی اور جنہوں نے سوامی جی کے بہہ جانے کی خبر سُنکر اتنا افسوس کیا تھا کہ اس دیوالی کی رات کو اپنے محل میں گھنٹوں تک دیپ مالا بند رکھی تھی۔ جب نعش پانی سے

باہر نکل آئی اور ایک ارتھی (لمبے صندوق) میں بند کرکے بھاگیرتی گنگا کے کنارے لیجائی جانے لگی۔ تو انہوں نے اپنے سب دفتر اس روز بند کر دیئے تاکہ سب لوگ جو رام سے سچا عشق رکھتے تھے اس آخری موقع پر رام کے درشن کرنے سے محروم نہ ہونے پاویں۔ اس طرح اس چھوٹے سے قصبہ (ٹہری) میں بیسیوں آدمی مارے عشق کے نعش کو کندھے پر اٹھاتے ہوئے اور خوشی سے اوم کا نعرہ اُچارن کرتے بڑے بڑے جلوس کے ساتھ اسے بڑی گنگا۔ بھاگیرتی کے کنارے لے آئے اور بموجب طریقہ سنیاس آشرم نعش کے صندوق میں پتھر بھر کر۔ اسے دوبارہ حوالۂ گنگ کر دیا۔

نعش کا صندوق سے نکل جانا رام کی نعش کو ایک صندوقچے میں بند کرکے دوبارہ حوالۂ گنگ کرتے وقت غلطی یہ ہوئی کہ پتھر صندوق سے باہر لٹکائے جانے کی جگہ صندوق کے اندر رکھدیے گئے۔ جس سے صندوق گنگا جی میں ڈوبنے نہ پایا بلکہ تیز بہاؤ کے ساتھ بہنے لگ پڑا اور گنگا گھاٹ سے کوئی سو فیٹ کے فاصلہ پر جاکر ایک بڑی چٹان سے جو جل کی تیز دھارا کے بیچ میں تھی اٹک گیا۔ بلکل تام نارائن اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر اس خطرناک جگہ پر تیر کر چلا گیا۔ جب صندوق کو اس چٹان کی روک سے ہٹا کر پانی کی دھار میں ڈالنے لگا تو صندوق الٹ کر پھٹ گیا۔ جس سے نعش مع پتھروں کے باہر نکل کر وہیں جل میں پتھروں کے تلے دب گئی۔ سب نے کہا "رام کی ایسی ہی خواہش مدت سے تھی۔ ہم لوگوں نے تو بیفائدہ اسے صندوق میں بند کرنے کی تکلیف اٹھائی۔ رام تو اسی قدرتی حالت

میں گنگا کی لہروں پر سواری کرنا چاہتے تھے۔ اسی حالت میں گنگا سے وصل کرنا اور اس کی مچھلیوں کی بھینٹ ہونا اُنہیں بھاتا تھا۔ اسی لئے رام نے کئی بار اپنی نظم و نثر میں یوں تحریر فرمایا تھا۔ تیراں لہراں رام اسوار۔ گنگا رانی ؛

سلہ

Come fish, come dogs, come all who please
Come powers of nature bird and beast,
Drink deep my blood, my flesh do eat,
O come partake of this marriage feast.

گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں (ٹیک)
باڈ چام سب وار کے پھینکوں یہی پھول بتاشے لاؤں
من تیرے بندرن کو دیدوں۔ بُدھ دھارا میں بہاؤں
پاپ پُن سبھی سُلگاکر۔ یہی تیری جوت جگاؤں
تجھ میں پڑوں تو تُو بن جاؤں ایسی ڈبکی لگاؤں
رمن کروں ست دھارا ماہیں نہیں تو نام نہ رام دھراؤں

رام بادشاہ اپنے اس وصل سے پہلے کئی دفعہ یہ بھی لکھ چکے تھے۔ کہ اگر رام کے چرنوں میں گنگا نہ بہی تو رام کا جسم گنگا میں ضرور بہے گا۔ یہ گر اہاہا ویدانت کے شیر رام نے دونوں باتیں عملاً سچ کر

سلہ اے مچھلیوں اور کتوں اور سب جن کا چاہے جی۔ آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔
قدرت کی طاقتوں پرند و چرند و پشو اور پکشی آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔
چھک کے پیو میرا خون اور میرا ماس کھاؤ۔ آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔
شادی کی دعوت ہے۔ تم اس میں آ ہی جاؤ۔ آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔

دکھائیں۔ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اپنے پاؤں سے دُنیا کے تختے پر پھر کر اُپدیش رُوپی گنگا کو انسان کے دِلوں میں بہادیا۔ اور لاکھوں آدمیوں کو علاوہ اپنی طاقتِ گویائی کے اپنی مثال دکھادی۔ اور جسم کو۔ ہڈیوں کو۔ گوشت پوست کو گنگا میں مچھلیوں کی بھینٹ کردیا۔

جسم رام کی فرقت دائمی پر اظہارِ افسوس کے جلسے۔ جسم رام کے ناگہانی رحلت کرجانے کی خبر آناً فاناً ہندوستان اور دیگر ممالک میں پھیل گئی۔ اکثر پاٹھ شالائیں اور اسکول اُس وقت بند ہوگئے۔ مختلف شہروں میں ماتم کے جلسے کئے گئے۔ تمام اخبارات نے بلا لحاظ مذہب وملت کے سوامی جی کی اُس فرقت دائمی (ناگہانی موت) پر افسوس صد افسوس ظاہر کیا۔ لاہور میں ایک عظیم الشان جلسہ مشن کالج کے وسیع ہال میں ہُوا۔ مجمع اسقدر تھا کہ ہال سے باہر دروازوں میں بھی کھڑے ہونے کو جگہ نہ تھی۔ کئی لوگ تو کھڑے ہونے کی جگہ نہ پاکر مایوس ہُوے واپس لوٹ گئے۔ جلسہ میں ہندو مسلمان اور عیسائی بزرگوں نے یکساں ماتمی تقریریں کیں۔ پیارے پُورن جی کی بھی چند منٹ بڑی دلسوز تقریر زار و قطار روتے ہُوئے ہوئی تھی۔ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر یوِنگ بھی دوران تقریر میں روپڑے۔ فرمایا کہ پروفیسر تیرتھ رام نے معمولی زندگی سے لیکر زندگی کے آخری مرحلے سنیاس تک صرف اپنی سعی و کوشش سے اپنے آپ کو پہنچایا۔ میرا یہی ایک شاگرد اصلی ہو۔ جس نے دُنیا میں اپنی تعلیم کا عملی پہلو دکھایا۔ ہندوستان کے سیکڑوں شہروں کے علاوہ جاپان و امریکہ میں بھی (وفاتِ رام پر) ماتم کے جلسے ہُوے۔ حقیقت میں ہمالیہ ش وہی تھا

جس کی ثنا میں تمام مذاہب ایک زبان ہوں ۔ امریکہ سے سنت نہال سنگھ جی لکھتے ہیں کہ سوامی رام تیرتھ نے اپنی فصاحت و بلاغت و خوشگوار تقریروں سے امریکہ میں سوامی وویکانند کے بعد ایک خاص حلقہ پیدا کیا ۔ گو سوامی رام رحلت کر گیا ہے ۔ مگر جاپان و امریکہ میں اپنے معتقدوں کے دل میں آخر دم تک زندہ رہے گا ۔" مسز ۔ ولیمن سوامی جی کے دیہانت کی خبر پاکر امریکہ سے لکھتی ہیں کہ پیارے پُورن کا مضمون پنجاب کے مہاتما سوامی رام کے بارے میں بڑی دلچسپی سے پڑھا ۔ اور پریم کی آگ میرے دل و جان میں بھڑک اُٹھی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیارا اور پوتر شبد اوم رام کے گُھمار بند (دہانِ مبارک) سے اُچارن ہو رہا ہے ۔ اور یہ آواز نکل رہی ہے "میں مر نہیں سکتا ۔ میں مرا نہیں ہوں" اندر کی زندگی (آتما) کا جاننا ہی آنند کا جیون ہے ۔ روح تو صرف روح ہی کو جانتی ہے ۔ دیش اور کال یعنی زمان و مکان موت تک بھاگ کھڑے ہوتے ہیں ؛

"روح بڑے شوق کے ساتھ اُس ایک بڑی حقیقت کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہے ۔ مہاتما رام کا یہ اُپدیش ہے (جب میں اُن پیارے خطوں کو جو میرے پاس رام نے وقتاً فوقتاً بھیجے تھے دیکھتی ہوں تو میرے دل و دماغ میں تازگی آ جاتی ہے) ان انمول چٹھیوں میں بہت کچھ ہے ۔ لکھے ہوئے لفظوں سے بہت زیادہ ہے ۔ ان میں سے وہ روح چمکتی ہے جو میرے کُل وُجود کو حقیقتِ مُطلق سے منور کر رہی ہے ۔ سوامی رام کے انمول پتر میرے سنساری (دُنیوی) مارگ (راستے) میں روشنی کا کام دیتے ہیں ۔ اور مجھ میں اور میرے چاروں طرف ایک پریم کی

تھرتھراہٹ سی پیدا کر دیتے ہیں۔ کیسے مُبارک وہ دست و دماغ تھے جنھوں نے اُن کو لکھا دیکھا۔ روح کا کام اسی بات سے ہو کہ محسوس تو ہو مگر بیان میں نہ آسکے۔ رآم کے خطوط اُس حقیقت کے خاموش پیغام ہیں۔ جو رُوح میں خوشی کی سنسناہٹ سے ہلچل مچا دیتے ہیں۔ وہ پردے کے پیچھے سے بول رہے ہیں۔ اس رُوح کے اندر سے (جس نے دُنیوی زندگی سے قطع تعلق کر دیا ہو) باتیں کر رہے ہیں۔ اس نے ایسی سادہ (سادھارن) زندگی بسر کی کہ وہ ہمیشہ کے لئے عالمگیر زندگی کا مظہر ہو گیا ہو۔"

اگر مجھے خواہش ہو تو یہ ہو کہ اُس مُبارک حقیقت کو جسے رآم نے سکھلایا اور اپنے جیون (عملی زندگی) میں ڈھال کر دکھلایا گئے یعنی رآم کی کتھنی اور کرنی کو، زیادہ سے زیادہ جانوں۔ ای میرے اِدھر اُدھر گھومتے ہُوئے سنکلپوں (خیالوں)، تو تو جب تک کہ اوم میں لَے نہ ہو جاؤ۔ جیوں جیوں ہم اس قانونِ الٰہی (خُدا) کو سمجھتے جاتے ہیں۔ تیوں تیوں راز کُھلتے جاتے ہیں۔ جب کبھی میں ایسی ایسی باتیں پوچھتی تھی تو مہاتما رآم یوں کہا کرتے تھے۔

"ماتا! ان باتوں کو جانے دو ہم تو ایشور یعنی ست کو جاننا چاہتے ہیں۔ جب ہم ایشور کو جانیں گے تب آپ کو پہچانیں گے۔ اور جب آپ کو جانیں گے تب ہی ایشور کو پہچانیں گے"

"ای پیارے ہندوستانیو! دو برس یا کچھ اوپر کا زمانہ جو مَیں نے آپ لوگوں کے ساتھ گذارا ہو اُس کی پیاری یاد میرے لئے متبرک ہو۔ کوئی دنیوی تعلقات میری زندگی میں ایسے نہیں ہیں کہ جن کا اُسوقت کے

تجربہ سے مقابلہ کیا جاوے۔ مغرب جو بچہ ہو اُسکی ایک روح نے مادرِ ہند کے گرمجوش سینہ پر آرام کیا اے میرے ہند کے پیارو! پریم کرو۔ چاہے ہمارے جسم اس کُرۂ زمین کے مختلف اطراف میں چلے ہی کیوں نہ جائیں۔ پر ہماری روحیں لامحدود محبت و معرفت کی برکت یعنی اننت پریم و گیان میں ملتی رہیں۔ یہ افسوس کی بات ہو کہ ہزاروں میں صرف شاید ایک سچائی کے لئے کوشش کرتا ہو۔ اور کہیں کہیں ایک آدھے ایسے دکھلائی پڑتے ہیں جو ہمارے عالی ہمت رامؔ کے کچھ کچھ مُشابہ ہوں۔ مَیں ہندوستان میں کچھ ایسے آدمیوں سے ملی جو سمجھدار تھے وہ لفظوں کی تعریف نہ کرتے تھے بلکہ معنوں کی۔ اور اپنی خودی کو دور کرکے کرم کو مقدم سمجھتے تھے۔ اُنکی مستقل روحیں مُردہ ماضی کی اُلجھی ہوئی پابندیوں کو توڑ چکی ہیں۔ ہم روحانی ترقی اور انکشاف کے لئے اکثر دھیان میں بیٹھتے ہیں اور کبھی کبھی متبرک نِروان کے بارہ میں بات چیت کرتے ہیں۔ اور بیٹھے آنند وایک اوم کو اُچارن کرتے کرتے اس مبارک نِروان تک پہنچ جاتے ہیں۔ کیا یہ تعجب کی بات ہو کہ اگر مَیں اس مُلک کو پیار کروں جہاں جاکر مہا پُرش اور بہت ہی گہرا پریم میرے دل میں پرگٹ ہوگیا! پیارے ہندوستانیو! ہم دل میں تم سے ملتے ہیں۔ ہم آنند میں ہیں بلکہ پریم مجسم ہی ہیں۔ میں ہمیشہ تمھارے ساتھ ہوں "مُسوریانند عرف میم۔ اے۔ ویلیمن از امریکہ ممالک متحدہ)۔

امریکہ میں ڈینیور کے کولارڈو اخبار نے حسب ذیل سطور سوامی رامؔ کے دیہانت کے بعد شائع کی تھیں:- وہ قدر و عزت جو سوامی رامؔ

کی امریکہ میں ہوئی تھی ۔ تھوڑی سی اُس سے ظاہر ہوتی ہے: مہاتما
سوامی رام کی دیہ کا انت ہوگیا۔ اثر پیدا کرنے والی اور سنجیدہ رسم سے
اس بڑے ہندو کا جسم جس نے وحدت اور روحانیت کے پرچار کے لئے
کوشش کی تھی متبرک گنگا کے حوالہ کر دیا گیا۔ اس مشرقی عالم کے
پیروکار جو کہ ڈینور اور مغرب میں رہتے ہیں انکو اس ۱۷ اکتوبر کے حادثہ
کی خبر دہشت اثر معلوم ہوئی ۔ سوامی رام نئے خیالات کے اُستاد تھے۔
جبکہ آپ کا استقبال ڈینور کے گرجا گھر میں جنوری ۱۹۰۴ء میں ہوا تھا
آپ نے کئی لیکچر دے کر بہت سے آدمیوں کو اپنے مذہب وطن کی
طرف راغب کر لیا تھا۔

اپنے پیروکاروں کی نگاہ میں وہ مرا نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس کا جسم
نہیں رہا ہے۔ مسٹر ایف ۔ جی کرکپر ڈینور کے رہنے والوں میں سے
ایک ہیں جنہوں نے رام کی تعلیم سے بڑا فائدہ حاصل کیا ہے۔ سوامی
رام کے گزر جانے سے ہندوستان کا ایک بڑا بھاری خیرخواہ جاتا رہا۔
کیونکہ وہ اپنی تمام طاقت خرابیوں کے دور کرنے میں لگائے ہوئے تھے
جب وہ ڈینور میں تھے تب اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ میں نوجوان
ہندوستانیوں کو اپنے امریکہ کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں تعلیم دوں۔ تو وہ
خرابیوں اور اُنکے جھگڑوں کو ہندوستان میں سے دور کرسکتے ہیں آپ
رسالوں اور اخبارات کیواسطے مضامین لکھا کرتے تھے۔ اور بہت سی
کتابیں بھی لکھی ہیں۔ کیونکہ سوامی رام انگریزی زبان میں بڑے ماہر تھے۔
تعلیم یافتہ اصحاب اُنکی موت کی خبر کو نہایت افسوس سے سُنیں گے ۔
مغرب میں اُنکے پیرو بہت زیادہ ہیں اور جن کا مدعا یہ ہے کہ موجودہ

زندگی کے چال چلن کو سُدھارا جائے۔ مثلاً انرجی (طاقت) کا کم ضائع کرنا۔ جسمانی اور دماغی یعنی شاریرک اور مانسک کمزوری کا دُور کرنا۔ آوارگی جو حسد، غرور۔ بدمزاجی و دیگر بُرائیوں کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہو اُس سے رہائی پانا وغیرہ۔ اُن کا مذہب قدرت کا مذہب ہے۔ کیا تم نے دریاؤں کی بابت کبھی یہ سُنا ہے کہ یہ دریا ہندو ہے اور عیسائی نہیں ہے۔ پس "میں ذات پات۔ رنگ روپ یا مذہب و ملت کا کوئی بھید (فرق) نہیں رکھتا اور سورج کی شعاعوں۔ ستاروں کی کرنوں۔ درختوں کے پتوں۔ گھاس کے تنکوں بالو کے ذرّوں۔ چیتے۔ ہاتھی۔ بھینسے۔ چیونٹی۔ مردوں۔ عورتوں۔ اور بچوں کے دلوں کو اپنا ہم مذہب کہکر پکارتا ہوں؛ رام نے ڈینیور میں اپنے خیالات کو سمجھاتے ہُوئے یہ کہا تھا کہ "میرا مذہب ایسا نہیں ہے جو نام رکھا دے۔ یہ قُدرت کا مذہب ہے۔ جبکہ رام ڈینیور میں تھے تو اُنھوں نے مذہب کی تعلیم کے لئے درجے کھولے اور اُنکے بہت سے پیرو ہُوے۔ جن کو یہ خبر سُن کر کہ اُن کا شریر اب نہیں رہا بڑا صدمہ پہُنچا ہے"

مہاتما منشی رام جی گورنر گورو کل کانگڑی ہردوار نے اپنے اخبار ستِ دھرم پرچارک میں تحریر فرمایا کہ " مجھے سوامی رام تیرتھ کے دیہانت سے بڑا بھاری دُکھ اس لئے ہُوا کہ اسوقت سچے تیاگی سادھوؤں کا قحط ہو رہا ہے۔ سوامی رام کی عزت کرنے والے راجے مہاراجے رئیس بہت لوگ ہیں اور یہ ممکن ہے کہ اُنکی کوئی یادگار بنادیں۔ لیکن آریہ سماج کے ممبروں کو بھی باوجود اختلاف رائے کے سوامی رام تیرتھ

جی کی یادگار قائم کرنی چاہیئے۔(آپ کی رائے میں موافقت) ویدک سدھانتوں کو پُوران ریتی سے نہ سمجھتے ہوئے بھی سوامی رام نے کام کرودھ لوبھ موہ کو جیتا۔ سو سوامی رام تیرتھ ہمارا بھائی تھا۔ اس لئے آریہ سماج کے سبھاسد اُنکی یادگار بھی قائم کر سکتے ہیں کہ دھرم کے لکشنوں کو اپنے جیون میں سدھ کرنے کی کوشش کریں"۔

سوامی رام کے سچے بھگت بابو جیوتی سروپ پریزیڈنٹ آریہ سماج ڈیرہ دون۔ سوامی رام کے دیہانت پر تار بھیجتے ہیں کہ Rama's death is national death. "سوامی رام کی موت قوم کی موت ہے"۔

اگرہ نواسی رائے بہادر لالہ بیجناتھ بی۔ اے سابق جج لکھتے ہیں:۔ "سچ تو یہ ہے کہ ہمارے بڑھاپے کی پُشت پناہ ٹوٹ گئی۔ ملک میں برہم ودیا کا سُورج چھُپ گیا۔ ہماری بدقسمتی"۔

الغرض دنیا بھر کی سوسائٹیوں اور مذہب کے ہادیوں۔ لیڈروں اور اخبارات نے اس عشق مجسم سوامی رام کے دیہانت پر آٹھ آٹھ آنسو بہائے۔ ہمارا جگر پارہ پارہ ہو رہا ہے۔ تاب نہیں کہ زیادہ لکھ سکیں۔ کہاں تک لکھے جائیں۔

سہ ایک عالی دماغ تھا نہ رہا۔ دنیا میں اِک چراغ تھا نہ رہا

سچ تو یہ ہے کہ امریکہ کے پریزیڈنٹ کا رام سوامی کی درگاہ میں گداس پر بیٹھے رہنا۔ باشندگان امریکہ کا رام کو زندہ عیسیٰ پکارنا۔ امریکہ کے لیڈروں کا رام کی ولادت گاہ میں محض بغرض زیارت آنا۔ جاپانی مدبروں کا ہاتھوں اور چینیوں کا رام کے شگفتہ لب کے دیدار اپنے کمروں میں کرنا۔

درندوں چرندوں پرندوں پہاڑوں اور پانی کی لہروں تک کو رام کا ناز سے پیار کرنا۔ اس امر کو پایۂ وضاحت اور ثبوت تک پہنچاتا ہو کہ

سے صاف جب دل ہو کرامات :: ہو کیا معنی ؛ حسب ارشاد ہی سب بات نہو کیا معنی

جسم رام کے لواحقین یعنی متعلقین

سوامی جی مہاراج کے جل سمادھی لینے کے بعد پیارے پُورن جی۔ پنڈت جرنجی لال اور رام کے بڑے صاحبزادے گوسائیں مدن موہن جی مُراری والہ گاؤں (ضلع گوجرانوالہ) میں سوامی جی کے پتا کو یہ افسوسناک خبر پہنچا نے گئے۔ رام کی پتی برت استری اپنے قابل تعظیم شوہر کے دیہانت کی کی خبر سنتے ہی بے ہوش ہوکر گر پڑی۔ تھوڑی دیر بعد پانی وغیرہ چھڑکنے سے ہوش آیا۔ دیگر لواحقین یعنی رام کے پتا ماتا بھائیوں اور دیگر اہل شہر کو اس افسوسناک خبر سے سخت رنج ہُوا۔ سوامی جی کے پتا جی نے فرمایا کہ انکو ایک جوتشی بتا گیا تھا کہ اسی مہینے (اکتوبر ۱۹۰۶ء) میں سوامی جی لوپ یعنی غائب ہو جائیں گے۔ جب سے رام کی جل سمادھی کی خبر اُن کے والدہ وغیرہ کو ہوئی اُسی دن سے اُن کی پارسا و محرم پتنی اپنے رام کے دھیان میں محو رہتی تھیں اور بسا اوقات عالم محویت میں اُن پر بیہوشی کی حالت طاری رہتی تھی۔ آخر جون ۱۹۰۷ء میں اس نیک دل دیوی نے بھی اپنے پیارے شوہر کی جُدائی میں اسی فانی دنیا سے رحلت فرمائی۔ رام کے والد گوسائیں ہیرانند جی مہاراج نے ۱۹۰۹ء میں اس دُنیائے دوں کو خیرباد کہا۔ رام کی سوتیلی ماتا کا اب پتہ نہیں حیات ہیں یا نہیں[1]۔ رام کے بڑے صاحبزادے

---

[1] ان ماتا جی کا بھی دیہانت ہوگیا ہو۔ فانی پرکاش

گوسائیں مدن موہن جی[1] جو مرحوم مہاراجہ صاحب بہادر ریاست ٹہری کی پولم بھری امداد سے ولایت تشریف لے گئے تھے اور تقریباً تین سال کی پڑھائی کے بعد امتحان مائننگ انجینیری پاس کرکے ۱۹۰۹ء میں واپس ہندوستان آئے تھے۔ اور کئی سال ریاست ٹہری و ریاست پٹیالہ میں مائننگ انجینیری کے عہدے پر ممتاز رہے۔ لیکن آجکل اپنے ذاتی کاروبار میں مصروف ہیں۔ اور چھوٹے صاحبزادے گوسائیں برہمانند جی[2] بعد پاس کرنے بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کے کسی ریاست میں ملازم ہیں۔ رام کی ایک لڑکی بھی تھی جو مہلک بیماری تپ دق میں مبتلا ہوکر بہت برس ہوئے رحلت کرگئی ہے۔ اس بھولی بھالی صورت والے دوسرے صاحبزادے (برہمانند) کو دیکھ کر فوراً سوامی جی یاد آجاتے ہیں۔ رام کے بڑے سگے بھائی گوسائیں گورو داس[3] اور چھوٹے سوتیلے بھائی گوسائیں موہن لال[4] علاقۂ سوات مالاکنڈ میں اپنے مکانوں میں گھومتے رہتے ہیں۔

قابلیت | معمولی آدمی کے لئے رام مہاراج کی علمیت و قابلیت کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کی قابلیت جو ہر علم و فن میں طاق ہو اور ہر مذہب و ملت کا آدمی جن کو قابل تقلید (آئیڈیل مین) بزرگ تصور کرتا ہو۔ اُن کی ثنا میں صرف اکیلا قلم بھلا کیا لکھ سکتا ہے

---

[1] گوسائیں مدن موہن جی بھی ۱۹۲۶ء میں اس جہان سے کوچ کر گئے۔ یہ مہاراجہ ٹہری کے منسٹر مال تھے۔

[2] گوسائیں برہمانند جی آجکل ریاست پٹیالہ میں راجکمار کے اتالیق ہیں۔

[3] گوسائیں گورو داس جی کا دیہانت ہوگیا۔

[4] گوسائیں موہن لال جی آجکل سوالی والا میں رہتے ہیں۔

شانتی پرکاش

بات یہ ہو کہ رام بادشاہ کئی زبانوں کے بادشاہ تھے۔ فارسی و انگریزی کے علاوہ فرینچ اور جرمن زبانیں بھی آپ نے چند دنوں میں اپنے ہمسفروں سے جہاز میں ہی سیکھ لی تھیں۔ اور صرف چند ماہ میں ویاس آشرم و واسشسٹ آشرم کے دوران قیام میں چند ویدوں کا مطالعہ بھی ختم کرلیا تھا۔ وہ لوگ جو پہلے یہ جانتے تھے کہ سوامی رام سنسکرت سے قدرے ناواقف ہیں۔ جب انہوں نے واسیشٹ آشرم کی سکونت کے بعد رام کے درشن کیے تو سب انگشت بدنداں تھے کہ اتنے قلیل عرصے میں رام سنسکرت کے کیسے ماہر پنڈت بن گئے۔ بے شک جن کے اندر روشنی ہوتی ہو باہر کی چیزیں ان کے پاس خود بخود کھنچی چلی آتی ہیں۔ یہ قانون قدرت ہو۔

کلام رام رام کے کلام کا اثر حرارت برقی کی طرح پڑھنے والے کے دل میں سرایت کرجاتا ہو۔ رام کا کلام دل میں ایسی جگہ پکڑتا ہو۔ کہ جہاں پڑھنے والا اُسے اپنا لیتا ہو۔ رام کا کلام دل میں گُدگدیاں لیتا ہو۔ اور ایسی تاثیر پیدا کرتا ہو۔ کہ پڑھنے والا تلملا اُٹھتا ہو۔ اصل بات یوں ہو کہ رام کے خیالات اور احساسات دلی جذبات کے سانچے میں ڈھل ڈھل کر قلم یا زبان سے باہر آئے ہیں۔ اس لئے برقی طاقت پیدا کرتے ہیں یا یوں سمجھیے کہ رام کا کلام صغیر و کبیر کے لیے ایک آئینہ ہو۔ جس میں پڑھنے والے کو اپنی بڑی یا بھلی تصویر ٹھیک دکھائی دیتی ہو۔ حاصل کلام یہ کہ عین مجذوب جامع جمیع حیثیات و بزرگی اور عشق حقیقی کے رنگ میں رنگے ہوئے عابد کا کلام دل میں ایک نیا جوش اور ولولہ سا پیدا کردیتا ہو۔ اور ہر ایک مطالعہ

کرنے والا اس سے ہزارہا سبق لے کر اپنی زندگی بہتر کر سکتا ہے؛

عادات رام کی طبیعت و اطوار سے ہر وقت شانتی برستی رہتی تھی عادات کے بالکل سادے مگر ان میں لیکچر کے وقت ایسا جوش بھر جاتا تھا جیسے کوئی شیر بول رہا ہے۔ دو ڈھائی گھنٹے تک زبردست جوشیلی تقریر فرماتے تھے۔ دورانِ تقریر میں اکثر حاضرین خاموش سکتے کے عالم میں بیٹھے رہتے تھے۔ اور بسا اوقات حاضرین رام کے لیکچر کے ختم کرتے وقت بول اُٹھتے کہ رام جی مہاراج! اور بولئے" پھر رام جی بھی دریا کی طرح اُمنڈ پڑتے تھے؛

سوامی رام وقت کے بڑے پابند تھے ایک لمحہ بیکار ضائع نہیں کرتے تھے۔ دن رات میں بہت کم سوتے تھے۔ زیادہ وقت اُپدیش میں خرچ کرتے تھے۔ باقی کا ورزش اور ابھیاس میں۔ اپنے آپ کو رام یا رام بادشاہ کہا کرتے تھے۔ باوجود امریکہ کے کروڑپتیوں کے اصرار کے سوامی رام وہاں آبادی سے دُور جنگل کے کونوں میں یا کسی پہاڑ پر لگ کُٹیا میں رہتے تھے؛

گرہست (خانہ داری) میں شری رام پہلے درجے کے مہمان نواز تھے جو شخص ملنے آتا اُسکو دودھ خُوب پلاتے تھے اور خود بھی پانی کی جگہ اکثر دودھ استعمال کرتے تھے۔ اس لئے ان کی اصلی خوراک دودھ ہی سمجھنی چاہیے۔ بات یہ ہے کہ سری کرشن بھگوان نے دودھ مکھن کھا کھا کر دنیا بھر کو گیتا جیسی نایاب پُستک عنایت فرمائی اور رام بھگوان نے دودھ پی کر سری کرشن گیتا کی تعلیم کا خود عملی جامہ پہن کر اس کی ساری دُنیا میں اشاعت فرمائی؛

بیماری میں رام بادشاہ دوائی وغیرہ کو کم استعمال کیا کرتے تھے۔ ایّام طالب علمی و ملازمت میں اکثر زکام کے شاکی رہتے تھے اور اس لئے لاہور میں کسی ہندو کارخانہ کی سوڈاواٹر کی بوتل نوش کیا کرتے تھے۔ مگر سنیاس میں تو ایسی شے بھی آپ کبھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک جج صاحب کے ہاں رام کی دعوت تھی جب کھانا لایا گیا تو انواع واقسام کے کھانوں کو رام بادشاہ نے اپنی چپّی (فقیرانہ کچکول) میں ڈال اور میٹھا نمکین وغیرہ سب اکٹھا کرکے تناول فرمایا۔ سوامی جی نے سنیاس میں پہنچکر بھی عام نوین ویدانتیوں کی طرح کھانے پینے کے قواعد کو توڑا نہیں۔ نشّی اشیاء اور گوشت سے اُنہیں سخت کراہیت تھی بلکہ امریکہ اور جاپان میں بھی جتنی مدّت قیام رہا اپنی اسی نفس کُشی کی عادت کو قائم رکھا۔ امریکہ میں ترکاریوں۔ میووں۔ اور دودھ پر گزارہ کیا۔ موجودہ زمانہ کے نوین ویدانتی سوامی جی کی اس نذین عادت سے خاص طور پر سبق سیکھ سکتے ہیں؛

پوشاک | رام نہایت سادہ پوشاک پہنا کرتے تھے۔ حالتِ گرہست میں سردی میں پٹی کا گرم کوٹ اور دھوتی یا معمولی پاجامہ اور گرمی میں ململ کا پتلا کُرتہ سفید کوٹ اور دھوتی۔ گھر میں عموماً برہنہ سر رہتے تھے باہر جاتے وقت معمولی سفید یا جوگئے رنگ کا صافہ باندھ لیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی سفید ریشمی صافہ بھی استعمال کرتے تھے۔ سخت سردیوں میں رات کو صرف دو ایک کمبل میں گزارہ کرتے تھے۔ قیام مستی میں جب فقیری کی لٹک بڑے زور سے اپنا رنگ جمانے والی تھی۔ تب ان کا لباس بڑھیا ریشم کا ہوتا تھا۔ قیمتی سے قیمتی پوشاک

پہننے کو سلائی جاتی تھی تاکہ بعد فقیری کے کچھ بڑھیا پوشاک کا خیال ہرگز نہ آنے پائے۔ ان کی اعلیٰ پوشاک کو دیکھ کر جب دوست دریافت کرتے یا کچھ اعتراض کرتے تو یوں کہہ دیتے کہ یہ اعلیٰ لباس ستی کا ہے۔ ابھی ابھی اس نے گیان و محبت کی آگ میں ہمیشہ کے لئے ستی ہونا یعنی خانہ داری سے بیزار ہو جانا ہے۔ بہرحال انگریزی وضع کے آپ شروع ہی سے مخالف تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ کہ آپ کالج میں سخت متفکر پائے گئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یونیورسٹی کا جلسہ ہونے والا ہے اور آپ کو اس میں سارٹیفکٹ حاصل کرنے کی غرض سے شامل ہونا ہے۔ اور اس کے لئے ولائتی چوغہ اور بوٹ پہننے پڑیں گے آخر یہی فیصلہ کیا گیا کہ صرف اس موقع کے لئے اپنے کسی ہم جماعت سے سوٹ عارضاً لیا جائے۔ ویراگ کی حالت میں عموماً ایک سفید یا سرخ ریشمی دھوتی میں دیکھے جاتے تھے۔ اور تیاگ کی حالت میں ایک لنگوٹ یعنی صافے اور چادر میں گزارہ کرتے تھے۔ ساتھ بدن پونچھنے کے لئے موٹے (کھدّر) کپڑے کا تولیہ۔ پاؤں کھڑاویں۔ یا بالکل ننگے اور دودھ یا پانی پینے کے لئے لکڑی کا پیالہ یا چپّی (یا ناریل کا چپّس) اپنے پاس رکھتے تھے۔ سردی میں بھی نہایت مختصر لباس میں رہتے تھے۔ روپیہ پیسہ کو چھوتے تک نہ تھے۔ اور یہی نصیحت وہ اپنے دوسرے ہمرکاب رہنے والے سادھو شاگردوں کو کیا کرتے تھے۔

بدنی طاقت و حلیہ اصلی حلیہ بقولِ رام تو سب کا ایک ہے۔ مگر جسمانی رنگ و روپ و طاقت کے متعلق اتنا لکھنا ضروری ہے۔ کہ رام کا بدن زمانۂ طالب علمی و ابتدائے فقیری میں لاغر و پتلا تھا۔ مگر بعد میں ریاضت

سے اُنکے بدن میں وہ طاقت پیدا ہوگئی تھی کہ اچھے خاصے پہلوان کو ڈھکیل دیتے تھے اور یہ طاقت ورزشِ جسمانی سے بھی نشو و نما پاتی تھی۔ گرہست میں تو باقاعدہ صبح و شام چار پائی۔ مگدروں یا ڈمبل سے ورزش کیا کرتے تھے۔ مگر سنیاس آشرم میں جب جاہا گنگا کے کنارے سے پتھر اٹھا اٹھا کر اُن سے ڈنڈ پیلتے اور دُور فاصلے پر پھینک پھینک کر ورزش کیا کرتے تھے۔ اور اُسی طرح پسینے سے خوب تربتر ہوکر چھوڑتے تھے۔ علاوہ اس کے پیدل چلنے کی ورزش بہت ہی زیادہ کرتے تھے۔ اور پہاڑ کی بلندی پر اتنی تیزی سے چڑھتے تھے جو کبھی کسی کو دیکھنی بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔ روحانی ریاضت سے اُن کا پُرجلال چہرہ ایسا منوّر ہوگیا تھا کہ ہر شخص اُن کے دیدار کرتے ہی اُنکی عزت کے لئے جھک جاتا۔ اور ہر مُردہ دل بھی ضرور بشاش ہوجاتا تھا۔ پٹیالہ کے ایک معزز بزرگ کا بیان ہے کہ سوامی جی جب راستے میں چلتے تھے تو تا وقت لوگ بھی اُنکی طرف تکتے۔ اور اُنکی بشاشت بھری نگاہ سے خوش ہو جاتے تھے۔ گویا خوشی اُنکے چہرے سے پھوٹ پھوٹ کر برستی تھی رنگ سُرخی مائل سفید۔ پیشانی کشادہ اور ذرا اُٹھی ہوئی۔ سر درمیانہ درجے کا نہ بہت چھوٹا نہ بہت بڑا۔ بلکہ بالکل گول۔ آنکھیں روشن درمیانہ درجے کی۔ بینائی شب و روز پڑھنے کی وجہ سے کمزور ہوگئی تھی۔ اسلئے عینک لگاتے تھے۔ جسم پتلا۔ قد متوسط۔ چہرہ ہر وقت بشاش مُسکراہٹ سے بھرا ہوا۔ اور دانت ہنستے وقت چمکیلے موتیوں کی لڑی نظر آتے تھے۔ ایک مہاشہ چھپا رام نامی لکھتے ہیں کہ "اگرچہ سوامی رام تیرتھ کی کتابوں میں جادو بھرا اثر ہے۔ مگر اُنکی صورت سب سے بڑھ کر من موہنی ہے چہرہ

گلاب کے پھول کی طرح کھلا ہوا ہے۔ دانت گویا آبدار موتی جڑے ہیں۔ رخسارے کیا ہیں چھریاں دمک رہی ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ سوامی رام کوئی مقوی غذا نہیں کھاتے۔ کبھی کبھی دودھ۔ مونگ کی دال۔ اور ذرا سا ٹکڑا روٹی کا جب اور جہاں مل گیا کھا لیا۔ مگر ہر وقت بشاش رہتے تھے۔ جب اندر کا باجا زور سے بجایا۔ سورج دیوتا کی تمام حرارت اُن میں نمودار ہوئی۔ تمام برفانی سختی کافور ہوگئی۔ لوگوں سے جب مصافحہ فرماتے تھے۔ تو سوامی جی کی انگلیوں سے آگ کے شرارے نکلا کرتے تھے۔ جنکو لوگ سُوپر نیچرل (بالائی طاقت یا روحانی طاقتیں) کہا کرتے تھے۔ وہ اُنکے ہر ایک کام سے مترشح ہوتی تھی۔ زمانۂ طالب علمی میں ہمیشہ نیچی نگاہ کرکے چلا کرتے تھے۔ مگر جب ریاضت سے سُرور چڑھا۔ اور گول چندی کی محبت دل میں جاگزیں ہوئی اسوقت جب دیکھو قہقہہ لگاتے آنند ہی آنند میں نظر آتے تھے۔

رام بادشاہ کے متعدد بھگت وسادھو شاگرد یوں تو جہاں رام گئے پتھر بھی اہلیا کی طرح ان کے چرنوں کے چھونے سے جاندار ہو گئے۔ بچے نوجوان اور بُوڑھے بلا امتیاز ذات ومذہب ورنگ کے آپ کے دیدار کے لئے بیقرار رہتے تھے مگر چند مشہور اشخاص جنہوں نے سوامی رام تیرتھ کو آئیڈیل یعنی تصوّر کیا اور اپنے آپ کو اُن کا معتقد ماننے میں فخر جانا وہ یہ ہیں:

امریکہ میں مسز ویلمین۔ بعد ازاں سوریانند۔ ڈاکٹر ولیم گبسن۔ بعد ازاں سوامی تارو۔ سانفرانسیسکو کے ڈاکٹر البرٹ ہلر اور مسز تو شیر وغیرہ وغیرہ۔

جاپان میں پروفیسر ٹاٹا کیو وغیرہ اور پیارے پورن جی جو اسوقت طالب علم تھے۔ اور ہندوستان میں آکر پہلے ڈیرہ دون کے ریسارچ انسٹیٹیوٹ کے کیمیکل ایڈوائزر بعد ازاں ریاست گوالیار میں کیمیکل ایڈوائزر رہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر کچھ عرصہ تک آپ کسی شوگر فیکٹری ضلع گورکھپور میں کام کرتے رہے اور آجکل زراعت کے کام میں مصروف ہیں۔[1]

ہندوستان میں تو رام کے بیشمار معتقد یا بھگت ہیں۔ جن میں سے اول تو مرحوم مہاراجہ صاحب بہادر ریاست ٹیہری کہ جنکو سوامی جی کی دل بھر کر سنگت کرنے کا فخر حاصل ہوا۔ جنہوں نے کئی ماہ سوامی جی کو لگاتار اپنے پاس رکھا۔ رام کے جاپان جانے کا خرچ بھی جنہوں نے اپنے ذمہ لیا۔ رام کے بعد انکے صاحبزادے کو بھی ولایت میں دس ہزار روپیہ خرچ کرکے جنہوں نے تعلیم دلائی اور گذشتہ رام مٹھ بھی جن کی ذاتی ہمدردی و سہاشتا سے تیار ہوا تھا۔ اسکے بعد مرحوم رائے بہادر لالہ سالگرام صاحب رئیس لدھیانہ (ٹھیکہ دار اودھ روہیلکھنڈ ریلوے)۔ جن کی بھگتی سے سوامی جی خاص موہت تھے اور جنہوں نے سیکڑوں طرح کی خدمات کے علاوہ رام جی کے بعد ان کا سنگ مرمر کا اسٹیچو (بت) بنوا رکھا ہے۔ فیض آباد کے لالہ رام رگھبیر لال صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ و بابو بلدیو پرشاد صاحب وکیل و بابو سرجن لال صاحب پانڈے سکریٹری سادھارن دھرم سبھا فیض آباد جن کو سوامی جی کی خوب دل بھر صحبت نصیب ہوئی رام کے خاص بھگتوں میں سے ہیں۔ الہ آباد کے مشہور آنریبل پنڈت مدن موہن مالوی جی رام کی مستی کے خوب دلدادہ ہیں۔ لکھنؤ کے

[1] اب انکا بھی انتقال ہوگیا ہے۔ شانتی پرکاش

"کلیات رام جلد دویم"

سوامی گوبندانند - چوہر کانا - پنجاب

''کلیات رام جلد دوہم''

ھری اوم سوامی - پٹیالہ - (پنجاب)

آنریبل بابو گنگا پرشاد صاحب مرحوم - مظفرنگر کے آنریبل لالہ نہال چند صاحب مرحوم - میرٹھ کے آنریبل لالہ رامانج دیال صاحب مرحوم رام کے خاص معتقدوں میں سے تھے - آگرہ کے رائے بہادر بیجناتھ صاحب بی - اے پنشنر بھی رام کے بھگت تھے - ڈیرہ دون کے بابو جیوتی سروپ صاحب پلیڈر و پریذیڈنٹ آریہ سماج و لالہ بلدیو سنگھ صاحب رئیس و بھگت راج رام کے پیارے بھگتوں میں سے تھے - سوامی شوانند جی ایڈیٹر دست (ایدیش) - لالہ ہرلال صاحب ناظر ضلع لاہور - ڈاکٹر محمد اقبال ایم - اے - وغیرہ اور تیہ کے میاں محمد حسین آزاد بھی آپ کے بھگتوں اور مداحوں میں سے ہیں - ان کے علاوہ بے شمار اصحاب اور ہیں جن کے نام اس وقت لکھنے سے کئی صفحے بھر سکتے ہیں - رام کے سنیاسی شاگرد نارائن سوامی کے علاوہ چار اور بھی ہیں - جن میں سے ایک تو سوامی رامانند جی جو چند عرصہ سے رحلت کر گئے ہیں - دوسرے سوامی گوبندانند - تیسرے سوامی پورنانند (جن کا پہلا نام گوردوس اور رام پرتاپ تھا) اور چوتھے سوامی ہری اوم جی جو ابھی تک بچرتے پھرتے ہیں - انکے علاوہ اور کوئی سنیاسی شاگرد (چیلہ) رام کا نہیں ہے - اگرچہ اب بیسیوں اپنے کو رام کے (نہ معلوم کس خیال سے) رام کا شاگرد نامزد کر کے مشہور کر رہے ہیں ؛

رام کا مشن اور ویدانت کولونی - ویدانت شاستر کی ادویت فلاسفی کا پرچار رام کا مشن تھا - اپنے ہموطن بھائیوں میں بلکہ کل بنی نوع انسان میں ہمدردی کے اظہار اور روحانیت کی پیاس بجھانے کے لئے رام نے اپنا عملی نمونہ پیش کیا - سوتوں کو جگانے اور بیدار

قوموں کو آپس میں محبت کا عالمگیر اُصول برتنے کا کام رام بادشاہ نے اپنے ذمہ لیا تھا (یا یوں کہو کہ قدرت نے ایسے نیک کام کے لئے رام بادشاہ کو چُنا تھا) رام کا عقیدہ تھا کہ جو انسان یا قوم محض اپنے جسم و جسمانیت تک محدود نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنے اصلی آنند سروپ میں مگن ہوتے ہیں۔ اُس انسان یا قوم کو دُنیا میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ انسان خود آنند کا بھنڈار ہے۔ دائمی سُرور اُس کی وراثت ہے۔ ہر انسان میں لاانتہا شکتی موجود ہے۔ صرف کوشش کرنے اور کھوجنے کی ضرورت ہے۔ وسعتِ قلب یعنی ہمدردی و محبت کا دائرہ بڑھ جانے سے کُل کائنات اُس کی چاکری کرتی ہے۔ اور عوام الناس کی محبت کا نشو و نما اور اُس کا وسیع دائرہ ہی انسان کو ایک جسم کی قید سے ہمیشہ کے لئے رہائی دیتا ہے۔ ان خیالات کی اشاعت رام کا مشن تھا۔ اور جب تک جسم و جسمانیت کی بُو باقی رہی اُس دم تک وہ اپنے قول و فعل سے یہی عملاً سکھاتے رہے۔ امریکہ سے واپس آنے کے بعد رام بادشاہ کا شروع میں یہ خیال تھا کہ ہمالیہ کے کسی وسیع دامن میں ایک ویدانت کولونی قائم کی جائے۔ جس میں طلباء کو دولتِ برہم ودّیا سے مالا مال کر دیا جائے۔ جو بعد تعلیم پانے کے ویدانت کا پرچار اپنے عمل سے کر سکیں۔ اور خاص کر سادھو برہمچاری اس میں داخل کیے جاویں۔ جو علاوہ تعلیم مذہبی کے خود کھیت بونے و کاٹنے کا کام کرنا بھی بسر و چشم منظور فرما دیں۔ تاکہ یہ آشرم دولتمندوں سے زر مانگنے کا محتاج نہ رہے۔ مگر افسوس کہ رام بادشاہ کی عمر نے وفا نہ کی۔ ہری اِچھا! یہی تمام کو

منظور ہوگا ۔

یہ تھے ہمارے ویدانت کے شیر ببر۔ گلشن فصاحت کے باغبان اور قدرت کاملہ کے برگزیدہ رکن۔ جنہوں نے تمام مرحلے اور مدارج طے کرنے کے بعد برہم میں وصل اختیار کیا۔ طالبان حق اور خاصکر رام کے پیارے (متقلد) سوامی جی کی قابل تقلید زندگی سے نہایت مفید سبق سیکھ سکتے ہیں۔ رام کے پریمیوں کی نگاہ میں گو رام کا وجود غائب ہو۔ مگر خود رام بادشاہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ دیکھو دیکھو ۔

نغمے سُریلے اوم کے ہیں اس سے آرہے
ندّیاں پرندے یاد میں ہیں سُر ملا رہے

اوم! اوم!! اوم!!!

"نارائن"
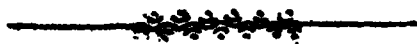
باب چہارم

تذکرۂ رام

(از قلم عاشقانِ رام)

سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کے مشن پر ایک سرسری نظر

از

(منشی گنگا پرشاد صاحب ورما ایڈیٹر ہندوستانی لکھنؤ)

سوامی رام تیرتھ - سوامی رام - یا رام بادشاہ کہ جن ناموں سے وہ سنیاسی مشہور تھے جس نے دسمبر ۱۹۰۴ء میں امریکہ سے واپسی اور تین سال قبل روانگی شمال ہند اور خصوص ہمارے صوبہ جات اور اسکے حصّہ جانب کہسار میں غلغلہ سا پیدا کردیا تھا کون بزرگ تھے اور ان کا کیا مشن تھا - ہرایک سنیاسی کے گرہست آشرم کی نسبت واقفیت کی جستجو کرنے والی طبیعتیں کچھ نہ کچھ پوچھتی رہتی ہیں - پس کوئی حیرت نہیں ہے کہ سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کی نسبت یہ سوال مختلف مقامات سے پوچھا جائے - اس سوال کا جواب دینا کچھ مشکل نہیں ہے - کیونکہ سوامی جی مہاراج نے کبھی اپنی گرہست آشرم کی زندگی پر پردہ نہیں ڈالا اور نہ

اُس کے ذکر سے پرہیز کرتے تھے۔ جس طرح سے ہر نوجوان کی زندگی گذرتی ہو۔ آپ کی بھی گذری۔ کسی کی کم۔ آپ کی زیادہ کامیاب۔ دولتِ علم سے یہاں تک مالا مال کہ مُلک کے چند اعلیٰ درجہ کے ذہین ریاضی دانوں میں آپ کا شمار تھا۔ ملازمت سرکاری میں جو شاخ آپ نے پسند کی تھی اس میں بحیثیتِ پروفیسر وہ عروج حاصل کیا جس حد تک آپ کی عمر کا کوئی نوجوان حاصل کرسکتا تھا یا پہنچ سکتا تھا۔ خوش قسمتی یہ کہ گرہست آشرم کے چھوڑنے کے وقت تک والدین کا سایہ سرپر رہا۔ اور مثل خوش نصیب والد کے لائق اولاد سے خود مالا مال تھے۔ گوجرانوالہ کے باشندہ۔ گوسائیں خاندان کے فخر۔ اور پھر کس خاندان کے؟ جس کے مُرید تمام پنجاب میں ہزاروں کی تعداد سے پھیلے ہوے ہیں۔ یہ وقت سوامی جی کی سوانح عمری لکھنے کا نہیں ہو۔ سوانح عمری لکھنے والے اس عارف کے درجنوں مختلف زبانوں میں پیدا ہوں گے۔ وہ اُن کے موجودہ تحریر کے ۷۲ سالہ گرہست آشرم لڑکپن۔ طالب علمی۔ سن بلوغ۔ ملازمت وغیرہ کے زمانے کے واقعات پر بحث کرینگے اور دکھلا دیں گے کہ کیونکر اوائل عمر ہی سے آنے والے حیرت انگیز تبادلات اور تغیرات کی خبر معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ زندگی کا ہر معمولی واقعہ اس روحانی زندگی کا پتہ دیتا تھا جو سوامی جی نے اختیار کی تھی۔ کسیقدر گرہست آشرم کا ذکر کرکے ہم کو یہاں یہ دکھانا مقصود ہو کہ دُنیا میں ناکامی یا کسی سخت غم نے سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کو اُس زندگی کی طرف متوجہ نہیں کیا تھا جو اُنھوں نے عین ابتدائے شباب میں ۲۷ یا ۲۸ برس کے سن میں اختیار کی۔ سرور روحانی میں مست

اپنے بھائیوں کو جو آپ ہی کے دوسرے سُروپ ہیں۔ اگیان اور جہالت
میں مبتلا دیکھ کر اس سُرور میں جو صرف خداوالوں ہی کو حاصل ہوتا ہے۔
بیداری اور حقیقت سے واقف کرنے کا کام اپنے ذمّہ لیا۔ جس کے
لئے اس دُنیا میں آپ نے خاکی جسم قبول کیا مشن آپ کا کیا تھا؟ انسان
کو بیدار کرنا کہ وہ جسم جسمانیت تک اپنے تئیں محدود نہ سمجھے۔ بلکہ اس
حقیقت کی واقفیت سے کہ وہ آنند سُروپ ہے۔ آنند کا بھنڈار ہے
خود دائمی سُرور حاصل کرے اور دوسروں کو دُنیاوی تردّدات و تفکرات
سے اصلی آزادی کا وہ راستہ بتائے جو راستہ کسی خاص قوم یا مذہب کے
لئے مخصوص نہیں ہے۔ اور نہ صرف پڑھے لکھوں عالموں یا واعظوں کی
میراث ہے۔ یہ سمجھ کر انسان میں لا انتہا شکتی موجود ہے۔ وہ ان شکتیوں
کو رکھ کر اپنے تئیں جسمانی یا روحانی طور پر کسی کا غلام نہ سمجھے ـــ
اور یہ محسوس کرے کہ اس کے خیالات کی دُنیا ظہور ہے اس کے گرد و
نواح اسباب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اگر خراب سامان ہیں تو اُسی
کے خراب جذبات کا نتیجہ ہیں۔ اُن خرابیوں کے دفع کرنے کی کوشش
کرے جن سے وہ دُنیا کے ظاہری دُکھ اور رنج کم کرسکتا ہے۔ سوامی
رام تیرتھ جی کوئی نئی تعلیم سکھانے نہیں آئے تھے۔ یہ تعلیم ویسی ہی
پُرانی ہے۔ جیسے ہندوستان میں ہمالیہ پہاڑ اور دریائے گنگ اور جمن
پُرانے ہیں۔ مگر طریقہ تعلیم اُن کا نرالا اور عقل کو اپنی ہی غلامی سے آزاد
کرنے والا تھا۔ دائمی آنند و سُرور کے لئے انانیت کا مٹانا۔ خودی کا
دور کرنا لازمی تھا۔ جو سوامی جی نے اپنے جسم سے بالکل ہی نیست
و نابود کردی کہ اس کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا ـــ ادنیٰ خواہشوں کی

غلامی کا نام و نشان باقی نہ تھا۔ غصہ۔ نفسانی خواہشات ۔طمع جلا کر نابود کر دی گئی تھیں۔ جنہوں نے آواز میں وہ اثر۔ چہرے پہ وہ جلال اور جسم میں وہ قوت پیدا کی تھی کہ ہر طبیعت جس پہ پریم کے رنگ نے ذرا بھی اثر کیا ہو فوراً مؤثر ہوتی تھی اور ہزار ہا بندگانِ خدا سے جو باہم مذہبی اختلاف رکھتے ہیں یہ کہلا لیا تھا کہ اگر پرمیشور کے درشن بغیر مُورتی پُوجن کے نہیں مل سکتے ہیں تو ہم کیوں نہ اس جیتی جاگتی بولتی چالتی مُورت کی ساکار پوجا کریں؟ یا امریکہ میں راسخ الخیال عیسائیوں کی زبان پر یہ فقرہ آہی تو گیا کہ ہم بائیبل میں صرف عیسیٰ کا ذکر سُنتے ہیں۔ کیوں نہ ہم اس عیسیٰ نما انسان سے محبت کریں؟ تمام خواہشات دُنیاوی سے آزاد ہو۔ اپنے جسم سے جو ان تمام آراموں اور آسائشوں سے بنا ہُوا جو ایک شریف متوسط درجے کے گھرانے میں مل سکتا ہو۔ مگر وہ تمام صعوبات برداشت کئے ہوئے کہ جو جسم برداشت کرسکتا ہو گرمی میں گرمی نہ ماننے والا اور سردی میں سردی برداشت کرنے والا ہر گھڑی حالتِ وجد یا سُرور میں مست۔ سوامی رام تیرتھ جی وہی کام کر رہے تھے جو بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب نے کئے تھے۔ گو اس کو کسی قدر مبالغہ کہا جائے مگر اس کے اس قدر کہنے میں ہرج نہیں ہو کہ تاریخ ہند بمثل دیگر بڑے پیشوایانِ مذہب کے مُلک کی بہتری کے لئے زمانہ کے دامن پر آپ اپنا نشان لگا گئے ہیں۔

پیشوایانِ مذہب سے یہ مطلب نہیں کہ وہ کوئی نیا مت قائم کر گئے۔ وہ کوئی جدید گروہ پیدا کر گئے۔ نہیں۔ انانیت سے وہ دُور تھے۔ اُن کا مشن صرف یہ تھا کہ ہندوستانی صرف اپنی پچھلی غلطیوں سے واقف

ہوکر بیدار ہوں اور اپنی رُوحانی بہتری اور مُلک کو موجودہ مصائب سے اپنی لاانتہا قوتوں کو کام میں لاکر خود خوش ہوں۔ چونکہ بھگتی عشق و پریم کی بنیاد قائم کرتا ہے وہ کسی خاص ذات اور مذہب پر محدود نہیں ہے۔ ہر ایک گروہ میں محبت پیدا کرانے کا دعویدار ہے۔ چونکہ دنیا کی راحتوں کو اصلی راحت دُنیا کی نیکنامی اور شہرت کو اصلی نیکنامی نہیں سمجھنے والا ہے۔ لہذا ان قومی تعصبات کو مٹانے والا ہے۔ جن سے ملبوس ہوکر لوگ سایہ کے پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں۔ ادائے فرض کو بہترین مذہب قرار دے کر سوامی جی مہاراج لوگوں کو کرم کانڈ کے جھگڑوں سے آزادی دلاکر چاہتے تھے کہ اگر کرم کانڈ یا یگ کرنا ہے۔ تو یہ یگ کیا جائے کہ اپنے سے کم واقف اپنے ہی سُروپوں کو جو ذات واحد سے جُدا نہ ہوکر بھی ناواقفیت سے جُدا سمجھ بیٹھے ہیں۔ حقیقت سے واقفیت کے لئے بیدار کیا جائے۔ اپنی قسمت یا پراربدھ کے خود بنانے والے ہوکر انسان سے سوامی جی مہاراج کہتے ہیں کہ سوشل۔ مذہبی اور پولیٹکل غلامی محض بیجا خواہشات کا نتیجہ ہے۔ لہذا ان خواہشات کی کمی کی جائے اور بلا غرض ادائے فرائض کو بہترین مذہبی خدمت سمجھ کر وہی سچی عبادت معبود سمجھی جائے۔ اپنی انانیت مٹاکر اپنا وجود علٰحدہ نہ سمجھ کر انسانیت کی بہتری اور ترقی کے لئے جسمانیت نثار کردینا زندہ جاوید ہے۔ یہ تعلیم سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کی تھی۔ جو شہر بشہر پھیلاتے ہوئے وہ گھومتے تھے۔ ویدانت کے خلاف بڑا الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ وہ انسان کو مُردہ بنا دیتا ہے۔ مگر سوامی جی کی تعلیم نئی زندگی پیدا کرنے والی اور نئی روح ڈالنے والی تھی۔ گھر میں دوا بھری بوتلیں رکھنے سے جس طرح سے

کوئی مریض صحت کُلی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ اسی طرح سے تمام خواہشات میں مبتلا انسان زبان سے اپنے تئیں برہم کہکر آزاد نہیں قرار دے سکتا ہے۔ اُسی طرح سے کرم کانڈ کی پابندی۔ مذہبی کُتب کے حوالجات اُن میں وشواش یا ایمان لانے سے بلا صفائی قلب اور بلا اس خیال کو عمل میں لائے ہوئے کہ "وہ جسم و اسم سے بری ہے۔ وہ جسمانیت نہیں ہے" ہرگز اصلی آنند کو حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ جسم کو کسی اعلیٰ غرض کے حُصول کے نثار کر دینا یہ یقین کر کے کہ "ہم نہ کبھی مرتے ہیں اور نہ مریں گے جسم کے ساتھ ختم نہ ہوں گے" اس جسم کی پروا نہ کرتا اور نشکام لگا دینا ایک ذریعہ حقیقت کی واقفیت حاصل کرنے اور آنند حاصل کرنے کا ہے۔

ضرورت ہے کہ انسان محسوس کرے کہ وہ خود وہی نور ہے جس نے تمام دنیا کو منوّر کر رکھا ہے۔ ضرورت ہے کہ وہ سمجھے کہ پڑوسی ہندو یا مسلمان غیر نہیں ہے۔ بلکہ اپنا نور ہے۔ یہ سمجھکر کہ خدا کا اعلیٰ مندر یا معبدگاہ جسم و اسم انسانی ہے۔ کہ وہ کسی جسم انسانی کی بے عزتی دیکھ کر۔ اپنے سے حقیر دیکھ کر بجائے خوش ہونے کے اپنے آنند میں خلل سمجھے۔ عملی زندگی۔ نہ کہ زبانی دعوے کی ضرورت ہے۔ مذہب مذہب پکارنے سے نہیں بلکہ عمل کرنے سے انسان سُرور سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ مذہب سے بے خبر رہکر بھی انسان اپنی انانیت مٹا کر اپنے تئیں علٰحدہ نہ سمجھ کر روحانی آنند حاصل کر سکتا ہے۔ سوامی جی کی خود ذات نے اس تھوڑے سے عرصہ میں ایک ہلچل سی پیدا کر دی تھی۔ ہندوستان اور امریکہ میں آپ کے سچے بھگتوں کی تعداد ہزاروں تک پہونچ گئی جن کی

زندگی پر آپ نے گہرا اثر پیدا کیا تھا۔ اس گروہ میں اُن لوگوں کا شمول ہو دنیا کی مستعدیوں میں پورا حصّہ لے رہے اس الزام کو جھٹلا رہا ہو کہ ویدانت لوگوں کو مُردہ بناتا ہو۔ پرمہنس رام کرشن اور سوامی ویویکانند مشن کلکتہ کی تین شاخیں۔ بنارس میں سادھووں کا آشرم کنکھل میں سپتال مایاوتی میں۔ آشرم بتلاتے ہیں کہ یہ الزام غلط ہو کہ ویدانت لوگوں کو بےحس و حرکت کر دیتا ہو۔ سوائے مذہبی جوش۔ خیالِ خدمت اور اس کامل یقین کے کہ خدمت ہی میں راحت ہو کون شئے دنیا چھوڑے ہوئے تعلیم یافتہ سنیاسیوں کو راضی کرتی ہو کہ وہ طاعون زدہ مریضوں کی خدمت کریں۔ گلیاں صاف کریں۔ غربا کی تیمارداری اور سنیاسیوں اور جاتریوں کی مدد کریں۔

یہ موقع نہیں ہو کہ تمام اعتراضات کا یہاں ذکر کیا جائے جو تعلیم ویدانت پر کئے جاتے ہیں۔ صرف اس قدر کہنا کافی ہو کہ سوامی جی کا ویدانت اُس ویدانت سے بالکل مختلف تھا جو بے حرکتی کی تعلیم دیتا ہو۔ سوامی جی تو جانتے ہی تھے کہ ترقی کا نام ہی زندگی ہو۔ جو انسان ترقی کی خواہش نہیں کرتا ہو وہ دنیا سے مفقود ہو جاتا ہو۔ جن اقوام نے اپنی حالت پر اطمینان کر لیا ہو۔ جنھوں نے ترقی کی کوشش نہیں کی ہو جنھوں نے آگے بڑھنے کی خواہش نہیں کی ہو وہ مٹ گئیں اور مٹتی جاتی ہیں۔ جب قدرت سے پیدا ہوکر انسان کے سامنے ترقی کے لئے میدان وسیع ہو تو جو اقوام یا لوگ اپنے تئیں کسی خاص منزل تک پہنچکر آگے بڑھنا نہیں جانتے ہیں گرتے ہیں۔ اور بہتے ہوئے دریائے زمانہ میں گم ہو جاتے ہیں۔ ترقی کے لئے ہر گھڑی اور ہر ساعت حرکت ضروری ہو۔ اور جب کبھی اس سے غفلت

کی گئی ہے قومیں اور ملک تباہ ہوگئے ہیں۔ کیسی ہی حالت میں کوئی قوم ہو۔ ماتحتی میں یا آزاد۔ اس کے لئے ترقی کا میدان وسیع ہے۔ اگر جسم ماتحتی میں ہے۔ ظرفوں میں مقید ہے۔ تو روح آزاد ہے اور اُس کی ترقی کو جس پر تمام ترقی کا دار مدار ہے۔ کوئی روک نہیں سکتا ہے۔ نشکام کرم یعنی بلا خواہش نتیجہ نیک اعمال ترقی کے لئے بہترین سیڑھی ہیں۔ جو سوامی رام تیرتھ جی مہاراج سب کے سامنے پیش کرتے اور چاہتے تھے کہ کسی کی شہادت پر نہیں خود محسوس کرکے۔ کسی کتاب یا کلام کی پیروی میں نہیں بلکہ اپنی عقل پر بھروسہ کرکے اُس سے لوگ کام لیں۔ اور ہندوستان کو ان تمام ممالک کے ساتھ ترقی کے میدان میں لائیں۔ جن ممالک میں دیکھنے کو چاہے ہمارے یہاں کے مثل مذہب مذہب کی پکار نہو۔ مگر روز مرہ زندگی میں حقیقت پر عمل ہے۔ جو قومیں جس قدر فروعی پابندیوں سے آزاد ہیں۔ جو ضرورت کے وقت قائم کی گئی تھیں۔ جو قومیں اپنی بنائی ہوئی خود غرضی کی دیواروں نے جسقدر کم ایک انسان کو دوسرے انسان سے علٰحدہ سمجھتی ہیں۔ جو کم خود غرضی کی زندگی گزارتی ہیں۔ وہی روحانی ترقی کرتی ہیں۔ اور حسب خواہش مادّی ترقی میں قدم آگے بڑھاتی ہیں۔ خود غرضی۔ انانیت اور تعصب قوموں کو اسی طرح تباہ کردیتا جس طرح کہ کسی خاندان یا شخص کو تیاگ۔ ایثارِ نفس ترقی کے ذرائع ہیں۔ جن لوگوں میں جتنی قوت تیاگ ہے اتنی ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ لہذا تیاگ دُنیاوی پدارتھوں کا بہترین ذریعۂ ترقی ہے۔

سوامی جی مہاراج کسی نئے گروہ یا فرقہ کی بُنیاد ڈالنی نہیں چاہتے تھے۔ مت متانتر کی ملک میں کمی نہیں ہے۔ وہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ

کوئی قیامت قائم ہو۔ وہ اسکے خلاف تھے کہ نئی چار دیواری کھڑی کرکے وہ اُس تعلیم سے ایسے لوگوں کو محروم کریں جو چار دیواری کے اندر نہیں رہ سکتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اسکی ضرورت تھی کہ ارگانیزیشن کی خوبیاں سے جس کے فتوحات نے مغرب میں بہت اثر کیا ہے۔ سوامی جی فائدہ اُٹھانے اور ایک جگہ مرکز قرار دیکر اُن تین گرد ہوں میں بیداری پیدا کرنے کا کام اپنے ذمہ لیتے جن میں بیداری پر مُلک کی ترقی منحصر ہے۔ بچے بالے۔ عورتیں۔ اور سادھو رام مہاراج کی خاص توجہ کے مستحق تھے اُنہیں کی اصلاح سے مُلک کی اصلاح ہوتی ہے۔ جس روز سے آپ نے گرہست آشرم چھوڑا۔ زر کی طرف آپ نے نگاہ نہیں اُٹھائی۔ تمام دنیا سفر کر آئے مگر روپیہ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ روپیہ ہر جگہ غلامی کرنے کو خود حاضر تھا۔ وشنو خوش۔ لکشمی ہر جگہ آپ کی تابعداری کو حاضر تھی۔ لکشمی امریکن مردوں اور عورتوں۔ ہندوستان کے مہاجنوں زمینداروں اور والیانِ مُلک کی صورت میں مہاراج کی زبان کے اشارے کی طرف دیکھ رہی تھی ـــ کہ میں کوئی خدمت کر سکوں۔ مُلک کے نوجوان تعلیم کے بھو کے صدہا کی تعداد میں سجدہ کرنے کے منتظر تھے۔ سادھو آپ کی صحبت میں وقت گزارنا اپنی خوش نصیبی سمجھتے تھے۔ ہردوار۔ رکھی کیش۔ اوتر کاشی میں کون لکھا پڑھا سادھو ہے جس کے دل پر مہاراج نے کچھ نہ کچھ اثر نہیں کیا۔ کتنے سادھو ہیں جو خدمت انسان میں زندگی صرف کرنے کو تیار نہیں تھے۔ میدان چھ سات سال کی کوشش میں تیار ہوگیا۔ تخم ریزی کی ضرورت تھی۔ ہندوستان کی خوش قسمتی ہے کہ سوامی رام تیرتھ جی مہاراج نے اپنی جسمانیت اُس پر نثار کردی تھی اس سے بڑھ کر

کون جگ ہو سکتا تھا۔ اِس جگ کے بڑے بڑے پھل حاصل ہوں گے
چاروں طرف اس جگ کی دھوم ہو۔ اس جگ میں اپنی انانیت کی
آہوتی ڈال کر شریک ہونے کے لئے ملک کے نوجوان تیار ہوں۔ سوامی جی
کا آئیڈیل پیش نظر رکھ کر اپنے تئیں مادر ملک پر نثار کرنے والے ہیں۔
وہ دن آئیگا۔ کہ اس قسم کا جگ ہر شہر میں ہوگا۔ اور ایثار نفس کرنے
والے لوگ ہر دیہہ اور ہر قصبہ میں پائے جائینگے۔ مگر جگ کرانے
والوں کی ضرورت ہو۔ جب تک سوامی رام تیرتھ جی مہاراج اس دنیا
میں رہے انہوں نے اس ضرورت کو پورا کیا۔ ہزارہا بلکہ ہم کہہ سکتے
ہیں لاکھوں آنکھیں آپ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ پریم سے پریم اور
آنند سے آنند پیدا ہوتا ہو۔ آپ کے چہرے کو دیکھ کر بشاشت اور
آپ کے سچے عشق کو دیکھ کر طبیعت بھر آتی تھی۔ اُس دن کا انتظار ہو
کہ پریم اور آنند کی دھاریں ایک جگہ سے تمام ملک میں بہیں اور
ملک کی طرف بیداری میں مصروف ہوں۔ ہندوستان کا ہر فرد بشر
سمجھے کہ اُس میں لاانتہا ترقی کرنے کی قوت موجود ہو۔ کوئی قوت
اس کو ترقی سے نہیں روک سکتی ہو۔ کوئی رکاوٹ اُن بہادروں
کو آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتی ہو۔ جنہوں نے عزم کرلیا ہو
کہ ہم آگے قدم بڑھائیں گے۔ جو سمجھتے ہیں کہ آگے قدم مارنے
میں اگر یہ جسم نہ بھی رہے تو ہرج نہیں کیونکہ ہم اس جسم کے ساتھ
نہیں مریں گے۔ ہندوستان جس میں آج بھی ہزارہا انسان ہر سال
دائمی سرور کے حصول میں جان دیتا ہو بہترین ذریعۂ نجات کے
حصول میں سخت سے سخت محنت برداشت کرتا ہو صعوبتیں

اُٹھاتا ہی - تمام عمر کی کمائی نثار کر دیتا ہی - سمجھے - خالی سمجھے ہی نہیں - بلکہ عمل کر کے دیکھ لے کہ نجات ہر انسان کے ہاتھ میں ہی - بشرطیکہ وہ جانے کہ میں کون ہوں اور میری حقیقت کیا ہی ؟ -

تذکرۂ رام

از

(رائے بہادر لالہ بیجناتھ صاحب - بی - اے)

یہ عام قاعدہ ہی کہ دھرم ہر زمانہ کا مختلف ہوتا ہی - جو دھرم ست جگ میں تھا وہ اب نہیں ہی - یہ قاعدہ گرہستوں سے بھی ایسا ہی متعلق ہی - جیسا کہ سنیاسیوں سے - چنانچہ پہلے زمانہ میں سنیاسی جنگلوں میں رہکر اپنے شِشوں (شاگردوں) کو برہم وِدیا پڑھاتے تھے پھل پھول کھا کر گذران کرتے تھے - لوگ اُنکے پاس برہم وِدّیا سیکھنے جاتے تھے اور کبھی کبھی راجاؤں کی سبھاؤں میں جاکر اُن کو اپدیش کرتے تھے - اور اُن کے نقص ظاہر کرتے تھے - یعنی وہ کام کرتے تھے - کہ جو آجکل اخبار کرتے ہیں - مثلاً نارد جی نے راجہ جودھشٹر سے جب اُنکو اندر پرست یعنی دہلی کا راج ملا - جاکر تفصیل کے ساتھ پوچھا کہ تم اپنی رعایا کی حفاظت کے لئے کیا کیا کرتے ہو - آیا تم میں وہ چوّدہ عیب دکھ جن سے ریاستیں تباہ ہوگئیں) ہیں یا نہیں - یعنی ناستک پن دکفر) - جھوٹ - غصّہ - غفلت - تساہل - لئیق آدمیوں سے اجتناب - سستی طبیعت کا یکسو نہ ہونا - صرف ایک آدمی کے مشورہ پر اکتفا کرنا - ایسے لوگوں سے مشورہ کرنا جو مشورہ دینے کے ناقابل ہوں - ایک مقرری بات کو پورا

افشائے راز کرنا۔ نیک کام کو پورا نہ کرنا۔ بلا سوچے کسی کام کو کرنا۔ اِن بُرائیوں سے وہ ریاستیں بھی کہ جو مضبوط تھیں تباہ ہوگئیں +

اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ نہ وہ سنیاسی ہیں۔ نہ گرہست ہیں۔ بلکہ آجکل کے سنیاسیوں کو بھی مثل گرہستوں کے چلنا پڑے گا۔ یعنی اپنے خیالات کو نہ صرف مشرقی بلکہ مغربی سائینس اور فلسفہ سے پُر کرکے نہ صرف گوشہ نشینی میں۔ یاد الٰہی میں۔ یا مباحثات لفظی میں۔ یا مٹھوں یا دعوتوں میں (بھنڈاروں میں) ہمیشہ اپنا وقت صرف کرنا۔ بلکہ دُنیا میں۔ بکہ اُسکے لوگوں کو اپنے نیک برتاؤ و نصیحتوں سے بہرہ ور کرنا پڑیگا۔ ایسے سادھوؤں میں سوامی رام تیرتھ جی تھے اُن کو جو تجربہ غیر ملکوں میں حاصل ہوا وہ ان لیکچروں میں جو مختلف رسالوں میں شائع کیئے گئے ہیں۔ اس غرض سے ظاہر کیا گیا ہو۔کہ ہندوستان کی ترقی میں اُس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہو +

سوامی جی مہاراج ایک معزز برہمن خاندان پنجاب کے رہنے والے تھے۔ آپ نے ۱۸۹۵ء میں پنجاب یونیورسٹی میں ڈگری پائی اور علم ریاضی کے پروفیسر ہو کر ایک عرصہ تک لاہور میں رہے۔ ۱۹۰۰ء میں آپ نے محض اس غرض سے کہ برہم ودیا کتابی بات نہیں ہو۔ بلکہ عملی چیز ہو۔ تمام تعلقات کو چھوڑ کر ہمالیہ کے جنگلوں میں اور نیز گپھاؤں میں علیحدہ رہنا اختیار کیا اور ایک عرصہ کی ریاضت سے یہ جان لیا کہ جو شی کتابوں میں لکھی ہو۔ وہ محض خیالی نہیں ہو۔ بلکہ اصلی اور عملی ہو۔ پھر پہاڑ سے اُتر کر متھرا۔ آگرہ۔ لکھنؤ۔ وغیرہ میں بہت سے ویاکھیان دیئے۔ اور اگست ۱۹۰۲ء میں آپ جاپان ہوتے ہوئے امریکہ میں پہونچے۔ وہاں پر آپ ڈھائی برس کے قریب رہ کر پھر ہندوستان میں تشریف لائے۔

ملہ اسپیکر کتابی صورت میں آگئے ہیں۔ دیکھو خم خانہ جلد سوم۔

آپ کو یورپ کے سائنس اور فلسفہ سے ویسی ہی واقفیت تھی کہ جیسے
ہمارے یہاں کے شاستروں سے۔ پس جو کچھ آپ نے فرمایا وہ سب تجربہ
کا نتیجہ تھا اور اُمید ہے کہ اُن کے اُپدیش پر ہم سب لوگ عمل کرنے کی
کوشش کریں گے۔

سوامی جی میں بھگتی یعنی عبادت اور گیان دونوں اس خوبصورتی سے
تھے کہ جو اکثر لوگوں میں کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ اُن کو تصنیفات مولانا روم
شمس تبریز۔ اور حافظ وغیرہ میں اتنا درک تھا کہ جتنا کینٹ۔ ہیگل۔
فکٹی۔ شوپن ہار۔ اسپینوزا عقلائے جرمنی میں۔ سقراط و افلاطون
یونان میں۔ وکار لائل۔ کوپر۔ ٹینیسن وغیرہ انگلستان میں۔ ایمرسن۔
وتھورو و والٹ وٹمین وغیرہ امریکہ میں۔ اپنشد اور اُس کے
شرح کرنے والے شنکر و نانک۔ کبیر۔ گوتم۔ بلّا شاہ وغیرہ ہندوستان
میں ہیں۔ اُنہوں نے جو نتیجے ان سب کے کلاموں پر غور کر کے
نکالے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایک تعلیم یافتہ آدمی اگر حقیقت
کے معلوم کرنے کی طرف متوجہ ہو تو وہ معلوم کر کے دوسروں پر
کس خوبصورتی و خوش اسلوبی سے اُس کو ظاہر کر سکتا ہے۔ یہ
حقیقت تمام ملکوں میں تمام زمانوں میں ایک ہی ہے اور ایک ہی رہیگی۔
صرف اس کے ظاہر کرنے کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں، اور جو کچھ
نقص اس کے اظہار میں ہو سکتا ہے وہ اس وجہ سے کہ انسان اسم
وجسم میں مقید ہو کر اُس کو ظاہر کرتا ہے۔ پس اگر اس شخص کا جو اس
حقیقت کو ظاہر کرنا چاہے آئینہ دل ایسا میلا ہو کہ جس میں اُس کا
عکس صاف نہ پڑ سکے تو اُس کا اظہار بھی اس حقیقت کا ناقص ہوگا۔

اگر اس کا آئینۂ دل صاف ہوگیا تو اُس کا اظہار ویسا ہی صاف ہوگا۔ یہی فرق اُن لوگوں میں ہی۔ کہ جو مشاہدہ سے حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور اُن لوگوں میں کہ جو مطالعہ یا سماعت سے ۔

انسان کے لئے محض وہ اشیاء جو حواس خمسہ سے جانی جاتی ہیں اصلی نہیں ہیں بلکہ اُن سے زیادہ تر ایک اور چیز اصلی ہو کہ جو نہ حواس خمسہ کے حیطۂ اختیار میں ہو۔ نہ زبان سے کہی جاسکتی ہو۔ نہ خیال میں آسکتی ہو۔ وہ شئے کیا ہو؟ اُسکو کوئی ظاہر نہیں کرسکتا۔ صرف اُسکو دور سے استعاروں ہی کے ذریعہ سے ظاہر کیا جاسکتا ہو یا یہ کہا جاسکتا ہو کہ وہ یہ نہیں ہو یہ نہیں ہو۔ یہی طریقہ ہمارے یہاں کے تمام شاستروں میں ویسا ہی اختیار کیا گیا ہو۔ جیسے کہ یورپ کے فلسفہ میں۔ چنانچہ مہابھارت میں کہا گیا ہو کہ وہ شئے جو حقیقت ہو دیدوں سے نہیں جانی جاتی ۔ تاہم دید اُس کے بتلانے کے ذریعہ ہیں ۔ جیسے کہ دُوج کے چاند کو دکھلانے کے لئے کسی درخت کی شاخ دکھلائی جاتی ہو اور کہا جاتا ہو کہ اُس شاخ سے پرے جو ہو وہی چاند ہو۔ ایسے ہی یہ تمام فلسفہ اور مذہبی کتابیں اور ہادیانِ مذہب صرف شاخ نظر جانے کے لئے ہیں۔ اُس سے آگے ہر شخص کو خود اپنی صفائی دل و ریاضت سے حقیقت کو پہونچنا پڑتا ہو۔ اسی غرض سے تمام مذہبوں میں ترک و راستی و ایمان داری و نیک برتاؤ و ریاضت پر اس قدر اصرار کیا گیا ہو۔ مطلب سب کا یہ ہو کہ انسان اوّل اپنے فرائض دنیاوی کو بلا لحاظ ذاتی فائدے و نقصان کے ادا کرے۔ محض یہ سمجھ کر کہ اُن کا ادا کرنا اس کا فرض ہو۔ دوئم وہ جو کچھ کرے وہ ایشور کے

ارپن یعنی خدا کی راہ میں کرے۔ تیسرے ہمیشہ اُسی کا خیال۔ اُسی کی
عبادت۔ اور اُسی کے ذکر سے اپنے دل کو دُنیا سے ہٹا کر اُس کی طرف
مضبوط باندھے۔ اور چوتھے تمام محسوسات کو بھول کر آخر میں اُس سا
یعنی وہی ہو جائے۔ یہی تمام دُنیا کے مذاہب کا اصلی و آخری منشا ہے۔
چنانچہ مہابھارت میں کہا گیا ہے کہ دھیر یعنی۔ عارف لوگ وہیں پر
قیام کرتے ہیں کہ جہاں سب کی جڑ ہے۔ بیچ میں قیام نہیں کرتے۔ سب
کے آخر میں ٹھہرنا ہی اصلی بہبودی ہے۔ جو کچھ حقیقت ہے وہ بیچ میں ہی
ٹھہرنے میں ہے۔ پس چھوڑ دو خیالِ دھرم و ادھرم کو۔ چھوڑ دو خیال
راستی و جھوٹ کو۔ اور ان دونوں کو چھوڑ کر اس خیال کو بھی چھوڑ دو
کہ جس سے اُن کو چھوڑا تھا۔ یعنی سب خیالات کو اپنے دل سے ہٹا کر
دھرم اور ادھرم۔ راستی و جھوٹ کو دل سے ایسا دُور کر دو کہ وہ شئی
جو حقیقت ہے اس میں محو ہو جائے اور پھر یہ خیال کہ وہ محو ہو گیا
اُس کو بھی اُڑا دو۔ یہی مذہب و فلسفہ کی علّت غائی ہے اسی پر تمام
عبادت و علم کا اختتام ہے اور اسی کو ان لیکچروں میں ظاہر کیا گیا ہے۔
لفظ دھرم سے جیسا کہ سوامی رام تیرتھ جی کہتے تھے مراد یہ ہے کہ
اپنے فرض کو فرض جان کر بلا لحاظ ذاتی نقصان و فائدے کے ادا کرو
اور فرض اولیٰ یعنی آتم کرپا سے یہ مراد ہے کہ اپنے آتما کو جو حقیقت
ہے اُس کو سب کا آتما یعنی سب میں حاضر و موجود دیکھو۔ اور وہ پردہ
خودی خود بینی کا جو تم کو دُوسروں سے علیحدہ کرتا ہے اس کو توڑ کر نام
و رُوپ یعنی اسم و جسم کی قید سے آزاد ہو کر جیسے تم در اصل ہو ویسے
ہی ہو جاؤ۔ جتنا تفرقہ یا مغایرت ایک قوم یا ایک فرقہ مذہب کا

دوسرے قوم یا فرقہ مذہب سے ہے۔ وہ محض اس وجہ سے ہے کہ انسان نے خود اپنے جہل سے اپنے تئیں اُس قید میں کہ جس میں اُسکو نہیں ڈالنا چاہیئے۔ ڈال لیا ہے۔ اسی سے یہ تمام قصہ مَیرے تیرے کا ہے۔ جب یہ جہل علم حقیقی کی شرح سے مثل کافور کے کافور ہو جائیگا۔ تو پھر یہ کہنا کہ تم ہندو ہو اور میں مسلمان ہوں یہ عیسائی ہے اور وہ یہودی ہے کہاں رہیگا۔ یہی مطلب سوامی رام جی کے مضمون اکبر دلی کا ہے۔ یعنی اپنے دل کو ایسا فراخ کرو کہ کوئی جگہ ان چھوٹے و محدود خیالات کی کہ تمہارا مذہب اور ہے و میرا مذہب اور ہے۔ میں تم نہیں، تم میں نہیں۔ باقی نہ رہے۔ یہی طریقہ برتاؤ تمام دُنیا کے رشیوں و پیغمبروں و موجدانِ مذہب کا رہا ہے۔ دُنیا کے لوگ اُن کو از خود رفتہ کہتے ہیں۔ بیشک وہ از خود رفتہ تھے یعنی خودی سے وہ گذر گئے تھے۔ لیکن دُنیا اُن کو اُن کی زندگی میں نہ سمجھی بلکہ اُن کے بعد اُنکو سمجھی اسی وجہ سے سری کرشن جی مہاراج کو شیشوپال دُریودھن وغیرہ نے مکار اور منافق کہا۔ بُدھ کو ناستک بتلایا۔ شنکر کو خفیہ ناستک کہا۔ سقراط کو زہر کا پیالہ پلایا گیا۔ مسیح صلیب پر اور منصور دار پر کھینچا گیا۔ یہ لوگ اُسوقت تو دیوانے خیال کیے گئے۔ مگر اُنہیں کی دیوانگی کے چشمے کی ایک لہر ایسی ہے جو انسان کو زندہ و قائم رکھتی ہے۔ پس ایسے لوگوں کو تو دُنیا کچھ کہے۔ اُن کا کام اُنکے جسم سے علیٰحدہ ہونے کے بعد پھلتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ سچا سنیاسی وہی ہے کہ جو اپنے جسم کو بہبودی انسان کے درخت کی کھاد بنا دے ؂

سوامی رام تیرتھ جی نے جتنے روز کہ وہ امریکہ و جاپان میں رہے۔ اپنی وہی عادت نفس کشی کی رکھی کہ جو ہندوستان میں تھی۔ یہاں تک

کہ عرصہ تک محض سبزی ترکاری کھاکر اور دُودھ پی کر گذارہ کیا۔ ہندوستان میں واپس آکر بھی اُنہوں نے وہی طریقہ جو رشیوں کا تھا جاری رکھا یعنی اس بات کو روا رکھا کہ ویدانت کا جاننے والا سرب بھکشی۔ یعنی بلاقید ہر چیز کا کھانے والا یا سرب ورتی یعنی بلا لحاظ سوسائٹی کے اصولوں کے نیک و بد کی تمیز چھوڑ کر جیسا چاہے ویسا عمل کرنے والا ہو۔ مگر اس سے ایک بڑا سبق ملتا ہے۔ جو اس زمانہ کے سادھوؤں کو سیکھنا چاہیے۔ چنانچہ یوگ واشِشٹ میں کہا گیا ہے۔ کہ گیانی کی یہی علامات ظاہری ہیں کہ اُسکے کام یعنی خواہش نفسانی۔ کرودھ یعنی غصہ۔ لوبھ یعنی طمع۔ موہ یعنی جہل روز بروز کمی پر نظر آویں؛

اسوقت ہمارے یہاں مذہبی فرقوں اور اختلافات قومی کی کچھ کمی نہیں۔ اور زمانہ حال کی تعلیم و نئے نئے خیالات کے بدولت ہر فرقے ہر مذہب کے لوگ اپنے اپنے سوشیل اور مذہبی حالت کو درست کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ ہر جگہ سوسائٹیاں اصلاح مذہبی اور قومی کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کتابیں ان معاملات پر روز شائع ہوتی ہیں۔ ہر سال ہر فرقہ کے لوگ جلسے کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک دیکھا جاتا ہے۔ سوسائٹی اور مذہب کی حالت میں چنداں بہتری نظر نہیں آتی پہلے زمانہ میں جب اتنی سوسائٹیاں اور اتنی کتابیں و اخبار و لیکچر نہیں تھے ایک آدمی مُلک کو ہلا سکتا تھا۔ گوتم بدھ کے وقت کون سی سوسائٹیاں اور اخبار تھے مگر بودھ مذہب آج دُنیا کے سب مذہبوں سے زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ شنکر جی مہاراج ۹ برس کی عمر میں گھر سے باہر نکلکر اکیلے لنگوٹی بند۔ امرکنٹھ میں نربدا کے کنارے گوبند آچاریہ کے شِشّ ہوئے۔ اور پھر پندرہ برس کی

عمر تک بدری ناتھ میں رہ کر وہ سولہ شرمیں (بھاشیہ) اپنشدوں۔بھگوت گیتا و برہم سوتروں وغیرہ پر کیں کہ جو جب تک دُنیا قائم ہے رہیں گی۔ اور نارد کنڈ میں غوطہ لگا کر بدری ناتھ کی مورتی نکالی۔ راقم نے اُس جگہ کو دیکھا ہے۔ وہاں پر جیٹھ کے مہینے میں اسقدر سردی تھی کہ پانی میں ہاتھ ڈالنا ناممکن تھا۔ اور گنگا کی تیزی اور پانی کا بھنور ایسا تھا کہ خیال میں بھی نہیں آسکتا کہ کیسے کوئی شخص غوطہ لگائے گا پھر سولہ اور چھبیس برس کی عمر کے درمیان ایسے مشہور اور لائق پنڈت جیسے کہ منڈن مشرو پربھاکر۔ و کُمارل بھٹ وغیرہ کو مباحثہ میں جیت لیا۔ اور تمام مندروں کو کہ جو غارت ہو گئے تھے از سرِ نو قائم کیا۔ یہی حال رامانج و نانک و کبیر کا تھا۔ یہ لوگ نہ سوسائٹیوں میں کام کرتے تھے۔ نہ انکے پاس روپیہ تھا۔ نہ کوئی دنیوی سامان تھا نہ اُن کا کوئی مددگار تھا۔ بلکہ ہر طرف سے مخالفت ہوتی تھی۔ سُور داس نے نابینائی کی حالت میں ایک لاکھ کے قریب بھجن شری کرشن جی کی بھگتی کے لکھے جو ہر شخص کی زبان پر اب تک ہیں۔ تلسی داس کو انکی زوجہ نے یہ کہکر کہ تم میرے اس ناپاک جسم پر فریفتہ ہو۔ ویسے اگر تم سری رام چندر جی کے اوپر فریفتہ ہو جاؤ تو تمھاری موکش ہوجائے ایسا بھگت اور گیانی بنا دیا کہ اُن کے کلام کا ہر کہہ و مہ پر اب تک اثر موجود ہے۔ زمانۂ حال میں بھی کیشب چندر سین و سوامی دیانند جی۔ و ایشور چندر ودیا ساگر بھی بلا کسی دُنیوی سامان کے ایسے ہوئے کہ جنہوں نے ملک کی حالت میں کچھ نہ کچھ تغیر پیدا کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان سب لوگوں کو ایک

بات کی دُھن لگی تھی اور وہ اس دُھن میں از خود رفتہ ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے وہ لوگوں کو اپنے ساتھ کھینچے لئے چلے جاتے تھے۔ اور چونکہ اس زمانہ کے ریفارمروں اور جلسہ کرنے والوں میں ایسی دُھن کمتر ہے۔ اس لیے اُن کے کلام کا اثر بھی ویسا ہی ہے۔ ہر طرف سے یہی غل و شور سُنائی پڑتا ہے کہ دھرم کو بڑھاؤ دھرم کو بڑھاؤ۔ لیکن دھرم ویسے کا ویسا ہی کمزور و بیجان ہے۔ پہلے وقتوں میں اتنا غل تو نہیں سُنائی دیتا تھا مگر دھرم کچھ نہ کچھ بڑھتا جاتا تھا وجہ یہ تھی کہ جو دھرم کے بڑھانے والے تھے اُنھوں نے پہلے خودی کو مٹا دیا تھا۔ اپنی اصلاح کر لی تھی۔ تمام دُنیا کو اپنا سمجھ لیا تھا اور پھر کمر باندھ کر اصلاح قومی کے میدان میں کود پڑے تھے۔ اِس وقت جہانتک نظر ڈالی جاتی ہے۔ ایسے آدمی نہ سادھوؤں میں نظر آتے ہیں نہ گرہستیوں میں۔ سادھو بیچارے تو اپنے مٹھوں اور نزاع لفظی و دھونوں میں ایسے مشغول ہیں کہ انکو دوسروں کی بہتری کے سوچنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ گرہستیوں میں جو بیچارے غریب و مفلس ہیں اُن کو نہ پیٹ کی روٹی ہے نہ تن کو کپڑا ہے۔ اور تمام عمر پیٹ کے دھندوں میں ہی پھنسکر مرجاتے ہیں۔ اوسط درجے کے لوگوں کو اپنے تجارت پیشہ۔ وافسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ مقدمہ بازی او نزاعات سے اتنا وقت نہیں ملتا کہ وہ آیندہ کی کچھ سوچیں۔ وہ لوگ جو تعلیمیافتہ شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ بیچارے بھی اِدھر اپنی روٹی کی فکر میں مصروف ہیں اُدھر حال کی تعلیم نے انکو لوگوں سے علٰحدہ کر دیا ہے کہ منجملہ سیکڑوں قوموں کے جو ہندوستان میں ہیں ایک قوم تعلیمیافتہ لوگوں کی بھی ہوتی جاتی ہے کہ جسکو عوام سے بہت کم تعلق ہے۔ رئیسوں اور بڑے

آدمیوں اور راجاؤں کو بیشتر عیش و عشرت سے فرصت نہیں ملتی۔ پس اگر اصلاح قومی یا مذہبی نہ ہو تو کون تعجب کی بات ہے۔ اور جب تک ان سب خرابیوں کی جڑ دور نہ ہوگی یہاں کے لوگ اپنے تئیں اُس نقد دھرم کے مقلد اور اُس آتم کرپا کے مستحق اور اُس اکبر دلی کے رکھنے والے جو سوامی جی مہاراج نے کہیں ہیں نہ بنا دیں گے۔ اصلاح ملک کی اُمید نہیں ہو سکتی۔ ہمارے تمام شاستروں کا اختتام اس بات پر ہے۔ کہ وہی دیکھتا ہے جو مثل اپنے سب کو دیکھتا ہے۔ تمام دھرم کا لُبِ لباب یہی رکھا گیا ہے۔ کہ مت کرو وہ کام دوسروں کے لئے کہ جسکو خود اپنے لئے کرنے کو تیار نہ ہو۔ عقلی دلائل و مباحثوں کی کچھ حد نہیں ہے۔ ہر فرقے اور ملت کی ہدایتیں بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ہر عاقل اپنی کہتا ہے پس دھرم کی اصلیت کا جاننا بہت مشکل ہے۔ لیکن اُسکا معیار یہ ہے کہ وہ شے کہ جس پر تمام دُنیا کے لوگوں کو اختلاف نہ ہو اور جس کو سب بالاتفاق مانیں۔ وہی سچا ہے۔ وہ دھرم وہ ہے کہ جو اوپر کہا گیا ہے۔ اور اُسی کو ان لیکچروں میں بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ ان سے لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ دنیا دار لوگ اپنے فرائض کو بہتر طور پر ادا کرنا سیکھیں گے۔ تعلیمیافتہ اپنے غیر تعلیمیافتہ بھائیوں سے منافرت کا پردہ اُٹھا دینگے۔ سادھو سنیاسی نزاع لفظی و منطقی شاگردوں و دھوتوں پر ہی اکتفا کرنا چھوڑ کر ملک کی بہتری میں مشغول ہونگے۔ اور اپنے آتما کو سب کا آتما جانیں گے۔ اگر ان لیکچروں سے یہ منشا کچھ بھی پورا ہوگا تو گویا سوامی جی کی ایک زندہ اور دائمی یادگار قائم ہوگی ۔

بیجناتھ

سوامی رام تیرتھ

از
(بنسپتی)

سوامی رام تیرتھ جی کا سانحۂ بیوقت ابھی کل کی بات ہے۔ ان کے غریقِ رحمت ہوتے ہی حقیقت یہ ہے۔ کہ اس ملک کی بہت سی اُمیدوں پر پانی پھر گیا ہے۔ اور بہت سی آرزووں کا خون ہوگیا ہے۔ بہت سی تمنائیں دل کی دل ہی میں رہ گئیں۔ اور بہت سے ولولے اُبھرتے اُبھرتے بیٹھ گئے۔ اس میں شک نہیں ہے۔ کہ کئی سالوں سے ہمارے رہبروں۔ ناموروں۔ اور مایۂ فخر بزرگواروں کا قافلہ حد درجہ کی سرعت کے ساتھ سوئے عدم رواں ہے۔ ایک ماتم بمشکل ختم ہونے پر آتا ہے کہ یک بیک دُوسرا برپا ہوجاتا ہے۔ اظہارِ رنج و محن کے لیے نہ آنکھوں میں آنسو باقی رہے ہیں۔ اور نہ نوکِ قلم اور زبان میں طاقتِ گویائی۔ بمصیبت پر مصیبت ابد صدمات پر صدمات۔ پھر ایک سے ایک بڑھ کر۔ آخر انسان ہے۔ کہاں تک صبر کے ساتھ برداشت کرے۔ الفاظ بھی اس موقع پر ایسے نحیف و ناتواں نظر آتے ہیں کہ ان سے کام لینا ایک طرح اپنے غم و الم کی سنجیدگی اور وزن کو کم کرنا ہے۔ بہرکیف رضاے حق کے روبرو سوائے سرِتسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

سوامی رام تیرتھ جی اُن قُدسی نفوس میں سے ایک تھے کہ جن کی

ذات سے بہت سے اصحاب کو روحانی فیض پہنچا ہی۔ اگر اُن کی عمر
کچھ دن اور وفا کرتی تو ایک جمِ غفیر کی اندرونی تاریکی بہت کچھ
دُور ہوجاتی۔ ممالک متحدہ جہاں اُن کی زندگی کا آخری دور ختم
ہُوا ہی۔ تھوڑے دنوں اُنکے قُرب و قیام سے بہرہ اندوز ہُوا۔ اُنکی
زیست کا بڑا حصّہ پنجاب میں گُزرا ہی۔ ممکن ہی کہ وہ بڑا حصّہ
عوام کی نگاہوں میں بظاہر زیادہ دلچسپ اور معنی خیز نہ ہو مگر اربابِ
دانش و بینش ابتدائی حالات سے علت و معمول کے مسلسل
سلسلہ سے بڑے بڑے عُقدے حل کرلیا کرتے ہیں۔ شروع ہی سے
انسان کا ہمہ جہت مکمل ہونا (جیسا کہ انسان مکمل ہوسکتا ہی)۔
قرینِ قیاس نہیں ہی۔ مگر عروج اور تکمیل کے آثار دلِ دانا اور
بینا کے مطالعہ کے لئے ازبس سُرورِ جان اور راحتِ قلب کا باعث
ہُوا کرتے ہیں۔ بمصداق اینکہ

ع سالیکہ نکوست از بہارش پیداست

سوامی رام تیرتھ جی کی سوانح عمری لکھنے کی ممکن ہی کہ خاص تیاریاں
ہو رہی ہوں مگر اس موقع پر اُنکی ابتدائی زندگی کے متعلق کچھ ضبط
تحریر میں لانا غالباً بے سود ثابت نہ ہوگا +

راقم کا مرحوم کے ساتھ جبکہ وہ طالب علم تھے ایک عرصہ تک
یکجا رہنے کا اتفاق ہُوا ہی۔ جن دنوں وہ فورمین مشن کالج لاہور میں
پروفیسر تھے اُن دنوں بھی اکثر اُن سے نیاز حاصل ہوتا رہتا تھا۔
اِس وقت تک راقم کا یہی خیال ہی کہ اُس زمانہ میں جس درجہ
بے تکلفی راقم کی ممدوح کے ساتھ تھی شاید ہی لاہور میں اُنکی کسی

سے ہو۔ راقم کے ساتھ اُن کے تعلقات دوستانہ تھے۔ کچھ عرصہ تک ایک ہی کمرہ میں رہنے۔ ساتھ کھانے پینے۔ اُٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے ہر طرح کی گفتگو کا زیادہ موقع ملا کرتا تھا۔ اس ربط ضبط اور موافقت مزاج اور مذاق کے باعث باہم ایک اُنس ہی نہیں بلکہ ایک قسم کی روحانی وابستگی ہوگئی تھی۔ اکثر موقعوں پر بوجہ خاص اعتماد وہ اپنے رازِ دل بھی ظاہر کر دیا کرتے تھے۔ اور راقم بھی حسب موقع اپنی راۓ پیش کر دینے میں پس و پیش نہ کیا کرتا تھا۔ راقم کے ذاتی عقائد اور مذہبی تعلقات سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔ بایںہمہ وہ اپنے عقائد اور آئندہ طریق عمل ظاہر کرنے میں کبھی دریغ نہ فرمایا کرتے تھے۔ راقم کی یہ فطرت اور سرشت سے بعید ہو کر وہ پاک طینت اور صداقت مآب اصحاب کے عقیدوں کو سُن کر ناگوار نکتہ چینی سے کام لے یا بطریق غیر موزوں اختلاف راۓ ظاہر کرے۔ یہ ایک خاص وجہ تھی کہ اُن سے سلسلۂ اتحاد روز افزوں ترقی پر رہا ؛

بوجہ خاندانی تخصیص اُن دنوں سب اُنہیں گوسائیں جی کہا کرتے تھے۔ یوں تو راقم نے اُنہیں پہلے بھی کئی مرتبہ دیکھا ہوگا۔ مگر جب سے اُن کا قیام لاہور کے کائستھ بورڈنگ ہوس میں ہوا۔ تب سے خاص ضبط کا آغاز سمجھنا چاہیے۔ کائستھ صاحبان کی فراخدلی کی وجہ سے یہ بورڈنگ ہوس اُن دنوں صرف کائستھ طلباء کے لئے ہی مخصوص نہ تھا۔ بعض اوقات اس میں برہمن اور ویش وغیرہ طلباء کی تعداد زیادہ ہوا کرتی تھی۔ شروع میں گوسائیں جی لالہ جوالا پرشاد

صاحب کے ہمراہ اس جگہ بغرض قیام تشریف لائے تھے۔ اُن ایام میں
لالہ صاحب شاید امتحان بی۔ اے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ بی۔ اے
ایل۔ ایل۔ بی ہونے کے بعد ایک عرصہ سے وہ فیروز پور میں وکالت
کرتے ہیں۔ گوسائیں جی اُنہیں اپنا عزیز سمجھتے تھے۔ اور ریاضی
سکھایا کرتے تھے۔ اُس وقت یہ ٹھیک یاد نہیں ہے۔ کہ گوسائیں
جی بھی انہیں کے ساتھ امتحان بی۔ اے کی تیاری کر رہے تھے یا
کیا۔ لالہ جوالا پرشاد صاحب ایامِ طالب علمی میں بھی امیرانہ مزاج
کے نوجوان تھے۔ علماء کی سرپرستی کے علاوہ شعراء کے بھی کچھ کم
قدردان نہ تھے۔ چنانچہ ایک آدھ شاعر ہر وقت حاضر خدمت رہا کرتا
تھا۔ گوسائیں جی کا ذاتی صرفہ اوّل درجہ کم تھا اور اس کے متحمل
غالباً لالہ صاحب ہی ہُوا کرتے تھے۔ لالہ صاحب مع گوسائیں جی
اسی بورڈنگ ہوس کے بالاخانہ پر رہا کرتے تھے۔ یہ بالاخانہ اُن
دنوں کسی قدر مخدوش حالت میں تھا۔ اس کی بعض دیواریں شق
ہو گئیں تھیں مگر فوری خطرہ کا احتمال کم تھا۔ ایک دن بارش زور
شور سے ہو رہی تھی اور بجلی خُوب چمک رہی تھی۔ رعد کی گرج
بھی ہیبتناک تھی۔ لالہ صاحب مع گوسائیں جی حفظ ماتقدّم کے خیال
سے زیرین حصّہ میں آکر فروکش ہوئے۔ راقم بھی وہیں ایک جانب موجود تھا۔
اس موقع پر راقم کو پہلی مرتبہ یہ امر واضح ہُوا کہ گوسائیں جی چارپائی کی نسبت
زمین پر سونے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ استراحت کے بھی بہت کم عادی تھے
صبح قریب چار بجے بیدار ہو کر شغل مطالعہ جاری فرمادیتے تھے۔ لالہ جوالا پرشاد
صاحب کو وہ خود بڑے پیار سے جگایا کرتے تھے۔ لالہ صاحب کا خواب راحت

سے چونک چونک کر بیداری کے لئے آمادگی ظاہر کرنا اور پھر سو جانا اور گوسائیں جی کا متواتر حد درجہ محبت کے لہجہ میں شریک مطالعہ ہونیکے لئے اصرار کرنا راقم آسانی سے نہیں بھول سکتا؛

اثناے قیام کانستھ بورڈنگ ہوس لاہور میں گوسائیں جی کے والد بزرگوار بہت کم اور اُن کے گوروجی اکثر تشریف لایا کرتے تھے۔ گوسائیں جی ضلع گجرانولہ کے ایک موضع جس کا نام غالباً مُرالی والہ ہے۔ متوطن تھے۔اُن کے والد صاحب کا مزاج بہت ہی سادہ تھا اور وہ صرف ناگری اور سنسکرت جانتے تھے۔ راقم کو اُن سے گفتگو کا اکثر موقع ملا کرتا تھا۔ اُنہیں کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ اُن کے شِشْ (مرید) بہت دُور تک ہیں۔ فرماتے تھے کہ کبھی کبھی اُن کے پاس باغستان تک جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔گوسائیں جی کے خاندانی گُرو جنہوں نے رسمِ زنار بندی کو ادا کی تھی برہمن تھے۔ مگر وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں جو کچھ روحانی فیض حاصل ہُوا ہے۔ وہ دھنّا بھگت جی سے ہُوا ہے۔ اُنہیں کو وہ گوروجی کہا کرتے تھے۔ بلحاظ خاندان شاید یہ اروڑے تھے اور شہر گوجرانوالہ میں رہا کرتے تھے۔گوسائیں جی اُن کے حد درجہ معتقد تھے۔ اور کبھی کبھی راقم سے اُن کی کشف وکرامات کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔جن ایام کا یہ ذکر ہے اُن دنوں گوسائیں جی کے صرف ایک صاحبزادہ تھا۔اس وقت بفضلہ وہ بالغ ہوگا۔ راقم نے اُسے دیکھا ہے گو اب شناخت مشکل سے کرسکے۔ گوسائیں جی اپنے وطن چند روز کے لئے ایام تعطیل میں جایا کرتے تھے۔گو وہ کسی حالت میں فرائض خانہ داری سے بیخبر نہ رہتے تھے

مگر راقم نے اُن کی تقریر اور رُجحانِ طبع سے یہ نتیجہ نکال لیا تھا۔ کہ اغلب ہو کہ یہ اُن تعلقات سے بوجہ احسن جلد سبکدوش ہوجائیں۔
امتحان بی اے پنجاب یونیورسٹی میں گوسائیں جی اوّل رہے تھے۔ اس لئے اُنہیں ساٹھ روپیہ ماہوار کے وظائف مل گئے تھے۔اس رقم میں سے کچھ وہ اپنے ذاتی صرف کے لئے رکھ لیا کرتے تھے۔ باقی گھر بھیجدیا کرتے تھے۔یا حسب موقع اپنے گوروجی کی مختصر ضروریات کے لئے نذر کردیا کرتے تھے۔گوسائیں جی کو کتابیں خریدنے میں بہت کچھ صرف کرنا پڑتا تھا۔

جس سال امتحان بی۔اے۔ میں گوسائیں جی نے نمایاں کامیابی حاصل کی تھی شاید اُسی سال پنجاب یونیورسٹی کے لئے لازمی تھا کہ انگلستان جانے کے لئے اپنے کسی ممتاز طالب علم کو نامزد کرے۔ کامیاب اُمیدوار کے لئے شاید نسّو پونڈ سالانہ کا وظیفہ منجانب سرکار مخصوص تھا۔ راقم نے گوسائیں جی کو مجبور کیا تھا کہ اس کے لئے کسی قدر سعی فرمائیں۔ پہلے اُنہوں نے ایک حد تک استعجاب ظاہر فرمایا اور کئی طرح کی اندرونی بیرونی مشکلات دکھائیں۔ مگر بدلائل قاطع انہیں کسی نے وقیع نہیں سمجھا۔آخر بدرجہ مجبوری اُنہوں نے اِس جانب سے اُس جانب التفات فرمائی۔خاندانی مخالفت کو اُنہوں نے جلد اپنے آیندہ طریق عمل کے اظہار سے رفع کردیا۔اور باقاعدہ اُسی وظیفہ کے لئے امیدواروں کے زمرہ میں شریک ہو گئے۔جہانتک خیال ہو۔گوسائیں جی کے علاوہ صرف ایک اُمیدوار اور تھا۔مسٹر بِل جو اُن دنوں سررشتۂ تعلیم پنجاب کے ڈائرکٹر ہیں اُن ایام میں

گورنمنٹ کالج کے پرنسپل تھے۔ گوسائیں جی کی صاحب موصوف ہروقت تعریف کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اُنہیں بہت بڑی اُمید دلائی تھی۔ مگر نتیجہ خلاف اُمید فوالمراد برآمد نہیں ہُوا۔ گوسائیں جی کی قابلیت اور حقوق کے لحاظ سے یہ نتیجہ مقبول عام نہیں تھا۔ تاہم گوسائیں جی کو اس ناکامی کا مطلق خیال نہیں ہُوا اور نہ وہ کبھی شکایت کا ایک لفظ زبان پر لائے۔ انگلستان جاکر محض ریاضی کی مزید تحصیل کا اُنہیں شوق تھا۔ سول سروس بیرسٹری یا کسی اور صیغہ کو وہ خارج از بحث سمجھتے تھے۔ نتیجہ برآمد ہونے سے پیشتر انگلستان کی سکونت کا بھی ذکر ہوا کرتا تھا۔ وہ مختصر جواب یہ دیدیا کرتے تھے کہ وہاں جاکر بھی موجودہ خوراک و پوشاک میں تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی۔

امتحان ایم۔ اے کے لئے انہوں نے مضمون ریاضی انتخاب فرمایا تھا۔ اور اُسی کی جانب شروع سے ان کا میلانِ طبع تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں اوقات معینہ پر وہ بغرض تحصیل تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اسی اثنا میں رائے بہادر میلا رام صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند رائے رام سرنداس صاحب رئیس اعظم لاہور نے انہیں اپنا اتالیق مقرر فرمایا تھا۔ اُن کی کوٹھی میں ایک وسیع بالاخانہ پر وہ رہا کرتے تھے۔ راقم کبھی کبھی وہاں اُن سے صبح کے وقت ملنے جایا کرتا تھا۔ اُس وقت بالعموم وہ ایک ورزش کیا کرتے تھے جو اُن کے سوائے راقم نے اور کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔ ایک چارپائی کو وہ سیدھی دیوار کے سہارے کھڑی کر دیا کرتے تھے۔

زاں بعد دونوں ہاتھوں سے دونوں جانب وسط سے پکڑ جہاں تک اوپر لیجا سکتے لیجاتے اور اسی طرح نیچے لے آتے تھے۔ مُنھ بند کر کے جلد جلد اس ورزش کو دیر تک کرتے رہتے تھے۔ رائے رام سرنداس صاحب کے چھوٹے بھائی لالہ ہری کشن داس صاحب سے بھی جو پچھلے دنوں عین عُنفوانِ شباب میں قضا کر گئے ہیں۔ گوسائیں جی کو بہت محبت تھی۔ ایک دن راقم کے ساتھ وہ کوٹھی کے باغیچے سے آرہے تھے۔ راستہ میں لالہ ہری کشن داس جی انگورستان سے انگور توڑ کر چکھ رہے تھے۔ گوسائیں جی فرمانے لگے کہ کیا شغل ہو رہا ہے۔ لالہ صاحب نے بجائے جواب دینے کے خوشے پیش کر دیے۔ جس سے مراد یہ تھی کہ آپ بھی اس میں شامل ہو جیئے ؛

گوسائیں جی کی خوراک محض دودھ قرار دینی چاہیے۔ کبھی کبھی دن میں وہ کھانا بھی کھا لیا کرتے تھے۔ اکثر قریب بیٹھ کر کھانا کھانے کا اتفاق ہُوا کرتا تھا۔ یاد نہیں ہے کہ کبھی اُنھوں نے پتلی پتلی دو چپاتیوں سے زیادہ تناول فرمائی ہوں۔ متواتر کئی کئی دن دونوں وقت وہ صرف دودھ پر اکتفا کرتے تھے۔ اگر راقم کبھی اُنہیں فواکہات کھانے میں شریک ہونے کے لئے مجبور کرتا تھا تو بپاس خاطر وہ برائے نام کچھ لے لیا کرتے تھے۔ ادویات استعمال کرتے راقم نے اُنہیں کبھی نہیں دیکھا۔ البتہ جب کبھی شاذ و نادر اُنہیں زکام کی زیادہ شکایت ہوا کرتی تھی۔ تو انارکلی کے ایک ہندو کارخانہ کی ایک آدھ سوڈے کی بوتل

نوش فرما لیا کرتے تھے۔گوشت خوری کو وہ علانیہ گناہِ عظیم قرار دیا کرتے
تھے اور اُس کے ذکر سے بھی اُنہیں سخت کراہیت آیا کرتی تھی۔فرمایا
کرتے تھے کہ اگر راستہ چلتے اس کی کہیں بُو بھی آجائے تو دماغ
دیر تک پراگندہ رہتا ہے۔اسی طرح منشیات کو زہر ہلاہل سے تشبیہ
دیا کرتے تھے؛

پوشاک ان کی حد درجہ سادہ تھی۔ایام گرما و برسات میں گزی کی
سادہ دھوتی اور کُرتہ پہنتے تھے۔اور سر برہنہ رکھتے تھے۔حجامت
بھی پنجابی وضع کی بنواتے تھے۔باہر جانے کے لئے معمولی ململ کا دوپٹہ
باندھ لیا کرتے تھے۔جہانتک اس وقت حافظہ کام دیتا ہے ٹوپی اُنکے
فرقِ مبارک پر کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔موسم سرما صرف
ایک موٹی کشمیری پٹی کے کوٹ میں بسر کر دیتے تھے۔رات کے
وقت بھی بہت ہی مختصر اوڑھنے بچھانے کا سامان ہوا کرتا تھا۔
فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ سیالکوٹ کے مشن کالج میں پروفیسر
ہو گئے تھے۔فرماتے تھے کہ تمام جاڑے سوائے ایک دھسّہ کے اور کوئی
گرم کپڑا استعمال نہیں کیا۔لحاف کا بھی وہی کام دیتا تھا۔شہر سیالکوٹ
کے تعلیمیافتہ اصحاب اور ہر ملّت کے اہل ہنود ان کے پورے معتقد
تھے۔وہاں طلباء کو یہ صبح و شام خود ہوا خوری کرایا کرتے تھے اور
اُنہیں ریاضتِ روحانی کے بھی طریق سکھاتے تھے؛

انگریزی وضع کے کپڑوں اور جوتیوں سے حد درجہ احتراز فرماتے تھے
ایک دن راقم نے اُنہیں عالمِ تذبذب میں دیکھا۔دریافت کرنے پر
معلوم ہوا کہ یونیورسٹی کا سالانہ جلسہ دو ایک دن میں ہونے والا

ہو۔ حصولِ سند کی غرض سے اُس میں شرکت لازمی ہو۔ فرمانے لگے۔ کہ اس موقع پر ولایتی چوغہ اور بوٹ پہننے پڑیں گے۔ یہ امر اپنی وضع کے خلاف ہو۔ کچھ دیر بحث کے بعد بالآخر یہ طے ہُوا کہ یہ ہر دو اشیاء کالج ہی میں ذرا دیر کے لئے کسی سے عاریتاً لے لئے جائیں۔ چنانچہ بعد میں اُسی فیصلہ پر کاربند ہوئے۔ عینک ضرورتاً وہ ہر وقت لگاتے تھے ؛

سیالکوٹ سے واپس آنے پر وہ فورمَن مشن کالج لاہور میں پروفیسر ہو گئے تھے۔ غالباً امتحان بی۔اے میں وہ اسی کالج سے شریک ہُوئے تھے۔ ان ایام میں حوض آب رسانی کے متصل اُنھوں نے ایک مکان لیلیا تھا اور بیوی بچّوں کو بھی بُلا لیا تھا۔ امتحان انٹرنس کے کسی ریاضی پرچہ کے وہ ممتحن تھے۔ اس کے صلہ میں اُنہیں ایک رقم ملی تھی۔ اس سے اُنھوں نے نفیس اسباب خرید لیا تھا۔ مگر لُطف یہ ہو کہ خود اُسے شاذ و نادر استعمال کرتے تھے۔ مکان کے وسطی کمرہ میں ایک بڑا سا طاق تھا جس کی کارنس آگے کو نکلی ہوئی تھی۔ اُس پر اُنھوں نے ایک کپڑے کا ٹکڑا بچھا لیا تھا۔ حسب ضرورت لکھنے کے لئے اُسی سے میز کا کام لیتے تھے اور متواتر دو دو چار چار گھنٹے اُسی پر کتابیں کھول کر پڑھتے رہتے تھے۔ اس مکان میں اُنہیں بیٹھ کر لکھتے پڑھتے بہت کم دیکھا ہو۔ خاص احباب کی خاطر و تواضع دودھ سے کیا کرتے تھے ؛

اُنہیں ایام میں کبھی کبھی وہ سناتن دھرم سبھا کے جلسے میں بھی جایا کرتے تھے اور کچھ تقریر بھی کیا کرتے تھے۔ سادھو کشن چندر صاحب نے بھی اُنہیں اپنے مہوتسو کا کچھ کام سپرد کر دیا تھا۔ مگر مزید غور فرمانے

پردہ اس سے فی الفور دست بردار ہو گئے تھے۔ بعد میں سادھو صاحب کے ساتھ کی صحیح کیفیت راقم کو معلوم نہیں ہو۔ البتہ یہ ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ سادھو صاحب ایک طشت شیرینی نذر کر کے گوسائیں جی کے ہاتھ پر بیعت لائے تھے؛

صدمات کو بھی گوسائیں جی بڑے صبر و شکر اور استقلال کے ساتھ برداشت کیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ اپنے قیام گاہ میں معمول سے زیادہ دیر کے بعد تشریف لائے۔ چہرے سے آثار رنج و ملال نمودار تھے۔ راقم نے سبب دریافت کیا۔ تخلیہ میں فرمانے لگے کہ آج بعد دوپہر کالج میں ایک خط ملا جس سے بڑی ہمشیرہ کی بیوقت وفات کا سانحہ معلوم ہوا یہی ایک ہمشیرہ تھی اور اسی نے ایام طفولیت میں مجھے بچوں کی طرح پرورش کیا تھا۔ خط پڑھ کر خاموشی کے عالم میں دریائے راوی کی جانب چلا گیا۔ تنہائی میں خون کا قدرتی جوش اشک ریزی کے ذریعہ کم کر کے بارگاہ عبودیت میں دعا کی کہ اس صدمہ کو مردانگی کے ساتھ برداشت کرنے کی طاقت عطا ہو۔ اور اس وقت سے مرحومہ کی صرف ایک پاک یادگار باقی رہجائے اور کسی طرح کا مزید رنج نہ ہو تاکہ فرائض کے سرانجام میں غفلت سرزد ہونیکا احتمال لاحق نہ ہو؛

گوسائیں جی کے اشغال تفریح طبع بہت ہی مختصر تھے۔ صبح و شام گلگشت چمن یا دریائے راوی کی روانی آب اور تلاطم امواج کو بغور دیکھنا۔ خاص خاص احباب سے بھی فرصت کے وقت ملنے جایا کرتے تھے یاد نہیں ہو کہ راقم نے اُنہیں کبھی اخبارات یا رسالجات پڑھتے دیکھا ہو۔ البتہ کبھی کبھی وہ اُردو و فارسی کی تصوفانہ اشعار راقم کو سنایا کرتے

تھے۔ بعض شعرا کا کلام سُنکر اُن پر عالم وجد طاری ہو جاتا تھا۔ غرض یا تو گوسائیں جی پڑھتے یا باتیں کرتے رہتے تھے یا جب ان اُمور سے فارغ ہوں فی الفور آنکھیں بند کرکے اسم اعظم "اوم" کا ورد شروع کرکے اس کے تصوّر میں محو ہو جاتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ دل سیماب وش ہی۔ اسے ہر لحظہ اپنے قابو میں رکھنا چاہیئے۔ ورنہ شوخیوں پر آمادہ ہو جاتا ہی؛

تسبیح خوانی کو گوسائیں جی زیادہ وقعت نہیں دیا کرتے تھے۔فرماتے تھے کہ ایک عرصہ کی مشق سے اُنگلیاں حرکت کرتی رہتی ہیں۔مگر دل غائب رہتا ہی؛

مناجات کے وہ ازبس قائل تھے۔ایک دن راقم نے اُن سے تخلیہ میں ذکر کیا کہ اس مُلک کی بہتری کے لئے مختلف کوششیں ہو رہی ہیں سب سے مؤثر تدبیر کیا ہوسکتی ہی۔فرمانے لگے کہ ہر ایک اچھا کام بجائے خود اچھا ہی۔مگر ہمارا کچھ اور خیال ہی۔ شروع میں یہ چاہیے۔کہ ایک دستہ نیک اطوار اور پاک طینت اصحاب کا یکجا کیا جائے۔کچھ عرصہ صدق نیّت اور صدق دل سے مناجات کا عادی کیا جائے۔ زاں بعد ایک مقررہ عرصہ تک شب و روز نوبت بہ نوبت درگاہ صمدیت میں اس مُلک کی اصل بہبودی کے لئے مناجات کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ ایک ختم کرے دوسرا اس کی جگہ بیٹھ جائے۔چوبیں گھنٹوں کے اندر ایک لمحہ بھی ایسا نہ ہو کہ ایک نہ ایک شخص جائے مناجات پر مناجات نہ کر رہا ہو۔اس طرح ہماری نیک خواہشیں ضرور وقت مناسب پر پوری ہو جائیں گی۔

نیز ملک میں پاک نفس اور روشن ضمیر اصحاب کا ایک ایسا دستہ موجود ہو جائے گا کہ جو ہر صیغہ میں دلیری اور راستبازی کے ساتھ کام کر سکے گا۔ ساتھ ہی ایک صندوق میں کچھ زر نقد رکھدیا جائے۔ اور اس دستہ کے ہر فرد کو مطلع کر دیا جائے کہ اشد ذاتی ضروریات کے لئے بلا دریافت اس نقد کو استعمال کر لیا کریں۔ زاں بعد قوتِ بازو سے پیدا کریں۔ جس قدر لیا گیا تھا۔ اُسی قدر یا اُس سے کچھ زیادہ پھر صندوق میں ڈالدیا کریں"۔

ایک دن راقم نے گوسائیں جی سے دریافت کیا آپ کا دلی منشاء کیا ہے۔ آیا کالجوں میں طلباء کو پڑھانا یا کچھ اور۔ فرمانے لگے کہ "یہ سلسلہ عارضی ہے۔ بیوی بچوں کی ضروریات کے لئے کچھ مہیا کر دینے کے بعد شب و روز تمام مُلک میں ست اُپدیش (وعظ حسنہ) میرا آخری مقصد ہے۔ جس جگہ جایا کریں گے۔ طالب علموں کو کچھ پڑھا کر صرف دودھ کے لئے کچھ لے لیا کریں گے۔ اور ہمیں کسی شئے سے سروکار نہ ہوگا۔ وعظِ حسنہ کے ذریعہ اس ملک کی روحانی تاریکی کو دُور کرانا مقدم سمجھتا ہوں"۔

مسٹر روزولٹ پریزیڈنٹ (یا شہنشاہ) ممالک متحدہ امریکہ کا خود اُن کی زیارت کو آنا ثابت کرتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی خاک ہند کے مرتاض اور فقرا میں وہ جوہر موجود ہیں کہ جن کے روبرو دُنیوی جاہ و حشمت۔ جبروت و سطوت سرنگوں ہیں۔

راقم کو گوسائیں جی نے دو انگریزی کتابیں بطور یادگار مرحمت فرمائی تھیں۔ ایک سٹوری آف دی انگلش لٹریچر۔ یہ غالبًا انگلستان سے بھی ۔ ےمہ دبدبہ

کی کسی عالمہ خاتون کی تصنیف ہو۔ گوسائیں جی اس عالمہ کو مادرِ مہربان کہا کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ جس طرح ماں اپنے بچوں کو اچھی کہانیوں کے ذریعۂ علمی اور مفید باتیں سکھاتی ہو۔ اسی طرح اُنہوں نے مجھے انگریزی ادب کی تواریخ سے ماہر کیا ہو۔ دوسری کتاب لائیٹ آف ایشیا۔ مصنفہ سر اڈون آرنلڈ تھی۔ یہ مہاتما بدھ کی سوانح عمری ہو۔ اسے بھی اکثر گوسائیں جی پڑھا کرتے تھے۔

قصّہ کوتاہ۔ اب ان باتوں میں کیا رکھا ہو۔ یاد کرنے سے اور دل کو رنج ہوتا ہو:

ایک عالی دماغ تھا نہ رہا
مُلک میں ایک چراغ تھا نہ رہا

رُباعیات

(از پنڈت نرائن پرشاد صاحب بیتاب دہلوی۔)

دُنیا سے عجب مردِ خوش اسلوب گیا ۔۔۔ جو مُلک کا تھا محب و محبوب گیا
اب ہند کے بیڑے کا خُدا حافظ ہو ۔۔۔ افسوس کہ رام ناخدا ڈوب گیا

کیوں سر پہ نہ تیغ اصفہانی پھر جائے ۔۔۔ کیوں در سے نہ دورِ شادمانی پھر جائے
جب رام سا راہبر ہو غریقِ رحمت ۔۔۔ اُمیدوں پہ کس طرح نہ پانی پھر جائے

مر کر بھی وہی مشن ہو اے رام ترا ۔۔۔ آغاز کی مانند ہو انجام ترا
تُو کاہکو تہ نشین دریا ہوتا ۔۔۔ سوتوں کو جگانا ہو مگر کام ترا

از

(منشی درگا سہائے صاحب سرور)

کون سا موتی ہے گنگا! تیرے دامن میں نہاں
قطع ہے قامت پہ کس کی چادرِ آبِ رواں
حلقۂ گرداب ہے کیوں آہ! چشمِ خونفشاں
کس کے ماتم میں لبِ ساحل ہیں سرگرمِ فغاں
تیری موجوں نے ہے کس کو لے لیا آغوش میں
جوششِ گریہ کا عالم ہے تیرے سرجوش میں

کس کے غم میں تیرے ساحل کا ہے داماں تارتار
تیری موجیں آج کیوں ہیں رام گنگا! بیقرار
شاہدِ خوابِ اجل سے آہ! ہوکر ہمکنار
ہوگیا یہ کون جانبازِ وطن زیبِ مزار
لینے آئی آسماں سے رحمتِ باری کسے
تھی گراں اے موج! ساحل کی سبکساری کسے

منزلِ خور میں ہے ذرہ خلوت آرا کون سا
دوش بر دوشِ صدف ہے دُرِّ یکتا کون سا
آشنا بحرِ حقیقت کا ہے۔ ایسا کون سا
ہوگیا دریا میں دریا بن کے قطرا کون سا
صف الٹ کر کون یہ بزمِ جہاں سے اٹھ گیا

شمع و پروانہ کا پردہ درمیاں سے اٹھ گیا

قیدِ ہستی سے تھی کس کو سرگرانی ہائے ہائے
کر دیا شوقِ بقا نے کس کو فانی ہائے ہائے

کس پہ ٹوٹا دستِ جورِ آسمانی ہائے ہائے
نذرِ طوفاں ہو گئی کس کی جوانی ہائے ہائے

ساحلِ گنگا پہ روتی ہو قضا کس کے لئے
خاک اُڑاتی پھرتی ہو سر پہ صبا کس کے لئے

آسماں گردش میں ہو کس کو مٹانے کے لئے
پھر رہا ہو اک نیا اِک فتنہ اُٹھانے کے لئے

چادرِ آبِ رواں میں منہ چھپانے کے لئے
جا رہا ہو کون یہ گنگا نہانے کے لئے

لیچلا موجِ فنا بن کر یہ کس کو جوشِ شوق
حلقۂ گردآب ہو کھولے ہُوئے آغوشِ شوق

کس کا بیڑا غرقِ امواجِ فنا ہونے کو ہو
کس کا سایہ تجھ سے او ساحل! جُدا ہونے کو ہو

دل میں ماتم آرزوؤں کا بپا ہونے کو ہو
آہ! اے دردِ تمنّا! آج کیا ہونے کو ہو

دل یہ کہتا ہو کہ آنکھوں سے ٹپک جاؤنگا میں
صبر کہتا ہو کہ پہلو سے کھسک جاؤنگا میں

کہتے ہیں آنکھوں کے فوارے اُچھل جائینگے ہم
اشک کہتے ہیں کہ دامن پہ مچل جائیں گے ہم

دل کے داغوں کا تقاضا ہے۔ کہ جل جائینگے ہم
نالے کہتے ہیں کہ گھبرا کر نکل جائیں گے ہم
دستِ ماتم کا اشارہ ہے کہ داماں چاک ہو
پنجۂ وحشت یہ کہتا ہے گریباں چاک ہو
بیکسی کہتی ہے صحرا میں اُڑا کر سر پہ خاک
جا رہی ہے خُلد کو یہ آہ! کس کی رُوحِ پاک
ہے لہو کی بُوند پہلو میں دِل اندوہ ناک
جامۂ صبر و سکون ہے کس کے غم میں چاک چاک
آشرم سونا پڑا کس کا لبِ ساحل ہے آج
کس کی چھوٹی سی کُٹی اُجڑی ہوئی منزل ہے آج
خُلد سے ہے کس کو لینے کو قضا آئی ہوئی
ساحلِ گنگا پہ ہے۔ غم کی گھٹا چھائی ہوئی
ڈوبتی ہے کس کی کشتی آج چکرائی ہوئی
موجِ قسمت کی طرح اک اک ہے بل کھائی ہوئی
آشنا دریا سے قطرہ کون سا ہونے کو ہے
اشتیاقِ مہر میں شبنم فنا ہونے کو ہے
آہ! اک تشنہ لبِ ذوقِ تمنا ہائے! ہائے!!
ہو غریقِ رحمتِ حق رام گنگا ہائے! ہائے!!
کھا کے طوفانِ حوادث کا تھپیڑا ہائے! ہائے!!
تیری مَوجوں میں ہو گم اک دُرِّ یکتا ہائے! ہائے!!
ہائے! اب کیا کہکے سمجھائیں دلِ ناکام کو

زم رہا ہی رامؔ میں لائیں کہاں سے رامؔ کو
خاک میں کس کو ملایا آہ! تونے آسماں
کس پہ ٹوٹا ہائے! تو ای دستِ مرگِ ناگہاں
شرق میں جس کی چمک تھی زیبِ تاجِ عزوشاں
خاک میں ہی آہ! اب وہ گوہرِ یکتا نہاں
موتیوں سے یوں ترا ای قوم خالی تاج ہو
حیف تیری آرزوؤں کا چمن تاراج ہو
ہمنفس بجز نالہ و آہ و بکا کوئی نہ ہو
دستگیر ای دستِ بیدادِ قضا کوئی نہ ہو
جوشِ طوفاں ہو بپا اور آشنا کوئی نہ ہو
موجِ دریا ہو کہیں میں ناخدا کوئی نہ ہو
ہو فنا طوفان میں اک زندۂ جاوید قوم
آہ! یوں گنگا میں ڈوبے کشتیِ امید قوم
اپنا بیڑا ہو گیا جب غرقِ طوفانِ فنا
ہم کو کیا باندھا کرے بادِ مراد اپنی ہوا
قوم کی کشتی کا کشتی بان ہی جب اٹھ گیا
سر کو موجیں آکے اب ساحل سے ٹکرائیں تو کیا
ہم کو کیا لاکھوں برس شور و فغاں اٹھا کرے
ساحلِ گنگا سے آہوں کا دھواں اٹھا کرے
ایسا نقشِ دلنشیں اور تو مٹائے آسماں
ایسا موتی اور مٹی میں ملائے آسماں

لے خدا۔ لے سوامی رام تیرتھ۔

ایسا رخشندہ چراغ اور تو بجھائے آسماں
ایسا تابندہ ستارہ! ڈوب جائے آسماں
جس نے قومی آسماں کو ہوں لگائے چار چاند
خاک میں چھپ جائے وہ ای چرخ ناہنجار چاند
بے نشاں ہو آہ! ایسا تاجِ شہرت کا نگیں
ایسا دُرِّ بے بہا ہو آہ! پیوندِ زمیں ؟
ایسا عارف گوشۂ مرقد میں ہو خلوت گزیں
ایسا نفسِ مدعا پامال ہو چرخِ بریں
خاک کا پیوند ایسا گوہرِ نایاب ہو
ایسا بیڑا آہ! گنگا میں غریقِ آب ہو
جاں نثارِ قوم ایسا غرقِ طوفاں آہ! ہو
ایسا جاں بازِ وطن آنکھوں سے پنہاں آہ! ہو
ایسا مجموعۂ تصوف کا پریشاں آہ! ہو
بے چراغ ای قوم! یوں تیرا شبستاں آہ! ہو
داغ ہو تیرے جگر کا تیری منزل کا چراغ
بجھ کے ہو پانی میں ٹھنڈا تیرے محفل کا چراغ۔
بے صدا زیرِ زمیں ای قوم! تیرا ساز ہو
اور شوقِ شمع میں تو گوش بر آواز ہو
حلقۂ گرداب ہر ہر۔ دیدۂ غماز ہو
غرقِ دریا ہو وہ موتی جس پہ تجھ کو ناز ہو
ڈوب جائے یک بیک ہی تیرے اک جانباز کا

دل نہ پگھلے آسماں تفرقہ پرواز کا
نذرِ طوفانِ اجل اک گوہرِ نایاب ہو
تیری موجوں کا نہ زہرہ رام گنگا آب ہو
جوشِ یم ہو۔ شورِ طوفاں ہو۔کفِ سیلاب ہو
آسماں کی آہ! گردش ۔ گردشِ گرداب ہو
غرق ہو اک نوجواں افسوس! ساحل کے قریب
بیٹھ جائے اک مسافر تھک کے منزل کے قریب
قوم کی چوٹی کا ہو اک پھول پیوندِ زمیں
اُف! تری نیرنگیاں اے گردشِ چرخِ بریں
جس کی منزل آہ! ہو جلوہ گہ نورِ یقیں
ہو گہن میں وہ سپہرِ قوم کا ماہِ مبیں
جس کے دِل میں گرمیٔ حُبِ وطن کا جوش ہو
وہ چراغِ قوم اے بادِ اجل! خاموش ہو
جس کی کرنیں چار سو مغرب میں ہوں جلوہ فشاں
ایسا سورج ڈوب جائے شرق میں یوں ناگہاں
ہو مُحبِ قوم ایسا خاک میں ہو ہو! نہاں
ایسا پروانہ ہو اے سوزِ فنا! آتش بجاں
آہ! ایسا بُلبلِ رنگیں نوا خاموش ہو
ایسی دِلکش ایسی جاں پرور صدا خاموش ہو
نذرِ طوفاں آہ! یوں اک جاں نثارِ قوم ہو
شامِ ماتم۔ جلوۂ صبحِ بہارِ قوم ہو

اے زمیں! یوں تیرے ہاتھوں سے فشارِ قوم ہو
اے فلک! یوں غم سے تیرہ روزگارِ قوم ہو
ہو بپھر قوم پہ غم کی گھٹا چھائی ہوئی
سر پہ ہو یوں جوشِ ماتم کی گھٹا چھائی ہوئی
آہ! ایسے پھول پر بیوقت چھا جائے خزاں
ایسا نخلِ آرزو ہو آہ! ماتم کا نشاں
ایسا دُرِّ بے بہا پانی میں ہو یوں رائگاں
خاک میں ہو دفن ایسا آہ! گنجِ شائقاں
ہاتھ سے گم آہ! ایسی دولتِ جاوید ہو
شامِ غم۔ صبحِ بہارِ جلوۂ امید ہو
ایسا ظلِّ عاطفت اُٹھ جائے سر سے آہ! قوم
ایسا محسن اور پنہاں ہو نظر سے آہ! قوم
باز آئے آسمانِ دُوں نہ شر سے آہ! قوم
ہو کدورت ایسے پاکیزہ گہر سے آہ! قوم
ایسا موتی تاجِ شہرت سے ٹپک کر گر پڑے
بن کے آنسو یوں زمیں پر ایسا گوہر گر پڑے
منزلِ ہستی سے ایسا رہنما جاتا رہے
چارہ سازِ قوم اے دستِ قضا جاتا رہے
غرقِ دریا ہو کے ایسا آشنا جاتا رہے
قوم کی ہستی کا ہر ہر! ناخدا جاتا رہے
ہو گنہگاروں کا بیڑا پار کیونکر دیکھیے

موج ہی اک اک نجل جانے کو اژدر دیکھیے
چھا رہی ہی سر بسر تا سر نحوست کی گھٹا
اور مسلّط قوم پر ہی خوابِ غفلت کی گھٹا
رنگ لائے دیکھیے کیا جوشِ نکبت کی گھٹا
اُٹھ گئی افسوس سر سے ابرِ رحمت کی گھٹا
قوم کے سوکھے ہوے دھانوں کو اب سینچے گا کون
ایسے وحشت خیز میدانوں کو اب سینچے گا کون
دیکھیے ہم سے گنہگاروں کا کیا ہوتا ہی حشر
حشر کے دن ہم سیہ کاروں کا کیا ہوتا ہی حشر
دشمنِ جاں ہی فلک - یاروں کا کیا ہوتا ہی حشر
قوم کے مایوس بیماروں کا کیا ہوتا ہی حشر
کہہ رہا ہی اُٹھ کے دردِ جاں گدازِ قوم حیف
اُٹھتے جاتے ہیں جہاں سے چارہ سازِ قوم حیف
آہ! ای ہند! آہ! ای شوریدۂ سودائے غم
آہ! ای خانہ خراب! ای بادیہ پیمائے غم
سر بہ ہاموں دادہ و آوارۂ صحرائے غم
خارِ حسرت زیرِ پا و آبلہ فرسائے غم
تیرے خوابِ عیش کی افسوس! یہ تعبیر ہو
نقشِ ماتم تُو ہو - غم کی آہ! تُو تصویر ہو
غم کی چھریاں یوں ترے قلب و جگر کے پار ہوں
تیرے پہلو میں شگفتہ زخمِ دامن دار ہوں

خارِ حسرت آہ! یوں تیرے گلے کے ہار ہوں
خاک کا پیوند تیرے محسنِ غمخوار ہوں
آشنا یوں آہ! ڈوبیں تیرے ساحل کے قریب
تیرے پروانوں کا خاکستر ہو محفل کے قریب
تیرے ہیرو آہ! ہوں شہرِ خموشاں کے مکیں
تیرے حامی گوشۂ مرقد میں ہوں عزلت گزیں
اپنے غمخواروں کے غم میں تو ہو یوں ماتم نشیں
دل میں ہو دردِ تمنا۔ لب پہ ہو آہِ حزیں
ہو پریشاں تیرے جانبازوں کی ویرانے میں خاک
یوں اڑائے شامِ غم تیرے سیہ خانے میں خاک
اٹھنے والے آہ! اٹھ جائیں تری محفل سے یوں
ٹوٹتا ہو خاک پر تو اضطرابِ دل سے یوں
اٹھ رہا ہو شورِ آوازِ جرس۔ منزل سے یوں
قوم کے موتی جدا ہوں دامنِ ساحل سے یوں
تیری کشتی آہ یوں گنگا میں بھر کر غرق ہو
تیری آئندہ تمناؤں کا دفتر غرق ہو
آہ! یوں کا ہش میں ہوں اے ہند! تیرے باکمال
جن کے چمکیں آسماں پر بدرِ غیروں کے ہلال
جن کا سایہ قوم و ملت کے لئے ہو نیک فال
جلوہ گاہِ قوم سے اٹھ جائیں وہ روشن خیال

سلہ بہادر۔

انجمن خاموش ہو اور انجمن آرا نہ ہوں ہ
تشنہ لب ہوں بادہ کش اور ساغر و مینا نہ ہوں ہ
قوم ہو گم کردہ رہ اور رہنما کوئی نہ ہو
جز صدائے نالہ آوازِ درا کوئی نہ ہو
ہو نہ فریاد کا فغاں اور نقشِ پا کوئی نہ ہو
کاروانِ غولِ بیاباں کے سوا کوئی نہ ہو
قافلہ گم گشتہ رہ ہو - وادی پُر خار ہو
خضرِ منزل ہو نہ کوئی کارواں سالار ہو
آہ! ای ہند! آہ! ای آماجگاہ تیرِ غم
آہ! ای صید جراحت خوردہ و نخچیرِ غم
آہ! ای حسرت پذیرِ نالۂ شبگیرِ غم
آہ! نقشِ نامرادی! آہ ای تصویرِ غم
بیکسی کا تو ہو غم آلود پتلا خاک پر
نقشِ حسرت ہو ترا نقشِ تمنا خاک پر
تیری کشتِ آرزو سے آسماں کو لاگ ہو
برقِ خرمن سوز کو - بادِ خزاں کو لاگ ہو
شہ رگِ جاں سے تری نوکِ سناں کو لاگ ہو
تیرے بیماروں سے مرگِ ناگہاں کو لاگ ہو
چارہ سازِ قوم ہوں یوں وقفِ بیدادِ اجل
تاک کر یوں تیر مارے دل پہ صیادِ اجل
آسماں ہو در پئے تکفیرِ گروہِ قوم حیف!	ہو بیاں بیدِ جگر ا بند بند قوم حیف!

درد دل سے لوٹتے ہوں صد ہزاروں قوم جیت! سو رہے ہوں بے خبر در ملک ہندو قوم حیات!
بادہ کش خونِ جگر پیتے ہوں اور ساقی نہ ہو
خم میں کچھ دو چار قطروں کے سوا باقی نہ ہو (سرور جہان آبادی)

ہوش میں آ کر ذکر اور کھول چشم دل کو تو جلنے کے ہی بعد آتی ہے سدا خوشبو کی بو
رام کی جو قربانی گنگا میں ہے آہٹ ہو بہو اسکی خوشبو پھیلے گی سارے جہاں میں کو بکو
پاپ کی بدبو جو دنیا میں ہے وہ سب ہوگی ناش
پھر سرور آنند ہو اور شانتی کا ہو پرکاش (اڈیٹر)

وفات سوامی رام تیرتھ

(از ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بیرسٹر۔ لاہور)

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بیتاب تو!
پہلے گوہر تھا بنا اب گوہر نایاب تو
آہ! کھولا کس ادا سے تونے رازِ رنگ و بو
میں ابھی تک ہوں اسیر امتیازِ رنگ و بو
مٹ کے غوغا زندگی کا شورشِ محشر بنا
یہ شرارہ بجھ کے آتش خانۂ آذر بنا!
نفی ہستی اک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا
لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا
چشم نابینا سے مخفی معنیٔ انجام ہے
تھم گئی جس دم تڑپ سیماب سیم خام ہے
توڑ دیتا ہے بُتِ ہستی کو ابراہیم عشق

ہوش کا دارو ہی گویا مستی تسنیم عشق [1]

کیا کہوں بیہودوں سے میں اس شاہد مستور کی
دار کو سمجھے ہوئے ہیں جو سزا منصور کی

تذکرۂ رام

از

(قلم شری سوامی بھولا ناتھ)

چند اشعار سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کی یاد میں ہیں جو رام کہ ظاہر میں محدود اور باطن میں اُس ہستی لاپیداکنار سے اپنا تعلق پیدا کر چکے تھے؛

اُن کی زندگی ہر زندگی کے لئے ایک خاص اثر رکھتی ہی۔ عشق صادق کیا چیز ہی؟ ترک خودی۔

بگیر خنجر تیز و تبر و گلوئے حیا [2]
اگر تو عاشقِ عشقی و عشق را جویاں

پروانہ کا تعلق شمع کے ساتھ کیا ہی۔ بلبل پھول سے کیا تعلق رکھتی ہی؟

مجھ کو جمعیت خاطر ہی پریشاں ہونا
لاکھ ساماں ہی۔ اِک بے سرو ساماں ہونا

---

[2] اگر تو عشق کا عاشق ہی اور عشق یعنی پریم کا مُتلاشی۔ تو تیز خنجر و تبر کو پکڑ کر حیا یا شرم کے گلے کو (کاٹ ڈال) یعنی لوک لاج کو دور کر دے۔ [1] بہشت کی ایک نہر کا نام ہی۔

قدرت نے عشقِ حقیقت کا نمونہ مجاز میں ظاہر کیا ہے۔ مجاز میں
ترکِ صورت ظاہر ہے۔ اور حقیقت میں ترکِ خودی کی ضرورت
ہے۔ بہرحال عشق کا مکمل ہونا غیر حق کو جلائے بغیر غیر ممکن ہے۔

سلہ با یار کسے دست در آغوش نہ کرد
تا ترکِ زر و سیم و دل و ہوش نہ کرد

سلہ حافظ صبور باش کہ در راہ عاشقی
ہر کس کہ جاں نداد بجاناں نمی رسد

رام نے اس شمع حقیقت پر پروانۂ دل کو کس طرح جلایا۔ تعلقات سے
علیحدگی و دنیاوی جاہ و حشمت سے لاپرواہی گویا ہر دُنیا کے کمال کو
اُس کمال یا ALL کے آگے رکھ دیا۔

سے مصوّر کھینچ لا تصویر وہ جس میں دکھائی ہو
اُدھر تلوار کھینچی ہو۔ اِدھر گردن جھکائی ہو

رام نے اس محبت کے شعلہ کے سپرد سرمایۂ زندگی بلکہ زندگی
کو بھی کر دیا اور خود تالی بجا کر آنند لینے لگے۔ اُس مجذوب کی
بڑ اس مستی سے برتر نکلی جس سے کہ ہر دل بے اختیار ہونے
سے اس کو خریدنے کے لئے تیار ہو گیا۔

سلہ جب تک کسی نے سونا چاندی دل اور ہوش کو ترک نہیں کیا تب تک کوئی یار سے
بغلگیر نہ ہوا۔

سلہ حافظ صبر کر کہ عشق کے راستہ میں جب تک کوئی جان نہ دے تب تک جاناں کے
پاس نہیں پہنچتا ہے۔

لہ عقل اگر داند کہ دل در بندِ زلفش چوں خوش است

عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما

وہ منزل جس کے لئے ہر شخص بیتاب ہے۔ اس بڑ سے اس کا نشان ملنے لگا۔ مادّیت روحانیت کی طرف مائل ہوئی۔ بیتابی سکون کو دیکھنے لگی ؛

دُنیا جو کہ اپنا اثر حواسوں کے ذریعہ دل پر رکھتی ہے۔ اس پروانۂ بیتاب یا شمع روشن کے دل پر نہ رکھ سکی۔ کیونکہ اس دل پر وہ حقیقت غالب آچکی تھی جس سے کہ چشمِ ظاہر بیں ناآشنا ہے۔ رام کی روحانی زندگی کا آغاز و انجام اوم کے ساتھ تھا۔ اُن کی زندگی نے عالم میں اُس تجلی کا اظہار کیا جس کی چمک کو دیکھنے کے لئے ہر ایک دل بیتاب ہے۔ اُنہوں نے اپنی تعلیم میں راحت ابدی کا راز کھولا اور وہ ناخن گرہ کشا یہ ہے ؛

سے رہ نوردانِ محبت را پیام از ما رساں

کاندریں راہ یکدم از خود گذشتن منزل است

یعنی محبت کے راستہ پر چلنے والے اشخاص کو میرا پیغام پہنچا دو۔ کہ اس راستہ میں ایک قدم اپنے آپ سے گزر جانا ہی منزل ہے رام کی زندگی نا شکیبا کے بڑے زبردست پہاڑ کو معمولی سی جُنبش سے گرانے کا زور رکھتی ہے ؛

<u>رام کی تعلیم بیکاری (inactivity.) سُستی۔ جڑھتا</u>

لہ عقل کو اگر معلوم ہو جائے کہ پیارے کی زلف میں قید ہونا کیسا اچھا ہے تو عقلمند لوگ ہمارے قید خانہ میں آنے کے لیے دیوانے و بیتاب ہو جائیں۔

کا سبق نہیں پڑھاتی بلکہ اعلیٰ عمل (activity) و حرکت کے راز کو کھولتی ہے۔ وہ ضرور اِس محدود خودی سے علٰحدگی کا اقرار کرتی ہے۔ لیکن اُس طاقت لازوال سے ایک ہونے کا راستہ بھی اسی انکار یا ترکِ خودی میں ہی موجود ہے:

سے مزا رکھتا ہے زخمِ خنجرِ عشق
کبھی اے بُوالہوس کھایا تو ہوتا

قطرہ کو دریا سے ملانا اور ذرّہ کو صحرا سے ایک کرنا رام کی تعلیم کا ماخذ ہے۔ پھر اگر قطرہ اپنے چہیتین (active.) متحرک ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ تو کیا واصل دریا قطرہ بیکار کہلا سکتا ہے۔ وہی (آلہ) (instrument.) ایک ذی شان اور ذی علم کے ہاتھ میں آکر ایک عجیب و غریب کام کر سکتا ہے۔

سے کر ترک خودی کی عادت کو اور قطرے سے دریا بن جا
ہو محو ذرا اصلیت میں اور ذرّے سے صحرا بن جا
کیا آہُوئے صحرا ہے تو۔ جو بھولا ہے یوں نافہ کو
کیوں جنگل میں سرگرداں ہے تو اپنا ہی شیدا بن جا

رام نے اگرچہ اُس پیکر خاکی سے علٰحدگی کر لی ہے۔ لیکن اُن کی زندگی اُن کی تعلیم کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اُن کی آواز بھی خمخانۂ رام کے سب سے پہلے صفحہ پر اس طرح ہے:

سے[1] بیا اے شیخ در خمخانۂ ما
شرابے خور کہ در کوثر نباشد

---

[1] اے شیخ ہمارے شراب خانہ میں آ اور اُس شراب کو پی جو بہشت میں بھی نہیں ہے۔

واقعی رام کی تعلیم جہانِ رنج و الم میں پیغام راحت ہی۔

ع اے نصیحت گو خدا را ز و ببین و رو مبیں[1]

سوامی نارائن جی مہاراج کا تہِ دل سے شکریہ کرنا پڑتا ہی۔ جنہوں نے اس نایاب خزانے کو اس قدر قربانی سے لوگوں کے سامنے رکھا جس سے کہ کئی دلوں سے افلاس کا عالم دُور ہُوا اور ہو رہا ہی۔ اور ہوتا رہیگا۔ ناتھ

غلام رو شے زمین

اوم

(۱) کون سا گوہر لئے گنگا میں جا لیٹا ہی تو
جس کے نازِ حسن کا شیدا ہی ابتک اِک جہاں

(۲) تیری صورت کا تصوّر دل تو باندھے ہی مگر
تو اٹھاتا ہی نہیں ہی۔ چادرِ آبِ رواں

(۳) آہ! کیا اعجاز طرفہ تیری پنہانی سے ہی
دل اسیرِ جسم ہیں پنہاں بحرِ بیکراں

(۴) تیرے اس نازِ تبسم نے لگا دی آگ سی
جلتے جاتے ہیں کئی شیدائے وصفِ جاوداں

(۵) تو چراغِ نُورِ وحدت لیکے ہو پنہاں آب
اور تاریکی میں ٹھکرائیں کئی پاء ناتواں

(۶) تیرا نامِ رام سینوں پہ ہی لیٹے مثل مار
تیرا ذکرِ معرفت آنکھوں سے قطرہ سا رواں

---

[1] اے واعظ خدا کے لئے زوش کو دیکھ اور مُنہ مت پھیر۔

(۷) جبکہ تو اِک حلقۂ گرداب میں ساکن ہوا
پھر نہیں ہوتا ہے کیوں گردابِ دل میں تو عیاں

(۸) تیری ہستی تھی سراپا غرقۂ آبِ حیات
اس لیئے چھوڑا نہ تو نے پیکرِ خاکی کبھی یاں

(۹) کیا صدائے نغمۂ سوہم ملی ہے آب میں
اور اس نغمے کے پیکر میں ہوا ہے تُو نہاں

(۱۰) کیا ترا مطلب ہے زیر آب رہنے سے یہی
کہ بجھائے آتشِ پروانہ کو آبِ رواں

(۱۱) آہ! اے شعلے سراپا ساکنِ فانوسِ آب
اجتماعِ آب و آتش کو کیا تو نے عیاں

(۱۲) کوئی جا دیکھے ہمالہ کوہ کے ہر برگ کو
سینۂ نازک میں کوہِ غم ہمالہ سا نہاں

(۱۳) یوں تو ظاہر ہے ترا ہونا دلِ مشتاق سے
پر اسی قالب سے اظہارِ تبسم ہے کہاں

(۱۴) زیر پردۂ عناصر آنکھ لڑ جائے اگر
تُو کہیں چھپنے کو ملتی ہی نہیں جا بیگماں

(۱۵) کون سے سچے پہ تُو وہ راز کہ نہاں ہوا
یا ہمالہ کی چٹانوں پہ ہے۔ نقشِ کامراں

(۱۶) سینۂ بیتاب مدفونِ چٹانِ سنگ ہو
شاید ہے اس سنگ سے ہو جائے وہ بھی ہمزباں

(۱۷) روز پر دوشِ ہوا آتی ہیں آہیں کوہ کی

ڈھونڈ جاتی ہیں تجھے ساحل پہ سے بیتابیاں

(۱۸) ہو گیا ہے سینۂ گردوں بھی چور در جہاں
ڈھونڈنے والوں کو دکھلائے ہے ماہِ ضو فشاں

(۱۹) یہ تیری فرقت اگر دیکھیں مثالِ دل ہے
کیونکہ یہ پنہانی صورت ہوئی دل میں عیاں

(۲۰) تھے تیرے بیتاب جو ہر سرنگونِ بحرِ ذات
پھر بھلا رہنے کیوں دیتے تیری صورت کو یہاں

(۲۱) تو مثالِ بلبلہ تھا درمیانِ بحرِ ذات
اس لئے ڈبکی لگائی کر لیا پنہاں نشاں

(۲۲) آہ! تو ذرّہ مثال آغوشِ صحرا میں بسا
کرکے پنہاں صورتِ جزوی ہُوا کُل میں عیاں

(۲۳) اور اب مشتاق آنکھوں میں ہُوا بیتاب تو
بہرِ دیدِ جلوۂ خود در زمین و آسماں

(۲۴) قطرۂ[1] اشکم بسوئے آسماں پرواز کرد
شور و غوغا کرد و شُد۔ ہم پہلوئے آبِ رواں

(۲۵) تو[2] مثالِ شاہ بودی پس فگندی بارِ تن
چونکہ باشاہاں نہ زیبد زحمتِ بارِ گراں

---

[1] میری آنکھوں کا قطرہ آسمان کی طرف اُڑ گیا۔ اس نے شور و غوغا کیا اور آبِ رواں کے ساتھ ہو گیا۔

[2] تو بادشاہ کے مانند تھا اس لئے تو نے جسم کے بوجھ کو پھینک دیا۔ کیونکہ بادشاہوں کو بھاری بوجھ اٹھانے کی زحمت اچھی نہیں لگتی۔

(۲۶) از[1] میانِ ساغرِ تن بادہ ات نوشیدۂ
ساغرت بر سنگ گردو خویش را پوشیدۂ

(۲۷) بہرِ[2] دیدِ بادۂ گلگونِ تو غوغا پدید
چوں بعالم قطرۂ بیتاب با دریا رسید

(۲۸) اے[3] نسیمِ شوقِ ہر دل! رسم خوش بردوش کن
نغمہائے اوم و سوہم در جہانِ گوش کن

(۲۹) نقش تھا جو بحر پہ وہ بحر کا جاتا رہا
کیا گیا؟ بس اک تعین۔ اور کیا جاتا رہا

(۳۰) وہ صدائے نغمۂ دلکش جو تھی اس ساز کے
ہو گئی وابستۂ گوشِ جہاں کس ناز سے

(۳۱) ساز گر ملتا نہیں وہ تو بجا لے دوسرا
نغمۂ سازِ تنفس میں بھلا ہو فرق کیا

(۳۲) دامن شیدائے بلبل سے نکل بھاگا ہو گل
دل میں جا ساکن ہوا اور عندلیب آسا ہو گل

---

[1] شکم پیالہ میں سے تو نے اپنی شراب کو پی لیا اور اپنے پیالہ کو توڑ ڈالا اور اپنے کو چھپالیا۔

[2] جب دنیا میں قطرۂ بیتاب دریا میں پہونچا تو تیری ارغوانی شراب کے دیکھنے کے لیے شور و غل ہوا۔ یعنی جب تو داصل حق ہوا تب تیرے اوصاف کو جاننے کیلئے اشتیاق ہوا۔

[3] اے ہر دل کے شوق کی نسیم اپنی اچھی رسم کو ادا کر یعنی اوم اور سوہم کے راگوں کو دنیا کے کانوں میں پہونچادے۔ اوم = اسم اعظم۔ سوہم = انا الحق

(۳۳) غایتِ[1] نزدیکیِ ہر دو مثالِ ہجر شد
زیں سبب پیدا بعالم ایں سوالِ ہجر شد
(۳۴) گرمیِ[2] پروانۂ دل شد نمودِ شمع رُو
شورشِ بیتاب قطرہ درمیانِ بحر جُو
(۳۵) از[3] فسونِ اشک چشم شد ہویدا شکل رام
درمیانِ آبِ گنگا جلوہ پیرا شکلِ رام
(۳۶) تو[4] برائے شمع سوزاں عاشقِ پروانۂ
بہرِ دیدِ جلوہ اش از خویشتن بیگانۂ
(۳۷) اندرون[5] سینہ ات ہم بادۂ و پیمانہ بود
بہرِ جانِ میکشاں او نیز ہم میخانہ بود

---

[1] از حد نزدیکی کی وجہ سے دونوں مانند جُدائی کے ہو گئے۔ اسی وجہ سے دنیا میں جُدائی کا سوال پیدا ہو گیا۔

[2] دل کے پروانہ کی گرمی سے شمع رو یعنی پیارا ظاہر ہو گیا۔ اور بیتاب قطروں کے شور سے سمندر اور ندی میں اُسے ڈھونڈھو۔

[3] میری آنکھ کے آنسوؤں کے جادو سے رام کی صورت ظاہر ہوئی۔ گنگا کے جل میں رام کی شکل دکھائی دینے لگی۔

[4] تو جلتی ہوئی شمع کا عاشق پروانہ ہے۔ اور اس کے جلوہ یا پرکاش کے دیکھنے کے لئے اپنے آپ کو بھول گیا ہے۔

[5] میرے سینہ میں شراب اور پیالہ دونوں تھے اور شراب پینے والوں کے لیے وہ میخانہ بھی تھا۔

(۳۸) تو طرازِ خوبیِ توحید را بنمودۂ
وز میانِ گیسوئے او راہِ را پیمودۂ

(۳۹) از ہمالہ رازہائے رمزِ وحدت آمدی
بہرِ گوشِ دل بعالم دُرِّ حکمت آمدی

(۴۰) تو برائے مُردہ قالب آبِ حیواں آمدی
بہرِ رازِ شوقِ جاناں مثلِ جاناں آمدی

(۴۱) تو میانِ نورِ وحدت شمع و پروانۂ
شمع را پروانہ و پروانہ را جانانۂ

(۴۲) بہرِ شوقِ بادۂ تو مستِ می ہشیار گشت
مبتلائے سحرِ چشمت نرگسِ بیمار گشت

---

[1] وحدت کی خوبی کا نیا طرز تو نے دکھلا دیا۔ اُس کے بالوں کے بیچ سے تو نے سفر کیا ہی۔

[2] ہمالیہ سے وحدت کا راز لے کر تو آیا۔ اور دل کے کانوں کے لئے تو حکمت کا موتی لایا ہی۔

[3] تو مُردہ جسم کے لئے امرت بن کر آیا ہی۔ پیارے کے راز کے شوق کی خاطر تو پیارا بن کر آیا ہی۔

[4] تو وحدت کی روشنی میں شمع اور پروانہ ہی۔ شمع کے لئے پروانہ ہو اور پروانہ کے لئے معشوق یعنی شمع ہی۔

[5] تیرے شوق شراب کے مست خراب ہشیار ہو گئے اور تیری آنکھ کے جادو پر شیدا ہو کر نرگس بیمار پڑ گیا۔

(۴۳) بادہ تھا ہم بغل ساغر ہاتھ سے جاتا رہا
آہ اک نایاب گوہر ہاتھ سے جاتا رہا

(۴۴) تشنہ چشمانِ جہاں کا آب تھا جاتا رہا
نوبہار اک جلوۂ بیتاب تھا جاتا رہا

(۴۵) شورشِ بیتابیِ دل تا آخر پنہاں ساز
ورنہ ہو جائے نہ جنبش میں کہیں طوفاں ساز

اوم
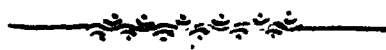
اوم

مختصر منظوم سوانح عمری رام معہ دیباچہ

(از قلم منشی دوارکا پرشاد صاحب افقؔ لکھنوی)

دیباچہ

مدد کرتا ہے ایشور ہی کے نال باپ
اُسی کی جو مدد اپنی کرے آپ

دلِ آزادگان منت کش اہل کرم نہ بود
نباشد احتیاج آب دریا نخل خود رو را

ارادہ نہ تھا کہ اس مجموعۂ تصنیفات افقؔ کے ساتھ گنجینۂ جواہرات سخن جس میں پرمہنس سوامی رام تیرتھ مہاراج ایم۔ اے کی مختصر منظوم سوانح عمری اور اپنی سچی عقیدت و محبت کا تذکرہ بھی ہے۔ شامل کیا جاتا۔ بلکہ ایک علیحدہ پستک بطور ٹریکٹ رام پریمیوں اور پبلک کی سیوا میں بطور تحفۂ پریم پیش کرنے کی آرزو تھی۔ چونکہ سوانح عمری سوامی رام تیرتھ مہاراج طبیعت کے یکدم منتشر ہو جانے سے مکمل نہ ہو سکی۔ اسلئے جو کچھ مختصر حالات

لے اگرچہ یہ دیباچہ افقؔ صاحب نے اپنی مجموعہ تصنیفات مشمولہ مختصر سوانح عمری نام پر لکھا ہے لیکن ہم نے دیباچۂ ہذا کا صرف اتنا ہی حصہ یہاں دیا ہے جس کا واسطہ مختصر حالات زندگی سوامی رام سے ہے۔

لے جس طرح خود رو درخت کو دریا کے پانی کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح آزاد لوگوں کا دل سخی لوگوں کا احسان لینا نہیں چاہتا۔

ابتدائی تعلیم و تربیت کے ذہن نشین ہو سکے۔ یکجا کر کے مجموعۂ تصنیفات کُل کے ساتھ شامل کرنا ہی مناسب معلوم ہُوا۔ سوامی رام تیرتھ مہاراج کا مکمل جیون چرتر مع اُپدیش و پُر اثر کلام ہندی۔ اُردو اور انگریزی پستکوں میں کئی حصّوں میں طبع ہو کر مقبول عام ہو چکا ہے۔ اُن کے بہترین شِشّ شری نارائن سوامی نے جس قابلیت۔ ہمت اور استقلال کے ساتھ اُنکی تصنیفات کو یکجا کر کے صحیح واقعات اور کارنامجات پبلک کے سامنے پیش کئے ہیں۔ اور اُنکی یادگار قائم رکھنے میں رام پریمیوں کی دلبستگی کا اہتمام کیا ہے۔ حقیقتًا تمام محاسن اور خوبیوں کا اُنہیں کے سر سہرا ہے۔ یہ چھوٹی سی پستک پریم کا تحفہ بھی اُنہیں کے سمرپن کرنا بہتر ہوتا۔ مگر یہ خیال کر کے کہ ایک مختصر سی نظم سوانح عمری وہ بھی ناکمل نارائن سوامی یا رام بھگتوں کی وسیع نگاہ میں کیا آسکے گی اور اُن پر اس کا بار طبع ڈالکر خود تنگدوشی کا اظہار پست ہمتی کی دلیل ہوگی۔ مجھے نارائن سوامی کی سیوا میں کتاب پیش کرنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ مہاں پُرشوں کا جیون چرتر لکھنا۔ خصوصًا نظم میں۔ مکمل واقعات بغیر مبالغہ قلمبند کرنا پھر زبان اور محاورے کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ اگرچہ محققین اہل سخن کی نگاہ میں مثلًا مہاکوی گوسائیں تلسی داس جی وغیرہ کے آگے بڑی بات نہیں البتہ فی زمانہ مجھ ایسے کم علم اور معمولی دل و دماغ کے آدمی کے لئے ایک ایسے عالم باعمل سنیاسی کا جیون چرتر لکھنا جس کی عظمت اور شہرت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج چکا تھا اور جس کے دلکش لیکچر اور پریم کے معجزے لاکھوں

نہیں بلکہ کروڑوں دلوں پر سکہ بٹھا چکے تھے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ مصر جاپان اور امریکہ تک جن کی عالمگیر محبت کے راگ کانوں میں گونجکر ہزاروں کو وارفتہ وشیدا بنا چکے تھے۔کوئی آسان کام نہ تھا پھر ایسی حالت میں کہ غلامی کے میلے کچیلے کپڑے ہمیشہ بدن پر زیب تن رکھتے ہوئے۔گدڑی میں لعل چھپائے۔ریلوے ملازمت میں رہکر۔ ہر موقع ومحل کے مطابق مختلف خیالات پر طبع آزمائی کرنا۔ دوست احباب کی فرمائشات بے غرضانہ پوری کرنا۔گرہست آشرم کے فرائض پر نظر رکھتے ہوئے کیونکر ممکن تھا کہ کُل فرائض کی انجام دہی میں ثابت قدم رہ سکتا۔ اسلئے ناظرین کتاب خصوصًا رام پریمیوں اور لائق مصنفوں سے خواستگار معافی ہوں۔ نیز اپنے پیارے رام۔زندہ جاوید رام کے سامنے محجوب ہوں کہ میں مکمل سوانحعمری لکھنے مین اپنا فرض انجام نہ دے سکا اور دنیوی مکروہات کا شکار رہکر اپنے آپ کو پیارے سوامی رام تیرتھ مہاراج کا شِشیہ کہانے کا حقدار نہ ہو سکا ؎

؎ مجھ سے چلنے میں نہ ہوگا کوئی غافل بڑھکر
گر پڑے ہیں میرے دامن کی گرہ کھلکے گُہر

اوّل اوّل مجھے شری سوامی رام تیرتھ مہاراج کے چرنوں سے پریم ہونے کا سبب یہ ہُوا کہ میں ۱۹۰۲ء سے جب کہ محض نومشق سخن تھا۔ شاعری کی دُھن میں بعض مُلک کے معزز اُردو اخبارات میں اپنا کلام بھیجتا رہتا تھا۔اُن میں سے کسی کسی اخبار میں مثلاً زمانہ وہندوستانی وغیرہ میں سوامی رام تیرتھ مہاراج کے

پُراثر مضامین پڑھ پڑھ کر روحانی کشش مجھے اُن کے چرنوں میں گہنے اور اُن کا شِشش ہونے کے لیئے اپنی طرف کھینچی تھی۔ میرے والد بزرگوار منشی نرنجن لال صاحب لکھنوی اور فرشتہ سیرت بابا دیوان دینا ناتھ صاحب جو کہ میرے بچپن میں ہی میری خدا داد طبیعت دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ یہ شاعر ہوگا۔ میری کم عُمری کے زمانہ میں ہی وفات پا چکے تھے اور میں زیر سایہ شفقت والدہ ماجدہ اپنے بھائیوں کی زیرنگرانی تعلیم و تربیت پاتا رہا۔

بوجہ ناواقفیت زمانہ و پریشان حالی تحصیل علوم سے زیادہ بہرہ ور نہ ہو پاتا تھا کہ شوق شاعری روز بروز افزوں ہوتا گیا۔ اور اصلاح سخن کے لئے ایک مُربّی بزرگ شاعر عالیجناب راجہ عنایت سنگھ صاحب عنایت لکھنوی رئیس و تعلقہ دار بریلی سے (جن کا نوحۂ وفات میری کتاب میں شائقین کے معائنہ سے گذرے گا) مجھے تلمذ کا موقع ملا۔ اُن کے فیضِ تلمذ سے میرا حوصلہ بڑھتا رہا۔ البتہ تحصیل علمِ انگریزی کی طرف بہت معمولی توجہ رہی۔

اگست ۱۹۲۰ء میں بعد وفات راجہ عنایت سنگھ صاحب عنایت مجھے اپنے ایک عزیز ملک الشعرا حضرت اُفق لکھنوی و جناب ثاقب لکھنوی سے اصلاح کا سابقہ رہا۔ اسی زمانہ سے اخباری دنیا میں قدم رکھ کر مختلف اخبارات کی نامہ نگاری اور اخبار بینی کا شوق ترقی کرتا گیا۔ سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کے منوہر ویاکھیان اخبارات میں پڑھ پڑھ کر اُن کے چرنوں سے

بڑھتا گیا اور میرا دل اُن کا شِشش بننے کے لئے آرزو مند ہُوا ۔

میری یہ دلی خواہش عملاً پوری نہ ہونے پائی تھی اور مجھے اُنکا شِشش ہونے کا فخر حاصل نہ ہو پایا تھا کہ اگست ۱۹۰۷ء کے رسالہ آزاد لاہور میں ایک مضمون بعنوان تذکرۂ جاوید رام از مسٹر ہر گو بند پرشاد نگم دہلوی۔ جس کے چند مؤثر فقرات درج ذیل ہیں میری نگاہ سے گذر کر میرے دل پر اثر انداز ہُوا۔ اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ۔

شعر
زباں پہ بارِ خدا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیے

ہمارا محسن شفیق۔ ہمارا محبّ رفیق پیارا رام جس کی ایک اُلفت بھری نگاہ دلوں کو موہ لیتی تھی اور جس کا ایک نعرۂ اوم ہزار ہا مُردہ دلوں میں راستی اور نیکی کا بیج بو دیتا تھا۔ جس کے درشن سے انسان نیک بنتے تھے اور جس کی صحبت آدمی کے چال چلن کو ٹکسالی اور مثالی بنا دیتی تھی۔ ہم سے قریب قریب ایک سال کے ہُوا ہو رو پوش ہو گیا ہے۔ دس مہینے سے زیادہ ہو گئے کہ اس بلبلِ ہزار داستان کی میٹھی میٹھی آواز مشتاق کانوں میں نہیں پڑی اور نرگس وار منتظر آنکھوں نے بھی اُس بدیہ کامل کے نورانی چہرے کا جلوہ نہیں دیکھا۔ جس کی شعاعیں گذشتہ ماتمی دس ماہ کے قبل ہزاروں آنکھوں کو نورانی بناتی تھیں۔ اُس گلِ رعنا کی خوشبو جو خوشگوار نے

اس عالم اسفل کو مدّت ہوئی معطر کرنا چھوڑ دیا۔

اس بلبل خوشگو نے ابھی اس چمن سے پرواز کیا ہی تھا کہ تمام نیچر نے ماتمی لباس خزاں زیب تن کیا اور کوہ دھاموں اشجار و انہار سے یہ وحشت انگیز صدائیں آنے لگیں کہ ہمارا عاشق زار ہمارا دلدادہ وشیفتہ - ہم پر مرنے والا آج ہم سے جُدا ہوگیا۔ مدّت سے جس کے وصل کے واسطے تڑپتے تھے - آیا اور دو روزہ خوشی بخش کر پھر چلتا پھرتا نظر آیا۔ ہائے وصل کے مزے کو بھی اچھی طرح سے محسوس نہ کیا تھا کہ ہجر کا صدمۂ جانکاہ ہماری جان کے واسطے موجود ہوگیا۔ خیر معشوقوں کا ماتم ہیں دیکھا تو عارضی ہوتا ہی ہے۔ سنگین دل نیچر نے تو چار ماہ ہی کے بعد اپنی ماتمی پوشاک کو پھاڑ کر پھر اپنا لباس بہار زیب تن کیا۔ وہی سُرخ سُرخ پھول ہرے ہرے پتے اور لہلہاتی ہوئی سبزی کے پردوں میں چھپ چھپ کر اپنی چھب دکھانے لگی۔ اور عاشقوں کے دلوں میں جوش جنوں پیدا کرنے لگی۔ مگر رآم پیارے رآم تو ہی تو بتا کہ اُن دلوں کی خزاں کو کون سی بہار دور کرسکتی ہے جو جانتے ہیں کہ تیرا وجود تیرے ملک کی ملکی و دینی خزاں کے واسطے بہار تھا۔ کاش کہ موجودہ وحشت انگیز ملکی واقعات پر تیری دور بیں اور وسیع نظر پڑتی۔ تو ہمارے محزوں اور مُردہ دلوں کو اپنی ذاتی خوش نفسی سے مسیحا وار تازہ روح بخشتا۔ اور ہم کو اپنی خندہ پیشانی سے آدم گلا کر بتلاتا کہ :

ع چناں نماند وچنیں نیز ہم نہ خواہد ماند

کچھ اُمیدیں پیدا ہوتیں۔ کچھ طبیعتیں بڑھتیں۔ ادھر تیری زندہ خیال

خود ایثار، نفس کشی اور محبت عالم کا سبق ہر روز تازہ پڑھا کر مایوسی سے بچاتی اور رکھتی +

ع گلگیرِ صفت جو سر تراشیں گے عدو
نام اپنا بھی مثلِ شمع روشن ہوگا

رامؔ کی جُدائی کا صدمہ۔ اُس کی صحبت پاک اور تلقین حال سے جو دُنیا کو فیض پہنچ رہا تھا اس کا رنج۔ اپنے مُلک کی حالت اور موجودہ تکالیف اور بدبختی جس نے بڑے بڑے لائق مدبّروں کے دلوں کو سیاہ اور بڑے بڑے انصاف پسندوں۔ عاقلوں کو بیوقوت اور غیر انصاف پسند بنا دیا اور غرض ایسے ہی بہت سے آلام کے خیال پریشاں کُنی میں مبہوت تھا کہ عالمِ خواب میں گذر ہوگیا۔ تو کچھ نئے عقدے کھلنے شروع ہوئے اور دیکھا کہ ایک چمن وسیع میں سیر کر رہا ہوں اِس پھول کو دیکھتا ہوں اُس پھُول کو دیکھتا ہوں مگر طبیعت سیر نہیں ہوتی کہ یکایک سامنے نظر اُٹھا کر دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہی وہی مُسکراتا ہُوا چہرہ وہی اوم گاتے ہوئے لب۔ وہی محبت بھری ہوئی نگاہیں۔ وہی ملے ہُوئے ہاتھ جو ہر کس و ناکس کو اتحاد اور یکجہتی اور وحدہ لاشریک کا سبق پڑھاتے ہیں۔ کثرت میں وحدت دکھاتے ہیں۔ وہی سنہری چشمہ صاف رنگ جس میں رامؔ سب کے وجود اصلی کو دیکھتا تھا۔ تختِ نُور پر جلوۂ کناں سامنے موجود ہی۔ سرِ تسلیم خم ہوگیا۔ پاک قدموں کو بوسہ دے کر اپنی زندگی کو پاک کیا۔ اور چشم زدن میں اپنے آپ کو پیارے رامؔ کے آغوش میں پایا۔ ایک حس ایک مُسکراہٹ ایک لب کے اشارے سے

تمام کلفتیں دور ہوگئیں ۔ اور تمام آلام خیرباد کہہ گئے۔ امید کا خوشرو چہرہ سامنے نظر آنے لگا کیونکہ رام نے اپنے دہن مبارک سے فرمایا "دیکھو جی موت کی چاہت کو اتنی جلدی بھول گئے۔ رام کو کون مار سکتا ہے میں تمہارے ساتھ ہوں ۔ نہیں ۔ تم میں موجود ہوں۔ پورن و نارائن وہری وغیرہ سب میرے ہی تو وجود ہیں ۔ مایوسی کو ہرگز جگہ نہ دو۔ تکالیف کو مردانہ وار برداشت کرنا انسان کو بزرگ بناتا ہے"۔ اور جس قوم میں وہ پیدا ہوتا ہے ۔ اس کے لئے وہ باعث فخر ہوتا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد سوامی رام فارسی کے مفصلہ ذیل غزل کے اشعار مست ہو ہو کر پڑھنے لگے ؛

تا[1] شانہ صفت سر نہ نہی در تہ آرّہ
ہرگز بہ سر زلف نگارے نرسی

تا[2] ہمچو دُر سفتہ نگردی با تار
ہرگز بہ بنا گوش نگارے نرسی

تا[3] خاک ترا کوزہ نہ سازند کلالاں
ہرگز بہ لب لعل نگارے نرسی

تا[4] ہمچو حنا سودہ نگردی تہ سنگ
ہرگز بہ کف پائے نگارے نرسی

---

[1] جب تک کنگھے کی طرح سر کو آرے کے نیچے نہیں رکھتا تب تک پیارے کی زلف تک ہرگز نہیں پہونچ سکتا۔

[2] جب تک بندے ہوئے موتی کی طرح تار سے نہ بندھا جائے گا تب تک پیارے کی کان کی لو تک کبھی نہیں پہونچ سکتا۔

[3] جب تک تیری مٹی سے کمہار پیالہ نہ بناوے تب تک تو پیارے کے رنگین ہونٹوں تک ہرگز نہیں پہونچ سکتا۔

[4] جب تک تو مہندی کی طرح پتھر کے تلے نہ پسے تب تک تو پیارے کے تلوے تک ہرگز نہیں پہونچ سکتا۔

تا بپہلو قلم سر نہ نہی در تہ کارد | ہرگز بہ سر انگشتِ نگارے نرسی[1]

خاک در چشمے کہ او نہ شناخت حسنِ خویش را[2]

مُردہ آں دِل کو بلا گرداں نہ شُد درویش را

ہمارا خیال ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ درست خیال ہے کہ آفتاب کے قریب ہو جانے سے ہم چوندھیا جاتے ہیں۔ اور اُس میں جس قدر روشنی ہو اُس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ رام بیشک دُنیا کے اُن چند مہاپُرشوں میں سے ہے جن کے ذمہ دُنیا کی بہبودی اور بہتری کا اہم کام لگایا جاتا ہے۔ عظمت کا اندازہ اُس کے گاؤں والے بہت کم اور اُس کے ملک والے کسی قدر۔ اور غیر ملک والے بہت کچھ زیادہ کر سکتے ہیں۔ مگر رام کی پوری پوری عظمت کئی صدیوں کے بعد معلوم ہوگی۔ جس وقت آیندگان کو معلوم ہوگا کہ اس کی مثال صدیوں سے پیدا نہیں ہوئی۔ اور اس کی تعلیم و تلقین جو موجودہ زمانہ سے کئی صدی آگے ہے۔ سب سے افضل اور برتر ہے۔ اور حصول افسا تاتِ دُنیا کی وہ حالت ہے جس سے بہتر وہم و خیال میں نہ آ سکے۔

آئیڈیل سوسائٹی کا سچا اور اکیلا ذریعہ۔

ہرگوبند نگم "

---

[1] جب تک تو قلم کی طرح چاقو کے نیچے سر نہیں رکھتا تب تک تو پیارے کی انگلیوں میں نہیں پہنچ سکتا۔

[2] جس نے اپنی خوبصورتی کو نہیں پہچانا اُس کی آنکھ میں دھول ڈال۔ وہ دل مردہ ہے جو درویشوں یعنی مہاتماؤں کے لئے پریشان نہ ہوا۔

مندرجۂ بالا مضمون کا اثر بھی میرے دل پر کچھ کم نہ پڑا تھا جبکہ اُس سے پہلے ہندوستانی اخبار لکھنؤ میں بابو گنگا پرشاد ورما کا لکھا ہُوا آرٹیکل جس میں سوامی رام تیرتھ مہاراج کے گنگا کی لہروں میں انتر دھیان ہونے کی خبر درد ناک تھی۔ پڑھ کر میرے دل پر چوٹ لگی۔ صدمہ پہلے ہی سے تھا۔ یکدم ویراگ طاری ہو گیا جوش جنوں کی حالت اکثر گھر بار چھوڑ کر جنگلوں کی ہَوا کھانے کو مجبور کرنے لگی۔ عالمِ خیال اور تصوّر میں شری گنگا جی سے میں اپنے پیش بہا گوہر رام تیرتھ کے درشنوں کے لئے مچلا ہُوا تھا۔ گویا اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کی گنگا بہا رہا تھا کہ عالمِ بیخودی یا تصوّر میں مجھے بارہا سوامی رام تیرتھ مہاراج کے درشن ہوئے۔ اور خیالی مُورت بن بن کر بارہا امرت بھرے اُپدیشوں سے سمجھا سمجھا کر میرے خیالات کو پلٹتے اور تشفّی دیتے رہے۔ مجھکو صحرانوردی کے ارادہ سے باز رکھتے ہوئے ہر موقع پر ڈوبنے سے بچاتے رہے ویراگ کی حالت میں جو جو واقعات اور حالات پیش آئے میں کاغذ کے پُرزوں پر قلمبند کرتا گیا۔ بلکہ رام اُپدیش جو اس مختصر تذکرے میں ہو میں سمجھتا ہوں کہ پیارے رام ہی کا منوہر اُپدیش ہو۔ میرا نہیں۔

بعض اوقات عالمِ جنون میں مَیں اپنی کتابیں اور قلم پھینکدیتا تھا۔ اور کھلی ہوا میں اکثر ٹہلنے لگتا تھا۔ بمشکل میں اپنی طبیعت کو قابو میں لا سکا۔ اور جو کچھ کہ اُس حالتِ ویراگ اور سمادھی میں قلمبند ہو سکا وہی گنجینۂ جواہراتِ سخن یعنی نظم سوانح عمری سوامی رام تیرتھ

کے نام سے مجموعہ تصنیفات ثمر میں شامل کر دیا۔ سوامی رام تیرتھ کا
آئیڈیل پیشِ نظر رکھ کر مجھے اپنا چال چلن بہتر بنانے میں ذرّہ خورشید
کا مقابلہ کرنا ہوا۔ اور اگرچہ روحانیت کی لہر میرے کمزور جسم کو تنکے
کی طرح روانی میں بہائے جانے کو کافی تھی مگر تعلقات کے دلدل میں
پھنسا ہوا پاؤں اپنے ہاتھ پاؤں مارنے سے کب ابھرتا ہے۔ مجھے
ہر ہر قدم پر مرشدِ کامل کے سہارے کی ضرورت پڑی اور ہر
نفس سوامی رام تیرتھ مہاراج کا پاکیزہ کلام اور مقدس نورانی چہرہ
زندگی کو جیت جانے میں رہبر ہوا۔ بامِ حقیقت تک پہونچنا
اور سیڑھی بسیڑھی قدم رکھتے ہوئے ہر منزل دشوار گزار کو
طے کرنا بغیر کسی ہادیٔ کامل و عامل راہِ معرفت کچھ ہنسی کھیل
نہیں۔ اس لئے سچے جگیاسُو یا متلاشئ حقیقت کو غیبی امداد اور
ہر قدم پر رہبرِ کامل مل جانا بھی بعید از قیاس کب ہے۔

ے جو آیا سامنے بس رکھدیا سر اُسکے قدموں پر
محبت میں نہ سمجھا فرق کچھ میں دوست دشمن میں

کچھ دنوں کلیات رام و رام برشا پڑھ پڑھ کر آنند اور سُرور کی
لہریں لیتا رہا اور اپنا دل بہلاتا رہا۔ کبھی قلم دوات اٹھا کر پیارے
رام سے نامہ و پیام کی ٹھہراتا۔ کبھی نسیم سحر کو نامہ بر اور
قاصد ٹھہراتا۔

ے لائی ہوا ای نسیم سحر کیا پیام رام
کس رنگ میں ہے میرا دلِ آرام نام رام

کبھی میں اشجار و انہار سے پیارے رام کا پتہ پوچھتا۔ کبھی

بن کے چرندوں پرندوں کو اپنا ہمدم و ہمنفس سمجھتا۔

باغ کی چڑیوں اُڑ کے بتا دو کہاں ہے پیارا رام
بن کے درختوں ہل کے بتا دو کہاں ہے پیارا رام

قدرت کاملہ نیچر کی دلفریب سینریاں ہر برگ و بر میں پیارے رام کا جلوہ دکھا دکھا کر مجھے محو اور سرمست کرنے لگیں۔ یہانتک کہ ایک رات کو مطالعہ کتب میں ہمہ تن مصروف ہوتے ہوئے مجھے کتاب کے حرفوں میں رام ہی رام کی دلکش موہنی مورتیں مسکراتی ہوئی لبوں سے اوم اوم کے نعرے لگاتے ہوئی نظر آئیں۔ یہ سین حقیقت میں سوتا۔ نیند یا نیم خوابی کی حالت میں نظر آیا تھا جبکہ مطالعہ کتب کرتے کرتے آنکھ یکدم جھپک گئی تھی۔ عالم خواب میں بارہا مجھے رام تیرتھ کے درشن اُپدیش کرتے ہوئے۔ کبھی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے ملے۔ جب کبھی میری آنکھ سوتے سوتے کھل گئی تو اپنے آپ کو بھی روتا ہوا پایا۔ جب کبھی میرا دل زیادہ گھبراتا ایک کتاب انگریزی (لائف آف سوامی رام تیرتھ اینڈ ٹیچنگ) جو مجھ کو ازبس عزیز تھی اُٹھا کر پڑھتا اور دل بہلایا کرتا تھا۔ قدرت کاملہ کی طرف سے اکثر فرشتہ سیرت بزرگ بھگوا لباس دھارن کئے تلقین و تربیت کرتے دکھائی دیئے اور کبھی کبھی عالم باعمل گوروؤں نے اپنا سشش ہو جانے کی تلقین کی۔ مگر سر میں سوامی رام تیرتھ مہاراج کا سودا سمایا ہوا تھا۔ اس لئے سب کی سنتا اور اپنی دھن تا رہا۔ قلبی پریم اور اکرشن کی کیفیت یہ تھی کہ بعض اوقات خیال کی طاقت (اچھا شکتی) اور سنکلپ پھرنے سے ہر شئی خود بخود مہیا ہو جایا

کرتی۔ غالباً یہی اثر تھا کہ ایک یوگیشور کامل نے اپنے ایک ادھکاری شش کو مجھے شش بنانے کے لئے امتحاناً میرے پاس بھیجا۔ انہوں نے منجملہ بہت سے اور ششوں کے مجھے بھی اپنے ماتحت شش بنانے کی خواہش اُپدیش دوارا ظاہر کی اور فرمایا کہ بغیر گورو نجات غیر ممکن ہے۔ اس لئے تم کو شش ہونا چاہیے۔ چونکہ پیارے سوامی رام تیرتھ کو میں سب سے پہلے مرشد کامل اور ہر قدم پر اپنا رہبر تصور کر چکا تھا اس لئے اُن کی تلقین اگرچہ بااثر تھی مگر میں نے کچھ توجہ نہ کی۔ حتیٰ کہ یوگیشور کامل نے خود درشن دے کر میرے دلی شکوک کو رفع کر دیا۔ اگرچہ میں اُن سے بہت بیباکانہ اور لاپرواہی سے ملا۔ تاہم اُنہوں نے نہایت شفقت اور پریم سے میری ہر بات کو سُنا اور مقدس کتاب گیتا کے سدھانت پر عامل ہوتے اور گرہست آشرم کے فرائض کی انجام دہی کو مقدم فرض بتاتے ہوئے تھوڑا تھوڑا ابھیاس روزانہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ قوت۔ بصری گرہست آشرم کے فرائض کی انجام دہی۔ نیز دُنیوی بیوپاروں کو سرسری برتنے کے لئے مجھے آڈٹ آفس آر۔ کے ریلوے میں ماہ ستمبر ۱۸۹۸ء سے ۱۹۱۰ء تک معمولی تنخواہ کا کمتر کلرک رہنا پڑا۔ بارہ برس بامشقت کلرکی کا کام انجام دیتا ہُوا دن بھر دفتر میں کام اور کبھی کبھی کام کی زیادتی کی وجہ سے مکان پر دو دو گھنٹہ دفتر کا کام انجام دینے کے علاوہ کچھ وقت شوقِ سخن پورا کرنے میں بچاتا رہا۔

سے خیالی کشتیاں کاغذ کی تیرائیں سمندر میں

غزل کی بحر میں مضمون کے پل باندھے لڑکپن میں
بنا اُستاد اپنا آپ اکثر مدح لکھنے میں ؎ ؎
مذمت میں ہُوا شاگرد سودا کا لڑکپن میں
کبھی جھوٹی خوشامد سے بڑھا دی شان امیروں کی
دکھائے دن کو تارے رات کہکر روز روشن میں
نہ وہ دن اب نہ وہ ہیں اب نہ وہ شوقِ غزلخوانی
بسا غفلت میں کھو بیٹھا شباب اپنا لڑکپن میں
نہ سویا چین سے دم بھر گہر آغوش مقصد میں
اٹھائے شاعری کے میں نے کیا کیا ناز بچپن میں

مثل ہے کہ بارہ برس بعد گھورے کے دن بھی پھرتے ہیں لیس تعجب کی بات نہ تھی کہ ۱۹۱۰ء میں بارہ برس کلرکی کی لگاتار مشقت کے بعد مجھے ایک سیکشن کی انچارجی کا کام سپرد ہوا۔ اور بمقابلہ پیشتر کے رفتہ رفتہ مجھے دفتر میں بھی کچھ آزادی اور ماتحت کلرکوں کے کام کی صرف دیکھ بھال کا موقعہ ملنے لگا۔ کچھ طبیعت کو راحت بھی محسوس ہوتی گئی ؛

چونکہ طبیعت بچپن سے ہی آزاد اور دنیوی کروہات سے الگ تھلگ واقع ہوئی تھی اس لئے اپنا بقیہ وقت بجائے بیرونی تفریح اور تضیع اوقات کے مطالعہ کتب اور شاعری کے دھن میں گذارتا رہا

حسن وعشق کے پاکیزہ جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے ہمانے نظم مسدس رام اُپدیش اور مختصر سبق آموز سوانح عمری نظم میں لکھنے کے علاوہ بسا اوقات زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ واقعات حاضرہ کو

لئے ہوئے سادہ سوشیل اور نیشنل مضامین پر نظم لکھنے میں راتوں کو مکان پر وقت گذارا - شاذ و نادر دھارمک اور پبلک جلسوں میں موقعہ و محل کا لحاظ رکھتے ہُوئے نظمیں پڑھیں - جو ہر مذہب اور ہر جماعت کے پسندیدہ ہوئیں۔

پس سوامی رام تیرتھ مہاراج کے چرنوں سے محبت میری طبیعت کے لئے سونے میں سہاگہ کا کام کرگئی - غالبا یہی سبب ہو کہ میرے قلم سے اکثر مضامین مفید خلائق اور بے غرضانہ قومی خدمات کے جذبات لئے ہوئے قدرتًا نکلتے رہے - اردو علم و ادب کی انجمنوں میں کم اصحاب ایسے ہونگے جن کی نظر سے کوئی نہ کوئی میری نظم اخبارات اور رسالوں میں شائع ہوئی نہ گذری ہو - احباب کرم کی مجھ پر اس درجہ عنایت رہی کہ باوجودیکہ میری نظمیں شوخ اور رنگیلی نہیں ہوتیں اور شاعرانہ مذاق اور ظرافت سے بھی خالی - محض سادہ - مگر احبابِ کرم خصوصًا ایڈیٹرانِ اخبارات مجھے ہمیشہ اچھے الفاظ سے یاد فرماتے رہے - جن کا کہ میں اہل نہ تھا - اور اپنے اخبارات میں شوق اور فخر سے نظمیں اکثر بیش بہا نوٹ دیکر درج فرماتے رہے - بعض بعض خطوط ایڈیٹرانِ اخبارات واحبابِ کرم کے بے غرضانہ جوہر شناسی کا بیش بہا ثبوت بطور یادگار ابتک موجود ہیں؛ ......
.........."

مہا پُرشوں کے چرنوں کی دُھول
بھارت ماتا کا بے قیمت پھول

مختصر منظوم سوانحعمری

از

(قلم منشی دوارکا پرشاد صاحب گہر لکھنوی)

پرارتھنا

وہ بھگتی مجھ کو اے پرماتما دے　　دوئی کا بھید جو دل سے مٹا دے

میں سب سے پہلے پریم بھگتی کا پاؤں　　قلم لکھنے کو پھر آگے اٹھاؤں

میں رم کر تجھکو اپناؤں جہاں میں　　تجھی میں لے میں ہو جاؤں جہاں میں

اگر رکھنا ہے اپنے نام کی لاج　　تو بر لا میرے من کی کامنا آج

نہ میں لذّاتِ نفسانی میں بھٹکوں　　نہ مایا موہ کے بندھن میں اٹکوں

نہ چکر میں پھروں آواگون کے　　رہوں اندھیرے بن میں شیرین کے

بنوں میں سالکِ راہِ حقیقت　　کروں طے منزلِ راہِ حقیقت

رہوں قیدِ علائق سے میں آزاد　　سمجھ مجھ کو بھی اپنا بھگت پرہلاد

دیئے درشن دھرو کو جس نے بن میں　　وہی تو رم رہا ہے میرے تن میں

تیرا جلوہ ہے ہر کون و مکاں میں　　تو ہی تو ہے زمین و آسماں میں

بسا ہے تو ہی تو میری نظر میں　　تیرا پرکاش ہے برہمانڈ بھر میں

تیرا ہی نور ہے شمس و قمر میں　　چمن میں۔ نخل میں ہر برگ و بر میں

فلک پر جھومتی کالی گھٹا میں　　گھٹا میں برق کی دلکش ادا میں

تو ہی تو جلوہ افزا چار سو ہے　　جسے سمجھا ہوں میں کیا شک ہے۔ تو ہے

حیا و حسن و شوخی و ادا میں تو　　جمالِ یار و چشمِ دلربا میں تو

تجھے ہر رنگ میں مستانہ پایا۔　　تجھے ہر شمع پر پروانہ پایا

جہاں دیکھوں وہاں ہے جلوہ گر تو　　صنم تو ہی نظر تو ہے گہر تو

لے بھگتی تو سب کچھ آگیا ہاتھ
مجھے اب چاہیے کیا اور اے ناتھ

حقیقت ہوگئی معلوم اپنی
ہر دشو کا ہستی موہوم اپنی

یہ دُنیا کیا ہے نقشہ خواب کا ہے
حُباب اٹھتا ہوا اک آب کا ہے

یہ مقصد آخری ہے زندگی کا
لکھوں جیون چرت اک مہرشی کا

ہے جس کا نام نامی رامؔ تیرتھ
سری بھگوان سوامی رامؔ تیرتھ

سُنائے موت جب پیغام اپنا
گھڑیوں ہو بخیر انجام اپنا

نظر حسرت کی دُنیا پر پڑی ہو
اجل مُکتی لئے سر پر کھڑی ہو

تمنا ہے کہ چرنوں کا رہے دھیان
دمِ آخر چھُٹیں جب میرے پران

وہی ہو جل سمادھی کا نظارا
ترنگوں میں ہو گنگا جل کی دھارا

کنول آسن بفرشِ سطحِ آب
چنور جھلتی ہو ہر اک موجِ گرداب

گھٹائیں پریم کی چھائی ہوئی ہوں
ہوا میں لہریں بل کھائی ہوئی ہوں

ہمارا رامؔ پیارا زندہ جاوید
عیاں بحرِ شفق میں مثلِ خورشید

ہو جل دھارا میں یوں آسن جمائے
مُنی پربت پہ جیون دھونی رمائے

فلک تک گونجتی ہو اومؔ کی دھن
جو دھن سُن سُن کے لہریں جل کی ہوں مگن

لبِ گنگا گروہِ عاشقاں ہو
عجب کچھ دلربا پیارا سماں ہو

ہر اک بیخود ہو مستانہ ادا میں
سُریلی اومؔ کی دلکش صدا میں

تصور ہو وہی اک چشم و سر میں
ہو پھرتی سوہنی مورت نظر میں

کفن تن کا بنے ہردوار کی دُھول
گھر کے رامؔ گنگا میں چڑھیں پھول

اوم

زندہ جاوید رام

کا

یوم ولادت۔ خاندان اور بچپن

ہے شب کی آمد آمد رخصت شام — چھپا مغرب میں ہے مہر گل اندام

دوالی کا ہے دن گھر گھر خوشی ہے — دلوں میں روح افزا روشنی ہے

دیئے گھی کے ہیں روشن مندروں میں — ہیں گھنٹے بجتے ٹن ٹن مندروں میں

چراغوں سے ہے گھر ہر ایک گلزار — منایا جا رہا ہے عام تہوار

مراری والہ اک چھوٹا سا ہے گاؤں — نچھاور جس پہ برسانے کی ہے چھاؤں

یہاں اک برہمن کے گھر بصد پریم — اسی دن لکشمی پوجن کا ہے نیم

ہے اسکا نام ہیرانند مشہور — گو سائیں برہمن ہے چشم بد دور

ہیں اس کے گھر خوشی کے ساز و ساماں — دیے روشن ہیں رشک ماہ تاباں

خوشی اک اور بھی ہے ہونے والی — دوبالا ہوتا ہے جشن دیوالی

نہ تھا معلوم ابھی کچھ دیر کا حال — چمکتا چاند سے بھی بڑھ کے اک لال

کہ بالائے سرش از ہوشمندی — درخشاں آفتاب ارجمندی

کرے گا اس بھرے گھر کا اجالا — خوشی کا مرتبہ ہوگا دوبالا

خبر تھی کس کو یہ ننھا سا پیارا — بنے گا قوم کی آنکھوں کا تارا

مہینہ عدل کا تھا شبھ گھڑی تھی — اٹھارہ سو تہتر [۱۸۷۳] عیسوی تھی

دوالی کے سویرے بدھ کے روز — ہوا تاباں یہ ماہ عالم افروز

ہیں گذرے سال تقریباً بیالیس | تھا سمبت بکرمی اُنیس سو تیس

ہوئی جب دُوسرے دن صبحِ تاباں | ہُوا خورشیدِ عالم جلوہ افشاں
گوسائیں خاندان کا نُور چمکا | یہ پیارا ناظر و منظور چمکا
بنی عشرت کدہ وُہ پاک بھُومی | بلائے باپ نے پنڈت نجومی
کی اک پنڈت نے یہ پیشین گوئی | کہ ہے فرزند یہ اَوتار کوئی
اسے تھوڑے ہی سن میں گیان ہوگا | بڑا بھاری یہ وِدیا وان ہوگا
ہوا آئے گی جنگل کی اسے راس | کریگا یہ بھجن تپ یوگ ابھیاس
ہو ایشور درشنوں کی چاہ اس کو | حقیقت کی ملے گی تھاہ اس کو
مجازی سے حقیقی کو پہنچ کر | سُرورِ ذات کا تیرے سمندر
نفس کو یوگ سے کرلے گا بس میں | پھنسے گا یہ نہ دُنیا کی ہوس میں
کہ دُنیاوی سُکھوں پہ مار کر لات | بنے گا بادشاہِ کشورِ ذات
رفاہِ عام ہوں ارمان اس کے | ہوں قوم اور مُلک پر احسان اسکے
کرے گا خُوب دنیا بھر کی یہ سیر | سمندر معرفت کا جائے گا تیر
برس اکیس[21] یا تینتیس[33] کے اندر | ہو دُور۔ غرقاب ہو دریا میں گر کر

اوائلِ عمر ہی سے تھا اسے گیان | حق و ناحق کی تھی حد درجہ پہچان
اگر ایشور ہے نِرگُن اور نِراکار | تو کیوں پوجیں نہ اس مورت کو ساکار
یہ بھارت ورش کا پیارا دُلارا | لگا نازوں سے پلنے ماں کا پیارا

لہ نوٹ شدہ۔ مصنف نے جس وقت سوانح عمری لکھی تھی اس وقت کے لحاظ سے بیالیس[42] سال کا زمانہ گذرا تھا۔

ہوئے پیدا ہوئے جب پہلے نو ماہ
تو بچھڑا گود سے ماتا کی یہ۔ آہ

جو تیرتھ دیوی اک اسکی بہن تھی
اور گھر میں تھی پتا کی اک بہن بھی

یہ ہر دو پریم کی پتلی بنی تھیں
کہ ایشور پریم میں ڈوبی ہوئی تھیں

بنا نورِ نظر اُن کا یہ فرزند
پلا آغوش میں اُن کے یہ دلبند

اسے دے پریم۔ اُلفت سے کھلاتیں
بھجن ایشور کے گا گا کر سناتیں

اثر ایسا پڑا بھجنوں کا دل پر
کہ بچپن سے ہی بھگتی نے کیا گھر

وہ دلکش موہنی مورت کا نقشہ
چمکتا چاند سی صورت کا نقشہ

ہر اک کی آنکھ کی پتلی کا تھا تِل
لُبھا لیتا تھا بس ہر ایک کا دِل

برس دو کی ابھی نوبت نہ آئی
ہوئی بچپن میں ہی اس کی سگائی

گوسائیں ہیرانند اس کے پدر کی
ہوئی کچھ دن میں شادی دوسری بھی

حقیقی ماں کو یہ تھا جیسا پیارا
بنا سوتیلی ماں کا بھی دُلارا

ہُوا جب ختم اُس کا تیسرا سال
بٹھایا باپ نے مکتب میں فی الحال

تھا بچپن ہی سے ذہن اسکا خداداد
کہ تھا مداح ہر اک اسکا اُستاد

بڑھا علم و ادب کا اسقدر شوق
کہ ہمجنسوں میں سب سے لے گیا فوق

تھے کرتے پیار سب اُستاد اُس کو
سبق رہتا تھا ازبر یاد اُس کو

کتھا کا شوق تھا بچپن سے اُس کو
بھجن تھے ہر کے بھاتے من سے اُسکو

ہوئی تعلیم جب ختم ابتدائی
تو نوبت مدرسہ جانے کی آئی

اُسی قصبہ میں تھا سرکاری اسکول
وہاں جاتا تھا پڑھنے حسب معمول

کیا تحصیل علم اس شوق دل سے
کئے طے جلد چھوٹے چھوٹے درجے

نہ کھویا وقت بیکار اپنا اِک پل
رہا نمبر ہر اک درجے میں اول

وظیفے بھی کئے حاصل کئی بار
ملے سرٹیفکیٹ بھی اُسکو دو چار

غرض کرتا گیا جوں جوں ترقی
کی اس نو عمر نے دن دن ترقی

کہ تھوڑے ہی دنوں میں کرکے ابھیاس
کیا ورنیکلر اردو مڈل پاس

جو پہنچا دس برس کے سن میں یہ ماہ
پتا نے اس کے اسکا کر دیا بیاہ

ابھی بچے کو کب اتنی سمجھ تھی
کہ پیروں میں پڑی جاتی ہے بیڑی

ہُوا بارہ برس میں کچھ سمجھ دار
تو بولا باپ سے اک روز ناچار

نہیں یہ ہندوؤں میں رسم اچھی
کہ کر دیتے ہیں بچپن میں ہی شادی

ترقی میں رُکاوٹ ہے۔ جو کچھ بھی
تو بس یہ کمسنی ہی کی ہے شادی

یہ نو دس سال کا نو عُمر بچہ
حق و ناحق کو اتنا جانتا تھا

یہ خود کہنے لگا اک دن پتا سے
پتا جی! مدرسے کے مولوی نے

پڑھانے میں ہے کی محنت میرے ساتھ
ہے اُستادانہ کی شفقت مرے ساتھ

یہ میری رائے میں ہے مولوی کو
بندھی ہے بھینس جو گھر پر وہ دیدو

کتابوں میں پڑھا ہے میں نے اکثر
کہ حق اُستاد کا ہے سب سے بڑھ کر

سن اٹھارہ سو اٹھاسی میں اِس نے
کیا پاس انٹرنس از حد خوشی سے

تھا جتنا علم اُسے اتنا عمل تھا
وظیفے جو ملے محنت کا پھل تھا

سن اٹھارہ سو نوے میں پھر اُسنے
کیا اوّل ہی نمبر پاس ایف اے

طبیعت میں بلا کی سادگی تھی
عجب ہمت عجب آمادگی تھی

مدد کرتا ہو ایشور جن کے ماں باپ — اُسی کی جو کرے اپنی مدد آپ
یہ پاتا تھا جو سرکاری وظیفہ — کتابوں کا بھی صرفہ تھا نہ چلتا
نہ بچتا پاس تھا پیسہ کوئی بھی — بمشکل تھی گذر اوقات ہوتی
تھا باپ اس کا غریب اتنا بچارا — بمشکل روٹیوں کا تھا گذارا
اس ایشور بھگت کو خود پر تھا وشواش — رہا کرتا تھا ہر دم شاد بشاش
دماغ اس کا وہ مخزن عقل کا تھا — نمونہ صاف روشن عقل کا تھا
منٹ اک اک تھا اسکا بیش قیمت — وہ تھا متلاشیٔ راہِ حقیقت
شب و روز اُسنے کی محنت لگاتار — یہ آخر پڑ گیا اک بار بیمار
نہ محنت سہ سکی جب تندرستی — تو بی اے میں ہوئی ناکامیابی
مگر محنت سے خود ہمت نہ ہارا — ہُوا درجہ میں پاس آخر دوبارا
وظیفے پائے دو پھر پاس ہو کر — رہا بی اے میں بھی اوّل ہی نمبر
کہ حل کرنا ریاضی کے سوالات — نظر میں اس کے اک ادنیٰ سی تھی بات
دلی خواہش رہا کرتی تھی اکثر — بنوں دُنیا کا ٹیچر یا پہ ٹیچر
سو ایشور لایا بر خواہش یہ اُسکی — بنا دُنیا کا وہ ٹیچر حقیقی
ریاضی سیکھنے اُس سے خوشی سے — ایم اے تک کے تھے اسٹوڈنٹ آتے

یہ ایشور بھگت پیارا رام تیرتھ — ہر اک نظروں کا تارا رام تیرتھ
تھا علم و فن کا کچھ اس درجہ شائق — کہ پڑھ لکھ کر ہُوا حد درجہ لائق
ریاضی کے پروفیسر نے خوش ہو — گھڑی مع چین دی انعام اُسکو
تھے نامی ڈاکٹر اک بابو رگھناتھ — اُنہوں نے رام تیرتھ کا دیا ساتھ
پڑھانے میں دی ایم اے تک کی امداد — کہ احساں رہ گئے اُن کے سدا یاد

ہوا تھا اتفاق اک بار ایسا ؎ ۔۔۔ یہ پاتا تھا جو ماہانہ وظیفہ
نہ اس میں سے بچا کچھ پاس اسکے ۔۔۔ لئے قرض اُسنے دس روپے کسی سے
ادائی کی عجب صورت تھی اِنکے ۔۔۔ یہ ہر ماہ اُسکو دس دیتا تھا روپے
ہر احساں کے عوض یہ فرضِ انساں ۔۔۔ کہ محسن کا کبھی بھولے نہ احساں

تھی جیسی کچھ کہ قبل از امتحاں آس ۔۔۔ ایم اے بھی کامیابی سے کیا پاس
ریاضی کے مشن کالج میں خود ہی ۔۔۔ پروفیسر رہے آپ آنریری
ہیں لکھتے ڈاکٹر رگھو ناتھ کو آپ ۔۔۔ یہ سب ہو آپ ہی کا پُن و پرتاب
ہوئی مجھ پر دَیا پرتما کی ۔۔۔ کہ حاصل ہوگئی ایم اے کی ڈگری
تھا گو سخت امتحاں پرچے تھے مشکل ۔۔۔ مگر امداد تھی ایشور کی شامل
بزرگوں کی دُعا سے ہوگیا پاس ۔۔۔ ملا محنت کا پھل پُوری ہوئی آس
اسی اثناء میں گذرا واقعہ ایک ۔۔۔ زبس جانکاہ تھا یہ حادثہ ایک
وہ تیرتھ دیوی جو اسکی بہن تھی ۔۔۔ جسے حد درجہ اُس کی مامتا تھی
ہوئی اک دن غشی اُسکو جو طاری ۔۔۔ تو وہ بیکنٹھ کو اک دم سدھاری
جُدائی کا بہن کی جب سُنا حال ۔۔۔ نہ پوچھو رام کا جو کچھ ہوا حال
دل اُس کا گو کہ متحمل بڑا تھا ۔۔۔ مگر صدمہ یہ فرقت کا کڑا تھا
اُمنڈ آئے جو اشک آنکھوں سے یکبار ۔۔۔ کلیجے کو لیا خود تھام ناچار
جو کھیلا گود میں بچپن سے تھا رام ۔۔۔ بہن کا لاڈلا تن من سے تھا رام
بھر آیا جوشِ الفت سے جو دل۔ آہ! ۔۔۔ تو رکھ لی صبر کی سینہ پہ سِل آہ!
کیا صدمہ بصد حسرت گوارا ۔۔۔ نہیں تھا صبر کے بجز کوئی چارا

؎ بلا تنخواہ؟ یہ واقعہ حالت طالب علمی کا نہیں بلکہ اسوقت کا ہے جب سیالکوٹ میں ملازم تھے۔

کتھا سُننے کا بچپن سے جو تھا نیم بھرا ہر روم میں ایشور کا تھا پریم
جو نند گوپال کا اک مندر مشہور کتھا سُننے کو جاتے حسب دستور
ہی ذکر اِکدن کتھا سُنتے ہی سُنتے لگے آپ یک بیک بیلور رونے
ہوں بچے جس طرح روتے بلک کر تھے رخساروں پہ اشک آتے ڈھلک کر
کیا رونے کو سب نے منع ہر چند نہیں رونا ہوا پر آپ کا بند
نہ کام آیا دلاسا اور تشفی گئی دل پر اثر کر پریم بھگتی

⁂

نہیں چھپتا ہی جب عشق مجازی تو کب چھپ سکتا ہی عشق حقیقی

⁂

ایم اے کی آپ ڈگری کر کے حاصل ہوئے بھگتی کی جانب خوب مائل
سبھاوک آپ میں ایشور کے گُن تھے کہ قُدرت کی طرف سے کارکُن تھے
مگر مایا کا پردہ درمیاں تھا مجسّم برہم کا جلوہ نہاں تھا
بھجن میں محو اتنے ہو گئے تھے کہ اپنے تن بدن سے کھو گئے تھے
تصوّر کرشن کا ایسا بندھا تھا سُروپ اپنا ہی خود بھولا ہوا تھا
تمنّا تھی کہ ہوں ایشور کے درشن یہ تن من دھن کروں سب کرشن اپن
گھٹا کو دیکھ کر آنسو بہا کر یہ کہہ اُٹھتے تھے بیتابانہ اکثر
مجھے کب ہونگے درشن کرشن پیارے بنو گے کب مری آنکھوں کے تارے
نہیں اب اور کوئی جستجو ہی فقط درشن کی مجھ کو آرزو ہی

⁂

ہی ذکر اک روز کا راوی کنارے تھے محو ایشور بھجن میں آپ پیارے
کہ کوئل کوک اٹھی اتنے میں ناگاہ پڑے چونک آپ بھر کر سرد اک آہ

کہا کوئل سے پھر تان اِک سُنا دے / مجھے اُس بنسی والے کا پتا دے
صدا مرلی کی ہے جیسی طرب خیز / ہے تیری کوک بھی دلکش دلاویز
بتا دے کرشن کا دیکھا ہے مکھڑا / یقیناً سانولا اُس کا ہے مکھڑا
کبھی کہتے تھے اشک آنکھوں میں بھر کر / دیا کب کیجیے گا کرشن مجھ پر
نہ ہوں گے آپ کے کیا مجھ کو دیدار / ہوں کیا میں ایسا ہی پاپی گنہگار

سناتن دھرم کے جلسوں میں اکثر / کھڑے ہوتے تھے جب دینے کو لیکچر
حقیقی پریم کے دلکش اثر سے / تھے گنگا جل بہاتے چشم تر سے
جو ماہانہ ملا کرتی تھی تنخواہ / قریباً صرف ہوجاتی تھی ہر ماہ
یہ اپنے قول کے ایسے دھنی تھے / غلام انکے تھے سب جتنے غنی تھے

نوٹ۔ اس منظوم سوانح عمری میں سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کے کارنامجات مثلاً امریکہ وغیرہ میں انکے مؤثر لیکچروں کا ذکر اور تصنیفات۔ ہندوستان کی واپسی پر اُن کے جابجا ویاکھیان وغیرہ جملہ حالات نظر انداز کردیے گئے ہیں۔ مُفصل ذکر اور حالات کُلیات رام و دیگر کُتب مصنفہ نارائن سوامی جی پڑھ کر ناظرین فائدہ اُٹھائیں گے۔ میری قلم نے یاوری نہیں کی کہ میں اُن کی مقدس تحریرات و تقریرات کی کاپی کر کے اصل حالات اور واقعات کو باترتیب کرتا۔ اور چونکہ ایام تحریر سوانح عمری میں مفصل حالات میرے دماغ میں نہ سما سکے تھے اور دل منتشر ہوگیا تھا اسلئے اسی قدر پر اکتفا کیا گیا۔

آیندہ بشرط صحت و اشتیاق پبلک دوسرے ایڈیشن میں اضافہ کی جائے گی۔

محمد

قصیدہ جات رام

(از قلم دوارکا پرشاد صاحب افق لکھنوی)

(۱) پریم کا تحفہ

(حقیقی لازوال بے لوث اور سچی محبت کی یادگار میں)

چمک جا حسن کی دلکش ادا میں رام کی مورت
چمک کر برق دکھلا دے گھٹا میں رام کی مورت
چمک آئینۂ دل کی جلا میں رام کی مورت
چمک جا اوم کی دلکش صدا میں رام کی مورت
دکھا دے اک جھلک ای گنگھے مائی رام پیارے کی
گسائیں بھگت ہیرآنند کے آنکھوں کے تارے کی
نہاں نظروں سے ہو کیوں آج ای محو خود آرائی
درخشاں ہو کدھر ای آفتاب عقل و دانائی
کہاں ہو آج تو اؤ خود تماشا خود تماشائی
ہو کس دنیا میں آج ای پریم اور الفت کے شیدائی
ہیں مشتاق آنکھیں دیکھیں پیاری مستانہ ادائیں ہم
سنیں اکبار پھر اوم اوم کی دلکش صدائیں ہم
کہاں اوم اوم کی دھن میں ہو تو ای رام متوالا
کہاں تو جھومتا پھرتا ہو پی کر پریم کا پیالا
ہر اک دل میں پھر اپنے تیج کا پھیلا دے اُجالا

دکھادے رام مکھڑا پیارا دل کو موہنے والا
بہادے شانتی اور پریم کا دریا میرے دل میں
دکھادے جلوۂ حُسنِ حقیقی پہلی منزل میں
نسیمِ دشت کس کو ڈھونڈھتی پھرتی ہو تو بَن میں
صبا پھرتی ہو کس کی جستجو میں صحنِ گلشن میں
لہریا پریم کی او ڈھے مگن لہریں ہیں کیوں بَن میں
چھپا ہو میرا موتی۔ رام گنگا تیرے دامن میں
پہاڑوں کی چٹانیں کر رہی ہیں شور وادی میں
ہو ابتک پیارا سوامی رام تیرتھ جل سمادھی میں
مجسم پریم کی او جاگتی مُورت کہاں ہو تُو
حقیقی حسن کی او منچلی مُورت کہاں ہو تُو
وہ ہنسنی مُسکراتی موہنی مُورت کہاں ہو تُو
ریاضی فلسفی ویدانتی مُورت کہاں ہو تُو
دوئی کا کاش پردہ سامنے سے جلد ہٹ جائے
تیرے درشن سے بھارت ورش کی کایا پلٹ جائے
مہک پھُولوں میں پھیرائے گُلبنِ باغِ سخندانی
چہک شاخوں پہ پھیرائے بُلبُل مست خوش الحانی
سُنا اک بار پھر کانوں کو دلکش راگِ حقانی
لُٹا دل کھول کر گنجینۂ اسرارِ روحانی
شہنشاہوں کا شاہنشاہ یکتائے زماں تُو ہو
زمیں تُو ہو زماں تُو ہو مکیں تُو ہو مکاں تو ہو

نفس کو زیر کر کے کس نے سر کی فوج راون کی
تلاش حق میں کس نے خاک چھانی کوہ اور بن کی
بڑی مشکل لاسا ای رام تجھ کو رام درشن کی
رما تو رام میں ایسا کہ پائی کامنا من کی
یہ ہی حق الیقیں ڈھونڈھا ہی جس نے اسکو پایا ہی
کبھی عاشق کبھی معشوق وہ بن بن کر آیا ہی
نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں رام تجھ کو کوہ و صحرا میں
تیری فرقت میں ہی بیتاب ہر اک آج دنیا میں
بہا جاتا ہی بیڑا قوم کی کشتی کا دریا میں
ترنگیں کر رہا لہروں سے ہی تُو رام گنگا میں
صدا آتی ہی ڈھونڈھو دِل میں پیارا رام تجھ میں ہی
کہاں ہی رام - میں ہوں رام میں ہوں رام مجھ میں ہی
وہ دیکھو رام پیارا جھُومتا مستانہ آتا ہی
لگاتا اوم کے نعرے وہ بیتابانہ آتا ہی
ہر گھُلتی شمع غم میں جس کے وہ پروانہ آتا ہی
جو دیوانہ ہی اس کے پاس ہی دیوانہ آتا ہی
اُٹھو آواز حق سوتے ہُوؤں کو پھر جگاتی ہی
صدائے رام دِلکش گونجتی کانوں میں آتی ہی
لگا دیتا ہی سب کو پار جس کا نام ای پیارے
وہی بس ورد لب رکھو نام صبح و شام ای پیارے
وہ گھٹ گھٹ میں ہر اک کے رم رہا ہی رام اے پیارے

کہیں ہی رآم پیارا اور کہیں ہی شام اے پیارے
ہٹا پردہ دوئی کا آنکھ کھول اور دیکھو تو کیا ہی
رَما جس رآم میں وہ رآم تیرے دل میں بیٹھا ہی
قدم نقش قدم پر رآم کے دھرتے جو آئیں گے
سُرورِ ذات کا گہرا سمندر پیَر جائیں گے
جو اپنے آپ کو لذاتِ دُنیا میں پھنسائیں گے
وہی بس ٹھوکریں اک اک قدم پر خوب کھائیں گے
کڑی ہی پریم کی منزل مگر جس نے قدم مارا
محبت میں کٹا کر شمع ساں سر پھر نہ دم مارا
جو قوم اور ملک کی اُلفت میں اپنے کو مٹاتے ہیں
اُن ہی کی خاک کو اہلِ نظر سُرمہ بناتے ہیں
جو سوامی رام تیرتھ ایسے اس دُنیا میں آتے ہیں
وہ شیروں پر بھی سکّہ پریم کا اپنے بٹھاتے ہیں
نہیں دم مارتے ہیں شمع ساں جو سر کٹا کر بھی
وہ پا لیتے ہیں منزل ٹھوکریں دُنیا کی کھا کر بھی
بٹھایا کس نے بھارت ورش میں سکّہ محبت کا
ہی امریکہ سے تا جاپان چرچا کس کی اُلفت کا
پھریرا کس نے پھہرایا فلک تک قومی عظمت کا
ہُوا ہی کون ایسا آشنا بحرِ حقیقت کا
وویکانند رآم اور کرشن و سوامی رآم زندہ ہیں
نشاں گو مٹ گئے ہوں لیکن اُن کے نام زندہ ہیں

مہاپُرش ایسے دُنیا میں بڑے کاموں کو آتے ہیں
مٹاتے آپ کو ہیں اور لاکھوں کو بناتے ہیں
صدا مجذوب کی بڑ کی طرح اکثر لگاتے ہیں
حقیقت کا وہ سچا راستہ سب کو دکھاتے ہیں
جو اہل علم ہیں اُن کی نصیحت پہ عمل کرتے
معمے عقل سے دنیا کے ہیں پل بھر میں حل کرتے
سما جا رام تو نظروں میں بن کر آنکھ کا تارا
کریں ہم مسکراتے چاند سے مکھڑے کا نظّارا
ہمارا رام پیارا رام بھارت ورش کا پیارا
بہا دے جلد دل میں شانتی اور پریم کی دھارا
دکھا دے اپنی متوالی ادا اے رام پیارے پھر
منا دے شام خوشیاں صبح کی راوی کنارے پھر
تمنا ہو کہ پھر بھارت میں تجھکو جلوہ گر دیکھیں
ترا مکھڑا چمکتا چاند سا ہر دم گھر دیکھیں
ترا جیون چرتر اے رام تمرتھ عمر بھر دیکھیں
تری تینتیس سالہ زندگی کو اِک نظر دیکھیں
ذرا سی زندگی میں کر گیا سب کام دُنیا میں
رہے گا رام ابد تک تیرا روشن نام دنیا میں

(۲) رام اپدیش

قول دنیا سے محبت کا مگر ہارا ہی
مجھ کو معلوم ہُوا رآم کا تو پیارا ہی
تجھ کو مرغوب اگر رآم کا نظارا ہی
دیکھ یاں پریم کی بہتی ہوئی اک دھارا ہی
ڈوب گر گیان کی گنگا میں اُبھر اور کر دھیان
رآم کے چرنوں کا آئینۂ دل میں دھر دھیان
دیکھ دیوانہ نہ بن۔ ہوش میں آ۔ اور سنبھل
قُلزمِ عشق میں ہو جائے نہ بڑا جل تھل
جائے دلدل میں نہ دھوکے سے کہیں پاؤں پھسل
بزمِ عالم میں نہ مچ جائے یکایک ہلچل
کہیں تو بحرِ تصوّف میں نہ غوطہ کھا جائے
رآم بدنام ہو تجھ سے بھی نہ خود اُبھرا جائے
ڈھونڈھتا پھرتا ہی تو وشت بیاباں میں کسے
دیکھتا رہتا ہی اُف خواب پریشاں میں کسے
ہو سبق روز نیا حفظِ دبستاں میں کسے
تمغۂ فضل ملا بزمِ سخنداں میں کسے
نام و شہرت کی ہوس چھوڑ دے دیوانہ نہ بن
دیکھ جل جائے گا اس شمع پہ پروانہ نہ بن
آتشِ شوق کو اس درجہ نہ بھڑکا دل میں

برق و باراں کے شراروں کو نہ کڑکا دل میں
ہو نہ عالم کہیں مجذوب کی بڑ کا دل میں
ڈر ہی ہو جائے نہ پیدا کبھی دھڑکا دل میں
بھٹکے صحرا میں نہ تو قیس کہیں بن بن کر
سر نہ ہو کوہ کے فرہاد سا دشمن بن کر
کون سی تجھ کو ادا رام کی خوش آئی ہی
سچ بتا کس لیئے تو رام کا شیدائی ہو
رام بھگتی کا تہیہ دل سے تمنائی ہی
درشنوں کی تجھے یا چاہ یہاں لائی ہی
پاک اُلفت ہی تو سو جان کا شیدا میں ہوں
تیرے ہی زلفِ پریشان کا سودا میں ہوں
دل وہ دل ہی نہیں جس دِل میں نہیں میرا قیام
آنکھ وہ آنکھ ہی نہیں جس میں نہیں میرا مقام
لب وہ لب ہی نہیں جس لب پہ نہیں رام کا نام
رم رہا رام جو تن من میں ہی وہ کون ہی رام
دُور کر دِل سے دُوئی کو مِٹا تو نہ رہے
رام ہی رام رہے فرق سر مُو نہ رہے
عقل و دانش میں مجھے دیکھ کہ یکتا میں ہوں
ادب اخلاق کا بہتا ہوا دریا میں ہوں
حُسن اور عشق کے جذبات کا نقشہ میں ہوں
دیکھ آئینۂ دل میں ترے بیٹھا میں ہوں

چشم حق بیں سے مجھے دیکھ کہ میں دُور نہیں
بلکہ خود آنکھ ملانا تجھے منظور نہیں
ہے ابھی عشقِ حقیقت کا پیا جام کہاں
رٹ پپیہے کی طرح پی کے عوض رامؔ کہاں
جس کا آغاز نہیں اُس کا ہے انجام کہاں
ہستی و علم ہُوں مستی ہُوں مرا نام کہاں
منزلِ عشق مجازی ابھی طے کرنا ہے
ڈوب مر چاہ میں ناکام اگر مرنا ہے
دیکھ تو رامؔ نے کیا کام کیا بھارت میں
زندہ جاوید رہا۔ نام کیا بھارت میں
دہر کو تابعِ احکام کیا بھارت میں
سکۂ علم و عمل عام کیا بھارت میں
وید اور شاستر کی عظمت کا بجایا ڈنکا
ساری قوموں میں محبت کا بجایا ڈنکا
پائی ہے بحرِ حقیقت کی کس نے کہیں تھاہ
ڈوب ہی جائے کہیں دل سے نہ ہو دکھو جو زاہ
عشقِ صادق ہو تو ممکن ہے کہ ہوجائے نباہ
رونا آتا ہے مجھے دیکھ کے حالت تیری آہ
یاد رکھ دھار پہ تلواروں کی چلنا ہوگا
سُورماں بن کے مِشن سے نہیں ٹلنا ہوگا
رامؔ سچائی کی اِک شمع پہ تھا پروانہ

قیس و فرہاد کی مانند نہ تھا دیوانہ
اپنی ہی زلفِ پریشاں کا نہیں تھا شانہ
بزمِ اغیار میں بھی تھا وہ نہیں بیگانہ
قوم اور ملک کو غفلت سے بچایا کس نے
راستہ بامِ حقیقت کا دکھایا کس نے
رامؔ نے دھرم کی عظمت کا اٹھایا بیڑا
رامؔ نے ملک کی خدمت کا اٹھایا بیڑا
رامؔ نے قوم کی اُلفت کا اٹھایا بیڑا
ہم وطن پیاروں کی ثروت کا اٹھایا بیڑا
کشش ہو جس میں کہیں رامؔ کا اندیش نہیں
رامؔ میں نام کو بھی راگ نہیں دویش نہیں
کون سر بندھی ہی کر غور تو کیا اپنا ہی
کیا یہ جسم اپنا ہی؟ ہرگز نہیں پھر کس کا ہی
جسم قائم نہیں خود ذات پہ گر پھر کیا ہی
اور قائم ہی تو بس ذات ہی کا جلوا ہی
اپنے آپ آتما ہی جس کی یہ سب شکتی ہی
جسم سایہ کے سوا اور نہیں کچھ بھی ہی
صاف ہی آئینۂ دل اگر کر تو نظارا
آتما آپ ہی اور آپ ہی اپنا پیارا
نام اور رُوپ سے منسوب ہی نیارا نیارا
آتما ایک ہی۔ پرکاش ہی جس کا سارا

نام اور روپ بھی جُز ذات ہی کر غور نہیں
دیکھ تو اور نہیں اور میں ہُوں اور نہیں
قطرۂ اشک سمندر میں گہر کس کا ہی
جلوۂ کون و مکاں پیشِ نظر کس کا ہی
رام ہر روم میں بیاپک ہی تو ڈر کس کا ہی
دیکھ ویرانۂ دل میں تیرے گھر کس کا ہی
دن ہوں میں رات ہوں میں صبح ہوں میں شام ہوں میں
منہ سے کہہ رام ہوں میں رام ہوں میں رام ہوں میں
رام تو ہی ہی کہاں رام ہی کس پر مائل
دیکھ کر حال ترا زار بھر آتا ہی دِل
تیری ہی تیغ تجھے دے گئی چرکا قاتل
ہوگیا اپنی ہی تو آپ اَدا پر بسمل
آپ ہی رام ہی تو مُفت میں بدنام ہوں میں
مُنہ سے کہہ رام ہوں میں۔ رام ہوں میں رام ہوں میں
ناک کان آنکھ زباں تیری نہیں رام کی ہی
تیرے قالب میں بھی جان تیری نہیں رام کی ہی
عقل ہی دیکھ کہاں تیری نہیں رام کی ہی
جسم میں روحِ رواں تیری نہیں رام کی ہی
تیرا کچھ بھی نہیں جب تیرا دِلا رام ہوں میں
رام کے منہ سے تو کہہ رام ہوں میں رام ہوں میں
چمنِ دہر میں پھولوں کی مہک کس کی ہی

ذرّہ ذرّہ میں ذرا دیکھ چمک کس کی ہے
برق اور رعد میں جز میرے کڑک کس کی ہے
دل کے آئینہ میں دیکھ اپنے جھلک کس کی ہے
مہر ہوں ماہ ہوں بالائے تر از بام ہوں میں ؎
منھ سے کہہ رام ہوں میں رام ہوں میں رام ہوں میں
رام کے حکم سے بیخوف یہ کہہ میں ہوں رام
بن نہ "میں بندہ ہوں میں بندہ ہوں" کہہ کہہ کے غلام
ساری دنیا میں چلا رام کا یہ سکۂ عام
مُہر اس لب پہ کہ جس لب پہ نہ ہو رام کا نام
خلوتِ خاص ہوں میں جلوہ گہہ عام ہوں میں
منھ سے کہہ رام ہوں میں رام ہوں میں رام ہوں میں
جب تیرا کچھ نہیں اس جسم پہ سب رام کا ہے
رام خود بندہ نہیں پھر بندہ تو کب رام کا ہے
رام کے پیاروں سے کہہ حکم یہ اب رام کا ہے
رم رہا رام میں جو اس کو لقب رام کا ہے
نہ تو آغاز ہی اپنا ہوں نہ انجام ہوں میں ؎
منھ سے کہہ رام ہوں میں رام ہوں میں رام ہوں میں
رام کو دوسرا کوئی نہیں آتا ہے نظر ؎
دوسرا کون ہے جز رام بچار آٹھ پہر
رام ہے خانہ بدوش اس کا ہر اک دل میں ہے گھر
ہے گذر پریم بھرے دل میں مرا دیکھ گھر

روشنی بخشِ جہاں تہر لبِ بام ہوں میں +
منہ سے کہہ رام ہوں میں رام ہوں میں رام ہوں میں

ایک سچائی میں ہی وہ برقی قوت +
جس سے بڑھ کر نہیں دنیا میں کوئی بھی طاقت
نفسِ سرکش کو کرے زیر جو کر کے جرأت .
رہنمائی کو ہو حاضر ترے خود ہی ہمت
دل اگر صاف نہ ہوگا تو مصیبت ہوگی
اپنے ہمچشموں میں بھی صاف ندامت ہوگی
مجھ کو صحرا میں نہ گلشن میں نہ گلزار میں ڈھونڈھ
مجھ کو متھرا نہ رِکھی کیش نہ ہردوار میں ڈھونڈھ
مجھ کو پربت کی چٹانوں پہ نہ کہسار میں ڈھونڈھ
مجھ کو جھاڑی میں نہ بن میں نہ خس و خار میں ڈھونڈھ
ڈھونڈھ لے رام کو یاں مفلس و ناداروں میں
پائے گا رام کو پھرتا ہوا ناچاروں میں
بھول جا آپ کو درشن کی اگر دل میں ہو چاہ
تیرے ہی آئینۂ دل میں ہوں میں غیرتِ ماہ
قلب اگر وہم و جہالت سے تیرا ہوگا سیاہ
اپنا ہی روپ نظر آئے گا تجھ کو نہیں آہ
غور سے دیکھ کوئی تیرے سوا اپنا ہے +
خود تماشائی ہے تو اور یہ سب سپنا ہے +
اوم میں رام مرا دیش مراری والا

اوم میں ماہ ہوں تو جس کا بنا ہے ہالا ۔
اوم میں نور ہوں تو جس کا بنا متوالا
اوم میں روح ہوں سانچے میں تجھے ہے ڈالا
ہستی و علم ہوں مستی ہوں نہیں نام مرا
خود پرستی و خدائی ہے یہ بس کام مرا

میں شہنشاہ ہوں ہے جسم مرا ہندوستان
بندھیاچل ہے لنگوٹ اور برہم پترا استھان
سر ہمالہ ہے چرن راس کماری ہے جان
دونوں بازو ہیں مرے مشرق و مغرب پہچان
روح ہوں ۔ آنکھیں ہیں میری مہ و مہر تاباں
میں جدھر چلتا ہوں چلتا ہے ادھر ہندوستاں

شیو ہوں میں ۔ بشن ہوں میں ۔ برہما ہوں شنکر ہوں میں
رام اور کرشن کی مورت ہوں میں مندر ہوں میں
دھات ہوں سونا ہوں پارس ہوں میں پتھر ہوں میں
پریم وشواش میں ۔ سچائی میں ۔ گھر گھر ہوں میں
میں ہی نرگن ہوں سگن میں ہوں ۔ نراکار ہوں میں
پریم کی جاگتی مورت میں ہوں ساکار ہوں میں
میں نے شیروں کو کیا پریم سے بس میں بن میں
میں نے ارجن کو فن رزم سکھایا رن میں ۔
روح ہوں میں کشش دورۂ خوں ہوں تن میں
گیان میں ۔ دھیان میں ۔ گھٹ گھٹ میں ہوں تن میں من میں

نور ہی نور ہوں پرکاش ہی دنیا میں مرا
پریم کے اشکوں کا جل بہتا ہی گنگا میں مرا
میں ہی صورت گرِ مانی و بہزاد بنا
میں ہی شاگرد بنا اور میں ہی اُستاد بنا
نٹ بنا بازی گرِ عالمِ ایجاد بنا
لیلیٰ مجنوں بنا - شیریں بنا - فرہاد بنا
مصر میں میں ہی بنا یوسفِ کنعاں سا عزیز
میں نے ہی دولتِ دنیا کو بنایا ہی کنیز
میں ہی گوکل میں بسا کرشن کنھیا بن کر
میں ہی کنجوں میں پھرا برج کی رادھا بن کر
میں ہی نظروں میں کھپا حسن کا جلوہ بن کر
میں ہی بھارت میں بہا پریم کی گنگا بن کر
دیش بھگتی کا سبق سب کو پڑھایا میں نے
جو کہا منہ سے وہی کرکے دکھایا میں نے
میں ہی میں ایک ہوں سب مجھ سے یہ ہیں بہتیرے
وید اور شاستر میں اُپدیش بھرے ہیں میرے
رام کا تخت ہو آئینۂ دل میں تیرے
رام کے پریم کے ہیں دیکھ گھٹا میں ڈیرے
ہوتی آکاش سے ہی پریم کی برکھا کیسی
بہتی بھارت میں ہی اُپدیش کی گنگا کیسی
رعد میں میری گرج - برق میں ہی میری کڑک

چاند میں میری چمک تاروں میں ہو میری جھلک
میرے ہی تابعِ احکام میں سب جن و ملک
دیکھ تو مجھ کو ہر اک روپ میں۔ گر دِل میں ہو شک
برہم ہوں جیو سے مایا سے بھی بالا تر ہوں
عِلم ہوں عقل ہوں وشواس ہوں زر ہوں نر ہوں
میں ہی ناظِم ہوں۔ میں ہی نظم۔ میں ہی ہوں منظوم
میں ہی عالم ہوں میں ہی علم میں ہی ہوں معلوم
میں ہی حاکم ہوں میں ہی حُکم ہوں میں ہوں محکوم
میں ہی خادم ہوں میں ہی خدمت ہوں میں ہی ہوں مخدوم
مَیں ہی خالق مَیں ہی مخلوق ہوں میں ہی ہمہ اوست
میں ہی عاشق ہوں میں ہی معشوق ہوں میں ہی ہمہ اوست
آپ ہی برق ہوں مَیں آپ شرارا میں ہوں
آپ ہی حُسن ہوں میں آپ نظارا مَیں ہوں
آپ ہی چاند ہوں میں آپ ہی تارا میں ہوں
آپ ہی رآم ہوں میں آپ ہی پیارا میں ہوں
نُور ہی نُور ہوں پرکاش ہوں دنیا بھر میں
مَیں ہی ہوں دَیر میں بُتخانہ میں گھر میں در میں
میں وہاں ہوں جہاں بے لوث دلوں میں ہو پیار
ہوں وہاں پریم سے ہوتی ہیں جہاں آنکھیں چار
مَیں وہاں ہوں۔ ہو جہاں ہمدردی کا اظہار
مَیں وہاں ہوں کہ جہاں ہو حق و ناحق میں وچار

سچدانند میں ہی - برہم میں ہی میں ابناشی ؛
میں اجر - میں ہی امر - اور میں ہی گھٹ گھٹ باشی
کردیا مجھ پہ کہر تو نے جو تن میں ارپن ؛
ہوگئیں دیکھ تیری گیان کی آنکھیں روشن
پریم کے آنسوؤں سے دھو مرے ہر لحظہ چرن
دیکھ جلوہ مرا - دیتا ہوں تجھے میں درشن
دار پر چڑھ کے اناالحق کہا - منصور ہوا
نام بھگتوں میں تیرا آج سے مشہور ہوا
رام کا بھگت ہے مشہور زماں تلسی داس
رام کا بھگت ہے ملک الشعرا کالی داس
بھگت بھارت میں ہوا رام کا اک ویدبیاس
بھگت جن کو ہے سدا رام پہ اپنے وشواس
بھگت یورپ میں ہوئے شیکسپیر اور ملٹن
بھگت ولیم ہوا اک قیصر تخت جرمن
رام کا ہے یہی اپدیش رہِ راست پہ چل
علم جتنا ہے تجھے چاہیے اتنا ہی عمل
اپنے ہی آپ پہ رکھ دل میں تو وشواس اٹل
رکھ نظر حال پہ - ماضی کے لئے ہاتھ نہ مل
سب کو تو پریم کا متوالا بنا سکتا ہے
کوہ ہمت سے کن انگلی پہ اٹھا سکتا ہے
پھیر دے جاکے صبا رام ڈھنڈورا گھر گھر

آج سے بھگت ہوا رام کا بھارت میں گھر
بجلیوں! کوندھ کے دکھلادو گھٹا میں منظر
بادلو! دَوڑ کے دھلادو پہاڑوں کے جگر
رام کے ہاتھ میں شیوجی کا دھنش بان ہو آج
کھنڈ کھنڈ اس کو کیے کس میں بھلا جان ہو آج
رام کے پیاروں کو تو رام کا پہنچا پیغام
رام کا اپنے ہی بھگتوں کے ہو ہردیہ میں مقام
رہتا دُنیا میں نہیں رام کا طالب ناکام
رم رہا رام میں جو بس وہی پہنچا لب بام
چاہتے ہیں جو مجھے طالب دنیا ہو کر
گرتے پستی پہ ہیں ناکام وہ پسپا ہو کر
تم ہی مجنوں روح رواں رام کہو رام کہو
پیارو! ہو دھیان کہاں رام کہو رام کہو
ہو اگر منہ میں زباں رام کہو رام کہو
لے کے تم تیر و کماں رام کہو رام کہو
موکش پد چاہو تو رم جاؤ ابھی رام میں تم
بازی لیجاؤ گے دُنیا کے ہر کام میں تم
پریم کے آنسوؤں سے سینچ کے بھارت کی زمیں
کہتا بھارت مری ماتا سے ہو کیوں غم میں حزیں
رام زندہ ہو نہیں تجھ سے جدا۔ رکھ یہ یقیں
میرے ہر رومِ میں اُلفت ہو تیری نقش نگیں

قوم ہی ساتھ تیرے مجھ کو ہی ہر لحظہ خیال
دیکھ یوں آنکھ سے جبتک نہیں بھارت کو بحال
ہڈیاں میری حفاظت سے رکھے گی گنگا
ناز اُٹھائے گی میرے بوجھ سہے گی گنگا
رآم کے چرنوں سے اب جلد بہے گی گنگا
گود میں لال لئے رآم کہے گی گنگا،
دھرم کا سُورج اودے ہوگا پھر اکدن بے بام
کرنیں پرکاش کی پھیلائے گا بھآرت میں رآم
مُرغِ دِل کے لئے ہی تیرِ نظر رآم کا پریم
چشمِ عشاق میں ہی رآم کا گھر۔ رآم کا پریم
رکھتا ہی سحر کا ہر دِل پہ اثر رآم کا پریم
پُوچھ گنگا کی لہروں سے گُہر رآم کا پریم
جل سمادھی میں مگن دِل کی لگن اب بھی ہی
دھوتی گنگا مرے ہر صبح چرن اب بھی ہی
اوم شانتی

رام کا کلام

(از سوامی شوانند ہیڈ ٹرسٹی لاہور)

رام کا کلام طاقت، زندگی، روشنی اور فرحت کے دینے اور مردہ روحوں کو زندہ کرنے اور گری ہوئی قوموں کو اُبھارنے والا ہے۔ وہ لوگ جو بھی مستقل اور ابدی دولت، عظمت، راحت اقبال اور طاقت کو حاصل کرنا کُل کائنات کے سچے پُرجلال اور ابدی شہنشاہ بننا اور ہمیشہ کی زندگی کو حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ اُن کو اس کلام کو دلی شردھا اور پوری توجہ کے ساتھ ضرور پڑھنا چاہیے۔ کُل دنیا کو عموماً اور ہندوستان کو خصوصاً اپنی موجودہ گری ہوئی حالت سے نکلنے اور روحانی حقیقی عروج کو حاصل کرنے کے لئے اس کلام سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ اس واسطے ہر شخص کو جو اس کلام کی اشاعت کو بڑھانے میں کچھ بھی کوشش کرسکتا ہو اس کا فرض ہے کہ جس طرح سے ہوسکے اس کلام کے بڑھانے کی کوشش کرے۔

پیارا رام

۱۷۔اکتوبر کی تاریخ دیوالی کے روز شکروار کے دن ۱۲ بجے دن کے قریب سوامی رام تیرتھ جی مہاراج گنگا جی میں اشنان کرنے گئے ہیں۔ پانی کی زور دار دھارا میں پہونچ جانے اور پانی کے زور کا مقابلہ کرنے کے لئے جسم میں کافی طاقت نہ ہونے کے سبب سے اُن کا جسم گنگا جی کی

بہشت ہوگیا۔ چونکہ وہ اعلیٰ درجہ کے تیراک تھے اور کہا جاتا ہے کہ وہ جس طرح امریکہ میں خشکی پر سپاہیوں کے ساتھ تیس میل تک لگاتار دوڑے تھے اور سب سپاہیوں میں اول نمبر رہے تھے یعنی سب سے آگے منزل مقصود پر پہونچے تھے۔ اسی طرح سے وہ امریکہ میں ایک جگہ سمندر میں بیس میل تک تیرے تھے۔ اور وہاں بھی سب سے آگے نکل گئے تھے۔ اور اسی طرح غوطہ مارنے میں بھی ان کو بہت اچھی مشق تھی۔ اور مذکورۂ بالا موقع پر گنگا جی میں ایک بھنور میں پھنس جانے پر اُنھوں نے غوطہ مار کر بھنور سے نکل جانے کی بھی کوشش کی اور تیر کر کسی بڑے پتھر تک پہونچنے کی بھی کوشش کی لیکن پانی کا زور بہت زیادہ تھا جس کا مقابلہ وہ نہیں کرسکے۔ تب اُنھوں نے یہ جان کر کہ اب جسم سے الگ ہونے کا وقت آپہونچا ہے۔ سمادھی کے ذریعہ جسم عنصری سے پرواز کرنے کی کوشش کی اور پانی کا مقابلہ کرنا چھوڑ کر جسم کو گنگا جی کی موج پر چھوڑ دیا۔ تھوڑے فاصلہ پر گنگا ایک پہاڑی گپھا میں سے گذرتی تھی جہاں اُن کا جسم پتھروں میں کئی روز تک اٹکا رہا۔ اور باوجود سخت تلاش کے کئی روز تک نہیں ملا۔ جب اُن کا پیارا شاگرد مسٹر پورن لاہور سے چل کر ٹہری پہونچا تب گنگا جی میں گپھا کے اندر سے سوامی جی کا جسم خود بخود باہر نکل آیا اور پھر اُس کو صندوق میں بند کرکے اور پتھروں کے ذریعہ صندوق کا وزن پانی کے وزن مخصوص سے بھاری کرکے اُس صندوق کو گنگا جی میں پھر بہا دیا گیا۔ یہ واقعہ دیوالی سے کوئی ایک ہفتہ بھر کے بعد وقوع میں آیا۔ اس قدر عرصہ میں

گنگا جی نے جسم کو امانت کے طور پر گپھا میں رکھا جہاں کوئی انسان یا حیوان جا نہیں سکتا تھا سنبھالے رکھا اور سوامی جی کے جسم کو کسی جانور نے کسی قسم کا نقصان نہیں پہونچایا۔ اس واقعہ سے جہاں سے ایک ایسا وجود الگ ہوگیا کہ جس کا ثانی کم از کم ابھی تک تو کوئی دُنیا بھر میں نظر نہیں آتا۔

ہمارے بڑے ہی اچھے بھاگ ہیں کہ ہم کو ایسے لائق روحانی مہاپُرش اور مہاتما کے سچے اوتار کا ست سنگ نصیب ہوا۔ اور اُن کو کسی درجہ تک پہچاننے اور پیار کرنے کا فخر حاصل ہوا۔ بہت اچھا ہوتا کہ ہم اُن کے ست سنگ سے اور زیادہ فائدہ اُٹھاتے اور اُن کی نیک سیرت کو جتنا زیادہ جذب کرتے۔لیکن قدرت کو جو کچھ منظور تھا اُس سے کسی کو کچھ چارہ نہیں۔اب سوائے اس کے اور کوئی علاج نہیں کہ جس قدر اُن کا ست سنگ ہم لوگوں کو حاصل ہو چکا ہو اُسی کو اپنے لئے اور دیگر تمام مخلوق کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور مبارک بنانے کی کوشش کی جائے۔ اور جو اُن کا اصل منشاء تھا اُس کو درست طور سے سمجھا اور پورا کیا جاوے۔اور وہ منشاء یہ تھا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے اصلی اپنے آپ کو ٹھیک طور پر پہچانے تو ہر شخص کو یقین ہوجاویگا کہ وہ خود ہی اصلی رام ہو اور اپنے میں ہی اصل رام کی تمام نیک صفات ہر شخص کو نظر آنے لگیں گی۔

اُن کے کلام کو کافی غور اور بچار سے پڑھنے اور اُن کے نمونہ پر کافی بچار کرنے اور اُس کی پیروی کرنے سے ہر شخص اس مقصد کو

بہترین طور پر پورا کرسکتا اور اپنے آپ کو اور دیگر بیشمار مخلوق کو کرتارتھ اور نہال (مستفید) کرسکتا ہو۔

رامؔ کا کل کلام انگریزی اور اُردو دونوں زبانوں میں جلد شائع ہوگا اور اُن کی زندگی کا نمونہ اُن کے لائق شِشوں (شاگردوں) کے ذریعہ اُن کے تعلّق میں آنے والوں کو کم و بیش معلوم ہوتا رہے گا۔ اور آہستہ آہستہ ست اُپدیش میں بھی شائع ہوتا رہے گا۔

رامؔ کا دلی منشاء تھا کہ ساری دُنیا میں ہر جگہ ہی ہر شخص کو ہمیشہ اصل رام کا درشن ہوتا رہے گا؛ اور یہ بہترین طور پر اُن ہی لوگوں کے ذریعہ سے پورا ہوسکتا ہو کہ جو رام کے نقش قدم پر چل کر اور رام کی طرح اپنے اصل سروپ کو پہچان کر اوتار کی پدوی کو حاصل کریں۔ اور یہ ہر ایک صادق اور کامل مُمُکشا رتھی شائق کے لئے ممکن ہو اور یہ مبارک مشق ہو کہ جس مشق سے تمام جہان کے تمام دُکھ سچے سکھوں میں تبدیل ہو جاویں گے۔ اس واسطے ہم اپنے تمام پیارے ناظرین سے صدقِ دل سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ مہربانی فرماکر خود رام کی تعلیم اور اُس کے نمونہ سے پورا پورا فائدہ حاصل کریں اور کل خلقت کو اُن کی تعلیم اور اُن کے نمونہ سے مستفید کرنے میں اپنی طاقت بھر ہمارا ساتھ دیویں۔

رام کیا تھا

رام۔ پیارا رام پرانوں کے پران رام۔ ہمارے روم روم میں بستا ہے۔ ہمارے دل میں جاگزیں ہے ہر وقت ہمارے انگ سنگ رہتا ہے اور وہ ہم کو اُسی طرح سے علم کرتا زندگی طاقت روشنی اور راحت دیتا رہتا ہے کہ جس طرح سے وہ ۱۷ اکتوبر گذشتہ کی تاریخ اور دیوالی کے روز سے پہلے یعنی اپنے سمادھی لینے سے پہلے یہ سب برکتیں دیتا رہتا تھا وہ ہم سے ہرگز دور نہیں ہوا بلکہ پہلے سے زیادہ ہم سے نزدیک ہوگیا ہے۔

وہ مرا نہیں بلکہ جیتا ہے اور ہمیشہ ہی جیتا رہے گا۔ وہ اپنی مرضی سے اس دُنیا میں آیا تھا اور اپنی مرضی سے ہی اپنے جسمانی قالب سے علیحدہ ہوگیا ہے۔ وہ جسمانی قالب میں ہوتے ہوئے بھی چاہتا تھا لوگ اپنے اندر اُس کا درشن کریں اور اب بھی وہ یہی چاہتا ہے کہ لوگ اپنے اندر اُس کا درشن کریں۔ اور جب لوگ اپنے اندر اُس کو دیکھیں گے تو ہر جگہ ہی اُس کو دیکھنے کے قابل ہو جاویں گے۔ جب سوامی رام امریکہ سے واپس تشریف لائے تھے تو اُن کے والد نے چاہا تھا کہ اُن کے پاس جاکر اُن کے درشن کریں اور اس لئے اُن کو اُن کے سچے پریمی مسٹر پورن نے اس مضمون کا تار دیا کہ آپ کے پتا آپ کا درشن کرنا چاہتے ہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ کس مقام پر وہ آپ کے پاس آویں تو آپ نے جواب دیا "کہ وہ اپنے اندر مجھے دیکھ سکتے ہیں" جس طرح اپنے پتا کے لئے

اُنہوں نے یہ جواب دیا تھا اسی طرح سے ہر شخص سے وہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے اندر اُن کا درشن کرے۔ اُن کا مشن (سدھانت) یہ تھا کہ تمام انسانوں کو اُن کی اپنی اصل الٰہی ذات کا صادق اور کامل یقین کرا دیں کہ جو اُن کی اپنی بھی اصل ذات تھی اور اس طرح سے دوئی اور غیریت کو چکنا چور کر دیویں۔

رام کا نمونہ

سوامی جی مہاراج نے اپنے لئے جو راستہ انتخاب کیا وہ نہایت نہایت اور نہایت ہی درست اور مناسب تھا۔ اگر وہ ایم۔اے پاس کرنے کے بعد ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنتے یا اور کسی اسی قسم کے دُنیوی منصب کے حاصل کرنے کے پیچھے پڑتے کہ جن منصبوں کو ہمارے بہت سے ہموطن صدق دل سے للچا رہے ہیں تو وہ کیا تو اپنے لئے اور کیا دیگر مخلوق کے لئے موجودہ حالت کی نسبت کڑوڑواں حصہ بھی مفید ثابت نہ ہو سکتے۔ اہل ہند کے ادبار کو دور کرنے کے لئے نوجوانانِ ہند کے واسطے سوامی رامؔ کے نقش قدم پہ چلنے سے بڑھ کر اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ رامؔ نے جلد جسمانی زندگی سے علٰحدگی اختیار کر لی ورنہ جس تیزی سے وہ ترقی کر رہے تھے اُس رفتار سے ترقی کرتے رہنے کی صورت میں ایک اور بیس سال کے اندر وہ اس قدر اعلیٰ کمالات کو حاصل کر جاتے اور خلقت کے لئے اس قدر زیادہ مفید اور مبارک ثابت ہو سکتے

جس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا نہایت مشکل ہے۔

کہا جاتا ہے کہ رتم کے امریکہ جانے پر وہاں کا پریزیڈنٹ جو کہ امریکہ کے بادشاہ کے بجائے ہوتا ہے دو دفعہ چل کر رام بادشاہ کے درشن کرنے کے لئے آیا تھا۔ اور امریکہ کے لوگ اس قدر رام بادشاہ پر موہت ہوگئے تھے کہ امریکہ میں بارہا دن بھر میں رام کو چھ چھ پبلک لیکچر عوام کی روحانی بھوک کو سیر کرنے کے لئے دینے پڑے ہیں۔ اور وہاں کے بیشمار لوگ اُن کے صادق عاشق بن گئے تھے۔ اور بہت لوگوں نے اُن کو زندہ مسیح اور پرمیشور کا اوتار تسلیم کرلیا تھا اور وہ ہر وقت رام کی یاد میں رہتے ہیں مسز ویلمن صاحبہ رام کے پریم میں ایسی فدا تھی کہ دُنیا میں کوئی ماتا اپنے بچہ کے لئے شاذ و نادر ہی ایسی فدا ہوگی وہ اس بڑھاپے کی حالت میں باوجود ہندوستان کی بولی نہ جاننے اور اپنے پاس ہندوستان کے سفر کا خرچ نہ رکھنے اور ہندوستان کی آب و ہوا اس کے موافق نہ ہونے اور اُس کے جسم میں ہند کا سفر کرنے کی طاقت کافی نہ ہونے کے بھی ہندوستان میں رام کی خاطر آئی اور یہاں پر کئی سال رہ کر اور رام کے پیچھے پیچھے جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتی رہ کر اور رام کے پریمیوں سے ملتے رہ کر ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ رام سے آخری دفعہ مل کر گئی ہے۔ جانے سے پہلے وہ لاہور امرت سر اور رام کی جنم بھومی مرالی والا بھی آئی تھی۔ اور ایمن آباد کے ریلوے اسٹیشن سے رام کے وطن مرالی والا تک چلتے وقت وہ راستہ کے کھیتوں درختوں میدانوں اور راہوں وغیرہ کو بھی ایسے پریم اور

خوشی سے دیکھتی اور پیار کرتی تھی کہ جس کا بیان کرنا مشکل ہی اور بار بار
کہتی تھی کہ رام اس راستہ سے بہت دفعہ گذرا ہوگا جس کوٹھری میں
رام نے جنم لیا تھا اور جس اسکول میں بچپن میں رام نے تعلیم پائی تھی
اور جس گھر میں وہ کھیلتا تھا اور جس بیٹھک میں وہ بیٹھ کر پڑھتا تھا
یہ سب جگہیں مسز ویلمین کو ایسی پیاری لگتی تھیں اور وہ اس محبت
سے اُن میں سے ہر ایک چیز کو دیکھتی تھی کہ جس کا بیان نہیں کیا
جاسکتا۔ رام کے بچوں۔ رام کی استری اور رام کی ماتا اور رام کے
لواحقین کو وہ نہایت ہی پریم سے دیکھتی تھی اور نہ صرف خود ہر
وقت اوم کا جاپ کرتی رہتی تھی بلکہ ایک زخمی طوطا جو اُڑ نہیں سکتا
تھا اور اس واسطے رحم سے مسز ویلمین نے اُس کو پال لیا تھا اور
ہر وقت اُس کو اپنے پاس رکھتی تھی اُس کو بھی اوم کا جاپ سکھلائی
تھی امرت سر کے دربار صاحب میں ہندو عورتوں نے مسز ویلمین
سے پوچھا کہ یہ طوطا کیا پڑھتا ہی؟ تو اُس نے اُن عورتوں کو تھوڑا
اُپدیش کیا اور کہا کہ یہ طوطا اوم کا جاپ کرتا ہی۔ یہاں سے امریکہ کو
رخصت ہونے پر راستہ میں افریقہ اور انگلینڈ سے اور پھر امریکہ
سے اُس کے پریم بھرے خطوط ہمارے پاس برابر آرہے ہیں اور
رام کے پریم کے سبب سے ہم سب کو بھی اس قدر پیار کرتی ہی
جس کی کافی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ وہ اپنے خطوں میں مراری والا
یعنی رام کی جنم بھومی) اور اُس کے راستہ کے کھیتوں وغیرہ کا بڑے
پریم سے ذکر کرتی رہتی ہی۔رام کی جدائی کی خبر پہونچنے پر اُس کو
بہت سخت صدمہ ہونے گا۔مسز ویلمین کی طرح اور بہت سی

دھارمک استریاں بھی رام کے پریم کی وجہ سے امریکہ سے چل کر یہاں آنے والی تھیں جن کو یہاں کی گرم آب و ہوا وغیرہ کے سبب سے یہاں آنے سے روک دیا گیا تھا۔

جس برکت کی وجہ سے رام ہندوستان کے ایک نہایت غریب گھر میں جنم لے کر اور بہت تھوڑے عرصہ کے لئے امریکہ میں جاکر وہاں کے بڑے سے بڑے منصب کے لوگوں حتیٰ کہ پریزیڈنٹ تک کو اپنا عاشق بناکر اپنے درشنوں کے لئے بیقرار کرسکتا اور اپنے پاس پہاڑوں میں چل کر آنے کے لئے مجبور کرسکتا ہے۔ اور امریکہ کی شریف دل لیڈیوں کو تمام مشکلات پر غالب آکر اس کے وطن کے ایک نہایت چھوٹے گانوں میں آنے اور وہاں کی زمین اور کھیتوں پر عاشق بناسکتا ہے۔ اس برکت کے ذریعہ ہندوستان کا کون سا دکھ دور نہیں ہوسکتا اور ہندوستان کی کون سی مشکل حل نہیں ہوسکتی کیا وہ برکت ہندوستان کے ملک میں یہاں کی اپنی پارلیمنٹ قائم کرانے یا یہاں ہر طرح کی مفید تعلیم کو عام کراکر یہاں کے بچے بچے کو علم ہُنر عقل اور دھرم کی برکتوں سے فیضیاب کرانے۔ یہاں کے افلاس کو دور کرنے اور یہاں کی تمام خراب رسموں اور رواجوں کی اصلاح کرنے اور اہل ہند کو ہر طرح کے سچے سکھوں اور برکتوں کو دینے اور یہاں کے ہندو مسلمان دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کا عاشق بنانے کا موجب نہیں ہوسکتی؟

ضرور ہوسکتی ہے!

اور اس واسطے ہم صدق دل سے چاہتے ہیں کہ ہمارے ہموطن اس برکت کو حاصل کریں۔ کیا ہمارے ہموطن اس برکت کو حاصل نہیں کرسکتے؟

ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اگر وہ چاہیں اور کوشش کریں تو اُن میں سے بہت سے ایسے شخص نکل آسکتے ہیں جو اس برکت کو رام سے بھی بڑھ کر حاصل کریں۔ صرف اہل ملک کی توجہ کے اس طرف جانے کی ضرورت ہے۔ ہم اس مضمون پر بہت سالوں سے غور کر رہے ہیں اور جتنا زیادہ غور کرتے ہیں اُتنا ہی اس صداقت پر ہمارا یقین زیادہ بڑھتا جاتا ہے اور رام کے تجربے نے ہمارے اس یقین کو اور بھی زیادہ مضبوط کر دیا ہے۔

اس واسطے ہم سارے زور سے اپنے تمام ہموطنوں سے سوامی رام کے نقش قدم پر چلنے کے لئے اپیل کرتے ہیں۔ اور صدق دل سے چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں نہ صرف رام کے نمونہ کے بلکہ اس سے بڑھ کر لاکھوں آدمی پیدا ہو جاویں۔

پیارے نوجوانوں جو کہ اس وقت رام کے نقش قدم کی بہترین طور پر پیروی کر سکتے ہو۔ چھوڑو اور سب کچھ اور ہو قربان اپنے ملک اپنی قوم اور اپنے خدا پر۔ اور ہند کی بہتری کی خاطر سوامی رام کی طرح روحانی پاکیزگی اور شدھ گیان۔ پرشارتھ پر اوپکار اور ہمت و ارادہ کی طاقتوں کو حاصل کر کے ان طاقتوں کے ذریعہ نہ صرف ہندوستان بلکہ کُل دُنیا کے دُکھوں کو دور کرو اور تمام دُنیا کو سورگ دھام (زندہ جاوید) بنا دو۔

مسز ویلمن نے امریکہ میں جب رام کو دیکھا تو وہ ہندوستان کے ملک پر ایسی موہت ہوئی کہ رام کو امریکہ میں ہی چھوڑ کر آپ ہندوستان میں اس خیال سے چلی آئی کہ جس ملک سے رام آیا ہے

اس ملک میں ایسے کئی رام ہوں گے اور ممکن ہے کہ اس سے بڑھ کر بہت سے رام ملیں گے اور ہم کو اپنے پہلے خط میں لکھتی ہے کہ میں یہاں کے سوامیوں کا درشن کرنا چاہتی ہوں آپ اور جس جس سوامی کو جانتے ہوں مجھ کو ان کے نام اور پتے لکھیں۔ جس کے جواب میں ہم نے لکھا کہ سوامی رام یا اس سے بڑھ کر ہندوستان میں اس وقت ہم کو کوئی اور سوامی نظر نہیں آتا۔

اس پر اس نے لکھا کہ رام کو دیکھ کر میں سمجھی تھی کہ ہندوستان سنتوں کا ملک ہے اور جہاں سے ایک رام آیا ہے وہاں اور بھی بہت رام ہوں گے اور شاید اس سے بڑھ کر ہوں گے۔ مگر ہائے افسوس کہ اس غریب کی یہ امید و آرزو پوری نہ ہوئی اور ہندوستان میں اس کو کوئی اور رام نہ ملا۔ اور اس کو رام کے امریکہ سے واپس آنے تک یہاں ٹھہرنا اور اسی پیارے رام کا یہاں پھر درشن کر کے اپنے دل کی پیاس کو سیر کرنا پڑا۔ کہ جس رام کے درشن سے امریکہ میں اس کی روحانی پیاس کی سیری ہوئی تھی۔

پیارے ناظرین

وہ قانون جس کی پیروی کرنے سے رام نے اپنے آپ کو اس طرح سے خلقت کا معشوق بنایا تھا کیا وہ قانون اب نہیں رہا اور ہم اس قانون سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو اس جیسا نہیں بنا سکتے؟۔

وہ قانون ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اگر ہم اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں تو ہم سب کے سب اپنی اپنی کوشش کے موافق اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور رام سے زیادہ کوشش

کرنے کی صورت میں رام سے بھی زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اس واسطے

ای عزیزو دل و جان سے پرمیشور کے ساتھ ایک کرنے والے عالمگیر قانون سے فائدہ حاصل کرو اور مسز ویلمن جیسی شریف دل امریکن لیڈیز کی اس امید و آرزو کو ہندوستان سنتوں کا ملک ہی اور یہ کہ اس ملک میں رام سے بھی بڑھ کر اور بہت سے سوامی ہوں گے پورا کرکے دکھلاؤ۔

اوم شانتی شانتی شانتی

رام

رام تم کو سب سُکھ دے سکتا ہی۔ رام تم کو اور تمہارے بچوں کو محنتی نیک عقلمند تندرست لائق خوشحال اور بااقبال بنا سکتا ہی۔ رام کو اپنے دلوں میں اپنے گھروں میں اور اپنے کاروبار میں ہر جگہ اپنے پاس رکھو۔ اسی طرح سے چند سچّے عیسائی خود مسیح بن کر اور چند سچّے سکھ خود گورو نانک بن کر اور اسی طرح سے اور مہاتماؤں کے پیرو اپنے پیشواؤں کے نقش قدم پر چل کر خلقت کو اپنے اپنے پیشوایان کی اور تعلیم سے واقف کرنے کی کوشش کریں تو وہ اپنے آپ کو اور دنیا کو بہت بڑا فیض پہونچا سکتے ہیں۔

اپنے چھوٹے بچوں کے دلوں میں جب کہ وہ ابھی اسکولوں میں ہی تعلیم پا رہے ہیں۔ تعلیم پاکر تحصیلدار یا ڈپٹی یا کلکٹر یا وکیل بننے کی خواہش کے بجائے سچ مچ کے رام بننے کی خواہش پیدا کرو تو تم اُن کا بہت ہی بڑا بھلا کرو گے اور تم دیکھو گے کہ یہ نیک آرزو اُن کو کیسا ذہین محنتی اور نیک بناتی ہے اور وہ تم کو اور اپنے اُستادوں اور ہم جماعت اور ہم مدرسہ طالب علموں اور اپنے سب بہن بھائیوں کو کیسے سُکھی رکھنے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح رام ہر وقت تمہارے گھروں میں رہنے اور تمہاری گود میں کھیلنے لگ جاوے گا۔ پیارے رام کو پیار کرو کہ تم نہال ہو جاؤ گے۔

اے ہندوستان تو نے جس طرح پُرانے زمانہ میں اجودھیا میں راجہ جسرتھ کے گھر میں رام کو جنم دیا تھا اُسی طرح سے اس زمانہ میں پنجاب کے قصبہ مرالی والہ میں گسائیں ہیرانند کے گھر میں رام کو جنم دے کر تو نے یہ ضرور ثابت کر دیا ہے کہ تیری زمین میں رام پیدا کرنے کی قابلیت موجود ہے۔

اب تو اس نئے رام برکش سے جس کو تو نے موجودہ کلجگ میں ہندوستان اور کُل دُنیا کے کلیان کے لئے پیدا کیا ہے ہزاروں اور لاکھوں اور نئے رام پیدا کر جو نہ صرف ہندوستان بلکہ کُل دُنیا کا اودھار کریں۔ پیارے ناظرین! سب کے سب رام کو ایسا پیار کرو کہ خود ہی رام بن جاؤ اور اپنے زندہ بشواس اور پریم کے ذریعہ تمام دُنیا کو رام بنا دو۔

سوامی رام کی زندگی سے حاصل شدہ سبق

دش سبق

(۱) مقصد زندگی۔ سارے کاموں میں اپنا مقصد صرف پرمیشور کو حاصل کرنا مدنظر رکھنا اور سوائے اس ایک اکیلے مقصد کے اور کوئی مقصد نہ ہونا۔ لکھنا پڑھنا سُننا بولنا۔ امتحان دینا یا ملازمت کرنا یا کسی سے بات چیت کرنا یا کوئی سادھن کرنا یا کوئی اُپدیش کرنا یا آرام یا سفر یا اور کچھ کرنا وہ سب کچھ صرف اس ایک اکیلے مقصد یعنی ایشور پرستی کے لئے کرنا۔ کوئی شخص جو ایک سے زیادہ مقصدوں کو اپنے سامنے رکھتا ہو۔ وہ کمال کو حاصل نہیں کرسکتا ہو۔ اس واسطے ہر ایک حقیقی کمال کے طالب کے لئے مقصد صرف خدا ہونا چاہیئے اور اس ایک مقصد کے سوائے دوسرا کوئی مقصد اس کا نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) ہمہ دلی اپنے مذکورۂ بالا نیک مقصد کو ہمہ دلی سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ کسی شخص کو کسی کام میں بھی کبھی پورا کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس میں ہمہ دلی کی صفت نہ ہووے۔

(۳) نشکام بھاونا یا نش۔ سنکلپ ہونا۔ اپنی کوئی خواہش نہ رکھنا۔ لینے سے دینے کو بہتر جاننا۔ خود غرضی سے پاک ہونا۔ پریم اور منگل نیکی کی زندگی بسر کرنا۔

(۴) راستبازی کی نہایت زور دار بھوک اور پیاس کا ہونا۔ اور دھرم

کا گیان اور دھرم کی اعلیٰ زندگی کو حاصل کرنے کے لئے کامل بیقراری۔

(۵) سادھن یا ورزش جسمانی ذہنی اور روحانی تینوں طرح کی ورزش کو بہترین طور پر کرنے کی کوشش کرتے رہنا۔

(۶) تیاگ۔ اس صفت میں سوامی رام کامل نمونہ تھا اور اس صفت سے انہوں نے بیشمار فوائد اور برکتیں حاصل کیں ہر ایک صادق طالب کو اس نیک صفت سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ تیاگ کے مطلب کو بہت اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔ تاکہ اس میں غلطی نہ ہونے پاوے۔ روحانی تیاگ ہی اصلی تیاگ ہو۔ اور جس نے روحانی تیاگ نہیں کیا۔ وہ کسی صورت میں تیاگی نہیں ہو۔ کبیرجی کا بچن۔ موٹی مایا سب تجیں۔ جھینی تجے نہ کوے۔ جھینی مایا جو تجے میت ہمارا ہووے۔

حافظ کا بچن۔ جے تو وصل پیارا لوڑیں حافظ دے متوالے۔ چھڈ دنیا تے کم دنیا دے تے نالے دنیا والے۔

روحانی زندگی کے طالب کو چاہیے کہ ان سب تعلقات اور خواہشوں اور عادتوں اور حالات اور سامانوں وغیرہ کو قطعی ترک کردے۔ کہ جو اس کی روحانی ترقی کے راستے میں بارج ہوتے ہوں۔ وہ جن کو ترک کرنا اس کی طاقت میں ہووے اور جن کو وہ بغیر کوئی ناجائز کارروائی کرنے کے ترک کرسکتا ہووے۔

(۷) اوم کا جاپ۔ اوم کے اصل معنوں اور مطلب کو سمجھ کر ہمیشہ اسکا جاپ کرتے رہنا۔ اس سادھن سے بھی سوامی رام نے بیشمار فوائد کو حاصل کیا۔

(۸) کمال۔ ہمیشہ ہر خوبی میں کمال کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور

مقابلے میں اور سب سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرنا نیکی کے پیرو کو اس صفت سے بہت بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک نیکی کے طالب اور دھرم کے خواہشمند کو اس صفت میں بھی سوامی رام کے نمونہ سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ اسکولوں اور کالج میں طالب علمی کے وقت رام اپنے ہم جماعتیوں میں سب سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا تھا۔ باہر ہوا خوری یا سیر کو جاتے ہوئے یا ورزش کرتے ہوئے وہاں کے ساتھیوں سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا تھا۔ امریکہ میں سپاہیوں کے ساتھ دوڑنے اور سمندر میں ملاحوں کے ساتھ تیرنے میں اور اسکول اور کالج میں تعلیم دیتے وقت دوسرے اُستادوں کی نسبت اپنے طلبا کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں اور اسی طرح ہر جگہ مقابلہ میں سب سے آگے نکلنے کی کوشش کرنا اور اُس کوشش میں ناکام ہونے پر بھی اُس کوشش کو نہ چھوڑنا اور جاری رکھنا۔ آخری ایام میں سوامی رام کا مقابلہ پرمیشور کے اوتاروں۔

رام۔ کرشن۔ بدھ اور مسیح کے ساتھ تھا۔ ان سب مقابلوں میں کہاں کہاں وہ سب سے آگے نکل گیا۔ اور کہاں کہاں وہ کس کس سے پیچھے رہ گیا۔ یہ سب باتیں رام کی زندگی کو جاننے اور اُس پر غور کرنے سے معلوم ہوسکتی ہیں۔

(۹) سیلف ہلپ یا پرشارتھ اور محنت۔ اس صفت میں بھی سوامی رام کا نمونہ نہایت تعریف کے قابل ہے۔ اور سب طالبان حق کو اپنی زندگی کو کمال پر پہونچانے کے لئے اس لازمی اور ضروری صفت سے پورا پورا کام لینا چاہیے۔

(۱۰) سادہ زندگی اور اعلیٰ بچار اس صفت میں بھی رام عمدہ نمونہ ہوا ہے اور دھرم میں ترقی کرنے کے لئے یہ صفت بھی لازمی ہے۔

رام بھگوان کی یادگار

(الف) رام بادشاہ

رام بادشاہ کو جن لوگوں نے پہچانا ہے اُن کو اُس کی یاد سے راحت طاقت، روشنی زندگی اور ہمت حاصل ہوتی ہے اور وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ رامؔ کی زندگی اور اُس کی تعلیم پر غور کرنے سے مُردہ غلام اور کمزور قومیں زندہ آزاد اور طاقت ور ہو جاویں گی۔ اور ضرور ایک وقت آوے گا کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر میں جابجا رامؔ کی یادگاریں قائم ہوجاویں گی۔ اگرچہ رامؔ نے ہندوستان میں جنم لیا اور یہاں ہی اپنی زندگی کے قریبًا تمام سال گذارے ہیں۔ مگر اہل ہند نے اُس کو جیسا چاہیے نہیں پہچانا۔ اور اس سبب سے اُس سے جو فیض حاصل کرنا ممکن تھا حاصل نہیں کیا۔ اس کے مقابلہ میں اہل امریکہ نے باوجودیکہ رامؔ نے پورے تین سال بھی وہاں خرچ نہیں کئے تو بھی اُس کی ذات سے بہت زیادہ برکتوں کو حاصل کیا اور دنیا بھر میں رامؔ کی خوشخبری کو پہونچا دیا۔ رامؔ نے وہاں سے آکر کہا تھا

کہ بارہا ایک ایک دن میں امریکہ میں رام نے چھ چھ لیکچر دیے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے لوگ رام کے کلام پر بلہار جاتے اور اُس کے سننے کے لئے بہت زیادہ خواہشمند تھے۔

مختلف احباب نے رام کی یادگار قائم کرنے کے لئے مختلف تدبیریں سوچی ہیں۔ سوامی نارائن جی مہاراج ریاست ٹہری سے لکھتے ہیں "جو کچھ آپ رام بھگوان کی یادداشت کے لئے فیصلہ کریں یا جو تجویز قائم کریں یا تمام دیگر لاہور کے احباب میں فیصلہ پائے وہ بھی ضرور تحریر فرماویں۔ یہاں کے لوگوں نے کنیا پاٹھ شالا کھولنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور اُس کا نام رام پاٹھ شالا رکھیں گے۔" رائے بیجناتھ صاحب بہادر جج الہ آباد سے تحریر فرماتے ہیں:—

"آپ کا عنایت نامہ آیا سوامی کے ہم کو منجدھار میں چھوڑ جانے کا سماچار پہلے ہی مل چکا تھا سچ یہ ہے کہ ہماری بڑھاپے کی پشت پناہ ٹوٹ گئی ملک میں پرم ودّیا کا سورج چھپ گیا۔ بھارت کی بدقسمتی ہماری مصیبت۔ اب بچار کرنے کی یہ بات ہے کہ جو بیج سوامی رام نے بویا ہے وہ کس طرح سے پرورش کیا جائے۔ اگر فوراً ایسا نہ ہوگا تو وہ نیست و نابود ہو جائے گا۔ اور ملک کو سخت نقصان ہوگا۔ اس لئے میری رائے میں یہ ہونا چاہیے:—

(۱) کُل تصنیفات اُردو اور انگریزی سوامی رام کی منتخب ہو کر علیحدہ علیحدہ دو کتابوں میں چھپنی چاہئیں۔ اور وہ بہت کم قیمت پر فروخت ہوں۔ یا چھوٹے چھوٹے رسالے چھپنے چاہئیں اور وہ برائے نام قیمت پر فروخت کئے جائیں۔ سوامی نارائن کے خط

سے معلوم ہوا کہ مسٹر پورن سنگھ سوامی رام کے سب نوٹ بک اور کاغذ لے گئے۔ کچھ اُن کی تحریرات میرے پاس موجود ہیں اگر مسٹر پورن سنگھ دو چار روز کے واسطے یہاں چلے آویں اور سب کاغذات لے آویں تو چھاپنے کا انتظام ہو جاویگا۔

(۲) اس لئے ایک فنڈ جو پانچ سو روپیہ سے کم نہ ہوگا درکار ہوگا اُس کے لئے میری یہ تجویز ہو کہ میری کتابیں مثلاً شاستر اُوکت اُپاسنا جو ابھی سوامی رام کے مشورے اور پرستاونا کے ساتھ چھاپی گئی ہو فروخت کی جاتی اور اُس کی آٹھ سو کاپیاں جن کی قیمت چار سو روپیہ ہوگی اس کام میں دینے کو تیار ہوں۔ اُس کتاب کی دو جلدیں ایک آپ کے لئے اور ایک مسٹر پورن سنگھ جی کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔ آپ تحریر فرماویں کہ اس کا کیا انتظام ہو سکتا ہو؟۔ جو تجویز آپ اپنے پرچہ میں لکھتے ہیں اُس سے شاید روپیہ جمع نہ ہوگا۔ آپ پورن سنگھ جی کو ضرور میرے پاس آنے کو کہیں۔

(۳) ایک آشرم سوامی رام کی یادگار میں بھمن جھولے پر مونی کے راستہ میں بناتا ہوں وہاں ایک کتب خانہ[1] قائم کیا جائیگا اور پانچ چار سادھوؤں کی تعلیم کا انتظام ہوگا۔ وہ تعلیم پاکر سوامی رام کے اصولوں کا اُپدیش کریں گے۔ اس تجویز کو سوامی رام نے بھی پسند کر لیا تھا اور نقشہ مکان کا اُن کے مشورہ سے تھا۔

(۴) نارائن سوامی اُپدیشک کے کام میں فوراً کمربستہ ہوں۔ آپ ان باتوں پر غور فرما کر پورن سنگھ جی سے مشورہ کر کے تحریر فرماویں کہ کیا ہونا چاہیئے۔ جواب جلد عنایت فرمایئے گا۔

[1] کتب خانہ تو کھل گیا ہو مگر سادھوؤں کی تعلیم کا انتظام کچھ نہیں۔ ش پ

سادھارن دھرم سبھا کے سکریٹری بابو سُرجن لال صاحب پانڈے عرف شانتی پرکاش لکھتے ہیں:۔

"نسبت شریمان سوامی رام تیرتھ جی کی یادگار کے میری بھی یہی رائے ہے کہ جہاں تک ہو سکے رام کے کلام کو اشاعت دی جاوے۔ اور رام کے کام کو ترقی دیجاوے۔ رام کا کام صدائے رام سے ظاہر ہے اور اس کام کے کرنے کے لئے کسی نہ کسی آرگے نی زیشن کی ضرورت ہے۔ خواہ نئی آرگے نی زیشن اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے خواہ پُرانی آرگے نی زیشن جو پہلے موجود ہے اس کام کا ذمہ اپنے اوپر لے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی ایسے مناسب مقام پر کہ جہاں گنگا یا اور کوئی دریا یا بڑا تالاب ہو وہاں ایک گھاٹ بنام رام تیرتھ گھاٹ قائم کیا جائے اور وہاں سادھو سیوا اور اناتھوں کی رکھشا کا انتظام بھی کیا جاوے۔ اس طرح سے سادھو سدھار کا مسئلہ بھی حل ہو جاوے گا۔ اس کام کو دیش کے ہر ایک ہی خواہ کو کرنا چاہیے خواہ وہ سادھو ہو خواہ گرہستی۔ اس سبھا کا بھی کچھ ایسا ہی ارادہ ہے اُسی گھاٹ کے کنارے ایک لائبریری بھی کھل سکتی ہے اور سبھا بھون اور ورزشی اکھاڑہ اور اسی طرح کے اور بھی سب طرح کی اصلاح کے کام ہو سکتے ہیں۔ صدائے رام کو دُنیا بھر میں پھیلانے کے لئے رام کی یادگار میں ایک ماہواری رسالہ موسومہ بہ نام نکالا جاوے جس کے پانچ حصے ہوں۔ پہلے میں سوامی رام کی سوانح عمری۔ دوسرے میں اُن کی اپنی تحریرات ہوں جو خواہ رسالہ الف یا رام اپدیش میں شائع ہو چکی ہوں۔ تیسرے حصے میں اُنکے لیکچر جو بہت سے رام اپدیش کی صورت میں شائع ہو گئے ہیں۔

چوتھے میں اُن کے کلام کا ترجمہ۔ پانچویں میں متفرقات۔

(ب) ہائے شوک مہا شوک

سوامی رام تیرتھ جی مہاراج داغ جُدائی دے گئے۔ ہائے ایک اور مہا پُرش مہاتما تمام دُنیا کا خیرخواہ۔ سچا دیش ہتیشی شاہنشاہوں کا شاہنشاہ جس کی نظر میں تمام دنیا ہیچ تھی۔ اور جو بھارت ماتا کا بڑا ہی پیارا پُتر تھا۔ ہم سے جُدا ہوگیا۔ ہندوؤں کا نہیں نہیں بلکہ تمام دنیا کا سچا ریفارمر۔ تمام مذاہب کے ساتھ پریم رکھنے والا اور ہر ایک منش ماتر کو اپنا آپ جاننے والا۔ سب سے پریم کرنے والا۔ سچا پنڈت۔ سچا تیاگی۔ مہارشی۔ براہمن۔ کُل بھوشن۔ بلکہ آفتاب۔ ساکھشات شری بھگوان شری رام چندر جی مہاراج مریادا پرشوتم کے اوتار رام اپنے جسم کو بھی تیاگ کر داغ جُدائی دے گئے............

رام پیارے تو تو بڑا ہی پریمی تھا۔ تو تو محبت کامل تھا۔ تیری تو سب کے ساتھ محبت تھی۔ مگر آج کیا ہوگیا کہ ہم سے منہ موڑ ساکار جسم کو چھوڑ نراکار ہوگئے۔

رام کی عزت ہر ایک ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک اور غریب سے لے کر امیر تک یکساں کرتے تھے۔ ہر ایک شخص جس نے رام کے اُپدیش کو سُنا۔ رام کے درشن سے اپنے آپ کو کرتارتھ کیا۔ یا اُن کے کلام کو پڑھا اُن کا گرویدہ ہوگیا۔ یہ رام ہی تھا جس کے درشن کرنے کی خاطر امریکہ کا پریزیڈنٹ آیا کرتا تھا۔ رام نے تمام دُنیا خصوصاً

ہندوستان کی بھلائی کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا۔ رام نے ہماری بھلائی کی خاطر کس قدر تکالیف برداشت کیں۔ کیسی کیسی سخت ریاضتیں کیں اور عین جوانی کی حالت میں جبکہ ہر ایک انسان عیش و عشرت میں پڑ جاتا ہے۔ اپنے والدین۔ دوستوں اور لواحقوں کو چھوڑ کر محض دیش کی خاطر ہمت کی کمر باندھی۔ آپ کا مقولہ تھا۔ اور آپ نے اس کو پورا کر کے دکھلایا۔

ہم ننگے عمر بتائیں گے	بھارت پر وارے جائیں گے
سوکھے چنے چبائیں گے	بھائیوں کو پار لگائیں گے
روکھی روٹی کھائیں گے	مست پڑے رہ جائیں گے
گالی طعنہ کھائیں گے	آنند کی جھلک دکھلائیں گے
سولوں پر ننگے جائیں گے	پر ایکو برہم لکھائیں گے

آپ پر صرف ہندو قوم کو ہی ناز نہ تھا۔ بلکہ تمام دنیا کو ناز تھا۔ آپ ہفت زبان تھے۔ آپ کے درشن تمام دُکھ درد کو دور کر دیتے تھے۔ آپ سورجوں کے سورج آنند سروپ اور محبت کامل تھے۔ آپ ہر وقت خوش رہا کرتے تھے مگر اب آپ کے گذر جانے کا تمام دنیا کو غم ہے آپ سب کی آتما تھے۔ آپ کی اُپدیش کا ہر ایک لفظ دل میں گھر کر جاتا تھا۔ آپ مُردہ دلوں میں تازہ روح پھونکنے والے مسیحا عارف باعمل تھے۔ آپ تمام دُنیا سے بے پروا سچے تیاگی تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ ؎

بادشاہ دُنیا کے ہیں مُہرے میری شطرنج کے
دل لگی کی چال ہیں سب رنگ صلح و جنگ کے

او ہندوستان کے رہنے والو یاد رکھو۔ اگر ایسے مہا آتما کو بھول جاؤ گے تو تمام دُنیا میں تمہارا منہ کالا ہوگا۔ دُنیا تمہیں کیا کہے گی۔ اس واسطے بہتر ہو کہ اُس کی یاد میں کوئی ایسی یادگار قائم کی جاوے جو کہ ہمیشہ کے واسطے قائم رہے۔ اور جس سے تمام دُنیا کی بھلائی ہو سکے۔ کیونکہ آپ کا مشن تمام دُنیا کی بھلائی کرنا تھا۔ چنانچہ مہرشی رام کا ارادہ تھا کہ تصوف یعنی ویدانت کے اسکول مختلف جگہ پر قائم کیے جاویں اس لیے نہایت ہی ضروری معلوم ہوتا ہو کہ آپ کے ارادے کو پورا کرکے اُن کی یادگار میں ہمیشہ کے لئے قائم رکھیں۔ ورنہ تمام دُنیا اس احسان فراموشی پر لعنت کرے گی۔ اس مطلب کے واسطے بہتر ہو کہ ایک منڈلی قائم ہو جو کہ ملک کے مختلف حصوں میں دورہ کرتے ہوئے ویدانت کالج کے واسطے چندہ جمع کرے۔ دیکھیے کون کون بھارت ماتا کے ایسے سپوت ہیں جو اس نیک کام کے واسطے کمر ہمت باندھتے ہیں اور اپنے وقت کو سکارت کرتے ہیں۔ پیارے بھائیو! ایک دن ضرور اس جسم کو چھوڑ جانا ہو۔ آپ کی مرضی ہو۔۔۔۔۔۔ چاہے اس کو اچھے کام پر لگاؤ اور چاہے بُرے کام کے واسطے خرچ کرو۔

بڑھو۔ ترقی کرو۔ ہمت کرو۔ ورنہ نیست و نابود ہو جاؤ گے۔ جس قوم اور ملک نے اپنے قومی اور ملکی جاں نثاروں کے واسطے کچھ نہیں کیا وہ تباہ ہوگئی اور جنھوں نے ان کے مشن کو اُنکے مرنے کے بعد بھی قائم رکھا۔ دُنیا میں سُرخرو ہوئے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عیسائی اب تمام دُنیا میں سرتاج کیوں ہیں۔ محض اس

واسطے کہ اُنہوں نے اپنے ہادی کی ہدایتوں پر عمل کیا۔ اور اُسکے سخن کو قائم رکھا۔

یہ قاعدہ ہے کہ انسان جس قسم کی صحبت میں رہتا ہے ویسا ہی بن جاتا ہے۔ چنانچہ سعدیؒ شیرازی فرماتے ہیں ؎

پسرِ نوحؑ[1] چوں بابداں بنشست | خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ[2] اصحاب کہف روزے چند | پئے نیکاں گرفت و مردم شد

ہر وقت انسان کے دماغ پر کچھ نہ کچھ نقش ہوتے اور مٹتے رہتے ہیں۔ یہ نقش اچھے اور بُرے خیالات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اور جس قسم کے خیالات ہمارے روزمرہ ہوتے ہیں۔ اُس قسم کے خیالات کے نقش ہمارے دماغ پر گہرے بن جاتے ہیں۔ اور گہرے ہوتے ہوتے ایسے گہرے ہو جاتے ہیں کہ پھر مٹ نہیں سکتے۔ اور پھر یہی خیالات کیرکٹر یعنی چال چلن اور عادت بن جاتے ہیں۔ اور ہم پھر خیالات کے مطابق ہی ہو جاتے ہیں چنانچہ مہاتما کا قول ہے کہ ؎

گر[3] در دل تو گل گذرد گل باشی | در بلبل بیقرار بلبل باشی
سو[4] داعے بلا رنج بلا می آرد | اندیشۂ کل پیشہ کن کہ کل باشی

اس واسطے ہندوستان میں رام جیسے مہاپُرش پیدا کرنے کے واسطے

---

[1] حضرت نوحؑ کا بیٹا بُروں کے ساتھ بیٹھ کر سنگ میں بیٹھا جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ خاندان اس نبی کا تباہ ہو گیا۔

[2] اصحاب کہف کے کتے نے کچھ دنوں اچھوں کا ست سنگ کیا اور وہ آدمی بن گیا۔

[3] اگر تیرے دل میں پھول کا خیال آتا ہے تو تو پھول بن جاتا ہے اور اگر بلبل بیقرار کا تو بلبل ہو جاتا ہے۔

[4] مصیبت کا خیال مصیبت لے آتا ہے۔ اگر سب کی بھلائی کا خیال اپنا وطیرہ بنائے تو تو سب ہو جاوے۔

ضروری ہے کہ ہم رآم کے خیالات اپنے خیالات بناویں۔ اور یہ خیال صرف ویدانت کے ہی خیالات ہو سکتے ہیں۔ اس واسطے نہایت ہی ضروری ہے کہ ویدانت اسکول قائم کرکے ہم تمام ہندوستان میں رام رام ہی پیدا کرلیں۔

ورنہ رآم کی جُدائی کا جو صدمہ گزرا ہے کبھی دُور نہیں ہو سکتا۔ اور صدیوں تک یہ کمی پوری نہ ہوگی۔ البتہ یہ بات نہایت ہی ضروری ہے کہ جو لوگ ویدانت کالج میں داخل ہوں اُن سے قسم لی جاوے کہ وہ تمام دُنیا کا عموماً اور ہندوستان کا خصوصاً بھلا کرینگے۔

یہ کالج کہاں بنے۔ اور کس قسم کا بنے۔ کون کون سی کتب پڑھائی جاویں۔ اور کس قسم کے اُستاد ہوں؟ یہ سب باتیں اگر پبلک نے ویدانت کالج کا ارادہ ظاہر کیا تو بعد میں پبلک رائے سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔

یہ ناچیز جسم اب اُن بزرگوں کا انتظار کرتا ہے جو اس دھرم کے کام پر اپنا قیمتی وقت دینا منظور کرتے ہیں تمام دنیا اور خصوصاً ہندوستان کی بھلائی کے واسطے کمر ہمت باندھتے ہیں۔ دوسری یادگار یہ ہے کہ سوامی جی مہاراج کا بُت بنوا کر لاہور میں یا کسی اور مناسب جگہ پر نصب کیا جاوے اور سب سے بہتر جگہ اس کے واسطے وہ ہو سکتی ہے جہاں اُن کے نام پر ویدانت کالج کھولا جائے۔ یہ اس ناچیز کی رائے تھی جو کہ پبلک کے سامنے پیش کردی ہے۔ آگے پبلک کو اختیار ہے۔ دیکھیں ہندوستان کی پبلک احسان فراموش ہے یا احسان ماننے والی۔

اوم شانتی شانتی شانتی

(ج) پریم پتر

(از منشی سردن لال صاحب)

میری التجا ہے کہ آپ اپنے اخبار کے ذریعہ ایک فنڈ بنام "رام فنڈ" کھولیں۔ جس کا مقصد رام کی یادگار قائم کرنا ہو۔ اور اس میں آپ کی رای کہ رآم کے کلام کی زیادہ اشاعت ہو۔ درست معلوم ہوتی ہے۔ اس فنڈ میں جس قدر روپیہ جمع ہو اُس سے رام کی کتب طبع کرای جائیں اور ہر ایک چندہ دہندہ کو و نیز دیگر ادہکاری متلاشی کو تقسیم کی جائیں یا ایک پاٹھ شالہ بنام رام پاٹھ شالہ کھولی جائے۔ جہاں ویدانت کی تعلیم دی جائے۔ اور جہاں سے رام کی طرح بہت سے رام ہندوستان میں نظر آئیں۔ اگر آپ مناسب جانیں تو ضرور اس فنڈ کی بنا ڈالیں ضرور کامیابی ہوگی۔ آپ روپیہ کسی بنک میں جمع کرا سکتے ہیں۔ لاہور میں سودیشی بنک موجود ہیں۔ روپیہ سیدھا بنک کو روانہ کیا جائے گا۔ آپ رسید اخبار میں درج کر دیا کیجیے گا۔ اس طرح پر کسی کو کچھ شکایت کا بھی موقع نہ ہوگا۔ باقی آپ خود وچار فرمالیجیے۔

اوم شانتی

سوامی رام تیرتھ جی مہاراج

(از مہاشی چمبا رام)

ناظرین! وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہیں جنہوں نے سوامی جی کے درشن پائے ان کے درشن سے ہی آپ آنند آنند آنند ہو جائیں گے۔ ان کی زندہ مثال آپ کی نجات کا موجب ہوگی۔ دُکھ درد و غم سب دور ہوں گے۔ انتظار کرنا لا حاصل ہے۔ جہاں ملیں ایک دفعہ ضرور درشن کریں۔ وہ سورجوں کے سورج آنند سروپ اور محبت کامل ہیں۔ وہ عالم ہیں۔ وہ فاضل ہیں۔ وہ یوگی ہیں۔ وہ صوفی کامل ہیں۔ آپ کے تمام شکوک رفع ہوں گے۔ ان کی کتابوں میں اگرچہ جادو بھرا ہے۔ لیکن ان کی صورت سب سے بڑھ کر من موہنی ہے۔ چہرہ گلاب کے پھول کی طرح کھلا ہوا ہے۔ دانت گویا آبدار موتی جڑے ہیں۔ رخسارے کیا ہیں چونیاں دمک رہی ہیں۔ تعجب یہ کہ میں نے ان کو واتن کرتے یا کوئی مقوی غذا کھاتے نہیں دیکھا۔ مونگ کی دال ذرا سی اور سوکھا ٹکڑا جب اور جہاں مل گیا۔ دوئی کا پردہ دور۔ غیریت چکنا چور۔ سب انسان ان کی اپنی آتما ہیں ہر وقت بشاش رہتے ہیں۔ ایک سیکنڈ بھی ضائع نہیں کرتے۔ معمولی سوتے ہیں۔ بلکہ بہت کم دن رات ضرور کچھ نہ کچھ کرتے ہی ملیں گے۔ زیادہ حصہ وقت کا اُپدیش میں صرف کرتے ہیں۔ باقی ورزش یا یوگ ابھیاس میں۔ اپنا نام رام یا

رام بادشاہ کہا کرتے ہیں کسی چیز کی خواہش نہیں بالکل تیاگی ہیں گھربار بال بچے دھن دولت اور رتبہ چھوڑ کر سنیاس دھارن کیا تھا۔ کئی سال تک ہمالیہ میں گھومتے رہے۔ پھر جاپان اور امریکہ گئے۔ امریکہ کے لوگوں کو تعلیم دینا گویا افلاطوں کو سبق سکھلاتا ہے۔ سیکڑوں لیکچر دیے ہوں گے۔ گھر گھر میں اُن کی تصویریں لٹک رہی ہیں۔ لیکن وہ نہایت عمدہ لیکچر جس میں اُنہوں نے سائنس کے اصول بیان فرمائے ہیں۔عہ قابل دید ہے۔ غالباً مسٹر پورن سنگھ سے ملے گا۔ انگریزی میں ہے۔ اس لیکچر کے سُننے سے امریکہ کی کئی یونیورسٹیوں نے ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگری دینی چاہی۔ لیکن سوامی رامؔ نے فرمایا کہ پہلے ہی پنجاب یونیورسٹی نے ایم۔ اے کا کلنک لگا دیا ہے۔ میں اسی کو پھینکتا ہوں اور کلنک کیوں سہیڑوں۔ سوامی جی پہاڑوں کی ایک غار یا گُپھا میں رہا کرتے تھے۔ اور امریکہ کے کروڑ پتی لوگ اصرار کرتے تھے کہ محلوں میں رہیں۔ برف میں جان جائے گی۔ لیکن وہاں کیا پروا تھی اوم کا انہد باجا جہاں زور سے بجایا سورج دیوتا کی تمام حرارت اُن میں نمودار ہوئی۔ تمام سردی اور برفانی سختی کافور ہوئی۔ لوگوں سے جب مصافحہ فرماتے تھے تو سوامی جی کی اُنگلیوں سے آگ کے شرارے نکلا کرتے تھے۔ جن کو لوگ سوپر نیچرل (بالائے فطرت) یا سپریچول (روحانی) طاقتیں کہا کرتے تھے۔ آخرکار بہت سے لوگوں کے کہنے سے اُنہوں نے ایک بنیائن اور ایک چوغہ ریشمی اور ایک چھوٹے سے ٹکہ (صافہ) سے اپنے ننگے بدن کو ڈھانپا۔ مگر دھوتی وہی رہنے دی۔ رنگ ان کپڑوں کا وہی گیرو رنگ کا تھا۔

عہ یہ لیکچر (نظریہ خیالی و حقیقی کے اتحاد) کے نام سے انگریزی کی چھٹی جلد میں شائع ہوا ہے۔
(Idealism and Realism Reconciled.)

جب پنکر میں امریکہ سے آئے ہیں تو میرے سامنے ایک دن موج میں آکر ان کپڑوں کو اُتار پھینکا۔ اور وہی رُنڈ منڈ ہو بیٹھے اور لگے یہ شعر پڑھنے ؎

بادشاہ دُنیا کے ہیں مُہرے میری شطرنج کے
دل لگی کی چال ہو سب رنگ صلح وجنگ کے

بات یہ ہو کہ آپ نے اور بھی ایم۔اے۔ایل ایل۔ڈی دیکھے ہوں گے لیکن یہ قدرت کے برگزیدہ اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ بلا سوچ انگریزی پوئٹری اُردو کے شعر فارسی کی رباعیاں ایسے بولتے ہیں جیسے کہ آگے ہی کسی نے مُنہ میں رکھی ہوئی تھیں ان کا ایک ایک لفظ فلسفہ کی روح ہو۔ سنسکرت بھی اچھی خاصی جانتے ہیں۔ ویدوں کا مطالعہ پورا کرچکے ہیں۔ ویدانت کے اُستاد کامل ہیں۔ عربی فارسی اچھی عمدہ جانتے ہیں۔ گویا ہفت زبان کہنا چاہیے۔

القصہ وہ ہندوستان کے مجسم روشنی ہیں۔ ناظرین اُن کے درشن سے لابھ حاصل کریں۔ اور کوئی صاحب لیاقت اُن کی سوانح عمری لکھیں۔ اُن کا ارادہ ہو کہ ہندوستان بھر میں ویدانت اسکول قائم کریں۔ امریکہ کے کروڑپتی لوگ اپنے زندہ مسیح لوگ کے لئے روپیہ کی امداد دینے کو تیار بیٹھے ہیں۔ ویدانت اسکول میں زیادہ تر بچّوں کو بھرتی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نہ معلوم آج کل سوامی جی کہاں ہیں۔ وہ ایک جگہ مقیم ہونا پسند نہیں کرتے۔

رام بادشاہ

(از آزاد اذلیہ میانوالی)

پھر گئی اے آسماں! ہم سے نگاہِ رام جیت!
رام گنگا میں ہے اب آرام گاہِ رام جیت!

ہائے! آفتاب عرفاں غروب ہوگیا۔ بدر منیر گہنا گیا۔ ستارے ماند ہوگئے۔ شمع طور بجھ گئی۔ جگنو سے چمک دمک کوسوں بھاگ گئی۔ آہ! گلشنِ ہند تباہ ہوگیا۔ اب وہ گل بکاؤلی کہاں؟ ؎

"چمن کے تخت پہ جس دم شہِ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اک شور تھا غل تھا
جب آئے دن خزاں کے کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
زباں پہ باغباں کی تھا۔ یہاں غنچہ یہاں گل تھا"

او باد بہاری تو کہاں چلی گئی۔ جو باغبان و چمنستان بلبل و گلستاں سرو و قمری کی روح رواں تھی۔ اے سبز پوشانِ چمن! تم کس کی یاد میں چپ چاپ ہو رہے ہو۔ آہ! یہ چمکتی ہوئی شبنم نہیں۔ یہ تو ساکنانِ گلزار کی آنسوؤں کی مالائیں ہیں۔ اور یہ اشجار نہیں بلکہ خضر صورت عاشقانِ کامل کی صفیں ہیں۔ جو موتیوں کی تسبیحیں لئے انا الحق انا الحق کا فاتحہ رام بادشاہ کو دے رہے ہیں ؎

چلو قبر فرہاد پہ فاتحہ کو + اگر آب شیریں سے لازم وضو ہو

اب جس کو رام بادشاہ سے پریم ہو۔ وہ اُس کی مرغوب چیز (اناالحق) وردِ زبان بنائے ؎

بہ[1] صدقِ دل اناالحق گو چنینست رام فرماید
کہ در یک دم ز دل گردد وصال و قطع منزلہا

باشے اس قحط الرجال کے زمانہ میں رام جیسا فدائے ملک ہندو مسلمانوں کو شیر و شکر کرنے والا۔ اکبرِ اعظم سا دل رکھنے والا۔ جہان سے غائب ہوگیا۔ اب اس کی وہ زندہ دلی۔ وہ رنگین مزاجی۔ وہ شگفتہ رنگی وہ بات بات میں چاشنی۔ وہ زندہ جاوید مستی اُس کے عاشقوں کو آٹھ آٹھ آنسو رُلاتی ہے۔ ع

پھرتی ہے آہ دیدہ و دل میں ادائے رام

مجھے گُل کے ہنسنے پہ آتا ہے رونا ٭ کہ اس طرح ہنسنے کی خوشی کسی کی

علم کے ساتھ عمل ہو تو نُورٌ علیٰ نور ورنہ بے عمل عالم جاہل سے بدتر ہے۔ ؎

حافظ[2] ہر آنکہ عشق نہ ورزید و وصل خواست
احرام طوف کعبہ دل بے وضو بہ بست

حافظ[3] ز دیدہ دانۂ اشک باہمی فشاند
شاید کہ مرغ دل کند قصد دام ما

---

[1] سوامی رام فرماتے ہیں کہ سچے دل سے اناالحق (دربرہم اسمی) کہہ تاکہ ایک دم میں وصال یا ساکشاتکار ہوجاوے یعنی راستہ طے کرکے منزل مقصود پر پہونچ جاوے۔

[2] اے حافظ جس نے عشق کیا نہیں اور وصل چاہا یعنی بغیر پریم کے ساکشاتکار کرنا چاہا تو وہ ایسا ہی ہے کہ بغیر وضو کعبہ کے طواف کرنے کی نیت کی۔ [3] اے حافظ آنکھ سے آنسو کے دانے اس طرح بکھرتے ہیں کہ شاید مرغ دل اُن کو دیکھ کر ہمارے جال میں پھنسانے کا ارادہ کرے۔

وہ بندوق توپ کچھ گھائل نہیں کر سکتی۔ جس میں بارود گولی تو ہو۔ مگر آگ کی جگہ برف سے کام لیا جائے۔ جب تک گیان کی اگنی جلوہ گر نہ ہو۔ تب تک اگیان روپی دشمن شکار نہیں ہو سکتا۔ اور دل ہرگز منوّر و تاباں نہیں ہوتا۔ جب تک شمع عشق نہ جلائی جائے آتشبازی کا لطف تب ہی ہوتا ہے کہ جب اُسے آگ دکھا کر برباد کیا جائے۔
جب تک شمع خود جل کر جانگداز نہ کرے۔ غریب پتنگے کب جاں فروشی پر کمریں باندھتے ہیں۔؎

تا نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود[1]

راقم بادشاہ میں عرفان لڑکپن سے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اور اُس نے خودی کو جلا کر اُس کی خاکستر گنگا میں بہا دی تھی۔ کالج لائف میں بھی فقیری عیاں تھی۔؎

کب لباس دنیوی میں چھپتے ہیں روشن ضمیر
جامۂ فانوس میں بھی شعلہ عریاں ہی رہا

فقیری کی تو پوچھیے نہیں بحر سرور تھے۔ جس کی موجیں امریکہ و جاپان تک لہریں مار رہی تھیں۔ تشنگان آب حیات و بیماران شراب ہستی جام بھر بھر کر پیتے تھے۔ اور دُکھ درد بھول جاتے تھے۔ اب بھی وہ بحر بیکراں رسالۂ "الف" میں اٹھکیلیاں کر رہا ہے۔ جس کی مرضی چاہے اس مئے حقیقی سے دل کی پیاس بجھالے۔؎

مریضانِ گنہ کو دو خبر فیضِ مسیحا کی
بلا قیمت دوا ملتی ہے لے آکے جس کا جی چاہے

---

[1] جب تک شمع نہ جلے پروانہ کب اس پر عاشق ہونے لگا۔

سچ ہو خدا محبت ہی اور جو محبت میں رہتا ہی وہ خدا میں رہتا ہی۔ اس عالمگیر
محبت کے باعث امریکن رام کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ انھیں مسیح کہنا شروع
کردیا۔ یہ عجیب ماجرا ہی کہ بعض لوگ باوجود دعوئے مسیحائی کے ابھی تک مسیح
نہیں ہیں۔ مگر ایک شخص بلا اس دعوے کے مسیحا بن گیا۔ واہ رے
بحر الفت! "پہلے تم لائق بنو پھر خواہش کرو" کے معنی اب خوب سمجھ میں
آئے۔ یہی محبت تھی جو پریذیڈنٹ روزولٹ جیسے بادشاہ امریکہ کو
کشاں کشاں مسیحا دم رام کے پاس جبیں سائی کو لائی۔ ؎

عجب ہو خدایا تیرا بحر الفت — جو ہو غرق اس میں وہی پار نکلے

مگر تو نے ای آب رود گنگا! اس کوہ نور الماس کو اپنے پیٹ میں چھپا لیا۔ سمندر
تو پہلے ہی سے بدنام تھا۔ ؎

موتیوں کو سیپ میں رکھا چھپا کر کس لئے
دیکھ لی ہم نے سمندر بس تیری دریا دلی

پہلے تو ہما کی طرح ہڈیوں پر قناعت تھی۔ استخواں خورد و طائرے نیازارد
کا سا معاملہ تھا۔ مگر اب ای اژدہائے گنگا! آہ! تیری خوفناک لہریں تو
رام جیسے بیش بہا من کو نگل گئیں۔ ای کاش رام بادشاہ ہوتے۔ اور
انہیں اس عالم محویت میں اپنے دل میں تخت نشین اور حکمراں دیکھتا۔ اور
پھر راز و نیاز کی باتیں کرتا باتیں بھی وہ جو اُن کے من بھائیں۔ مگر وہ
تو برابر کہہ رہا ہی ؎

آب کوثر کے کنارے چل رہا ہی جام رام
خلد میں ہی آہ اب منزل گہ آرام رام
ہائے گنگ کے تو نے جگ سے شراب عرفاں پلا پلا کر

جایا وحدت کا رنگ تو نے دوئی کا پردہ اٹھا اٹھا کر
تو کیا ہندو مسلم۔ گبر سب ایک ہی جام سے پئیں گے۔

رام بادشاہ۔ گبر و مسلم کیسے؟ ؎

کفر[1] و اسلام در رہش پویان ٭ وحدہٗ لا شریک لہٗ گویان
یک[2] حقیقت جلوہ گر در کفر و اسلام ہست و بس
اختلافات مذاہب جملہ اوہام است و بس
از[3] تعصب کاشہ شیخ و برہمن شد جدا
ورنہ در میخانہ یک ساقی و یک جام است و بس

آہ! ایسا مرد باصفا کچھ دنوں ہم میں اور رہتا۔ مگر اُن کا تو قول تھا کہ ؎

اگر[4] در خانہ کس است ٭ یک حرف بس است
اگر[5] در خانہ کسے نیست ٭ دفتر معرفت ہیچ است

ملک کے لئے جو کچھ لکھ گئے ہیں وہی بہت ہے۔ مگر گوش شنوا اور چشم بینا چاہیے۔ یہ خیال کرنا کہ جسم و اسم کو رام بادشاہ نے کیوں

---

[1] کفر اور اسلام اس کے راستے میں دوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ "وحدہٗ لاشریک" یا "ایکو برہم ادویتیہ" ہے یعنی صرف اسی کی ایک ہستی ہے۔ [2] ایک ہی حقیقت یا ہستی کفر اور اسلام میں ظاہر ہو رہی ہے اور مذہبوں میں جو اختلاف پڑتا ہے وہ محض وہم یا دھوکا ہے۔

[3] تعصب یعنی کشش بات کی وجہ سے شیخ اور برہمن یعنی مسلمان اور ہندو الگ الگ ہو گئے۔ مگر جہاں تعصب نہیں وہاں میخانہ معرفت میں ایک ہی ساقی (گرو) اور ایک ہی جام (تعلیم) ہے۔

[4] اگر خانۂ دل میں کچھ ہے تو ایک حرف کافی ہے۔

[5] اگر خانۂ دل میں کچھ نہیں تو دفتر معرفت عبث۔

چھوڑ دیا۔ یہ سوال تو ہمیشہ وہی ہو کہ قیدی نے زندان کیوں چھوڑ دیا؟ وہ تو صاف کہہ چکے تھے۔ ؎

در[1] سرم ہر دم سر آزادگی ست قیدِ تن باشد کنوں زندانِ من

فنا فی اللہ رآم کے لئے۔ ع

قصۂ[2] شد مختصر ورنہ دردِ سر بسیار بود

اور نیز اس خواب و خیال کی مستعار زندگی میں منصور یا سرمد وہی بنتا ہو کہ وہ سر دار پر لٹکائے ؎

کلکِ[3] زباں بریدہ حافظ در انجمن
باکس نہ گفت راز کہ تا ترکِ سر نکرد

رآم کی تو اب وہی حالت ہو کہ:۔

در[4] سخن پنہاں شدم چوں بوئے گل در برگِ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

اور کلامِ رآم میں بیشک جلوۂ طور آشکار ہو۔ ایک ایک لفظ میں شیشوں کی طرح شرابِ وحدت بھری ہوئی ہو جس سے طالبانِ حق اور عاشقانِ معرفت ہمیشہ سرشار ہوتے رہیں گے۔ ہاں تا آنکہ

---

[1] میرے سر میں ہر وقت آزادی کا خیال ہو۔ اور اب جسم کی قید میں رہنا گویا قید خانہ میں رہنا ہو۔

[2] جھگڑا چھوٹا نہیں تو دردِ سر بہت تھا۔

[3] حافظ نے زبانِ قلم کو کاٹ ڈالا ہو اور محفل میں رازِ حقیقت کسی سے نہیں کہا ہو جب تک اس نے اپنے سر کو تن سے جدا نہیں کیا ہو یعنی جب تک انسان جیتے جی نہیں مرا ہو تب تک اس سے رازِ حقیقت نہیں بتایا گیا۔

[4] میں اپنے کلام میں اس طرح چھپا ہوا ہوں جس طرح بو گل میں چھپی رہتی ہو اور جو میرے دیکھنے یا درشن کی خواہش رکھتا ہو وہ میرے کلام میں مجھے دیکھے۔

سوامی کل کو جمع کرکے کتبخانہ[1] نام قائم کر دیں۔ کتابیں اور رسالے
تو خیر محفوظ ہیں۔ مگر اخباروں کے مضامین۔ چٹھی کے خطوط کہیں منتشر
نہ ہو جائیں۔ اس لئے ان کی فکر کرنا چاہیے۔

گل نہیں تو گل کی نکہت ہی سہی

---

[1] شکر ہے کہ شریمان نارائن سوامی نے کتبخانہ رام بنام رام تیرتھ پبلکیشن لیگ
بمقام لکھنؤ قائم کر دیا ہے جس میں نہ صرف رام کا کلام بلاغت تمام شائع ہوتا ہے بلکہ
دیگر تصانیف بھی جو رام کے کلام سے ملتی جلتی ہیں شائع ہوتی ہیں۔ اور عاشقان رام
یاد و یدانت اس کتبخانہ سے سرشار ہوتے رہتے ہیں۔ (شانتی پرکاش)

آنند لہر

(از قلم سوامی پرگیا نند صاحب برہم پوری منی کوٹ بہت)

آج آنند کے کیلاش سے باد بہاری کا جھونکا آیا۔ اس کو ایک پری ٹہلتے ٹہلتے ست اپدیش کی طرف سے اُڑی۔ ؎

شہنشاہِ رام کا اب وقت آرام   صدا و بانگِ بلند نغمہ کا نہیں کام
نہیں چاہتی اجانے کی ضرورت   جہاں آباد ہو اب رام کا دھام

عزیزو! وہ رام جو سب کے دلوں پر اٹکھیلیاں کر رہا تھا۔ وہ جسکی آنندگھن ترنگوں کا شور و غل جاپان و امریکہ تک ہو رہا تھا۔ وہ جو وحدت کا جام بھر بھر کر پیتا تھا۔ کیا وہ آج نگاہ سے غائب ہو ہرگز نہیں۔ وہ کبھی چھپ سکتا ہو؟ اب بھی گنگا کے لباس میں لہرا رہا ہو ؎

حجاب جلوہ ہم یکسر ہجوشے جلوہ ہست اینجا
نقابے نیست دریا را مگر طوفانِ عریانی

چادر سے موج کی نہ چھپے چہرہ آب کا
برقعہ حباب کا نہ ہو برقع حباب کا

عزیزمن! وہ طاقت یعنی حقیقی ذاتِ زندگی جو کبھی تو نباتات کی شکل میں اور کبھی حیوانات کے روپ میں۔ کبھی انسان کے لباس میں اترتی ہو۔ وہی ایک جسم (رام کا شریر) میں نمودار ہوئی تھی۔ مانا کہ! عقل، من، پران یعنی قیاس و خیال و گمان و وہم سے اس کی حقیقی ذات پرے ہو۔ تاہم اس کی ہستی میں کچھ شک نہیں۔

ملہ

بس اب وہ اسی اپنی جہان میں مست پڑا ہے۔ ذرا اونچی والی نگاہ بدلنے کی دیری ہے۔ وہ تو ابھی تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ وہ خود ہی کہہ رہا ہے ؎

سینہ زوری اور چوری۔ چھیڑ چھاڑ اٹکھیلیاں
چٹکیاں سینہ میں بھرتا ہوں مجھے پکڑو کوئی

یہ وہ مقام ہے کہ جہاں دنیا کے شور و غل کو مطلق رسائی نہیں ۔ جہاں پر تمام دُنیا کے چھڑے تک رہ جانے والے سائنس کی سارنگی گھستے گھستے ختم ہو جاتی ہے۔ اے عزیزو ذرا جسمانی ترقیوں سے باز آؤ۔ اپنے اصلی گھر کی طرف مڑو۔ اور اپنی پچھلی گری ہوئی حالت کو سنبھالو۔ ناپائدار دنیوی چیزوں کے غلام مت بنو۔ بلکہ اپنی روحانی ترقی کے زور سے ان کو اپنا غلام بنالو۔ زمانہ حال میں اس کی بڑی ضرورت ہے۔ اب اپنے بزرگوں کی کہانیاں پڑھنے کا موقعہ نہیں۔ اے یارو کیا بات ہے کہ انسان کے لباس میں اگر بھی مصیبتوں پر مصیبتیں پڑتی جاویں۔ اس کا سبب یہی ہے کہ تمہارے اندر سے کمزوری کی بدبو آرہی ہے۔ دیکھو گنگا ہمیشہ شدھ اور پوترو پاک بہہ رہی ہے۔ ایک تالاب کا پانی چاروں طرف بند رہنے سے سڑ جاتا ہے۔ بدبو آنے لگتی ہے۔ بیچارے کو آزادی خواب میں بھی گنگا کی طرح نصیب نہیں ہوتی۔ رام کہتا ہے ؎

آنند کے چشمے کے ناکے پر یہ جسم تک بند تھا
وہ بہہ گیا بند خودی دریا بہا ہے واہ واہ

بس اگر آنند ہمیشہ کے لئے چاہتے ہو۔ تو ویدانت کے اسپتال میں اپنی آنکھیں بنواؤ۔ میں سچ کہتا ہوں دنیا کی چیزیں دھوکا دینے والی ہیں ۔

آپ کے حقیقی آنند کو بُھلا دینا ان کا کام ہو۔ یہ قدرت کا قانون ہی۔ اس کو بُھلا کر بڑے بڑے بادشاہ قبر کے کیڑوں کی خوراک بن چکے ہیں۔ رام یوں اشارہ کرتا ہو کہ اس قدرت کے قانون کو کہیں کچے سوت کا دھاگا مت سمجھ لینا۔ یہ لوہے کا ایک وہ رسا ہو کہ جس سے سورج اور چاند بھی بندھے پڑے ہیں۔ اے ہندوستان کے باشندو! اندھیرے کمروں میں گھس کر شب تار کی موزوں آتشبازیوں اور مصنوعی جھاڑ فانوسوں کے ذریعہ سجاوٹ بناوٹ کرنا تو تم غیر ملک والوں سے سیکھ ہی رہے ہو۔ لیکن ہائے! اپنے ملک کے سورج (برہم وِدیا) کا منھ دیکھنے سے بھی پرہیز کیا جاتا ہو۔ بس خود غرضی کو چھوڑ دو۔ یہ خود غرضی کے چھوڑنے کا ہی سبب تھا۔ کہ رام تمام دُنیا کے عیش و عشرت کو لات مار دوئی کے پردے پھاڑ تمھارے کوچہ میں سے گذر گیا ہو۔ جس کا دائرہ (Circle) لا انتہا فاصلہ پر پہونچا ہو۔ اب یاد رہے کہ پھر غنچہ کھلنے والا ہو۔ یہ رام بان کہاں جائے گا۔ ؎

پھر بہار آئی چمن میں زخم گل آئے ہوے
پھر مرے داغ جنوں آتش کے پرکالے ہوے
مقراض موج دامن دریا کتر گئی
وحدت کا پردہ پھٹ گیا۔ ساری سترگئی

Whoever works (sacrifices) pouring into the shining of these (the seven flames) mentioned, at the proper time, him these

sun rays lead where dwells the one Lord of the Devas saying to him, "Come" These resplendent libations carry the sacrificer by the sun rays, worshiping him and saying the sweet words, "This is your pure well deserved world."

From Muni Kot Mountains.

لہ ٹھیک وقت پر جو بھی متذکرہ بالا ان (ساطع جیوتیوں) کے شعلوں میں آہوتی ڈالتے ہوئے کام (یگیہ) کرتا ہے اس کو سورج کی کرنیں "آؤ آؤ" کہتے ہوئے اس مقام کی رہنمائی کرتی ہیں جہاں دیوؤں کا دیو (نور الاعلیٰ نور) رہتا ہے: چمکتی ہوئی آہوتیاں اُس یگیہ کرنے والے کی پوجن (قدر) کرتے ہوئے اور اُس سے ایسے میٹھے شبد کہ "یہ تمہارا شدھ پوتر جگت ہے جس کے تم یوگیہ ہو" کہتے ہوئے اُسے سورج کی کرنوں کے ذریعہ لے جاتی ہیں۔

مسز ولمین کا خط

(از ملک امریکہ بنام ایڈیٹر ست اپدیش لاہور جس کو ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کے ست اپدیش میں سے بابو ارجن لال خلف بابو سرجن لال صاحب پاٹھک نے مقام فیض آباد سے انگریزی سے ترجمہ کرکے ارسال کیا)

پیارے اڈیٹر۔ رسالہ جات جو آپ نے براہ مہربانی میرے پاس روانہ کیے تھے۔ شکریہ کے ساتھ موصول ہوئے۔ پیارے پورن کا مضمون پنجاب کے مہاتما سوامی رام کے بارہ میں بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا گیا۔ اور پریم کی آگ میرے دل و جان میں بھڑک اٹھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیارا دیوترشبد اوم رام کے کھار بند سے اوچارن ہو رہا ہو۔ اور یہ آواز نکل رہی ہو "میں مر نہیں سکتا میں مرا نہیں ہوں" ؎

مجھ کو کاٹے کہاں ہے وہ تلوار ۔۔۔ داغ دے مجھ کو ہے کہاں وہ نار
موت کو موت کیا نہ آئے گی ۔۔۔ قصد میرا جو کر کے آئے گی

اندر کی زندگی (آتما) کا جاننا ہی آتمہ کا جیون ہے۔ زندگی زندہ دلی کا ہے نام + مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں۔ روح تو صرف روح ہی جانتی ہے دیش اور کال یعنی (زمان و مکان) اور موت تک بھاگ کھڑے ہوتے ہیں +

روح بڑے شوق کے ساتھ اس ایک بڑی حقیقت کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہے۔ مہاتما رام کا یہ اپدیش ہے جب کہ

ان پیارے خطوں کو جو میرے پاس رام نے وقتاً فوقتاً بھیجے تھے۔ دیکھتی ہوں۔ میرے دل و دماغ میں تازگی آجاتی ہے۔ ایک خط کا اقتباس مندرجۂ ذیل ہے:۔

گیانی (عارف) ہمیشہ اپنا دل اس ایک بڑی حقیقت کے حضور میں حاضر رکھتا ہے۔ اور دُنیا کی چیزوں کو اس لاپروائی، بے تعلقی، ویراگ اور خاطر جمعی سے دیکھتا ہے۔ جیسے کوئی شاہانہ مزاج والا سخی۔(یعنی دُنیا کی چیزوں کو ایک شاہانہ مزاج کے سخی کی طرح بے حقیقت سمجھتا ہے) اور ہر ایک اُفتاد کو آزاد روح (مکت آتما) بلا متاثر ہوئے ہنسی خوشی سے برداشت کرتی ہے۔ اور ہر وقت اپنے پیدائشی جلال کو خوب یاد رکھتی ہے۔ میں تنہا ہوں۔ میں وحدہ لاشریک ہوں۔ سورج میرا ہی عکس ہے۔ اپنے اصلی سورج یعنی دیوجیون (الٰہی زندگی) کیریکٹر کی طرف برابر دھیان دینے اور اس کے روز مرہ کے کار وبار میں لگانے سے تمہارا نمودی وجود محبت روشنی اور زندگی کا سب سے اونچا مظہر بن جاوے گا۔ ان انمول چٹھیوں میں بہت کچھ ہے۔ لکھے ہوئے لفظوں سے بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے وہ روح چلکتی ہے جو میرے کل وجود کو حقیقت مطلق سے متوّر کر رہی ہے۔

سوامی رام کے یہ انمول پتر میرے سنساری (دنیوی) مارگ (راستہ) میں روشنی کا کام دیتے ہیں۔ اور مجھ میں اور میرے چاروں طرف ایک پریم کی تھرتھراہٹ سی پیدا کر دیتے ہیں۔

کیسے مبارک وہ دست و دماغ تھے - جنہوں نے اُن کو لکھا- روح کا کام اسی بات میں ہے کہ محسوس تو ہو- مگر بیان میں نہ آسکے- رام کے خطوط اس حقیقت کے خاموش پیغام ہیں جو روح میں خوشی کی سنسناہٹ سے بلبل بجا دیتے ہیں- وے پردہ کے پیچھے سے بول رہے ہیں- اس روح کے اندر سے جس نے دنیوی زندگی سے قطع تعلق کر دیا ہے- باتیں کر رہے ہیں- اس نے ایسی سادہ (سادھنا) زندگی بسر کی کہ وہ ہمیشہ کے لئے اعلیٰ عالمگیر زندگی کا مظہر ہو گیا-

اگر مجھے خواہش ہو تو یہ ہے- کہ اس مبارک حقیقت کو جسے رام نے سکھلایا اور اپنے جیون میں ڈھال کے دکھلایا- (یعنی رام کی کتھنی اور کرنی کو) زیادہ سے زیادہ جانوں- اگر میرے اِدھر اُدھر گھومتے ہوے سنکلپوں (خیالوں) کو جب تک کہ آتم میں لے نہ ہو جائیں- جیوں جیوں ہم اس قانون الٰہی (خدا) کو سمجھتے جاتے ہیں- تیوں تیوں راز کھلتے جاتے ہیں- جب کبھی میں ایسی ویسی باتیں پوچھتی تھی تو مہاتما رام یوں کہا کرتے تھے-

ماتا ان باتوں میں کیا رکھا ہے- ہم تو ایشور یعنی ست کو جاننا چاہتے ہیں- جب ہم ایشور کو جانیں گے- تب اپنے آپ کو پہچانیں گے- اور جب ہم اپنے آپ کو جانیں گے تب ہی ایشور کو پہچانیں گے"

اے پیارے ہندوستانیو! دو برس یا کچھ اوپر کا زمانہ ہو میں نے آپ لوگوں کے ساتھ گذارا ہے- اُس کی پیاری یاد میرے لئے متبرک ہے- کوئی دنیوی تعلقات میری زندگی میں ایسے نہیں ہیں کہ جن کا اس وقت کے تجربہ سے مقابلہ کیا جاوے- مغرب جو کچھ ہے- اس کی

روح نے مادرِ ہند کے گرم جوش سینہ پر آرام کیا۔ اے میرے ہند کے پیارو! پریم کرو۔ چاہے ہمارے جسم اس کرۂ زمین کے مختلف اطراف میں چلے ہی کیوں نہ جائیں۔ یہ ہماری روحیں لامحدود محبت و معرفت کی برکت یعنی اننت پریم و گیان کے آنند میں ملی رہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ ہزاروں میں صرف شاید ایک سچائی کے لئے کوشش کرتا ہے۔ اور کہیں کہیں ایک آدھ ایسے دکھلائی پڑتے ہیں۔ جو ہمارے عالی ہمت رام کے کچھ کچھ مشابہ ہوں۔ میں ہندوستان میں کچھ ایسے آدمیوں سے ملی جو سمجھ دار تھے۔ وے لفظوں کی تعریف نہ کرتے تھے۔ بلکہ معنوں کی۔ اور اپنی خودی کو دور کرکے اپنے اعمال کو مقدم سمجھتے تھے۔ اُن کی مستقل روحیں مردہ ماضی کی اُلجھی ہوئی پابندیوں کو توڑ چکی ہیں۔ ہم روحانی ترقی اور انکشاف کے لئے اکثر دھیان میں بیٹھتے ہیں۔ اور کبھی کبھی متبرک اور مبارک نِروان کے بارے میں بات چیت کرتے ہیں۔ اور بیٹھے آنند دائک اوم کو اوچارن کرتے کرتے اس مبارک نِروان تک پہنچ جاتے ہیں۔ کیا یہ تعجب کی بات ہے کہ اگر میں اس ملک کو پیار کروں۔ جہاں جا کر رام پریم اور بہت ہی گہرا پریم میرے دل میں پرگٹ ہو گیا ہے پیارے ہندوستانیو! ہم دل میں تم سے ملتے ہیں۔ ہم آنند میں ہیں۔ بلکہ پریم مجسم ہی ہیں۔ میں ہمیشہ تمہارے ہی ساتھ ہوں۔

(سوسیانند عرف امی۔ لے۔ ویل مین از امریکہ ممالک متحدہ۔)

مکرر اینکہ۔ ڈینور کے کولارڈو اخبار کی راے سوامی رام

کے بارہ میں ذیل میں درج کی جاتی ہو۔ وہ قدر و عزت جو سوامی رام کی امریکہ میں ہوئی تھی۔ تھوڑی سی اس سے ظاہر ہوتی ہو۔
مہاتما سوامی رام کی دیہہ کا انت ہوگیا۔ اثر پیدا کرنے والی اور سنجیدہ رسوم سے اس بڑے ہندو کا جسم جس نے ذات کے قیود کو دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ متبرک گنگ کے حوالہ کر دیا گیا۔ اس مشرقی عالم کے وہ پیرو جو ڈینور اور مغرب میں رہتے ہیں۔ ان کو اس ۱۷۔ اکتوبر کے حادثہ کی خبر وحشت اثر اب معلوم ہوئی۔ سوامی رام نئے خیالات کے اُستاد تھے۔ جب کہ آپ کا استقبال ڈینور کے گرجاگھر میں جنوری ۱۹۰۴ء میں ہوا تھا۔ آپ نے کئی لیکچر دیکر بہت سے آدمیوں کو اپنے مذہب اور مت کی طرف راغب کرلیا۔
اپنے پیروؤں کی نگاہ میں وہ مرا نہیں ہو بلکہ صرف اُس کا جسم نہیں رہا ہو۔ مسز الیٹ۔ جی کریپر ڈینور کے رہنے والوں میں سے ایک ہیں۔ جنہوں نے رام کی تعلیم سے بڑا لابھ حاصل کیا ہو۔ انہوں نے اس نئے خیال کے پرچہ تھنڈرنگ ڈان جو ہندوستان سے شائع ہوتا ہو اس کے اڈیٹر پورن کی ایک چٹھی پائی جس میں سوامی رام کے گزر جانے کا ذکر ہو۔
اڈیٹر پورن اس رہنما کے بارے میں ایک کتاب[1] لکھ رہے ہیں۔ اور مسز کریپر کو خط اس غرض سے لکھا ہو تاکہ وہ اخبارات کے ٹکڑے اور روایتیں جو اُن کے بارے میں لکھی گئی ہوں جب کہ وہ ڈینور میں گئے تھے۔ روانہ کریں۔ سوامی رام کے گزر جانے سے ہندوستان کا ایک بڑا بھاری خیر خواہ جاتا رہا۔ کیونکہ وہ اپنی تمام طاقت

[1] دیکھو فٹ نوٹ صفحہ ۵۰۳

جات پانت کے دور کرنے میں لگائے ہوئے تھے۔ جس کو انہوں نے کہا۔ کہ ہندوستان کے لئے ایک بلا ہے۔ جب کہ وہ ڈینور میں تھے۔ تب اُنہوں نے یہ کہا تھا۔ بیس نوجوان ہندوستانیوں کو اپنی امریکہ کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں تعلیم دو۔ تو وہ جات پات کے جھگڑوں کو ہندوستان میں سے دور کر سکتے ہیں۔ آپ رسالوں اور اخبارات کے واسطے مضامین لکھا کرتے تھے۔ اور بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ کیونکہ سوامی رام انگریزی زبان میں بڑے ماہر تھے اور پڑھے ہوئے لوگ ان کی موت کی خبر کو نہایت افسوس کے ساتھ سنیں گے۔ مغرب میں ان کے پیرو بہت زیادہ ہیں۔

"کامن پاتھ" یعنی "سادھارن دھرم" ہی کو آپ نیا مذہب کہتے تھے۔ اور جس کا مدعا یہ ہے کہ موجودہ زندگی کے چال چلن کو سُدھارا جائے۔ جیسے انرجی (طاقت) کا کم ضائع کرنا۔ جسمانی و دماغی یعنی شاریرک اور مانسک کمزوری کو دور کرنا اور اگر جو حد ضرور۔ بدمزاجی اور دیگر بُرائیوں کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہو۔ اس سے رہائی پانا۔ ان کا مذہب قدرت کا مذہب ہے۔ کیا تم نے دریاؤں کی بابت کبھی یہ بھی سُنا ہے کہ یہ دریا ہندو ہے۔ اور عیسائی نہیں ہے۔ پس میں جات پانت رنگ روپ یا مذہب وملت کا کوئی بھید (فرق) نہیں رکھتا۔ اور سورج کی شعاعیں ستاروں کی کرنیں درختوں کے پتوں۔ گھاس کے تنکوں۔ ہوا کے ذرّوں۔ چیتے۔ ہاتھی۔ بھینسے۔ چیونٹی۔ مردوں۔ عورتوں۔ اور بچّوں کے دلوں کو اپنا ہم مذہب کہہ کر پکارتا ہوں۔ رام نے ڈینور میں اپنے نئے خیالوں کو پھیلانے کے

پوچھا۔ میرا مذہب ایسا نہیں ہے جو نام رکھا دے یہ قدرت کا مذہب ہے۔ جب کہ رام ڈینور میں تھے۔ تو انہوں نے مذہب کی تعلیم کے لئے درجے کھولے۔ اور ان کے بہت سے پیرو ہوئے جنہوں نے اس خبر کو سنا کہ ان کا شریر اب نہیں رہا انہیں بڑا صدمہ پہنچا ہے۔

اوم اوم اوم

مس ویل مسٹر پورن نے سوامی رام کی اب سوانح عمری بزبان انگریزی موسومہ بہ سٹوری آف رام لکھی ہے جو رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ سے شائع ہوئی ہے۔

پیارا رام

(از منشی جوالا پرشاد صاحب کانپور)

ہرے رام - ہرے رام - رام رام ہرے ہرے -
ہا! رام بادشاہ نے نج سروپ کو دھارن کرکے اپنی پرتگیا پورن کی -
وائے بدنصیبی ہم ایسے ادھم جیوؤں کی جو اودیا پھانس (جہالت کی قید) میں
بندھے ہوئے ایسے جل سین کرنے والے رام کے چرنوں سے بہی ہوئی
نرمل گنگا میں پرکش اشنان یا درشن سے بالکل (محروم) رہے جن پرشوں
نے اس جیتے جاگتے نراکار رام کو جنہوں نے ہم لوگوں کے اُدّھار
کے لئے آکار اور بھگتی دھارن کرکے اودیا اور گمراہی سے چھڑانے
اور جتھارتھ تت گیان کی مہان گپت بھید سے ابھید کرنے کو اُپدیش بہلی
گنگا بہا رکھی تھی اُن کے درشن اور ست سنگ دوارا شردھا پوریک
اس رام گنگا کے مہاتم اور سروپ کے جتھارتھ پہچان کرکے اس میں
غوطہ لگایا ہے وہی اُن کے درشن پرشن سیوا اور پوجا سے کلیان کے
بھاگی ہوئے ہیں واقعی جن کے شدھ انتہ کرن تھے اُنہی نے اس
گیان سروپ مورتی مان رام کو ساکشات اوتار جان کر اس کی سیوا
و اُپاسنا کرکے گیان کو پراپت ہو منش جنم کو سوپھل کیا ہے - خاکسار کو
کسی جنم کے مہان پُن کے پھل سے صرف ایک مرتبہ بعنایت بابو لال
مترجم لاہور مہاراج کے چرن کملوں کے درشن لکھنؤ میں نصیب ہوئے
تھے - مہاراج اس وقت امریکہ کو تیار تھے شکٹ کلکتہ کا سیدھا آچکا تھا

لیکن مہاراج نے اپنی دیالتا اور کرپالتا سے میری اس پرارتھنا کو کہ چند روز کانپور
میں درشنوں کے جبلاشی ہیں منظور کیا اس پر کہا گیا کہ ٹھہریں گے تو جہاز نہیں ملے گا
تب میں نے کہا ایک گھڑی آدھی گھڑی آدھی میں پُن آدھ تیسی سنگت سادھو سے
شیں کوٹے اپرادھ ہیں زیادہ نہیں روکوں گا۔ چنانچہ مہاراج گاڑی میں لکھنؤ
سے سوار ہو کر کانپور اُترے تمام دن اور رات تک مہاراج کے درشن پرشن
اور اپدیش سے سب نے لابھ اُٹھا کر جیون سپھل کیا۔ بہت سے مذاہب
کی فلاسفیوں کا مہاراج نے ایک ہی نتیجہ نکال کر ہندو فلاسفی کو سب سے
قدیم پرمانوں سے دکھلا دیا تھا۔ میں نے مہاراج سے چنچل چیت کے نرودھ
کی تدبیر پوچھی اس پر وقت روانگی مہاراج نے سری گنگا جی کے کنارے پہونچ
کر طریقہ منن کرنے کا بتلایا مطلب یہ تھا کہ اس طور سے منن کیا جاوے کہ [میں
آنند سروپ ہوں۔ میں پرکاش سروپ ہوں۔ مجھ میں کچھ پرپنچ نہیں ہے۔ میں
سب کلپناؤں سے سونیہ (خالی) ہوں۔ برہم بھتی کر کے گم (حاصل ہو سکنے
والا) میں ہی ہوں] یا اس طریقہ سے کہ [ایک آتما ہی ہے۔ وہ پاپوں سے
رہت ہے۔ وہ اجر ہے۔ وہ موت سے رہت ہے۔ وہ شوک سے رہت ہے۔
وہ ستیہ کام ہے۔ وہ ست سنکلپ ہے۔ وہی انوشٹھان کرنے یوگیہ (حاصل
کیے جانے کے لائق) ہے۔ وہی جگیاسا (تلاش) کرنے یوگیہ ہے۔ وہی سب
لوگوں میں بیاپ (پھیل) رہا ہے۔ سب کا مناؤں کا استھان وہی ہے۔
وہ میرا ہی آتما ہے] طریقہ ابھیاس خود کر کے یہ بتلایا۔ نرجن استھان۔
ایکانت دیش میں روزانہ بلاناغہ گھنٹہ دو گھنٹہ تک ان جملوں کا ارتھ
سہت بچار کرتے ہوئے جملے جز جز کر کے یا کسی ایک ہی جملہ کے جز
کو جس میں آنند معلوم ہو من بدھ چت اور کل اندریوں کو اپنے اپنے

پلنے سے ہٹا کر ادھوں میں لگا کر خوب زور (force) دے کر دھارا بایک (ندی کی لہر کے مانند) اچارن کیا جاوے اس طور سے کہ کچھ بھی سُدھ بُدھ جسم کی نہ رہے۔ ایسے ابھیاس سے فوراً چنچلتا دور ہو جاتی ہے وہ ہمارے نج آنند کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے میں تو کل آنندوں کا سموہ یعنی چشمہ ہوں۔ اسی فقرہ کو دیر تک بارم بار زور کے ساتھ اُچارن کیا جاوے۔ اسی طرح سے بانی اور جیوں کو لیتا جاوے اس سے محویت بڑھتی جاتی ہے۔ چنانچہ جن صاحبان نے اس کو بڑھی پورن یک ابھیاس کیا ہے وہ مہا آنند کو پراپت ہوئے ہیں چنچلتا کا نام و نشان اُس وقت نہیں رہتا ہے۔ وہ پرم آنند اُبھنو (محسوس) کرنے والے کو ہی پراپت ہوتا ہے اُس کا بیان ہونا مثل گونگے کے گڑ کے ہے۔ جس وقت مہاراج ٹہلا رہے تھے اُس وقت آنند میں ایسے مگن و محو تھے کہ جو تحریر نہیں ہو سکتا ہے۔ جس وقت گاڑی کا وقت قریب ہوا مہاراج سے پرارتھنا کی گئی کہ اب وقت ریل بہت قریب ہے مگر مہاراج نے کچھ پروا نہیں کی اور فرمایا کہ وقت ہر کام خود پورا کرے گا۔ بعد فراغت بہ اطمینان تمام ختم کر کے وہاں سے ریل کے اسٹیشن کو روانہ ہوئے گو وقت گزر چکا تھا سب کا خیال تھا کہ اب ریل کسی طرح سے نہیں ملے گی مگر مہاراج کا تو ست سنکلپ ہی تھا۔ ڈاک گاڑی بھی مہاراج کی تشریف آوری کی گویا انتظار میں رُکی کھڑی تھی دو سیٹیاں ہو چکی تھیں جیسے ہی مہاراج نے اپنے چرن کملوں کو گاڑی پر رکھا کہ وہ فوراً ہی ہپ ہپ ہرے کرتی ہوئی چلدی۔ ایسے آنند سروپ انوبھوی مہاتما کا جو ساکشات آنند کی مورتی ہی تھے

اب اس جنم میں درشن دُرلبھ ہے۔ مہاراج تو سدا اجر امر اناشی ہیں ۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہوا ہوگا کہ مہاراج کا شریر اتفاقاً سری گنگا جی میں ڈوب گیا مگر میرے نزدیک وہ خیال بالکل غلط ہے۔ مہاراج نے قصداً جسم خاکی کو اپنے اصلی نج سروپ شری گنگا جی میں لین کر لیا۔

پیارا خط (نمبر ا)

(از قلم منشی عمر دراز خاں صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خان)

شیوجی مہاراج۔ رام کے واصل الحق ہونے سے جس قدر مجھ کو خوشی اور آنند محسوس ہوا ہے شاید کسی اور کو ہوا ہوگا۔ یہ الفاظ محض بخاطر دلجوئی لکھے جاتے ہیں۔ حقیقت میں بات کچھ اور ہے یہ کچھ قدرے غور طلب ہے۔ اصل واقعہ تو یہ ہے کہ کوئی مقام افسوس اور ملال نہیں اہل دنیا کو کامل شخص کے مرنے کا رنج ومحن ہوا کرتا ہے۔ مگر عارفوں کے نزدیک یہ خیال مثل خواب ہے رام کی میں پیدائش ہی نہیں مانتا ہاں اگر پیدا ہوا ہوتا تو مرتا بھی ضرور جب پیدا نہیں ہوا تو مرا کب جب مرا نہیں تو افسوس بیجا ہے۔ میرا رام میرے ہردے میں دیاپک ہے خبردار ایسے کامل کو مرنے کا اتہام لگانا اصول عرفان کے خلاف ہے۔ ہاں اگیانیوں کو رونے دو۔

اخبار میں یہ میرا کارڈ ضرور جگہ پاوے۔ اور ناظرین کچھ افسوس نہ فرماویں۔ میرا سوامی مرا نہیں۔ ہمیشہ قائم بالذات ہے جن کو میرے سوامی کی تعلیم اچھی طرح سے ہوئی ہے وہ اس بیجا افسوس کے شکار نہ بنیں۔ رام پرانوں کے پران ہیں ہردے میں موجود ہیں ؎

بعد[1] از وفات تربت من در زمیں مجو

در سینہ ہائے مردمانِ دانا مزارِ ما است

---

[1] مرنے کے بعد میری قبر کو زمین میں مت ڈھونڈو۔ داناؤں یعنی عارفوں کے دلوں میں میری قبر ہو۔

پیارا خط (نمبر ۲)

(از خریدار ست ایڈیشن نمبر ۲۵۳)

جناب کے نوازش نامہ سے معلوم ہوا کہ شری سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کا کسوت پاک گنگا جی میں غائب ہو گیا!

جس طرح شری رام چندر جی مہاراج دریائے سرجو میں غوطہ مار کر عالم بالا کو سدھارے تھے۔ ہائے افسوس اسی طرح بھگوان رام نے دریائے گنگ میں اپنا آپ چھپا لیا۔ ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد[1]
روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

بدنصیب ہندوستان! تیرے دکھڑے کہاں تک روویں کوئی گریٹ مین (مہاپرش)، جس نے تیرے بچوں کو روحانی۔ اخلاقی یا پولیٹکل پہلو پر ترقی دینی چاہی عمر طبعی تک نہ پہونچ سکا!۔

آج جو بھگوان رامؔ کی دائمی جدائی پر اظہار رنج کیا جاتا ہے کیا وہ (معاذ اللہ) مر گئے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ خواجہ حافظ کیا عمدہ فرماتے ہیں ؎

ہرگز[2] نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

عموماً علم ویدانت بدمزہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر صاحب ممدوح نے رسالجات

---

[1] افسوس کہ یک دم چشم زدن میں یار کی صحبت ختم ہو گئی۔ پھولوں کو اچھی طرح نہ دیکھ پائے تھے کہ موسم بہار ختم ہو گیا۔

[2] ہرگز نہیں مرتا وہ جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا ہو کبھی نہیں مرتا دنیا کے دفتر میں ہمارا نام ابد تک کے لیے لکھا جا چکا ہے۔

الف میں اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ پڑھتے پڑھتے طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ پریم۔ محبت آپ کے کلام سے ایسا ٹپکتا ہے کہ پڑھنے والوں کے دلوں میں آپ کے ساتھ اُنس قلبی ہو جاتا ہے۔

چنانچہ آتما کے غیر فانی ہونے پر قطع نظر اور مقامات کے رسالہ الف صلح کہ جنگ گنگا ترنگ صفحہ ۵۰ پر کیا پریم بھری اور میٹھی میٹھی باتوں میں ظاہر فرماتے ہیں۔

"او مہر تاباں پُرش! تو اودیا کی ندی میں ڈانواں ڈول عکس اپنے تئیں مت مان۔

مانا کہ کھوکھلی امواج پر تیرا پر تو پڑ رہا ہے پر بے قرار لہروں کے باعث اپنے تئیں ٹکڑے ٹکڑے سمجھ بیٹھنا یعنی چہ بہاے جان من!

۵۰ قتل بے شمشیر تم تو ہو گئے ۔ آئینہ دکھلا دیا دو ہو گئے
بھلا اتنا تو بتاؤ کہ تم ہو کہ نہیں ہو"

ہائے میں صدقے۔

دشمنوں کو "نہیں نہیں" بکنے والوں کی زبان پر پھپھولے پڑیں! تم ہو ضرور ہو [اگر اب بھی کمبخت دل کو یقین نہ آوے تو اُس پر پتھر پڑیں۔ راقم] اگر اودیا کے دم میں آکر تمہارے مُنھ سے بہکی بہکی باتیں نکلنے لگ پڑیں اور تم بول اُٹھو کہ "میں نیست ہوں عدم محض ہوں میں نہیں ہوں وغیرہ" تو تمہارے ایسا کہنے ہی سے تمہاری ہستی اظہر من الشمس ہے۔ "میں سویا ہوا ہوں" کہنے سے صاف پایا جاتا ہے کہ متکلم جاگتا ہے ذرا خیال تو کرو دیکھو کہ "میں نہیں ہوں" اس خیال کا روشنی دینے والا ذریکا شک، تمہارا اپنا آپ جوں کا توں قائم بالذات ہوگا"

سلہ دیکھو صفحہ ۱۵-۳ کلیات رام جلد اول (جو کلتی ایڈیشن)

اسی عبارت پر کیا موقوف ہے۔ رسالہ جات الف کے مطالعہ سے ایسا سُرور روحانی آتا ہے کہ سوائے عامل کے اور کون جانے پیچ ہیچ ہے

ہر کہ خواہد میل دیدن در سخن بیند مرا[۱]

جو سوامی جی مہاراج کا درشن کرنا چاہتے ہیں۔ وہ رسالہ جات الف کا مطالعہ کریں۔

عوام پر اور عملاً گیان وان (عارف) میں یہ فرق ہے کہ عوام نیچر یعنی قوانین قدرت کی مضبوط زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں اُن پر یہ مثل صادق آتی ہے۔

"سدے آئے نا نکا تے گھلے تے اُٹھ جائے"

یعنی اُن کا دنیا میں آنا۔ یا یہاں سے کوچ کرنا اُن کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اور عارف اِن قیود سے آزاد یعنی (Above Nature.) ہوتا ہے یعنی انتظام عالم کی تکمیل اور اس کے نُقص کو رفع کرنے کے واسطے ایسے مہاپرش دُنیا میں اپنا رُخ انور دکھایا کرتے ہیں۔

ممکن ہے کہ بھگوان رام غریب آریہ ورت کی حالت زار پر رحم کھا کر پھر مانند آفتاب عالمتاب ظہور پذیر ہوں۔ آمین۔

---

[۱] جو دیکھنا چاہے وہ مجھے میرے کلام میں دیکھے۔

مرثیہ

(از سوہن لال صاحب پاٹھک سکریٹری سادھارن دھرم سبھا فیض آباد)

بموقع وصال ذو الجلال آفتاب ہند جناب شریمان سوامی رام تیرتھ جی مہاراج۔ مشعر۔ صنائع توشیح و تاریخ۔ منجانب سادھارن دھرم سبھا فیض آباد

ش۔ شوک ہی اس موت کا یا شوق ہی ای مہربان
ر۔ رام چڑھ کے جس پہ پہونچا عرش پر با عزو شان
ی۔ یہ ہی فرمان رام کا اک رام رام ہی سّت ہی
م۔ ماننا کافی نہیں اس کا ہی۔ سارے دل سے جان
ا۔ امریکہ پاتال میں جاکر کے تو نے بید دھرک
ن۔ نام ذاتِ رام یا ویدانت کا گاڑا نشان
س۔ سورگ میں بھی اب گیا ہی دیوتاؤں کے تو بیچ
و۔ واں بھی تو پرچار کرتا ہی اسے با عزو شان
ا۔ آج کیا لیلا ہی آدھبت کس طرح برنن کروں
م۔ موتو قبل الموتو[1] کا کلمہ ہی کیسا بر زبان
ی۔ یہ اور وہ سب نام و روپ ہیں سوپن وت سار جگت
ر۔ رام رام اک ست (حق) ہی باقی سب ہی مٹھیا جہان
ا۔ ای پیارے موت کو طاقت نہیں کھا وے (جرأت) تجھے

---

[1] موتوا قبل ان تموتوا۔

م۔ موت کو موت آوے گی گر وہ کرے ایسا گمان
ت۔ تو نہ جسم و اسم ہے اور ہے نہ من بُدھی پران
ی۔ یعنی نرمل آتما ہے جان کی بھی جو ہے جان
ر۔ رم گیا پرکاش میں اب رام گنگا جی کے ساتھ
تھ۔ تھام اب اپنا جگر قربان کردی اُس نے جان
ج۔ جان نکل جانے کا سمبت نکلے گرد و جوڑ دو
ی۔ یہ تو سب مصرعوں سے سوامی رام تیرتھ جی کہا

دیوالی سمبت ۲۰ ۱۹۶۱ = ۲۳ ۱۹ مطابق ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء۔

سادھارن دھرم سبھا فیض آباد

نے ۲۰۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء کو بمقام کالی باڑی بوقت ۵½ بجے شام کے ایک خاص جلسہ بیادگار وصال ذوالجلال شریان سوامی رام تیرتھ جی مہاراج زیر پریسیڈنسی رائے رام سرن داس صاحب بہادر ایم۔ اے منعقد کیا اولاً بابو منگلا پرشاد جی نے نہایت رشوک کے ساتھ سوامی جی کی وفات حسرت آیات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہائے کلجگ تجھ کو بھارت پر ذرا سا بھی رحم نہ آیا کہ تو نے اُس کے ایک مہا پوتر پتر کو جس سے ہم کو بہت کچھ امیدیں تھیں اٹھا لیا۔ یہ بھارت کے سور بیر سنیاسیوں کے سرتاج شریان سوامی رام تیرتھ جی مہاراج ہیں جن کے نام سے کیول بھارت باسی ہی نہیں بلکہ امریکہ اور جاپان اور اور ولایتوں کے لوگ بھی واقف ہی نہیں بلکہ اُن کی دل سے عزت کرتے ہیں۔ ہائے افسوس سوامی دیکانند کے پشچات اس

بھارت کے ہیرے کے لوپ ہونے سے ہماری آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔ پھر بابو جگ دیال جی نے نہایت دل سوز آواز کے ساتھ کچھ اشعار سوامی جی کے بارہ میں پڑھے۔

اور پھر سوامی جی مہاراج کی جسمانی دماغی اور روحانی قوتوں کا اظہار کرتے ہوئے اس بے وقت غروب آفتاب ہند کا نہایت پُرسوز الفاظ میں ذکر کیا اور کہا کہ افسوس اس آفتاب کے غروب ہونے سے سارے سنسار میں اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا۔ پھر مذکورہ بالا مرثیہ کو نہایت سوز کے ساتھ بابو جگ دیال نے سنایا اور سکریٹری نے اس مرثیہ کی تشریح کرتے ہوئے اس طرح سے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ میں اس آنند مورتی کی مہان سادھی یا مہا آنند اوستھا پر شوک ظاہر کروں یا اس کی گرانی اجل پر سوار ہو کر عرش معلٰی پر چڑھ جانے کا شوق۔ مجھ کو اس بات کا پکا وشواش ہے کہ رام مرا نہیں اور مر نہیں سکتا۔ گنگا کو طاقت نہیں کہ رام کو بہا لے جائے اور موت کو یارا نہیں کہ رام کو اٹھا لے جائے کیونکہ یہ مرنے والی چیز نہیں ہے یہ تو نرمل آتما ہے جو اجر اور امر ہے۔ پھر ایڈوکیٹ اخبار سے سوامی جی کے بارے میں کچھ سطور پڑھ کر سنائیں جن سے سوامی جی کا دیوالی کے دن ۱۷۔ اکتوبر کو گنگا جی میں بہہ جانا اور پھر کچھ عرصہ بعد اُن کے شریر کا سادھی کی حالت میں برآمد ہونے کا ذکر تھا۔ پھر آریہ گزٹ مورخہ ۲۵۔ اکتوبر سے سوامی جی مرحوم کے بارے میں چند سطور پڑھ کر سنائیں اور کہا کہ قابل تعریف شخص وہی ہے جس کی تعریف اُس کا مخالف بھی کرے گو آریہ سماج

بلحاظ اعتقاد کے سوامی جی کے مشن ویدانت سے بالکل خلاف ہو یعنی مخالف ہو مگر پھر بھی سوامی جی کی تعریف میں کس طرح سے ثنا خوان ہو۔ یہ امر ظاہر کرتا ہو کہ پیارا رام اپنے مخالف تک کا بھی پیارا ہو۔ ہائے وہ تو کسی کا مخالف تھا بھی نہیں اور نہ اس کا کوئی مخالف ہو سکتا ہو۔ جس وقت ہم دنیاوی نگاہوں سے دیکھتے ہیں تب ہی مخالف نظر آتی ہو وہ تو خدائی نگاہوں سے دیکھتا تھا اور کثرت میں وحدت کی جھلک دیکھ کے آنند کے مارے پھولے انگ نہ سماتا تھا اس کے پاس دشمن اور مخالف کا کیا کام۔ اگر دشمن بھی اس کے پاس آیا تو وہ دوست بن گیا Who-soever came to fight remained to pray with him.

یعنی وہ جو اُس سے لڑنے کو آتے تھے پیار کرتے کو رہ جاتے تھے۔ یہ میرا ایک چشم دید واقعہ ہو کہ فروری ۱۹۰۲ء میں جب اس سبھا کے دوسرے سالانہ جلسہ پر مسلمان و عیسائی اور دیگر مذاہب نے اس کے کامن پلیٹ فارم پر اپنے خیالات ظاہر کیے تھے اس وقت سبھا میں جناب محمد مرتضیٰ علی خاں صاحب جنھوں نے مذہب اسلام کو ریپریزنٹ کیا تھا سوامی جی مرحوم سے ایک مسئلہ پر بحث کرنے نہیں نہیں لڑنے کے لیئے آئے تھے۔ مگر جس وقت نظر دوچار ہوئی کیا جانے وہ لڑائی کی (اسپرٹ) کہاں بے واہ ہوگئی کہ خاں صاحب کی آنکھوں سے پریم کے آنسو بہنے لگے اور سوامی جی سے ہاتھ جوڑ کے اس طرح بولے کہ "اے رام میں تجھ کو ایسا نہیں جانتا تھا اب میرے قصور معاف کرو" اور

پھر تو خاں صاحب کا جو حال ہوا وہ آپ لوگوں پر ظاہر ہے کہ کس طرح وہ مے معرفت سے مسرور ہوکر آنندت ہوگئے بیشک ایسے ہی لوگ نیچر پر حکومت کر سکتے ہیں میں نے نہایت معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ جس وقت رام ہردوار کے پہاڑ پر تپسیا کر رہا تھا تو اس کو یہ سامرتھ ہوگئی تھی کہ وایو اور جل اس کے حکم سے چلتے اور برستے تھے اور پار سال ستمبر کا واقعہ جو میرا چشم دید ہے وہ یہ ہے کہ جن دنوں سوامی جی یہاں تشریف لائے تھے قریب قریب ہر روز بارش ہوتی تھی۔ جس وقت میں نے ان سے کہا

Atmosphere is gloomy.

یعنی مطلع غمگین ہے (یعنی صاف نہیں ہے) اس وقت رام نے ہنس کر یہ جواب دیا کہ اب رام آگیا ہے اب

gloom in ess

یعنی غمگینی نہیں رہ سکتی۔

As the hearts have been cheerful, so let the atmosphere also be cheerful.

یعنی جیسے دل خوش ہوگئے ہیں ویسے ہی مطلع کو بھی خوش ہونا چاہیئے۔ یہ کہنا تھا کہ فوراً وہ بادل جو گھرا تھا پھٹ گیا اور سورج کا پرکاش ہوگیا اور پھر جب تک رام نے پبلک اُپدیشوں سے اس فیض آباد کو فیض یاب کیا ابر کا نام نہ تھا۔ مگر ان غیر معمولی باتوں سے میں آپ کی توجہ رام کی طرف نہیں کھینچنا چاہتا ہوں رام کا کلام اور رام کا کام خود آپ کو اپنی طرف کھینچ لے جاتا ہے بلکہ اپنے آپ ہی آپ کو بلا لیتا ہے۔ دوئی اور غیریت کو اڑا اکائی اور یگانگت کا پرچار کر رہا ہے۔ یہی تو رام کا مشن ہے۔ پھر رسالہ الف سے کچھ اشعار جابجا سے پڑھ کر

سنائے جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ رام نے اپنے سنکلپ کو پورا کیا یعنی اپنے چرنوں سے گنگا کو بہا دیا اور اپنا شریر بھی گنگا پر بہا کر اپنے کلام کو پورا کیا ؎

گنگا تیھوں صد بلہاری جاؤں
ہاڑ چام سب وار کے پھینکوں یہی پھول بتاشے لاؤں
گنگا تیھوں صد بلہاری جاؤں
رمن کروں ست دھارا ماہیں نہیں تو نام نہ رام دھراؤں
گنگا تیھوں صد بلہاری جاؤں

بیشک پیارے رام نے دیوالی کے مبارک دن گنگا کی عظمت کو اور بھی بڑھانے کے لئے اپنے پوتر شریر کو اس پر وار دیا ہے اور سمادھی اوستھا میں پرگٹ ہو کر اس بات کو دکھلا دیا ہے کہ رام نے آپ ہی جل سمادھی لی ہے وہ کسی واقعات یا حادثات کا غلام نہیں ہے بلکہ وہ تو سب کا مالک ہی مالک ہے۔ اور جو اس سے ملا اس کو اس نے غلامی کے پنجہ سے چھڑا مالک اعلیٰ بنا دیا۔ رام کا یہ قول ہے کہ وہ چیلے یا followers. نہیں بناتا بلکہ رام تو رام ہی بناتا ہے اور یہ اس نے دکھلا دیا اگر ہم رام کے سچے پریمی ہیں اور ہم نے رام کے کلام کو اگر کچھ سمجھا ہے تو ہم کبھی کال کی شکایت کر نہیں سکتے ؎

موت کو موت آ نہ جائے گی قصد کر کے جو میرا آئے گی

اور رام کا حکم ہے یہ ہی ناطق کہ بھاگ کلنک تو بھاگ کا کلنک۔

کیا مجال ہی کال اور کلجگ کی کہ رام کو جو دیش کال اور وستو یعنی (Time, space and causation) سے پرے ہی رام کا بال بیکا کر سکے۔کیا سورج نارائن کے سامنے رات کی تاریکی ٹھہر سکتی ہی۔ جہاں رام وہیں اجودھیا ہی کیا جس کے دل میں رام سورج اودے ہوگیا وہاں کلجگ کا اندھیرا ٹھہر سکتا ہی کیا جس کے اندر آنند کی وایو چلنے لگی وہاں سنکلپ وِکلپ کے بھِر ٹھہر سکتے ہیں۔

زاں بعد سکریٹری نے رام کے پوتر جیون چرتر کو مختصر سا بیان کرتے ہوے کہا کہ اگر یہ بالتفصیل بیان کیا جاوے تو ایک دفتر کا دفتر ہو جاوے۔آج سے ۳۳ برس پہلے پنجاب دیس کے مرالی والا ضلع گوجرانوالہ میں ایک پوتر سارسُت برہمن کل میں یہ بیر پیدا ہوا تھا جس نے سارے سنسار کو ہلا دیا ہی اور اب دیوتاؤں کے بیچ سورگ لوک میں اپنے مشن پر گیا ہی۔اس خاندان کو گوسوامی کُل کہتے ہیں اس خاندان کے چیلے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں پنجاب دیش میں پھیلے ہوے ہیں یہ کُل پہلے ہی سے اپنی پراچین پوترتا کے لئے مشہور تھا مگراب اس کُل تارن رام نے پیدا ہو کر اس خاندان کی عظمت کو اور بھی بڑھا دیا۔جس وقت سے اس بچہ نے اس خاندان میں جنم لیا تھا اس کُل کا اقبال دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا۔ یہ نہایت خوبصورت اور ذہین بچہ اس کل میں پیدا ہوا جس کی ترقی کے آثار بچپن ہی سے معلوم ہوتے تھے۔ہونہار بروا کے ہوت چکنے پات۔ بالائے[۱] سرش ز ہوشمندی ۔ می تافت ستارۂ بلندی

---

[۱] اس کے سر پر اُس کی عقلمندی کی وجہ سے بلندی کا ستارہ (اقبال کا گرہ) چمکتا تھا۔

آپ کی غیر معمولی ذہانت اور بچپن کی ضد جو بعد کو استقلال میں تبدیل ہوگئی۔ بتلاتی تھی کہ یہ کوئی بڑا بھاری مہاپُرش ہوگا اور ویسا ہی ہو کر سارے سنسار میں پرگٹ ہوا) ایسے ہی لوگوں کو (Epoch-making hero) کہتے ہیں۔ آپ سے پہلے اس خاندان میں کسی نے انگریزی کو نہیں پڑھا تھا مگر آپ نے ایسا پڑھا کہ درجۂ کمالیت کو پہونچا دیا۔ امریکہ اور یورپ میں انگریزی زبان میں اور مصر (افریقہ) میں فارسی زبان میں جو لیکچر آپ نے دیے ہیں وہ بتلاتے ہیں کہ آپ کو ان بدیشی زبانوں میں کیسا ملکہ تھا۔ علاوہ ان زبانوں کے آپ سنسکرت اور عربی سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ اس آخری زمانہ میں قیام وسشٹ آشرم میں آپ نے قرآن شریف (اور وید بھگوان) اچھی طرح مطالعہ کیا تھا۔ جرمنی زبان میں بھی آپ گفتگو کر سکتے تھے اور پالی زبان کو بھی بودھوں کے نوشتوں کے مطالعہ کرنے کے لیے آپ نے پڑھا تھا۔ وہ کون سی چیز ایسی تھی جس کو آپ نے چاہا اور کر نہ دکھلایا۔ وہ کون سا عقدہ ہے جو حل ہو نہیں سکتا۔ علم حساب میں آپ کو ابتدا سے شوق تھا جس وقت یہاں پار سال تشریف لائے تھے ایک صندوق کتابوں کا ساتھ تھا اُس میں اعلیٰ درجہ کے حساب کی کتابیں بھی موجود تھیں اور آپ کا ارادہ تھا کہ جس طرح (Mathametical (truths) یعنی حسابی صداقتیں ہوتی ہیں اسی طرح (spiritual (truths) یعنی مذہبی یا ویدانت کی صداقتیں بھی ثابت کردیں۔

سلہ یگ پریورتک دیریعنی زمانہ کو بدلنے والا بہادر۔

دو اور دو چار میں کسی کو شک نہیں ہو۔ اسی طرح مذہب کے معاملہ میں بھی لوگوں کے دلوں سے شک و شبہ دور کردیں ؎

شک و شبے سب ہی میں اُڑا دوں گا

غرضیکہ آپ نے طالب علمی کی حالت میں اپنی غیر معمولی اور علمی لیاقت سے اس بات کا کافی ثبوت دے دیا تھا کہ آپ کا لائف مشن کیا ہو۔ ایم۔ اے ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ بار (Bar) یا بینچ (Beneech) کو بخوبی جا سکتے تھے اور ولایت جاکر بیرسٹری اور سول سروس کے امتحانات بھی پاس کرکے یہاں آسکتے تھے۔ مگر آپ نے مدرسہ ہی میں رہنا پسند کیا پہلے بحالت طالب علمی پھر بحالت پروفیسری تاکہ آپ کو مطالعہ کرنے کا موقع ملے اور مطالعہ کا آپ کو اس قدر شوق تھا کہ آپ نے سنیاسی کی حالت میں بھی مطالعہ نہ چھوڑا جیتی جاگتی کتاب (نیچر) کا مطالعہ دیش بدیش میں پھر کر اور نئی نئی قوموں میں رہ کر کیا کرتے تھے۔ علاوہ اس ذہانت کے آپ میں بے غرضی کا مادّہ اس قدر زبردست تھا کہ اپنے پاس ایک حبّہ تک نہ رکھتے تھے۔ کسی نے آپ سے امریکہ میں پوچھا کہ بغیر روپیہ کے کام کیسے چلیں گے آپ نے جواب دیا کہ اول تو رام کو کسی چیز کی پروا نہیں اور جب کسی چیز کی خواہش ہوتی ہو تو وہ شے خود ہی موجود ہوتی ہو کیونکہ رام ساری دنیا کو پیار کرتا ہو اس لیے ساری دُنیا بھی رام کو پیار کرتی ہو چاہے وہ امریکہ میں رہے چاہے ہندوستان میں۔ اس کا گھر تو سب جگہ ہو ؎

ذرہ ذرہ میں ہو مقام میرا　　　تیرے دل میں ہو پیارے مقام میرا

اور امریکہ کے پریسیڈنٹ مسٹر روزولٹ کے اس سوال کے جواب میں کہ سوامی جی کچھ ہم سے مانگیں جو الفاظ سوامی جی کی زبان بلاغت تمام سے نکلے ہیں بتلاتے ہیں کہ سوامی جی کس (Stuff) کے بنے ہوئے تھے اور کس درجہ کے مستغنی تھے آپ فرماتے ہیں کہ رام کو کسی چیز کی خواہش نہیں جو تجھ سے مانگے۔ ساری دنیا کی دولت اور سب بادشاہوں کی سلطنت رام ہی کی تو ہے۔ رام بادشاہ تو بے پرواہ ہے اور سارے شاہوں کا شہنشاہ ہے کیا رام مانگنے کے لئے فقیر ہوا ہے ہرگز نہیں ہے جن کو کچھ نہ چاہ ہے وہ شاہن پتی شاہ" سورج کو سونا۔ چاند کو چاندی تو بے چکے پھر بھی طواف کرتے ہیں دیکھوں جدھر کو میں۔ آپ نے اس سبھا کے دوسرے سالانہ جلسہ میں باآواز بلند اپدیشکوں کے لئے یہ ہدایت کی تھی کہ تمہارا کام اُپدیش کرنا ہے۔ اگر تم روپیہ لے کر اوپدیش کروگے تو تم نوکر ہوجاؤگے اور نوکر کا اُپدیش اثر کر نہیں سکتا۔ اپدیش تو مالک ہی کا اثر کرتا ہے اور وہ خود تو اس بات کے نمونہ ہی تھے آپ کا قول تھا۔ اور بھارت کے ہر ایک خیرخواہ کے لئے آپ کی یہ ہدایت تھی کہ اپنا موٹو یا دھول منتر یہ رکھے، سہ

ہم ننگے عمر بتائیں گے پر بھارت پر وارے جائیں گے سوکھے چنے چبائیں گے
بھائیوں کو پار لگائیں گے روکھی روٹی کھائیں گے مست پڑے رہ جائیں گے
گالی طعنہ کھائیں گے آنند کی جھلک دکھائیں گے سولوں پر ننگے جائیں گے
پر ایکو برہم کھائیں گے

علاوہ اس غیر معمولی لیاقت اور لاطمع ہونے کے آپ میں ایک بڑا بھاری وصف یہ تھا کہ آپ عالم باعمل تھے۔ آپ کا قول ہے کہ جس طرح

کیمسٹری تجربوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہی مذاہب کا مطالعہ بھی کیوں نہ سائنس کی طرح ہی کیا جاوے اور جب وقت تک مذہب کا مطالعہ سائنس کی طرح experiment. تجربہ کے ساتھ نہ ہوگا اُس وقت تک اُس کا پورا پورا فائدہ غیر ممکن ہی۔ ایک جگہ آپ نے سومیر پربت پر جاتے ہوے راستہ میں پھولوں کی بہار دیکھ کر فرمایا ہی کہ یہی پھول پہاڑوں کے میدان میں جاکر اپنی خوشبو کھو دیتے ہیں صرف رنگت ہی رنگت رہ جاتی ہی جیسے ایک ویدانت کا گرنتھ عالم بے عمل کے ہاتھوں میں جاکر اپنی روحانیت کو کھو بیٹھتا ہی صرف عقلی حصہ یعنی دماغ میں بھرا کرتا ہی جب تک ہمارے دل پر اثر نہ ہو محض عقل سے مذہب کو جان لیا تو کیا ہوا مذہب تو ہر رگ و ریشہ سے پرگٹ ہونا چاہیے۔ اور جو کچھ اس بہادر نے کہا سب کچھ اپنے ہی جیون میں کر دکھلایا۔ پھر سکریٹری نے یہ عرض کیا کہ شریان بودھ رام داس رام سہنی جی پرم ہنس جوہری ہر چھتر کو گئے ہیں آج کے جلسہ کے لئے یہ فرما گئے ہیں کہ میری طرف سے حاضرین سے کہدینا کہ رام مرا نہیں ہی رام سارے گھٹ گھٹ میں رما ہوا ہی آپ ستھول چکشوؤں سے اُس کو مت دیکھو بلکہ سُوکشم چکشوؤں سے اس مہا آتما کے درشن کرو۔ پھر شانتی آشرم کے چوتھے دیاس پوجا کے میلے کی کارروائی سے جو ۱۰۔۱۱۔ اور ۱۲۔ جولائی ۱۹۱۰ء کو بمقام لاہور ہوا تھا اور جس کے سکریٹری شریان سوامی رام تیرتھ جی مہاراج تھے جن کا اُس وقت نام پنڈت یا گوسوامی تیرتھ رام ایم۔اے تھا۔ چند سطور سوامی جی کے بارے میں پڑھ کر سناتے ہیں جس میں سوامی شوگن اچارج نے جنھوں نے اس میلہ پر

ایک دھرم مہوتسو رچا تھا ملک کے لئے ایک زندہ ویاس پرگٹ ہونے کی ضرورت کو بتلا کر پنڈت گو سوامی تیرتھ رام کو منتخب کرکے خوشی کے ساتھ ویاس تلک دیا اور پوجن کیا تھا اور پھر ۱۲۔ جولائی کو ان دیاس جی کا دنیوی ملازمت سے مستعفی ہوکر مذہب کی جیتی جاگتی کتاب کا پہلا عملی سبق تیاگ کا خود گرہن کر اوروں کو سکھلاتا تھا پھر دھرم سادھن اور ایکانت سیون کے لئے آپ کا ہمالیہ پر جانا اور کچھ عرصہ تک سومیر پربت پر گھورتپ کرکے شانتی آشرم متھرا کے دھرم مہوتسو ۱۹۰۱ء میں شامل ہو اس سبھا کے دوسرے سالانہ جلسہ پر تشریف لانے کا ذکر کرتے ہوئے جاپان۔ امریکہ۔ مصر۔ وغیرہ کی جاتراؤں کا تذکرہ سنا کر یوں کہا کہ امریکہ کے سینٹ لوئیس کے میلہ میں آپ کا پریسیڈنٹ منتخب کیا جانا اس بات کو دکھلاتا ہے کہ امریکن اس اپنے زندہ مسیح کی کس قدر عزت کرتے تھے۔ لوگ آپ کو وہاں اکثر اسی نام سے پکارتے تھے اور آپ کے کلام معجز نظام کو سُن کر اکثر روگی چنگے ہوجایا کرتے تھے امریکہ کی جھیل اور پہاڑیوں پر سوامی جی کے ساتھ اوم کا نغمہ ایسا ہوتا تھا گویا آسمان گونج اٹھتا تھا۔ قیصر باغ لکھنؤ میں جب آپ کے لیکچر ہوئے ہیں وہاں میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ لوگ جو اوم کے نام سے پہلے کانوں میں انگلیاں دیا کرتے تھے سوامی جی کے لیکچر سُن کر کس شوق کے ساتھ اس اسم اعظم کو اچارن کرتے تھے کہ باید و شاید اور یہاں بھی کچھ اس دھنی سے آنند ہوا ہے وہ آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے۔ مسز ویلمن جو امریکہ کی ایک امیر کبیر لیڈی تھیں اور جن کا نام آپ نے سوریانند رکھا ہے اسی نغمہ اوم کو سُن کر کچھ ایسی

فریفتہ ہوئیں کہ گھر بار کو خیرباد کہہ ہندوستان میں آ پدھاریں اور ایک عرصہ تک شانتی آشرم متھرا میں پریکٹیکل وِزڈم اخبار کو نکالا۔ امریکہ کے ایک اور مُسن مہاشیہ جارج ولیم نامی جن کی عمر ستر سال کی تھی آپ ہی کے پوتر اُپدیش سے نارد سوامی جی بن گئے۔ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے دنیا کا کایا پلٹ کردیا۔ جس کو آپ کا ست سنگ نصیب ہوا اُس کو بندہ سے مالک بنا دیا اور ساکشات اس گھور کلجگ میں ست جگ دکھلا دیا اور اگر اب بھی ہم لوگ آپ کے قدموں پر قدم رکھتے چلے جاویں تو دن بدن ست جگ ہی ست جگ پرگٹ کرتے چلے جائیں گے۔ جس طرح ایک آنب کا پھل زمین میں سے سڑ گل کر ایک آنب کا درخت پیدا کر دیتا ہے اور اُس میں سے بہت سے آنب پھلتے ہیں اُسی طرح ایک رام نے اپنے آپ کو دیش کے لئے قربان کردیا ہے اور اب ہزاروں بلکہ لاکھوں رام اس رام برکش (درخت) سے پرگٹ ہو کر سارے سنسار میں رام راج (شانتی راج) پھیلا دیں گے۔ رام کا پہلا جملہ جو تیاگ کا عملی سبق پڑھاتے ہوئے ویاس پوجا کے میلہ پر کہا تھا وہ یہ ہے کہ "بھارت کو غم نہیں کرنا چاہیے اُس کے اچھے دن آگئے ہیں"۔ کیا آپ کو اس مہاواکیہ میں بشواش نہیں ہے۔ اسی واک میں وشواش تمہاری ترقی اور کامیابی کا باعث ہوگا۔ اے رام مجھ کو تیرے واک میں وشواش ہے۔ اور
تاریکی کے خیالات کی جڑ کو میں نے
دل سے اکھاڑ دیا ہے مگر نہ معلوم کیوں آنکھوں سے آنسو چلے آتے ہیں

یہ غم اور سوز کے آنسو نہیں ہیں بلکہ پریم کا جل ہیں جو گنگا جل کی طرح ہر ایک ہردے کو پوتر کرتا ہے۔ اور آخر میں رام کی یہ غزل سنا کر اپنا ویاکھیان سماپت کیا ؎

بچھڑتی دُلہن ہے جب وطن سے بچھڑے ہیں روم او۔ گلا رُکے ہے
تمہاری دنیا تمہیں مبارک ہمارا دولہا ہمیں سلامت ؛

بچھڑتی ہے .... الخ

مگر قبل اس کے کہ آپ لوگ تشریف لے جاویں میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس سبھا کا ارادہ ہے کہ ہم سب لوگ اس شہر (فیض آباد) میں سوامی رام کی کوئی یادگار قائم کریں

اوم شانتی شانتی شانتی

پیارا رام

(از قلم سوامی نارائن جی مہاراج)

رام مہاراج کے غائب ہونے کے اصلی اسباب نگاہِ حقیقت سے مختصراً یہ ہیں:۔

(۱) یہ کلیہ قاعدہ یا قانون روحانی (ازلی و ابدی) ہے کہ جب لوگ برہم ست ہے جگت متھیا ہے یعنی خدا حق ہے اور دنیا جھوٹی ہے لا الٰہ الا اللہ (ماسوائے حق کے اور کچھ نہیں ہے) اس قانون حقیقی کو دیکھنے والی نگاہ کو کھو بیٹھتے ہیں اور اس کے برعکس جگت ست ہے اور برہم متھیا ہے یعنی دنیا حق ہے اور حقیقت ایزدی جھوٹی ہے والی نگاہ عملی اختیار کرتے ہیں یا جب بیرونی دنیا ہی پر عاشق ہونے لگ پڑتے ہیں تو سیکڑوں طرح کی مصیبتیں و آفتیں چاروں طرف سے ان کو احاطہ کر لیتی ہیں۔ والدین بھی اپنے اکلوتے لخت جگر (ہونہار بیٹے) سے جب ایشوری تعلق یا نگاہِ حقیقت کے لحاظ کو بر طاق رکھ کر اس کے ساتھ جسمانی تعلق خون سے الفت کرنے لگ پڑتے بلکہ اس کے جسمانی موہ و ناز میں ایسے شیدا و مفتوں ہو جاتے ہیں کہ ایشور دِرشٹی و محبت حقیقت بالکل بھول بیٹھتے ہیں تو وہ والدین بھی فوراً اپنے نونہال امید کو ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ ستیاناسی جسمانی موہ یا اسماء و اشکال پر دلی فریفتگی ہے جو بڑے بڑے ہونہار نوجوانوں اور مہاتماؤں و اوتاروں کی معدومی کا اصلی سبب بن رہی ہے۔

جس کے زیادہ ترقی پانے سے کوئی ریفارمر ہند اور نہایت کارآمد مہاتما و اوتار زیادہ دیر رہنے نہیں پاتا۔ یہ ہی اُلٹی محبت رام کے جسم کے ساتھ عام لوگوں کی شروع ہوئی۔ جو فوراً اُس کو ہم لوگوں سے غائب کرگئی۔ رام بھگوان کا ہمارے ہاتھوں سے کھویا جانا یا غیر موقعہ پر وفات پانا یہ ثابت نہیں کرتا کہ اس کے ہم وطنوں کے دلوں میں رام کے پریم مجسم پتلے کی تعظیم و عزت نہیں تھی بلکہ یہ معاملہ تمام سوسائٹیوں کی طرف سے جگہ بہ جگہ ماتمی جلسے ہونے سے بالکل اُلٹا ثابت ہوتا ہے۔ اُن کے شریر تیاگ کرنے پر ہندو، مسلمان، عیسائی برہمو اور آریہ سماجی سب کے سب اپنے دلوں کا افسوس جوش سے باہر نکال رہے ہیں۔ اگر جسمانی محبت و عزت رام کے ساتھ اُن کے ہموطنوں کی کم ہوتی تو یہ اظہار افسوس تمام ہندوستان کے بشر بشر سے پھوٹ پھوٹ کر باہر نہ نکلتا۔ بلکہ اصلی وجہ رام مہاراج کی سمادھی کی صرف یہ ہوئی ہے کہ لوگوں کی جسمانی محبت و عزت رام کے جسم کے ساتھ اس قدر بڑھ گئی کہ روحانی تعلیم و محبت کے شوق پر بھی بدرجہا غالب آگئی تھی اور اُن کے جسم کو لوگ زیادہ پوجنے لگ گئے تھے۔ اور اُس کی روح یا تعلیم کو اُسی قدر وقعت نہ دیتے تھے جس قدر کہ اُن کے شریر کو یعنی رام کے جسم کو اُن کی روح پر اعلیٰ مرتبہ دینے لگ پڑے تھے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ اصلی رام کو بھول کر نقلی رام پر فریفتہ ہوگئے تھے جس سے نقلی رام یعنی (جسم) بھاگ گیا تا کہ ہم مجبوراً اصلی رام یعنی

(نور حقیقت) کی طرف متوجہ ہوں اور اُس اصلی رام سے اس قدر محبت کریں یعنی اُس کی تعلیم و روحانیت میں اس قدر محو ہوں کہ ع
من تو شدم تو من شدی" کا معاملہ درپیش ہوکر خود رام مجسم ہوجائیں
پس یہ ہر ایک کو یاد رہے کہ رام مہاراج کے شریر کا تیاگ اس وجہ نہیں ہوا کہ اُن کے جسم کی وقعت اُن کے ہموطنوں کے دلوں میں کم تھی بلکہ بر خلاف اس کے اُن لوگوں کی تعداد عاشقان حقیقت کی نسبت زیادہ بڑھ گئی تھی کہ جو رام مہاراج کی صرف جسمانی خوبصورتی میانہ قد چاند سا مکھڑا نرالی وضع و ڈھنگ ایم۔ اے کی ڈگری سیمین رخسار۔ ڈھلکتی ہوئی پیشانی بر وقت گفتگو نرم نرم ہونٹوں کی مسکراہٹ اور نیلی و پتلی نازک اُنگلیاں وغیرہ پر فریفتہ ہونے لگ پڑے تھے اور اُس کی اصل تعلیم یعنی (اُس کی روح و جان) کو قطعی بھول بیٹھے تھے یا اُس سے لاپرواہی جتاتے تھے یعنی اصلی رام کو چھوڑ کر نقلی رام کو پکڑ بیٹھے تھے۔ نہ کہ یہ کہ نقلی سے کم محبت کیے ہوئے تھے۔ اب ہم سب کو اپنی ساری محبت کا رُجحان رام کے اصلی سروپ کی طرف کرنا چاہیے تاکہ رام نام (اصلی رام) زندہ رہے اور یہ بھی سبق سیکھ لینا چاہیے کہ آئندہ دنیا کے مہاتماؤں کی جسمانی محبت کو اُن کی روحانی الفت پر فوقیت نہ دیں۔ اور اُن کی جسمانی خدمت کی نسبت اُن کی تعلیم کی زیادہ عزت کریں اور اُن کو اپنے رگ و ریشہ میں زیادہ جگہ دیں اور کسی حالت میں بھی اُن کے جسم کو اُن کی روح و حقیقت پر زیادہ ترجیح نہ دیں تاکہ مہاتماؤں کی اصلی روح و جان کو ہاتھ سے نہ کھو بیٹھیں۔

(۲)۔ (یہاں تک کہہ کر سوامی نارائن "رام کے آخری پیام" کا ذکر کرتے ہیں جو کہ ۲۵۔ نومبر کے ست اپدیش کے صفحہ ۸ پر درج ہی اور فرماتے ہیں کہ اس پیام سے جو کہ روحانی مستی کی حالت میں لکھا گیا ہی موت کی طرف سے لاپروائی کا پتہ لگتا ہی نہ کہ ارادتاً موت کے شکار ہونے کا۔

کئی سال پیشتر کے جلوۂ کوہسار میں بھی سوامی رام کے اسی قسم کے کلمات گنگا کو مخاطب کرکے لکھے ہوئے ہیں جن سے اُن کے اندر موت کے لیے خوشی خوشی ہر وقت تیار رہنے کی روح اور اُن کی طرز تحریر ہی ایسی معلوم ہوتی ہو اس کے متعلق سوامی نارائن جی کے اپنے الفاظ سوامی رام کا مذکورۂ بالا آخری پیام نقل کرنے کے بعد حسب ذیل ہیں:۔

اس مذکورۂ بالا عبارت (رام کے آخری پیام) سے یہ ثابت ہرگز نہیں ہوتا کہ رام مہاراج نے جسمانی موت ارادتاً چاہی ۔ یا دانستہ خودکشی کا عزم کیا۔ بلکہ صاف صاف اس سے یہ واضح ہوتا ہی کہ رام جی اپنے سروپ میں اس قدر محو ہوئے اور ہوتے رہتے تھے کہ دُنیا کے نام و روپ۔ جسم و اسم کے ساتھ تعلق قدرتاً ڈھیلا ہوتا جاتا تھا اور موت سے لاپروائی دل پر ایسی ثبت ہوئی تھی کہ شریر خواہ رہے اُن کی بلا سے۔ اور اگر جل جائے گل جائے۔ اجل لے جائے ان کی بلا سے۔ اُن کی طرف سے تو بقول اُن کے قلبی تعلق جسمانی چھوٹ چکا تھا۔

---

[1] دیکھو صفحہ ۲۲۸ و ۲۲۹ کتاب ہذا۔

پڑ چھٹا اس جسم سے - سر سے ملی اپنے بلا
کرلیں ہو جیا جانور - ہوا وہ پڑا مردار ہو ^سلہ^

سلہ Come fish, come dogs, come all who pleases!
Come powers of Nature, birds and beasts.
Drink deep my blood, my flesh do eat.
O come partake of marriage feast!

اُن کی طرف سے شریر رہے تو کیا اور نہ رہے تو کیا آپ تو ہر وقت اپنے سروپ میں نشست مقیم و مستحکم کیے ہوئے تھے اور شریر کے ذاتی (جسمانی) فوائد کو بالکل کافور کر چکے تھے - اور نہ ہی یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ رام مہاراج نے دانستہ اپنے شریر کو گنگا کی زبردست لہروں کے حوالہ کر دیا اگر ایسا ہوتا تو پندرہ منٹ تک آپ ہر طرح سے بچنے کی ہرگز کوشش نہ کرتے - جب پاؤں پھسل گئے تو آپ نے

سلہ اے مچھلیوں اور کتوں اور سب جن کا جی چاہے جی - آؤ - آؤ - آؤ
قدرت کی طاقتوں پرندو چرندو پشو اور پکشی - آؤ - آؤ - آؤ
چھک کے پیو مرا خون لو، میرا ماس کھاؤ - آؤ - آؤ - آؤ
شادی کی دعوت ہے یہ تم اس میں آ ہی جاؤ - آؤ - آؤ - آؤ

بہت ہاتھ پاؤں بھی مارے تا کہ کنارے لگ جائیں۔ جب
پتھروں کے گھمن گھیر (بھنور والے) بہاؤ میں پھنس گئے تو بچنے
کے لیے ڈبکیاں بھی لگائیں تاکہ اس زور آور ٹکراتے بہاؤ سے
آگے نکل جائیں۔ مگر جب ہر طرح سے بچنے سے نا امیدی ہوئی۔
اور طاقت جسم سے لاچار ہوئے تو ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے
اور بآواز بلند اوم کی دھنی اچارن کرتے ہوئے سمادھی میں
لین ہوگئے اور زبردست بہاؤ کے ساتھ تھوڑے فاصلے تک
بہتے گئے پھر گنگا لہروں کے تلے جا آرام کیا۔ اور
اسی سمادھی کی حالت میں پران نکل گئے۔ دس دن کے بعد
جب لاش سطح آب پر تیرتی ہوئی پائی تو عین سمادھی کی حالت
میں ملی۔ یعنی دو ہاتھ و بازو ایک دوسرے پر آلتی پالتی لگائے
ہوئے تھے۔ آنکھیں بند۔ گردن سیدھی کھڑی ہوئی۔ منہ اوم بولتے
بولتے کھلا ہوا۔ ہو بہو ایسے کھلا ہوا جیسے کہ وہ دوران
گفتگو یا لیکچر (اُپدیش) لوگوں کے سامنے اوم بولتے وقت کھولا
کرتے تھے اور ٹانگیں ایک دوسرے پر ٹیڑھی کی ہوئی تھیں۔
یہ عجوبی بھالی سمادھی شوکی حالت میں پا کر سب لوگوں نے
اوم کا ڈُورُو تختۂ لاش پر بھی بجایا۔ اور تمام راستہ بآواز بلند
اوم گاتے ہوئے ارتھی (جنازہ) کو بر لب گنگ بھاگیرتھی لے گئے
اور ایک عمدہ صندوقچہ میں بند کر کے حوالۂ گنگ دوبارہ کر دیا۔
ناراین خود بر موقعہ بہ جانے کے موجود نہ تھا اس واسطے
رام کے مضمون لکھنے سے پیشتر کی دلی حالت بچشم دید کچھ

نہیں لکھ سکتا۔ البتہ اتنا ضرور کہہ سکتا ہو کہ رام بھگوان کا
قامت صنوبری (جس وقت کہ موت سے مخاطب ہو کر لکھ رہے
تھے) اُس وقت ضرور اعلیٰ درجہ کی حالت میں محو ہوا تھا۔
جس کے باعث رام کا مستی میں دیا ہوا حکم فی الفور پورا ہوگیا۔
اور رام کو اپنے لکھے کا جواب عمل اُسی وقت درپیش آگیا۔
اور جبراً و قہراً شریر کو چھوڑنا پڑا۔ رام جیسے شدھ انت کرن
والے مہاتما کا حکم بھلا کیسے رُک سکتا تھا۔
(۳) یہ تو ہر ایک عارفِ کامل کا ذاتی تجربہ ہو کہ رام
بھگوان جیسے اوتار مہاتماؤں کی موت ہرگز ہرگز بغیر اُن کے
حکم و خرّانٹے کے نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ایسے مست مہا پرشوں
کا قلب صنوبری اُس اعلیٰ درجہ کی بلندی پر پہونچا ہوا ہوتا
ہو کہ جہاں سے حکم مانند خرّانٹے کے نکلتے ہی فی الفور پورا
ہو اور جس خاوند (مالک کُل) کی خاطر پرکرتی (قدرت) معہ اُس
کے قوانین کے تمام کے تمام اس تاک میں بیٹھے رہتے ہیں کہ
کب اس چشمۂ نور سے حکم صادر ہو اور وہ دُم دبائے
اُس کے جلد پورا کرنے کے لئے ناز بردار ہوں۔
(۴) ایسے پریم سے بھرپور رام جیسے عارفین کے بارے میں یہ
بھی بلا شبہہ کہا جاسکتا ہو کہ اُن کے ہاں یعنی اُن کے دل کی
تہہ میں کوئی بھی ذاتی (جسمانی) خواہش ایک لمحہ بھر کے لیے
دم نہیں مار سکتی۔ اور نہ ہی ناراشن نے کبھی رام بھگوان
کی زبان و عمل سے اپنے خاص جسم کے فائدے کے واسطے

کوئی خواہش آج تک نکلتی ہوئی دیکھی یا سنی بلکہ ایسے برہم نشٹھ پرشوں کی درشٹی (نگاہ) ہی اپنے شریر (جسم) سے قطعی اُٹھ جاتی ہے اور تمام دنیا ہی اپنا شریر (جسم) او بجود محسوس ہوتا رہتا ہے تو پھر ایک شریر کے متعلق خواہش کیسے اور کیوں۔

ایسے مہاپرشوں کی زبان سے اگر عام (کل کائنات) کے فائدہ کی خاطر کوئی خواہش (ترنگ) بشکل ارادہ نکلتی بھی ہے تو وہ اُن کی ذاتی ہرگز نہیں ہوتی۔ بلکہ یا تو وہ کُل انسانوں کی مجموعی خواہش ہوتی ہے تاکہ اُن کے ذریعہ وہ خواہش بطور حکم نکلتے ہی لوگوں کے دل کے موافق ثمر لاوے۔ اور یا وہ خواہش۔ جواب عمل لوگوں کی مجموعی خواہش کا ہوتا ہے تاکہ اگر ایسا نہ ہوتا (یعنی اگر اُن سے نہ نکلتی) تو لوگوں کی دلی اُمنگ شاید جلد پوری کبھی نہ ہوتی۔ اسی واسطے بہت پستکوں میں بھی کہا گیا ہے کہ مہاتما۔ مُنیوں کی سیدھی یا اُلٹی خواہشیں دیگر اشخاص کی سیدھی یا اُلٹی خواہشوں اور عملوں کا نتیجہ یا جواب عمل ہوتا ہے۔

جن دنوں رام مہاراج ابھی زیادہ مشہور نہیں ہوئے تھے اور ہم لوگ رام بھگوان کے جسم سے زیادہ محبت یا اس قدر اُلفت نہیں رکھتے تھے جس قدر کہ اُن کی تعلیم معرفت کے ساتھ تھی یا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ جن دنوں رام مہاراج کے جسمانی عاشقوں کی تعداد ان آدمیوں سے کم تھی جو رام مہاراج کی تعلیم روحانی یا معرفت حقیقت پر مر رہے تھے یعنی جن دنوں

نقلی رام کے عاشقوں کی نسبت اصلی رام پر جان نثاروں کی تعداد بکثرت تھی ان دنوں رام بھگوان کی زبان و قلم سے قدرتاً ایسے فقرات نکلا کرتے تھے "موت کو موت نہ آجائے گی رام کا قصد کر گر آئے گی"

"رام کا شریر (جسم) کبھی نہیں چھوٹنے کا جب تک کہ لوگوں کے دلوں میں برہم ودیا کا جھنڈا نہ گاڑ لے اور ایک ایک دویت باز (غیریت بیں) کو چکنا چور نہ کرے" وغیرہ وغیرہ ایسے خرّاٹوں (ترنگوں) کا نتیجہ بچشم دید یہ تھا۔ کہ گھنے جنگلوں میں خونخوار شیر و دیگر جانور ملتے ہیں۔ مگر رام کا بال بیکا نہیں ہونے پاتا۔ بلکہ رام کی کٹیا کے پاس سے گذر جاتے ہیں اور گرد و نواح میں بار بار نظر آتے ہیں تاہم رام آرام میں ہی رہتا ہے۔ چند سال ہوئے جب ہم لوگ بھٹواری کے راستے سے بڑھے کیدار کی طرف آ رہے تھے تو راستہ میں چھ (۶) ریچھوں سے سامنا ہوا مگر رام کی اوم دھنی سے تمام کے تمام دُم دبائے بھاگ گئے اور تنکا بھر بھی رام مہاراج کو نقصان نہ پہونچا سکے۔ اس دفعہ ابھی بسوآن پہاڑ کی چوٹی پر جہاں رام مہاراج کا آسن (جگہ رہنے کی) تھا وہاں سے قریباً دس گز کے فاصلے پر ایک گپھا میں ایک شیر مہاراج کا بھی گھر تھا۔ وہاں پر شیر صبح کے وقت بھی چند بار دکھائی دیا۔ مگر طرفہ یہ ہے کہ رام بھگوان ہر روز دو میل کی سیر کرنے کے بعد قریباً ۹ بجے رات کے

بھی اپنے اُس پر آتے تھے اور راستہ میں کئی دفعہ آواز شیر بھی آتی تھی تاہم اُس (شیر) میں تاب نہیں آسکی کہ رام بھگوان کو کسی طرح کی ایذا پہونچا سکے۔ اسی گپھا کے پاس ایک بڑا بھاری اژدہا بھی تھا جو ایسا خوفناک تھا کہ اُس کی آواز بھی سیکڑوں گزوں تک جاتی تھی۔ اپنی بل (گھر) میں پُورا داخل ہونے میں اس کو قریباً آدھ گھنٹہ لگ جاتا تھا۔ مگر وہ بیچارہ بھی رام کے صرف درشن کر کے چلا جاتا تھا ان خوفناک جانوروں سے ہر دفعہ بچے رہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ رام مہاراج کا حکم ناطق تھا اور یہ یقین قوی تھا کہ جب تک رام مہاراج کا اپنا سابق حکم بنام موت نہیں بدلے گا تب تک موت ہرگز ہرگز نہیں آنے کی خواہ درندوں کے گروہوں میں چلا جائے خواہ خوفناک مقاموں میں۔ خواہ زور آور پانی میں۔ اس موقع پر چند اور چشم دید واقعات بتلا دینے بھی ضروری ہیں۔ جب ہم دونوں بسوشٹ پہاڑ میں ایکانت رہتے تھے تو ماہ ساون مطابق ماہ اگست ۱۹۰۶ء گذشتہ میں ہر دو نے ایک بڑے بھاری ناقابل گذر برفستان کی چوٹی پر جانے کا رخ کیا۔ اس چوٹی کا نام سہرو تال تھا۔ کیونکہ اس برفستان میں بڑے بڑے بھاری پانی کے سات تالاب قابل دید تھے۔ کئی ایک کا احاطہ دو میل کے قریب تھے گرمی کے دنوں میں یہ تالاب پانی سے بھرپور رہتے ہیں اور سردی سے خود ہی منجمد ہو جاتے ہیں۔ ان کے ارد گرد کنولوں اور برف کے طرح طرح کے نقشوں کا نظارہ نہایت ہی دلکش و

قابل دید تھا اس نہایت اونچی چوٹی کی تعریف و حال کچھ پڑھ کر اور کچھ دوسروں سے سُن کر ہم ہر دو اس طرف چل دیے۔ راستہ ایسا ناقابل گذر تھا کہ کئی میلوں تک تو دونوں طرف بڑی گہری گھاٹیوں کے درمیان ایک ترچھی نوک دار پہاڑ کی چوٹی پر چلنا تھا۔ اور اس تلوار کی دھار کے برابر نوک پر قریباً تین میل تک چلنا پڑتا تھا صرف انگوٹھا رکھنے کی جگہ تھی۔ اور نیچے گاؤں والوں میں یہی امید تھی کہ ہم میں سے کوئی نہ کوئی پھسل کر ضرور چور ہو جائے گا۔ سردی اس قدر زیادہ کہ ہر دو کے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ چھڑی کپڑا وغیرہ جو کچھ ہاتھ میں تھا سب گرتا جاتا ہے۔ دانت بھی چکی کی طرح چل رہے (پیس رہے) ہیں۔ تمام اعضا بوڑھے آدمی کی مانند حرکت کر رہے ہیں۔ تاہم ایسی تکالیف کے ہوتے ہوئے بھی اس از حد ناقابل گذر راستے کو طے کر گئے۔ اور برفستان کے بیچ پہونچ گئے۔ اور تالابوں میں غوطے لگائے۔ جس کا حال سُن کر تمام نیچے کے تمام پہاڑی ششدر رہ گئے۔ کیونکہ از حد سردی میں وہاں نہانا اور خاص کر تالاب میں ڈبکی لگانا تو بالکل ناممکن سا اُن کو معلوم دیتا ہے۔ اور حقیقت میں ہر ایک کا حوصلہ وہاں جانے کا نہیں ہوسکتا۔ ایسے مقام پر بھی کچھ نہ ہوا۔ اُس سے چند سال پیشتر جب ہم لوگ جمنوتری مندر کے قریب ایک گرم گپھا میں رہتے تھے اس جمنوتری پہاڑ کی نہایت اونچی چوٹی (جس کو کہ Sai John Eliot سرجان ایلیٹ قریباً انتیس (۲۹۰۰۰) ہزار فٹ بلند شمار کرتا ہے) کی سیر کے لیے چلے۔

ساتھ چند پہاڑی راستہ بتلانے والے بھی تھے۔ جب چوٹی پر پہنچے تو
برف باری شروع ہوگئی۔ چونکہ ماہ اسوج تھا۔ سردی وہاں ازحد زیادہ تو
پہلے ہی سے تھی۔ مگر چند منٹ برف برسنے سے تمام کی جان بلب
ہونے لگی۔ برف برستے برستے ابھی گھٹنوں تک پہونچی ہی تھی کہ سب
کے سب بول اُٹھے "ہر رام بچاؤ اب کوئی اُمید بچنے کی نہیں" یہ
نعرہ سننا تھا کہ رآم بھگوان مستی مجسم سرخ چہرے سے بولتے ہیں۔
"بند ہو" اور یہ حکم ناطق ادھر سے ہوتا تھا کہ برف باری
اُدھر سے یک لخت بند ہوگئی اور آن کی آن میں بادل پھٹ گئے۔
سورج بھگوان اپنے تیز میں آنے لگے۔ اس برف کا برسنا بجائے نقصان
کے از حد مفید ہو گیا۔ کیونکہ اگر پرانی سخت برف پر سے نیچے اُترنا
ہوتا تو ہر ایک کو پھسل کر مرنے کا ضرور اندیشہ تھا مگر اب نہ صرف
اس پھسلنے کے اندیشہ سے آزاد ہوئے بلکہ قدم ایسے جم کر اور آہستہ
چلتا تھا کہ گویا مخمل کے فرش پر چل رہے ہیں۔

ان ہی دنوں بجائے نیچے سڑک کے راستہ چلنے کے اوپر کے برفستان
کے راستے سے ہم لوگ جمنوتری سے گنگوتری دو دن میں گئے تھے۔ تب
بھی رام کا بال بیکا نہ ہوا۔

پچھلے سال جب کہ بیاس گھاٹ ہم لوگ رہتے تھے تو اسی سردی
کے موسم میں وہاں ہر دو گنگائیں (بھاگیرتی الک نندا) جو اس چوٹی
بھلنگ گنگا سے بدرجہا بڑی ہیں اُن کے اتنے فراخ پاٹ (عرض) کو کئی
دفعہ تیر کر عبور کیا تب بھی کوئی حادثہ یا صدمہ واقع نہ ہوا۔ تو کیا یہ
غضب اور غور طلب بات نہیں ہے کہ ایک چھوٹی سی بھلنگ گنگا

جو آج کل جگہ بہ جگہ پایاب بھی ہے اور جس کو رام اور نارائن کئی دفعہ تیر کر عبور بھی کر چکے ہیں اور خاص کر اسی جگہ جہاں کہ یہ حادثہ وقوع میں آیا ہے۔ اس چھوٹی سی بھلنگ گنگا کے قابو میں رام جی مہاراج آجائیں یہ تعجب انگیز نہیں تو اور کیا ہے۔

وجہ صرف یہی ہے کہ پہلے رام بھگوان کی قلم و زبان سے موت کے نام اور قسم کے حکم قدرتاً نکلا کرتے تھے۔ اس واسطے سخت سے سخت خوفناک اور دشوار گذار مقاموں میں بھی رام مہاراج کو کوئی تکلیف نہ پہونچی تھی۔ جب سے (لوگوں کے عملوں کے عکس سے) حکم کا رنگ بدلا یعنی جب سے قدرتاً دیگر ڈھنگ کے حکم صادر ہونے شروع ہوئے تب سے فی الفور موت کو جرأت ہوئی کہ فرمانبرداری کرنے کے لیے حاضر ہو اور رام کے پیاروں کے ہاتھ سے رام کے جسم کو چھین کر لے جائے۔

اس موت پر اب صرف افسوس و اشچریہ ہی کافی نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ سبق لینا چاہیے کہ موجودہ حالات میں ہم کو اپنے قدموں کے بل کھڑا ہونا چاہیے تاکہ ہم رام کے جسم پر ہی ہر وقت بھروسہ رکھتے ہوئے بے جا آرام اختیار نہ کریں بلکہ رام بھگوان کی تعلیم کو اپنے رگ و ریشہ میں بٹھاتے ہوئے خود دنیا کو ہلانے والے بنیں۔ لیکن اب ہر ایک پیارے کا جن میں رام کے عشق (محبت) کا ذرا سا ذرہ بھی باقی ہے اعلیٰ سے اعلیٰ فرض یہ ہے کہ وہ اس افسوس کے ساتھ اپنے تہہ دل سے قسم بھی کھائے کہ رام مجسم (ہر دو زبان و عمل سے) ہو کر بھارت ورش کو کرتارتھ (مستفیض) کر دوں گا۔

یعنی رام کی تعلیم کے مطابق عمل کرتے ہوئے رام مجسّم بن کر نکلوں گا اور ہندوستان کے نقصان کو جو رام مہاراج کی موت سے پہونچا ہے میں خود رام بن کر پورا کروں گا۔

نارائن چند مدت کے واسطے ایکانت آگیا ہوا ہے اور امید نہیں ہے کہ رام مہاراج کی تعلیم رگ و ریشہ میں مکمل بٹھانے کے بغیر میدانوں میں اترے نارائن کا کام اصلی رام بن کر رام کی زندگی بنانے کا ہے اس واسطے رام کی زندگی[1] لکھنے میں وقت فی الحال نہیں دیا جاسکتا ہے بہتر یہی ہے کہ آپ خود ہی تیار کریں۔ رام کے پیاروں و بزرگوں سے پوچھ کر خود جو حال مناسب سمجھیں قلم بند کریں۔

(نارائن)

لہ جب شری یوت نارائن سوامی نے دیکھا کہ رام کے کلام کی اشاعت کرنے کے لیے عوام سے کچھ لوگوں نے روپیہ وصول کرنا شروع کر دیا حالانکہ ان کے پاس رام کا پورا کلام نہ تھا۔ اور نہ پورن جی جن کو سوامی جی مہاراج نے رام کے سب انگریزی لیکچروں کی ٹائپ کی ہوئی کاپیاں دے دی تھیں اس کے چھپنے کا انتظام کر سکے تب سوامی جی کو اپنا ایکانت سیون کو تیاگ اس کام کو ہاتھ میں لینا پڑا۔ ساتھی پرکاش

مسدس نمبر(۱)

جو ۱۸ نومبر گذشتہ کو سناتن دھرم سبھا میرٹھ کے اُس جلسہ کے موقعہ پر پڑھی گئی تھی جو کہ سوامی رام کی وفات پر بغرض اظہار ہمدردی کیا گیا تھا

(از شریان سردن لال رشی)

ای رام پیارے رام دلارام جلد آ
سب منتظر ہیں تیرے درس کے آ جھلک دکھا
کس واسطے چھپا ہی ہمیں کچھ تو دے پتا
کیوں کرشن کی طرح ہمیں بس کرکے چھپ گیا
بے سدھ بے حال بےبس بیاکل ہیں کیا کریں
ای کرشن تیری گوپی کہاں ڈھونڈھتی پھریں

جمع ہوے ہیں ہم کہ کریں شوک رام کا
کہتے ہیں سب کہ رام کا دیہانت ہوگیا
پوچھا جو میں نے ویسے کہا اُس نے مجھے۔ کیا؟
تجھ کو نہ کچھ بھی یاد رہا رام کا کہا
کیا موت کو بتایا ہی گیتا میں شیام نے
آواگون کو دیکھو لکھا کیا ہی رام نے

مرنا کہاں کا کیسے قضا کیا علیحدگی
کس سے جدا ہو کون ہی سب برہم ایک ہی
سمجھے گا ان رموز کو پردہ جو ہی ذکی

ورنہ ہر ایک شخص تو سمجھے گا دل لگی
مرتا نہیں ہے کوئی تو مرنے سے خوف کیا
تلوار کے تلے جو جھکا دیجیے گلا
لاکھوں ہزاروں بادشہ نامور سے گئے
لاکھوں ہزاروں جودھا زمیں پر گذر گئے
سچ ہے سوائے چند کے سب باقی مر گئے
البتہ چند دارِ فنا سے امر گئے
گو رام کو ہوئے ہیں گئیں صدیاں گذر
وقعت ہے اُن کی آج بھی زندوں سے بیشتر
جب تک کہ آسماں ہے قائم زمیں پر
ہر ایک گھر میں ہند کے ہے رام جلوہ گر
جاپان امریکہ و انگلینڈ سر بہ سر
رکھا ہے سب نے رام کو سینے میں چیر کر
ہے رام روم روم میں عالم کے رم رہا
پھر ہم کو کس کے مرنے کا کہیئے تو غم رہا
جیون کو اپنے رام نے ہم پر فدا کیا
جینے کا کیا اصول ہے۔ کر کے دکھا دیا
صدہا منش نے رام کو موٹو بنا لیا
اس کے بچن پہ چلنے کا سنکلپ کر لیا
خدمت نہ ہم سے کچھ بھی مگر اُس کی ہو سکی
یہ چشم اشک سے بھی نہ چرنوں کو دھو سکی

ہے رام کا مشن کہ بنیں رام آپ بھی
چیلا کسی کو اس نے نہ اب تک کہا کبھی
کہتا تھا رام "رام بناتا ہے رام ہی"
"چیلا کہاں کا کیا گرو سب ہی ہو آپ ہی"
اے پیارو تم بھی رام کا پورا مشن کرو
جو رام نے کہا ہے اسی کا جتن کرو
تم سب ہو رام۔ دیکھیے تو رام کا کلام
تم سب ہو رام۔ سوچو تو کیا کہہ گیا ہے رام
تم سب ہو رام گرچہ وچارو اُسے مدام
تم سب ہو رام۔ ہے یہ رشی کی صدائے عام
ہاں رام کو وچارنا ہے کام آپ کا
ہے مدعا یہی۔ یہی مطلب یہی دعا

مسدس نمبر (۲)

ادبھت خواب

رام کا درشن

تھا یاد میں میں رام کی اک رات رو رہا
آئی جو نیند روتے ہی روتے میں سو رہا
پربت پہ دیکھا جلوہ نما رام ہو رہا
دریائے گنگ اور ہے چرنوں کو دھو رہا
بیٹھا ہے رام موج سے اپنی ترنگ میں
لٹکا دیے ہیں دونوں چرن اپنے گنگ میں

ایکانت کا سماں وہ نظارہ پہاڑ کا
چٹیل پہاڑ ہے کہیں جنگل ہے جھاڑ کا
اک سمت ہے ہرا سال کا ساکھو کا تاڑ کا
میدان برف کا کہیں نقشہ اجاڑ کا
لاکھوں ہزاروں پھول ہیں خود رو کھلے ہوے
ہم اور رام بیٹھے ہیں دونوں ملے ہوے

سن میری ہچکیاں یہ کہا مجھ سے رام نے

کس غم میں پیارے رام ہو تم آج رو رہے
میں نے کہا کہ رام نہ کچھ مجھ سے پوچھیے
گنگا میں رام جب سے سنا لوپ ہو گئے
دل تب سے بے قرار جگر پاش پاش ہے
آنسو ٹپک پڑے جو سنا پائی لاش ہے
سُن کے یہ مجھ سے بات ہنسے رام کھل کھلا
نعرہ لگایا اوم کا ایسا کہ گونج اُٹھا
پھر بولے رام۔ رام سے تم نے نہ کچھ لیا
اے پیارے رام جاؤ پڑھو رام کی صدا
جب رام کو وچارو گے خود رام ہوؤ گے
گنگا میں اپنے آپ کو تم بھی ڈبوؤ گے
میں نے کہا کہ رام یہ ممکن ہے اب کہاں
بیرنگ جاؤں اور یہ معمہ نہ ہو عیاں
ڈوبے وہاں تھے آپ نکل آئے اب یہاں
گنگا سے کس کی لاش ملی کہیے میاں
سوامی جی کہیں آپ نے یہ کس لیے کیا
دُنیا میں جس نے ایک تہلکا مچا دیا
آنسو بھر آئے دل سے گیا صبر اور قرار
چرنوں میں گر کے رونے لگا بس میں زار زار
بھگون چھما کرو ہمیں ہم ہیں قصور وار
کیوں ہم سے چھپ کے آپ ہیں کرتے بیقرار

اپنے بس آتے اب یہ چمن ہم نہ چھوڑیں گے
کیا ہم یہیں رہیں گے کہ یہ کھیل توڑیں گے

بولے یہ رام تم تو بہادر ہو واہ وا
تم سے بھلا بتاؤ تو میں چھپ کہاں سکا

چھپتا ہوں اُن سے جو کہ نہیں ڈھونڈھتے ذرا
کوشش کریں تو کہنے لگیں سب یہ برملا

جلوہ ہماری آنکھوں میں کون و مکاں کے ہیں یہ
چھپ کے رہیں گے ہم سے وہ ایسے کہاں کے ہیں

موجود ہے تمہارے لیے رام ہر گھڑی
تم کو کسی کے مرنے سے جینے سے کیا پڑی

دھائی مچھونی کھیل کی بازی ہے اب لڑی
ہاریں اگر یہ بازی تو ہو جائے گڑبڑی

اے رام تم کو یاد نہیں رام کا کلام
چیلا نہیں یہ رام بناتا ہے سب کو رام

میں آب و خاک و باد میں میں نور و نار میں
برگ و شجر گیاہ میں میں گل میں خار میں

دریا میں دشت و بَن میں پہاڑوں میں غار میں
ہر ذرہ و ہر زمانہ میں میں ہر دیار میں

کوشش کرے گا جو کوئی وہ ڈھونڈھ لائے گا
کاہل وجود رام کو کیا خاک پائے گا

بس جاؤ جب ہو رام سے ملنا تو ڈھونڈھنا

مل جاؤ گے تم آکے اسی طور بر ملا
خواہش بڑھے گی اُس سے جب آپ کی سوا
سب وسوسے یہ آپ کے ہو جائیں گے جُدا
سو ہم سنائی دیوے گا ہر ایک اشارے میں
میں ہوں سبھوں میں اور یہ ہیں سب ہمارے میں
یہ دیکھتے ہی دیکھتے نظارہ کیا ہوا
گویا کہ مجھ کو رام نے ہے منہ میں دھر لیا
اندر ہے اک اندھیری گھٹا پھر ہے چاندنا
جس جا ہیں رام لاکھوں ہی موجود ایک کیا
حیران تھا میں کہ ایک کو پھر اک نگل گیا
یہ دیکھ چار پائی سے میں بھی اُچھل گیا
سپنے میں جب سے رام کا درشن مجھے ہوا
آنند سا ہے ایک میرے دل میں آ گیا ہے
دن رات ہے وچار اُنہیں کے کلام کا
خواہش ہے یہ کہ رام کا پورا ہو مدعا
دل سے دوئی ہو دور ایکو برہم میں کھوں
مل جائیں مجھ میں رام کہ میں رام میں ملوں
میرا خیال تھا کہ نہیں رام گو گیا ہے
لیکن گو رو ہمارا تو ہم میں سے چل بسا
اب منکشف ہوا کہ ہوا وہ نہیں جُدا
ہے اپنا پیارا رام تو عالم میں رم رہا

بیٹے کا باپ باپ کا بیٹا نہیں رہا
ہر رام تو امر اُسے آواگون سے کیا
اقبال کہہ گئے ہیں جو کچھ رام نیک ذات
اے رام کے پیارو نہ تم بھولنا وہ بات
اُن پر مدام غور کرو دن ہو یا کہ رات
پیدا ہوں تا کہ تم میں بھی سب رام کے صفات
پرگھٹ ہزاروں رام ہوں اُس ایک رام سے
پہچانیں اپنی ہستی کو اُس کے کلام سے

آپ سے

(از سوامی رام)

آپ کوئی بھی ہو ایک بات !
یہ ڈر ہے کہ آپ خواب کی چالیں چل رہے ہو!
ذرا دیکھنا! یہ سب فرضی حقیقت اور جوڑ جکڑ تمہارے ہاتھوں کے اندر سے تمہارے پیروں تلے سے وہ اُڑے! وہ اُڑے !!
اے لو! ابھی جناب کے خال و خط۔ رنگت۔ ہنسی۔ فکر۔ بول چال۔ عادت۔ بھول۔ غلطی۔ پاپ پُن پیشہ لباس جناب سے بھاگ نکلے اور حضور کا حقیقی دیدار ہوا۔
کارخانے۔ دوکانداری۔ پوشاک۔ کام کاج۔ لین دین۔ نفع نقصان۔ رنج و راحتِ جسم و اسم۔ اہل و عیال۔ کھانا پینا۔ رونا دھونا۔ مرنا جینا۔ چارہ جوئی۔ ترشروئی۔ یہ سب تو ادھر پڑے ہیں اور سرکار الگ کھڑے ہیں! ننگ منگ!
آپ کوئی بھی ہو۔ اب تو میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ لو! ڈالتا ہوں ہاتھ اے حبیبم وے طبیبم! رونق دِل من! میرے نثر و نظم! تمہارے کانوں کے ساتھ منہ لگا کر جو میں نے دل کا ارمان نکالا کچھ آپ نے سُنا بھی؟
جانِ من! بیشمار عورتوں اور مردوں پہ یہ دل آیا۔ لیکن

آپ کے تو ایک ہی جلوہ بے نقاب سے گیا! گیا! سورج نے جھانکا
شبنم تھی ہی نہیں +
ہائے اتنی مدت کیوں نہ ملے!
وائے! میرا ہی ٹال مٹول اور گول گولا سدّ راہ بنا رہا +
کاش! میں سیدھا آپ تک پہونچتا +
کاش میں لیتا بلائیں آپ کی
ہر گھڑی گاتا ثنائیں آپ کی
خیر! سب شغل دھندا چھوڑ اب تو میں ہوں اور آپ۔
تمہاری ہی مالا۔ تمہارا ہی جاپ +
"دل کا محرم" آپ کو بھی کوئی نہ ملا تھا +
میں ہوں آپ کا محرم (راز داں) +
آپ کے دل کی کہوں گا +
کسی نے آپ کی قدر دانی نہیں کی +
حق تو یوں ہے کہ آپ نے خود اپنی قدر نہیں کی +
ہائے غضب! جو ملا اُس نے کچھ نہ کچھ کمی (کسر) آپ میں
ضرور دیکھی۔
مجھے تو آپ ہر طرح کامل نظر آتے ہیں +
جو ملا آپ کو ماتحت رکھنا چاہتا تھا +
پھر میں تو ماتحت بنانے کا خیال تک بھی نہیں
لا سکتا +
ایک میں ہوں کہ آپ پر کوئی بیرونی دباؤ۔ حاکم۔ خاوند

مالک۔ بالاتر دیوتا۔ خدا گوارا نہیں کر سکتا۔

سب شاہوں کا شاہ تو تیرا شاہ تو آپ
تو رب مالک خود خُدا رب اپنا تو آپ
چابک سب پر ہی تیرا کیا سلطان امیر
پتا تجھ بن کب ملے؟ آندھی تیری اسیر

مصوّر سمجھتا ہی تمہاری تصویر کھینچی۔ کیسا غلط کر گیا۔ تم تو نُور ہو۔ نور ہی نور ہو۔ آفتاب کے ارد گرد کے بادلوں کو نادان مصوّر نے پرچۂ قرطاس پر دکھلایا اور کہتا ہی" یہ لو آفتاب کی تصویر"۔

آپ کی عزت بڑائی اور شان دکھانے کو تصویر میں سر کے گرد ایک حلقہ روشنی (hiLs) کا بھی ڈال دیا۔ مگر واقعی یہ کیسا مخول ہوگیا۔ بادل کے حاشیہ کو تصویر میں منوّر کر دینے سے کیا سورج بن جائے گا؟

کوئی آنکھ نہیں جو آپ کی تاب لا سکے۔ کوئی کیمرا (Cameua) نہیں جو آپ کے سامنے آسکے۔ کوئی رنگ نہیں جو آپ کو جتلا سکے؟ [۵]

نیارد[۵] چشم بیدل تاب روئے بے حجابت را
کہ باشد صافئ آئینہ شبنم آفتابت را

[۵] تیرے بے حجاب چہرے کو عاشق کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی کیونکہ (بوجہ گریہ وزاری کے) وہ بمنزلہ شبنم ہی جو تیرے سورج ایسے چہرے کے آئینہ پر صافی چھننے یا نقاب کا کام دیتی ہی۔

کاش! زبان میں یہ طاقت ہوتی کہ آپ کے گیت گا سکتی! تم نے جانا نہیں کہ تم کون ہو۔

تم نے اپنے آپ پہ اونگھتے اونگھتے عمر کاٹ دی۔ آنکھیں تو کھولو ذرا دیکھو تو؛

وہ چشم خندہ باز۔ وہ نگاہِ ناز حجاب خواب میں سے قیامت ڈھاتی ہے۔ میرے کرشن! میرے رام! تم خواب کے پردے کی اوٹ میں ہمیں تالے مت دو؛

"میں عاجز بندہ ہوں۔ میں بے بس بے کس ہوں۔ وغیرہ" یہ تمہارا بڑانا کسی اور کو بھڑے میں لائے گا۔ جو جانتا نہ ہو۔ یاروں سے تو منھ چھپاؤ نہیں۔ تم تو میرے پیارے کرشن ہو! رام ہو!

یہ سب تمہاری خواب کے کرتوت کیسے مسخرا بن نکلے۔ تمہاری کفایت شعاریاں۔ جوڑ جمع۔ شیخی بگھارنا۔ نادانی کا نام علم رکھنا۔ عقل کے گورکھ دھندے۔ دعائیں۔ التجائیں۔ بہانہ بازی حیلہ سازی ان کا حاصل کورا مسخراپن ہے۔ کیا کچھ اور بھی تھا؟

مگر یہ مسخراپن آپ نہیں ہیں؛

اس ٹھٹھے بازی کے اندر نیچے گھات لگائے بیٹھے آپ دکھائی دے رہے ہیں۔ آپ کے تعاقب میں وہاں تک پہونچوں گا جہاں کوئی نہ پہونچا ہو؛

خوشی شور و شیون۔ تقریر و تحریر۔ میز کرسی۔ بستر راحت شغلِ روز مرہ۔ رجسٹر پرچے۔ دن رات خواہ آپ کو اوروں سے

ڈھانپ رکھیں اور اپنے آپ سے بھی چھپا دیں مگر مجھ سے نہیں چھپا سکتے ؛

بکھرے ہوئے بال۔ مرجھایا ہوا چہرہ۔ گھبراہٹ بھری آنکھیں۔ بھیانک شکل اوروں کو خواہ آپ سے ہٹا دیں۔ مجھ کو نہیں ہٹا سکتے ؛

بھدّا لباس حرکات نا ملائم (غیر مناسب چال ڈھال، خراب خوری حرص۔ بیماری یہ سب اُتار کر آپ سے الگ پھینک دیتا ہوں ؛

کہیں کوئی لیاقت یا طاقت کا دریا کسی مرد یا کسی عورت سے نہیں بہا جس کا اصل چشمہ آپ نہ تھے ؛

کوئی حُسن۔ کوئی خوبی کہیں ظاہر نہیں ہوئی۔ جس کا حقیقی منبع آپ نہ تھے ؛

کوئی چالاکی۔ کوئی استقلال کہیں بن نہیں پڑے جو فی الواقع آپ سے نہ اُٹھے ہوں ؛

کوئی سکھ کوئی خوشی اوروں کے حصے میں نہیں آتی جو آپ میں بھینٹ (آہوتی) نہ ہو رہی ہو اور جو آپ سے نمودار نہ ہوئی ہو ؛

میری پوچھو۔ تو کوئی چیز ایسی نہیں جو میں کسی اور کو دوں اور پورے طور پر آپ کے نذر نہ کروں ؛

کسی کی شان میں (خدا ہو خواہ پیغمبر) حمد و ثنا نہیں گاؤں گا جو ویسے ہی جوش و عقیدت کے ساتھ آپ کی شان میں نہ گاؤں۔ آپ کوئی بھی ہو۔ آپ اپنا حق لے لو۔ یہ محول بازی

کے کھیل کریں خواہ رہیں۔ آپ اپنا حق لے لو؛

لاپروا بادشاہ!۔ آپ اپنے تختِ ذات پر جلوہ فرمائیے۔ سلطنت حقیقی کو زیب دیجئے؛

بادشاہ اور کوئی نہیں ہے نہ ہوا نہ ہوگا۔ سوائے تیرے؛
یہ مشرق و مغرب کی نمائشیں گرد ہیں تمہارے سامنے؛
یہ لق و دق مرغزار۔ یہ رواں دواں دریاؤں کی بہار؛

یہ سلسلہ ہائے کوہستان۔ یہ دراز و فراز آسمان۔ ان سب کی وسعت میں تم بسر کر لیتے ہو۔ اور اس سے بھی پرے ہو؛

یہ تند و تاریک طوفان۔ عناصر کے بگولے۔ قدرت کے کوڑے۔ شامت کا زور۔ قیامت کا شور۔ تم وہ جوان ہو کہ سب پر چابک سواری کر رہے ہو۔

جو خدا کو دیکھتا ہو تو میں دیکھتا ہوں تم کو
میں تو دیکھتا ہوں تم کو جو خدا کو دیکھتا ہو

یہ حجاب ساز و ساماں	یہ نقاب یاس و حرماں
یہ غلاف ننگ و ناموس	وہ دماغ و دل کا فانوس
وہ من و شما کا پردہ	وہ لباس چہت کردہ
وہ حیا کی سبز کائی	وہ فنا! سیاہ رضائی!

یہ لفافہ جامہ برقع یہ اُتار پستر تم کو
جو برہنہ کر کے جھانکا تو تمہیں صفا خدا ہو

جو خدا کو دیکھنا ہو تو میں دیکھتا ہوں تم کو
میں تو دیکھتا ہوں تم کو جو خدا دیکھنا ہو

ای نسیم شوق! جا کے | وہ اُڑا دے زلف رخ سے
ای صبائے علم! جا کر | دے ہٹا وہ خواب چادر
ارے باد تند مستی! | دے مٹا ابر کی ہستی
ای نظر کے گیان گولے! | یہ فصیل جھٹ گرا دے

کہ ہو جہل بھسم اک دم - چلے وہم - ہو یہ عالم
جو ہو چار سو ترنم - کہ ہیں ہم خدا - خدا ہم
جو خدا کو دیکھنا ہو تو میں دیکھتا ہوں تم کو
میں تو دیکھتا ہوں تم کو جو خدا کو دیکھنا ہو

نہ یہ تیغ میں ہو طاقت | نہ یہ توپ میں لیاقت
نہ ہی برق میں یہ یارا | نہ ہو زہر ہی کا چارا
نہ یہ کار تند طوفاں | نہ ہو زور شیر غرّاں
کوئی جذبہ ہو نہ شہوت | کوئی طعنہ نی شرارت

جو تجھے ہلانے آئے

جو تجھے ہلانے آئیں تو ہو راکھو بھسم جائیں
وہ خدائی دیدے کھولو کہ ہوں دُور سب بلائیں
جو خدا کو دیکھنا ہو تو میں دیکھتا ہوں تم کو
میں یہ دیکھتا ہوں تم کو - کہ تم ہی تو خود خدا ہو

وہ پہاڑی نالے جھم خم | وہ بہاری ابر چھم چھم
وہ چمکتے چاند تارے | ہیں تیرے ہی رُوپ پیارے!

دلِ عندلیب میں خوں ‏ ‏ رُخِ گل کا رنگ گلگوں
وہ شفق کے سُرخ عشوے ‏ ‏ ہیں تیرے ہی لال چھینٹے!
ہے تمہارا دھام تو رام ذرا گھر کو منہ تو موڑو
کہ رحیم رام ہو تم - تم ہی تو خود خدا ہو
جو خدا کو دیکھتا ہو تو میں دیکھتا ہوں تم کو
میں تو دیکھتا ہوں تم کو جو خدا کو دیکھتا ہو

پیر سالی

میں چھپ کر بیٹھتا ہوں - یہ پُرانا کھنڈر مجھے خوب بھاتا ہے کیونکہ اس کی آڑ میں میری صورت کوئی نہیں بوجھ سکے گا۔

یہ (بڑھاپا)، میری کلاہِ نظر بند............ ہے جسے پہن کر میں انسانی محبت کے کئی گلی کوچوں میں بے کھٹکے گھوم سکتا ہوں۔

ہائے بڑھاپا! بڑھاپا؟ نہیں - نہیں - وہیں پرے - پرے! یہاں. یہ جہاں میں کھڑا ہوں چڑھتے جوبن کی سدا بہار ہے۔

بے دیدہ کی دید

وہ آنکھیں! کہاں بصارت! آن پڑی ہے! دنیا کے اور میرے بیچ

میں پردہ حائل ہوگیا۔ جو دن بدن زیادہ تر دلدار ہوتا جا رہا ہے۔

ہائے تنہائی! نہیں۔ تنہائی کیوں! وہ ٹھنڈک۔ چین جو مجھ پر وارد ہوا کون بیان کرسکتا ہے؟ وہ صدمہ جس سے میں ہلاک ہوگیا ہوتا اُس سے تو میری زنجیر ٹوٹ گئی۔ کبڑے کو لات کاری آئی۔

میں جو اسیر تھا۔ آزاد ہوگیا۔ دنیا رہی نہیں۔ اب تو سب سُرور و امن ہے۔

سادھو لوگ الگ بیٹھ کر خدا کو پہونچنے کے لیے بڑی محنت سے آنکھ کان بند کرتے ہیں۔

لب بہ بند و گوش بند و چشم بند
گر نہ یابی سرِ حق بر من بخند

یاروں کو گھر بیٹھے لڈو ملے۔

جاڑے کے دنوں گرم گرم دھوپ میرے ہاتھوں پر بوسے دیتی کیا بھلی لگتی ہے۔ چلتے ہوئے میری پیشانی کو ہوا چومتی ہے۔ اور کیا ہی پیاری لگتی ہے۔ وہ قدرت (نیچر) جس سے میری آنکھیں بچی ہوئی تھیں اب تو میرا دل بہلاتی ہے۔ ہر چیز من بھانی سُہانی بن گئی۔ اب تو ہر کوئی کیسے میرے پاس آنے لگا۔ اب مجھے کسی کے کھوج میں جانے کی ضرورت نہ رہی۔

میں مزے سے ایک جگہ بیٹھتا ہوں۔ اور آئیں میرے پاس

جس کا جی چاہے۔ واہ وا!

طوفانِ[1] نورم سر بسر | مصروف بازی چون پسر
جملہ[2] زماں میدانِ من | تابِ شعاع چوگانِ من
گو[3] مے من است ایں مہر و مہ | ویں کوکبِ گردانِ من

فقیر

منظور ہو گر سیر دلا بحر جہاں کی
جُز کشتیٔ درویش سفینہ نہیں اچھا

یہ فقیر دھوپ میں پڑا ہے کہ خود دھوپ بن رہا ہے!۔ چٹان پر لیٹا ہے کہ چٹان کا ایک ٹکڑا ہو رہا ہے؛ نہیں خود زمین ہے۔ چٹان کو چھونے سے ساری زمین چھوئی جاتی ہے؛

فرق تو صرف فرضی اور ذہنی ہے؛ اس ذہنی فرق کو مٹا کر فقیر زمین سے ملا ہوا ہے۔ زمین کا "خود" یعنی آتما فقیر کا "خود" (آتما) ہو رہا ہے۔ اور وہی تو "خودا" یا "خدا" ہے؛

---

[1] میں بالکل روشنی کا طوفان ہوں۔ اور بچے کی طرح کھیل میں مصروف ہوں۔
[2] سارا وقت میرے کھیل کا میدان ہے۔ اور کرنوں کی چمک میرا چوگان
-ZB at
[3] یہ سورج اور چاند میری گیند ہیں اور یہ تارے

کیا تمہارے آنگن کی ہوا اور ہی اور دنیا بھر کی ہوا اور؟
اگر آنگن کی ہوا علٰحدہ ہوتی تو اُس میں زندہ بھی کوئی نہ رہ
سکتا۔ اسی طرح تمہارے نتھنوں اور پھیپھڑوں میں پھرنے
والی بھی ساری دُنیا کی ہوا ہی تو ہے۔ میرا ہی دم (نفس)
کُل عالم کا دَم (نفس) ہے۔ میری ہی آنکھوں کی روشنی کُل جہاں
کی روشنی بھی ہے۔

اور تمہاری ہی روح کُل جہان کی روح تو ہو۔
فرق جزو وکُل (دوشیٹی سمشٹی بھید)، تو صرف سہولتِ گفتگو
کے لیے قیاس کیا گیا تھا۔

رامؔ تو سب کا ہے اور سب رامؔ کے ہیں۔
کرشن کی ماں کے گھر میں تو مکھن بہت تھا مگر مارو چاہے
کوسو وہ تو سب گھروں سے اپنا حصہ لے گا۔ ایک یشودھا کے
گھر میں بند ہوکر وہ باقی جاگیر بھلا کس نام پر چھوڑ دے؟۔
"اوم آنند" کا نعرہ مارتا ہوا یہ جوگی بھکشا کو نکلتا ہے۔ ہیں!
بادشاہ رعیت پروری کو بھیس بدل کر آیا ہے! جو دیکھتا ہے۔
دوسرے دروازے تک جانے نہیں دیتا۔
کیسا ٹھیکہ داری کا زمانہ آگیا۔ زمین کا۔ لکڑی کا۔ پانی کا۔
تو ہُوا جوگی کا بھی ٹھیکہ لیا چاہتے ہو؟
وہ مانگ کر لے آیا۔ اب دریا کنارے کھانے لگا۔
آجاؤ۔ مچھلی۔ بندر اور مور! ہم سب مل کر کھائیں گے۔
وہ کیسا بھوکا تھا۔

وہ دیکھو کال کو کھا گیا (لازمان) دیش کو ہڑپ کر گیا (لامکاں)
ملت و مذہب کو نگل گیا (بے نشاں)۔
پس گھر نہیں۔ گھاٹ نہیں۔ ننگ دھڑنگ۔ ایک اکیلا۔
غریبوں کا غریب ہو گیا ؛
غریب؟ عجیب و غریب ؛ اکیلا؟ سب سے بھلا ؛ ننگا؟ خدا
سے چنگا ؛
سورج بھی اکیلا چڑھتا ہے۔ باز بھی اکیلا اڑتا ہے۔ شیر بھی اکیلا
پھرتا ہے ؛

وحدہ لا شریک رام تو اکیلا ہی ہے۔ ایک ہی ہے۔ بس ؛

سر پر آکاش کا منڈل ہے | دھرتی یہ سہانی مخمل ہے
دن کو سورج کی محفل ہے | شب کو تاروں کی سبھا پایا
جب جھوم کے یہاں گھن آتے ہیں | مستی کا رنگ جماتے ہیں
چشمے طنبور بجاتے ہیں ؛ | گاتی ہے ملار ہوا پایا
یاں پنچھی مل کر گاتے ہیں | پیتم کے سندیش سناتے ہیں
یاں روپ انوپ دکھاتے ہیں | پھل پھول اور برگ گیا پایا
دھن دولت آنی جانی ہے | یہ دنیا رام کہانی ہے
یہ عالم عالم فانی ہے | باقی ہے ذات خدا پایا

گر[۱] بہ فرقِ ما نہد صد کوہِ محنت روزگار
چین پیشانی نہ بیند گوشۂ ابروئے ما

[۱] اگر زمانہ ہمارے سر پر محنت کے سو پہاڑ رکھتا ہے پھر بھی ہماری پیشانی پر شکن اور ہماری بھوؤں کا ترچھا پن نہ دیکھے گا۔ یعنی ہم پر چاہے جتنی مصیبت پڑے ہم کو پریشانی نہیں ہوگی۔

اگرچہ قطب جگہ سے ٹلے تو ٹل جائے
اگرچہ بحر بھی جگنو کی دم سے جل جائے
ہمالہ باد کی ٹھوکر سے گو وہ پھسل جائے
اور آفتاب بھی قبل عروج ڈھل جائے
مگر نہ صاحبِ ہمت کا حوصلہ ٹوٹے
کبھی نہ بھولے سے اپنی جبیں پہ بل آئے

185857
4.10.2001